معارفِ رضا

سالنامہ 2007ء

مدیر اعلیٰ

سید وجاہت رسول قادری

مدیر

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)

اسلامی جمہوریہ پاکستان

www.imamahmadraza.net

سالنامہ معارفِ رضا

مسلسل اشاعت کا ستائیسواں سال

جلد: ۲۷ شمارہ: ۲، ۳، ۴

فروری، مارچ، اپریل ۲۰۰۷ء

محرم الحرام، صفر المظفر، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

ہدیہ شمارۂ خاص: 180 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: -/200 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے

بیرونِ ممالک: -/15 امریکی ڈالر سالانہ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔
زرِ تعاون ارسال فرماکر مشکور فرمائیں۔

نوٹ

رقم دستی یا منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارفِ رضا" ارسال کریں۔ چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/ مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان

فون: 2725150-21-92+ فیکس: 2732369-21-92+

ای میل: mail@imamahmadraza.net ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

مشمولات

نمبر شمار	مضمون	مصنف	صفحات
01	حمد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی	4
02	نعت	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی	6
03	منقبت	ڈاکٹر صابر سنبھلی	7
04	مادہ ہائے تاریخ	محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری	8
05	اپنی بات	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری	10
06	کنزالایمان کا چترالی زبان میں ترجمہ	علامہ مولانا پیر محمد چشتی	19
07	اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	20
08	اعلیٰحضرت کا ترجمۂ آیۂ مغفرت ذنب اور راجح مرجوح کی بحث	علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی	46
09	تفسیر القرآن باٰثار الصحابۃ والتابعین العظام	مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی	51
10	محدث بریلوی اور خدماتِ علوم حدیث	ڈاکٹر مفتی منظور احمد سعیدی	57
11	سلسلۃ الذھب محدث بریلوی کی سندِ حدیث	خلیل احمد رانا	81
12	فتاویٰ رضویہ کی عبارت پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ	مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری	88
13	مفتی اعظم اور الملفوظ	مولانا یٰسین اختر مصباحی	93
14	مکتوباتِ رضا کے حوالے سے دو اہم خط	ڈاکٹر مختار الدین احمد	115
15	اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری	مولانا محبوب رضا روشن القادری پوکھریروی	118
16	قصیدۂ رضا کا علمی مطالعہ	مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی	122
16	اعلیٰ حضرت کے عربی قصیدے ''قصیدتان رائعتان'' پر ایک طائرانہ نظر	صاحبزادہ ابوالحسن واحد رضوی ایم اے	131
17	مولانا احمد رضا خاں کے اسلوب کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی	133
18	گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں!	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	146

نمبر	عنوان	مصنف	صفحہ
19	مصر میں رضویات	الدکتور حازم محمد احمد عبد الرحیم المحفوظ	154
20	فروغ رضویات اور طبقۂ خواتین	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	156
21	امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات	ڈاکٹر طیب علی رضا انصاری	161
22	امام احمد رضا خان کے طریقۂ تدریس کی امتیازی خصوصیات	عظیم اللہ جندران	169
23	اشاریہ مقالات برائے تعلیمی افکار و نظریاتِ رضا	مرتب: ندیم احمد قادری نورانی	181
24	امام احمد رضا اور صحافت	ڈاکٹر محمد انور خاں	183
25	تحفۂ حنفیہ: تعارف و جائزہ، بہار میں مذہبی صحافت کا آغاز	ڈاکٹر امجد رضا امجد	185
26	جہان رضا کے اداریوں کے گلہائے صد رنگ	پروفیسر محمد اکرم رضا	189
27	علامہ جلال الدین قادری رضوی فکرِ رضا کا ایک عظیم مبلغ	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری	197
28	فکر رضا کے پیکرِ اتم مجاہد ملت ..... علامہ حبیب الرحمٰن عباسی علیہ الرحمۃ	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری	204
29	صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے تعلیمی نظریات	حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی	210
30	امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ اور علماءِ گوجرخان	حسن نواز شاہ	216
31	مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق کے تحفظ میں امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار	محمد فیصل مقبول عجز قادری	255
32	دو قومی نظریہ علامہ اقبال اور امام احمد رضا بریلوی	ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری، واشنگٹن	268
33	انسداد گداگری کا تصور افکار رضا کی روشنی میں	پروفیسر دلاور خان	275
34	اعتذار ''مولانا احمد رضا بریلوی اور ردّ بدعات''	مدیر	281
35	امام احمد رضا اور انٹرنیشنل جامعات	مرتب: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری	282

تجھے حمد ہے خدایا

﴿اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ﴾

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا تجھے حمد ہے خدایا

تمہیں حاکمِ برایا تمہیں قاسمِ عطایا
تمہیں دافعِ بلایا تمہیں شافعِ خطایا
کوئی تم سا کون آیا تجھے حمد ہے خدایا

وہ کنواری پاک مریم وہ نُفِخْتُ فِیْہِ کا دم
ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا
وہی سب سے افضل آیا تجھے حمد ہے خدایا

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا تجھے حمد ہے خدایا

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تم کو منصب
جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقتِ بخشش آیا
کرو قسمتِ عطایا تجھے حمد ہے خدایا

وَاِلٰی الٰہٖ فَارْغَبْ کرو عرض سب کے مطلب
کہ تمہیں کو تکتے ہیں سب کرو ان پر اپنا سایا
بنو شافعِ خطایا تجھے حمد ہے خدایا

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا تجھے حمد ہے خدایا

ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا تجھے حمد ہے خدایا

کبھی خندہ زیرِ لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا
نہ اسی نے کچھ بتایا تجھے حمد ہے خدایا

کبھی خاک پر پڑا ہے سرِ چرخ زیرِ پا ہے
کبھی پیش در کھڑا ہے سرِ بندگی جھکایا
تو قدم میں عرش پایا تجھے حمد ہے خدایا

کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کہ بارش
کبھی وہ ہجوم نالش کوئی جانے ابر چھایا
بڑی جوششوں سے آیا تجھے حمد ہے خدایا

کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل
کبھی وہ لہک کہ بالکل چمنِ جناں کھلایا
گلِ قدس لہلہایا تجھے حمد ہے خدایا

کبھی زندگی کے ارماں کبھی مرگِ نو کا خواہاں
وہ جیا کہ مرگ قرباں وہ موا کہ زیست لایا
کہے روح ہاں جلایا تجھے حمد ہے خدایا

کبھی گم کبھی عیاں ہے کبھی سرد گہ تپاں ہے
کبھی زیرِ لب فغاں ہے کبھی چپ کہ دم نہ تھا یا
رُخ کام جاں دکھایا تجھے حمد ہے خدایا

یہ تصوراتِ باطل ترے آگے کیا ہیں مشکل
تری قدرتیں ہیں کامل انھیں راست کر خدایا
میں انھیں شفیع لایا تجھے حمد ہے خدایا

نعت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

آج عید عاشقاں ہے گر خدا چاہے کہ وہ
ابروئے پیوستہ کا عالم دکھاتے جائیں گے

کچھ خبر بھی ہے فقیر و آج وہ دن ہے کہ وہ
نعتِ خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائیں گے

خاک افتادو بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے
خود وہ گر کر سجدہ میں تم کو اٹھاتے جائیں گے

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو
جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے

پائے کوباں پل سے گزریں گے تری آواز پر
رَبِّ سَلِّم کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے

سرورِ دیں لیجئے اپنے ناتوانوں کی خبر
نفس و شیطاں سیّدا کب تک دباتے جائیں گے

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے

منقبت

(چہار در یک۔Four in one)

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی (مراد آباد، انڈیا)

نوٹ: اس منقبت کو چار طرح سے پڑھا جائے۔

(۱) پورے مصرع پڑھے جائیں۔ (۲) مصرع کا پہلا حصّہ بریکٹ میں درج الفاظ کے ساتھ پڑھا جائے۔ (۳) بریکٹ میں درج الفاظ کے ساتھ مصرع کا آخری حصّہ پڑھا جائے۔ (۴) ہر مصرع سے صرف بریکٹ میں درج الفاظ پڑھے جائیں۔

احمد رضا (اے حامیِ دینِ خدا) احمد رضا
مقبولِ حق (اے عاشقِ خیر الورٰی) احمد رضا

چشمِ کرم (اے نائبِ شاہِ ہدیٰ) احمد رضا
بہرِ جہاں (اے ربِّ اکبر کی عطا) احمد رضا

اُجلا کیا (روشن کیا رُخ دین کا) احمد رضا
بیشک ہو تم (کُل اہلِ حق کے مقتدا) احمد رضا

بر ہر زباں (چرچا ہے ہر سو جابجا) احمد رضا
آخر تمہیں (دنیا نے مانا پیشوا) احمد رضا

صبح و مسا (چاہوں رضائے مصطفےٰ) احمد رضا
رشار ہوں (رشار ہوں احمد رضا) احمد رضا

مسرور ہوں (سرکار طیبہ خوش رہیں) تم سے سدا
اے رہ نما (راضی رہے ربُّ العلا) احمد رضا

للّٰہِ ھو (للّٰہِ ھو للّٰہِ ھو) للّٰہِ ھو
میری طرف (چشمِ کرم بہرِ خدا) احمد رضا

مجبور ہوں (رنجور ہوں، مغموم ہو) مظلوم ہوں
اب کیجئے (میری طرف بھی اعتنا) احمد رضا

بے علم یہ (ادنیٰ گدا صابرؔ بھی ہے) آقائے من
بہرِ خدا (کچھ علم ہو اس کو عطا) احمد رضا

(تعزیت نامہ: جناب ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کے والد ماجد محترم جعفر حسین صاحب ۹ر دسمبر ۲۰۰۶ء کو ۸۵ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ آپ نہایت نیک انسان تھے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے تمام اراکین مجلس عاملہ ڈاکٹر صاحب سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جناب جعفر حسین مرحوم کی مغفرت فرمائے اور صالحین میں ان کا شمار فرمائے! آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔)

مادہ ھائے تاریخ (سال وصال)

مُجدد دین وملّت، امام اہل سُنّت عظیم الدرجت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان القادری البریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

از: محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری (حسن ابدال، اٹک)

۱۳۴۵ھ	۱۹۲۱ء
''مرکزِ تجلیاتِ مُصطفیٰ''	''ماہتابِ عظمتِ نبی''
''تجلّیاتِ عِشقِ طیبہ''	''پیکرِ خوبیِ فیضانِ نبی''
''والۂ المختارِ طیبہ''	''قُوتِ عرفانِ حضور''
''تصویرِ اکمال محبتِ مُحمد''	''کمالِ نعمت وبخشش نبی''
''نعیمِ فیضانِ مُصطفیٰ''	''زیبِ باغِ سیرتِ مُصطفیٰ''
''مکتبِ معرفت حبیب اللہ''	''فَیضِ شہِ کوثر''
''شہنشاہِ کشوَرِ علم و ادب''	''رُوح پرور منظرِ مدینہ''
''تاجِ قُرآن و سُنّت''	''چراغِ منہاجِ حقیقت''
''شمعِ رُشد و ہدایت''	''ذخیرۂ عرفانِ نعت''
''بدرِ خُوبیِ تقویٰ''	''فخر الافاضلِ زماں''
''ذُوالفقارِ حیدر''	''چراغِ منزلِ سرکارِ مدینہ''

''ولدادۂ خوانِ فِکرِ رضا'' (۲۰۰۶ء)

محمد عبدالقیوم طارق سُلطانپوری

۲۵/دسمبر ۲۰۰۶ء

مادہ ھائے تاریخ (سال وصال)

امام اہلِ سنّت، اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں القادری البریلوی قدس سرہ القوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سال وصال: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

قرآنی مادۂ تاریخ سالِ وصال "اُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ" (۱۳۴۰ھ)

گلستانِ نعت کا نغمہ سرا　عاشقِ خیرُ الوریٰ، احمد رضا
حِفظِ ناموسِ مُحمد مصطفیٰ　تھا یہ اُس کی زندگی کا مُدعا
تھا علَم بردار اِس تحریک کا　جانِ ایماں ہے ولائے مُصطفیٰ
عارفِ توحید، وحدت آشنا　خُود کو کہتا تھا وہ عَبدِ مُصطفیٰ
اُس کے اوصافِ دماغ وقلب کا　مُعترف غیروں کو بھی ہونا پڑا
وَلولہ انگیز مدّاحِ حبیب　رُوح پرور اُس کے نغماتِ ثنا
بے نیازِ طعنہ و تحسینِ خلق　کلمۂ حق برملا اُس نے کہا
نکتہ دان و زیرک وعالی دماغ　قُلزمِ دانش، سمندر عِلم کا
کنزِایماں، مخزنِ عرفان ہے　ترجمہ قراں کا جو اُس نے کیا
راست اُس کے قامت زیبا پہ ہے　ہر سعادت ہر فضیلت کی قبا
منکرانِ دینِ حق کے واسطے　ایک مُحکم حُجت اسلام تھا
آج بھی اُس مردِ حق کا ذِکرِ خوب　کوبہ کوُ، محفل بہ محفل، جابہ جا

اُس کی تاریخ وصال باکمال
''طالبِ حق، مَصدرِ فقر وغنا''
۱۹۲۱ء

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

☆☆☆ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری ☆☆☆

درِیں دیر از نوائے صبحگاہی
جہانِ عشق و مستی آفریدم

قارئینِ کرام:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اولیاء کرام، ائمہ ومشائخِ عظام اور علمائے راسخ العلم کے تذکار کو عام کرنا علمی خدمت ہی نہیں بلکہ یہ سنتِ الٰہی پر عمل پیرا ہونا ہے، اس اعتبار سے یہ عمل ہمارے لئے عبادت اور سامانِ بخشش بھی ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم رسول محتشم ﷺ کے قلب اطہر پر اپنا مقدس کلام قرآن حکیم نازل فرمایا۔ اس میں علوم العقائد ہیں جو نبی نوع انسان کے عقائد کی اصلاح کرتے ہیں، اس میں علوم الاحکام ہیں جو انہیں عقائد صالحہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں کہ اس کے تحت وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کر کے اپنی تخلیق کے مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ اصلاح فکر وعمل کی طرف راغب کرنے کے لئے اس میں ''قصص الانبیاء'' کے عنوان سے گذشتہ بعض انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کے احوال بھی بیان کئے گئے ہیں اور ان واقعات کے بیان کو اللہ عزّ وجلّ نے اپنے حکیم اور علیم ہونے کی دلیل قرار دیا ہے، (ملاحظہ ہو: الانعام ۶، آیت ۸۳ تا ۸۷) ونیز سورۃ المومن ۴۰، آیت نمبر ۷۸)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو سابقہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امت کے صالحین کے قصائص بیان فرمانے کا حکم اس لئے بھی دیا کہ ان کا ذکر اور خود امام الانبیاء، خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر کا چرچہ حضور سید عالم ﷺ کی سنت قرار پاکر لائق عمل اور واجب اتباع ہو جائے۔ چنانچہ سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''جس نے کسی مومن کا تذکرہ لکھا، گویا اس نے اسے زندہ کیا اور جس نے کسی کا تذکرہ پڑھا گویا اس کی زیارت کی، اور جس نے تذکروں کو زندہ کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی'' (الاعلان بالتوبیخ، ص: ۷۰)

حضرت امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمۃ اللہ اپنی تصنیف ''تاریخ التاریخ'' صفحہ ۶۰ پر، اسی طرح ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

''جو اللہ کی رضا کی خاطر محبت کے ساتھ کسی ولی اللہ کا ذکر تاریخ میں کرے گا وہ قیامت کے دن اس ولی اللہ کا ہم درجہ ہوگا اور جو کسی ولی اللہ کے نام (اور کارناموں) کا محبت کے ساتھ تاریخ میں مطالعہ کرے گا تو گویا اس نے (اللہ کے اس ولی) کی زیارت کی''

''قصص الانبیاء'' اور اس کی اتباع میں سید الانبیاء، سرور ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وفضائل، میلا دمبارک، اور صالحین امت کے احوال بیان وقلمبند کرنے میں مزید حکمتیں بھی ہیں۔

۱۔ تبلیغ دین اور احکام الٰہی وسنتِ رسول امین ﷺ پر عمل کرنے والوں کے لئے مصائب والم اور تکالیف پر صبر آسان ہو جائے۔

۲۔ ان واقعات واحوال میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں اور علم وآگہی کی روشن دلیلیں ظاہر ہو جائیں جو آنے والی نسلوں کے لئے باعث عبرت بھی ہیں اور باعثِ نصیحت بھی اور ایمان افروز بھی۔

۳۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً آقاؤ مولیٰ سید عالم ﷺ کے لئے بعطائے الٰہی ثابت وسعتِ علم ، قدرت وتصرف اختیارات وحکومت ، معجزات وکمالات اور عزت وحکمت وعظمت وعصمت کی وہ شانیں ظاہر ہوجائیں جن میں کفار ومشرکین اور منافقین وشاتمینِ بارگہہِ رسالت کے باطل نظریات کا کھلا رد ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بے مثل بشر ہیں ان کی طاقت وقدرت اور شان وعلوت عام انسانوں سے کہیں بلند وارفع ہیں۔

۴۔ خاتم النبیین ﷺ کی امت کے علماء واولیاء بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے مانند ہیں۔ ان کے کمالات وکرامات ، علمی فتوحات وتصرفات آپ ﷺ کے معجزات کا مظہر اور اسوۂ حسنہ کا آئینہ ہیں۔ ان ذواتِ قدسیہ پر تعلیم وتعلم اور تربیت کے اعتبار سے آپ ﷺ کی خصوصی نظرِ کرم ہے۔ یہ ہر دور میں علم وحکمت کے چراغ اور تفقہ فی الدین کے فانوس بن کر چمکے ہیں۔ عوام وخواص سب نے ان ہی سے کسب فیض کیا ہے۔ یہ علم نافع ، حقیقی ونورانی کا منبع کل بھی تھے، آج بھی ہیں اور کل بھی رہیں گے۔ اہل اللہ اور اہل علم وبصیرت حل المشکلات کے لئے خواہ دینی معاملہ ہو یا دنیوی، ان ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں مجدد دین وملّت ، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی عبقری شخصیت ان ہی ذواتِ قدسیہ کی یادگار اور باقیات الصلحات میں سے تھی۔

علامہ ابن عبد البر اندلسی علیہ الرحمۃ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''جامع البیان العلم وفضلہ'' (اردو ترجمہ: العلم والعلماء ، مترجم عبدالرزاق ملیح آبادی، ص۱۰) میں ایک مشہور مقولہ نقل کیا ہے کہ:

''عالم بننا ہے تو کوئی ایک فن منتخب کرلو، ادیب بننا ہے تو ہر فن میں سے موتی چن لو'' لیکن محدث بریلوی نے فارغ التحصیل ہوکر جب درس وتدریس اور تحقیق وتصنیف کی مسند پر صدر نشین ہوئے اور قلم وقرطاس کی امانت اپنے ہاتھوں میں سنبھالی تو ان کی جامع العلوم شخصیت نے علامہ ابن عبد البر کے اس قول کو غلط ثابت کر دکھایا پھر جب وہ اپنے علمی جلالت، قادری طریقت اور تفقہ فی الدین میں امام اعظم کی نیابت میں کمالِ فقاہت کے جلوؤں کے ساتھ افق جنوبی ایشاء پر نمودار ہوئے اور ان کی تحقیق علمی سے علماء حرمین شریفین (زاداللہ شرفہما) مستفید ہوئے تو احمد رضا کو رضائے احمد سے ''دولتِ مکیہ'' کی امارت عطا ہوئی۔ اس یادگار موقع پر مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ سمیت دنیائے عرب کے جید علماء پکار اٹھے کہ یہ ''امام الائمہ اور اس وقت کی امت کے مجدد ہیں''۔ ''یہ اس لائق ہیں کہ ان کے حق میں یہ کہا جائے کہ ان جیسا (جامع العلوم) ان کے زمانے میں کوئی نہیں'' اور یہ کہ:

''اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ ایک ہی شخصیت میں تمام علوم کو جمع فرمادے'' (بحوالہ، الدولۃ المکیہ)

امام احمد رضا جامع العلوم تھے۔ فقیہ بھی تھے، محدث بھی، ادیب بھی تھے شاعر بھی، سائنسداں بھی تھے مدبر اور سیاست داں بھی، علوم نقلیہ کے شناور بھی اور علوم عقلیہ کے غواص بھی، غرض کہ وہ کیا نہیں تھے،؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھے۔ ان کا علم، علم لدنی تھا، ان کی زبان، زبانِ حق ترجمان، ان کی تحریر فراستِ مومن کی آئینہ دار ان کی شخصیت اپنے تمام ہم عصروں بلکہ مابعد والوں پر بھی بھاری، ان کی نسبتِ طریق قادری جس میں شریعت کی ہر طرح پاسداری اور ہر مشرب کے پیر طریقت کے لئے مثالی اور اہل طریقت کے لئے اس میں کامل رہنمائی واستواری ہے۔

ہم (اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا) اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اسی کی عطا کردہ توفیق سے اور اسی کے حبیب لبیب محمد ﷺ کے ارشاد پر عمل پیرا ہوکر گذشتہ ۲۷ برسوں (۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء) سے ''کارِ رضا'' میں مشغول اور افکار وتعلیماتِ رضا کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں کسی صلہ کی طمع سے مستغنی اور اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز اپنے مقصود یعنی ''آوازۂ رضا'' مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کو دلِ مسلم کی دھڑکن بنانے اور رضا کے آثار علمی کی نفع بخش دولت کو ہر صاحب انصاف اہل علم وبصیرت میں تقسیم کرنے کے حصول میں

اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔

ہم نے گذشتہ ۲۷ برسوں میں دعوت فکر و عمل دی ہے، مثبت انداز میں عاشقِ رسول ﷺ کے پیغام عشق اور فکرِ صالح کو میڈیا کے تمام موجود وسائل کے ذریعہ عالم اسلام میں نشر کرنے کی بھرپور سعی کی ہے۔ ہم نے بنگلہ دیش (کشٹیا) کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی سے لیکر عالم اسلام کے سب سے قدیم گہوارۂ علم الجامعۃ الازہر الشریف قاہرہ، مصر، کے ایوانوں میں ''مجلس رضا'' سجائی ہے، دنیا کی معروف اکادیمات میں ''رضا اکادمی'' کا شعبہ قائم کیا ہے۔ ''تحریک فکر رضا'' کے ذریعہ ''افکار رضا'' کی نشر و اشاعت کی ہے۔ جب ہم چلے تھے ہم تین تھے، ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے''!

اور اب ۲۷ سال۔ ربع صدی۔ بعد جب نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو سرسجدۂ شکر کے لئے جھک جاتا ہے کہ ایک زمانہ یعنی: ''اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے'' کا دلربا و دلکش منظر آنکھوں کے سامنے نظر آرہا ہے۔ بنگلہ دیش کے سبزہ زاروں میں، ہندوستان کے ریگزاروں، پہاڑوں، میدانوں، گنگ و جمن کے دوآبوں میں، پاکستان کے کوہساروں، صحراؤں، کھیت کھلیانوں، بحیرۂ عرب کے ساحلی میدانوں اور باب الاسلام سندھ کے قرب و جوار میں، بغداد شریف کی علوم اسلامیہ کی درسگاہوں میں، ملک شام کی معہد الفتح الاسلامی میں، قاہرہ، جامعہ الازہر اور اس کے ارد گرد ایوانہائے علوم دنیوی و اسلامی میں، تعلیمات رضا کے گلدستے سجے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ البتہ کاوشوں کی مدت اور ابلاغ کی ہمت کی آبیاری کے اعتبار سے تفاوت نظر آتا ہے۔

کہیں تو کونپلیں نکل رہی ہیں، کہیں کلیوں نے کنٹھ نکالا ہے، کہیں گلاب کی صورت پھول کھل اٹھے ہیں، کہیں گلدستہ کی مانند گل، بوٹے، پتے سجے ہوئے مہک رہے ہیں، کہیں چمن رضا پر ہریالی چھائی ہے۔ کہیں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مداح رسول ﷺ کی نعت کے اس شعر کی برکت سے:

کیا بات رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی
زھرہ ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

افکارِ رضا کے چمن در چمن کھل اٹھے ہیں اور ''طوطیِ نغمہ سرا'' یوں نغمہ سرائی کر کے اہل علم و نظر کو چمنستانِ رضا کی سیر کی دعوت دے رہا ہے:

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

قارئینِ کرام!

ہم نے گذشتہ ربع صدی میں افکار رضا کی نشر و اشاعت کے لئے جو کاوشیں کی ہیں ہمارے کرم فرماؤں نے وقتاً فوقتاً اسے سراہا ہے اور اہل نظر برابر ہماری کارکردگی کی تحسین کررہے ہیں۔ ہم ان تمام حضرات گرامی کے دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ہمت افزائی اور داد و تحسین ہمیں اعتراف ہے کہ ابھی اس ضمن میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اسلیئے کہ جس ذاتِ مقدس ﷺ کے علم کی میراث اور اس کی برکات کو امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرۂ السامی نے اپنے دامن قلب میں سمیٹ کر صفحۂ قرطاس پر بکھیرا ہے۔ اس کے علم کی دنیوی پیمانے کے اعتبار سے نہ کوئی حد متعین ہوسکتی ہے نہ کوئی انتہا متصور ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً○

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (النساء۴:۱۱۳)

اسلیئے اُس اعظم دربار اقدس کے احسان یافتہ، اور اُس کے فضل عمیم کے انعام یافتہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی کے علم کا چرچہ بھی صبح قیامت تک ہوتا رہے گا، ان کی نثر و نظم کی شروح اور حدیثِ دردِ دل کی تفسیریں خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر لکھی جاتی رہیں گی، حواشی اور تخریجات سے ان کی تصانیف مزیّن ہوتی رہیں گی، ان

کی نکتہ سنجی و نکتہ آفرینی پر تحقیقی مقالات لکھے جاتے رہیں گے۔ جیسے جیسے وقت گذرتا جائے گا ان کی حیات اور کارناموں کے نئے نئے گوشے سامنے آتے رہیں گے۔ لوگ لکھ لکھ کر تھک جائیں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں کی تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکے گا، لازماً آپ ﷺ کے ذکر کے ساتھ آپ کے محبوبوں کو ذکر بھی بلند ہوتا رہے گا۔

البتہ اس دوران ہماری ناچیز کاوشوں کی بدولت یہ ضرور ہوا کہ احمد رضا بریلوی پر تحقیقات کا کام ''رضویات'' سے معنون ہو کر علم کی ایک فرع کی حیثیت سے اہم عالمی علمی مراکز اور جامعات میں تسلیم کیا جا چکا ہے۔ فللحمد اللہ علی ذالک۔ ان کی حیات، فکر اور علمی، ملی و دینی کارناموں کے بہت سے گوشوں کے رخ متعین ہو چکے ہیں جو آج سے ربع صدی قبل نظر نہیں آتے تھے یا مدھم و مبہم سے تھے یا بالکل معدوم تھے۔ مثلاً۔ پندرہ جلدوں میں آپ کی سوانح حیات کا دائرۂ معارفِ رضا کے نام سے ایک جامع خاکہ، آپ کے تعلیمی افکار و نظریات، علم حدیث، تفسیر و فقہ میں آپ کی تحقیقات، عربی زبان و ادب (نثر و نظم) پر آپ کی نگارشات، معاشرتی برائیوں کے انسداد اور اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں آپ کی کاوشیں، آپ کا سیاسی فلسفہ اور حقوق انسانی کے تحفظ کے سلسلہ میں آپ کے واضح نظریات و افکار، معاشی اور اقتصادی مسائل اور ان کا حل، میدان صحافت میں امام احمد رضا اور ان کے تلامیذ، خلفاء متوسلین کا کردار اور اسی ضمن میں ان کے تربیت یافتہ شاگرد اور خلفاء کے علمی ملی اور دینی کارنامے، وغیرہ۔

مستقبل کے ''رضویات'' کے محققین کے لئے بہت نئے گوشے دعوت تحقیق دے رہے ہیں لیکن جو ان میں اہم ترین ہیں وہ ہمارے خیال میں تین ہیں۔

۱۔ امام احمد رضا کی ایک جامع مستند سوانح حیات کی اشاعت۔

۲۔ امام صاحب کی غیر مطبوعہ (مخطوطہ) کتب کی بازیابی اور اس کی اشاعت۔

(۳) فنون سے متعلق کتاب کی اشاعت اور متعلقہ اہل علم و فن کو ان کتب پر تحقیق تدقیق کی دعوت۔

پاکستان میں رضویات کے ایک محقق جناب مولانا سید صابر حسین شاہ صاحب نے راقم کے نام ایک خط میں اطلاع دی ہے کہ بریلی شریف میں محترم ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے چار ہزار صفحات پر مشتمل اعلیٰ حضرت کی سوانح حیات تحریر کر لی ہے جو ابھی مبیضہ کی صورت میں ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ خوش آیند بات ہے۔ لیکن ہمیں اس کا علم نہیں کہ اس کی ترتیب میں ''دائرۂ معارف رضا'' (مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب) کے خاکہ کو پیش نظر رکھا ہے یا اپنی کاوش سے اس کا خاکہ خود مرتب کیا ہے۔ اس ضمن میں بصد احترام جناب ڈاکٹر عزیزی صاحب سے یہ گذارش ہے کہ اس کی اشاعت سے قبل پاک و ہند کے رضویات کے مستند ماہرین کے ایک منتخب پینل کے افراد کو اس کا مسودہ نظر ثانی کے لئے بھیجیں تا کہ اس کا ایک متفقہ جامع اور مستند نسخہ سامنے آسکے۔ اگر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب چاہیں گے تو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ایسی سوانح حیات کی اشاعت کی ذمہ داری لینے کو تیار ہے۔ فاضل نوجوان مولانا حافظ عطاء الرحمٰن قادری رضوی (لاہور) نے اعلیٰ حضرت کی ایک جامع سوانحِ حیات کی ضرورت کے حوالے سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو بوجوہ زیر نظر شمارہ میں شامل اشاعت نہیں کیا گیا اگر ڈاکٹر عزیزی صاحب چاہیں تو ان کے انفرادی مطالعہ کے لئے ہم انہیں بھیج سکتے ہیں تا کہ اس کے اہم نکات سے استفادہ کیا جا سکے۔

امام صاحب کی غیر مطبوعہ (مخطوط) کتب کی بازیافت کے سلسلے میں بریلی شریف سے حضرت علامہ مولانا محمد حنیف خاں رضوی زیدمجدہٗ (مرتب جامع الاحادیث) پرنسپل جامعہ نوریہ رضویہ اور ناظم اعلیٰ امام احمد رضا اکیڈیمی، حسین باغ، بریلی شریف نے غالباً ۲۰۰۵ء میں فون پر راقم کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ بعض اہم علمی اور فنی مخطوطے ان کی اکیڈیمی نے حاصل کر لئے ہیں اور بعض ان کی دسترس میں ہیں اسکے لئے بات چیت جاری ہے۔ خدا کرے وہ بھی انہیں حاصل

ہو چکے ہوں۔ ان شاء اللہ امید ہے اس عرس رضوی پر ان میں سے کچھ تبرکات اشاعت پذیر ہو جائیں گے۔ اسی طرح جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود حسین بریلوی صاحب زید عنایتہٗ نے بھی راقم کو گذشتہ سال ٹیلیفون پر بتایا تھا کہ ان کے پاس اعلیٰ حضرت کے فارسی کے (غالباً) چار مخطوط رسائل ایسے ہیں جن کا ذکر اعلیٰ حضرت کی کتب کی فہرست کے کسی بھی مرتب نے نہیں کیا ہے۔ انہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ اس کی ایک نقل (فوٹو اسٹیٹ) وہ ادارہ کی لائبیریری کے لئے عنایت فرمائیں گے لیکن ابھی تک ہم اس سے محروم ہیں۔ ہماری جناب ڈاکٹر محمود صاحب سے گذارش ہے وہ اگر کسی وجہ سے ہمیں نہیں دے سکتے تو بریلی شریف میں علامہ حنیف رضوی صاحب قبلہ کو پیش کر دیں تاکہ چیز اپنے مقام پر پہنچ جائے اور اس پر تصنیفی اور تحقیقی کام کو آگے بڑھایا جا سکے۔ یعنی جن مقاصد کے لئے ڈاکٹر صاحب محترم نے اسے حاصل کیا ہے وہ پورا ہو سکے اور انہیں اس کا ثواب بھی ملتا رہے۔

رضویات کے حوالے سے گذشتہ سال ایک اہم کام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حاشیہ ''جد الممتار علی رد المحتار'' کی پہلی جلد کی اشاعت ہے۔ جو اول بار دعوت اسلامی کے دار العلوم فیضان مدینہ کے ''شعبہ امام احمد رضا'' کی جانب سے مع تخریج وتحشی اشاعت پذیر ہوئی اب دوسری بار یہی پہلی جلد ''دار اھلسنۃ'' کراچی سے علیحدہ سے شائع ہوئی اور اس کی تخریج اور تحشی کام فاضل نوجوان مولانا اسلم رضا قادری رضوی زید مجدہٗ (سند یافتہ ''معہد الفتح الاسلامی'' دمشق، شام) نے سرانجام دیا ہے۔ مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''دار اھلسنۃ'' کی اشاعت میں بعض اہم نکات کا اضافہ ہوا ہے اور اس میں عبارات کی تصحیح پر بھی زیادہ توجہ دی گئی ہے، اور کتاب کی ظاہری زیب و زینت پر بھی محنت کی گئی ہے۔ طباعت و کاغذ کے اعتبار سے اس کا معیار بیروت سے شائع شدہ کتب کے ہم پلّہ دکھائی دیتا ہے۔ سال نو ۲۰۰۷ء میں ''جد الممتار'' کی دوسری جلد بھی اسی ادارے ''دار اھلسنۃ'' کی طرف سے **اشاعت** پذیر ہوئی ہے۔ دونوں ادارے اس تصنیفی کام کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں لیکن اگر یہ دونوں ادارے باہمی مشاورت اور دینی و مسلکی جذبے کے تحت آپس میں تعاون کر کے یہ کام کرتے تو اہلسنّت کی مالی اور افرادی قوت کا ضیاع نہ ہوتا اور دوسرے اہم کاموں کے لئے وقت بھی بچتا۔ لیکن ہمارے لئے مشکل یہ ہے کہ وہ بھی اپنے یہ بھی اپنے، گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل پھر یہ کہ ؎

سمجھ کر جو نہ سمجھے اس کو سمجھانے کہاں جاتے؟

مکاتیب رضا پر بسند ممتاز پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے اور رضویات کے حوالے سے دیگر ۱۸ کتب (غیر مطبوعہ) کے مصنف، ''کلیات مکاتب رضا'' کے مرتب، ہندوستان کے نامور محقق، حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی علام جابر شمس مصباحی زید مجدہٗ کی ایک تازہ تصنیف ''اعلیٰ حضرت مکتوبات کے آئینہ میں''، رضا اکیڈیمی، لاہور نے شائع کردی ہے۔ رضا اکیڈیمی لاہور کے سربراہ محترم صوفی مقبول احمد ضیائی بڑے ذوق وشوق اور محنت کے ساتھ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ اور اہلسنّت کے دیگر علماء کی کتب گذشتہ ۱۵ سال سے رضا اکیڈیمی، لاہور کے پلیٹ فارم سے شائع کرتے چلے آرہے ہیں اور بعد اشاعت علماء و اسکالرز میں ان کتب کی مفت ترسیل و تقسیم کرتے ہیں، فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

راقم پر بھی بہت شفقت فرماتے ہیں لیکن ابھی تک غالباً ڈاک کی گڑبڑ کی بناء پر یہ تصنیف لطیف ادارے کی لائبیریری کی زینت نہیں بن پائی ہے۔

''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کا اردو زبان میں واحد فی البدیہہ قرآن کریم کا شستہ ترجمہ ہے۔ جو زبان و بیان کی شگفتگی، سلاست، روانی اور شستگی کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔ زبان و بیان کے حسن کے علاوہ اس کی سب سے بڑی خوبی علم تفسیر و اصول تفسیر اور علم حدیث و اصول حدیث سے واقف علماء کی نگاہ میں یہ ہے کہ اس کی ہر سطر بلکہ ہر لفظ میں علوِ شانِ الٰہی عزوجل اور عظمتِ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی پاسداری کا خاص خیال رکھا گیا ہے بلکہ

ترجمہ کا ہر لفظ قاری کی ایمانی کیفیت اور محبت رسول ﷺ کے جذبات میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ ترجمہ کے ایسے نمونے جن سے قاری کے ایمان کو جلا ملتی ہے اور سید عالم ﷺ سے وارفتگی کے جذبات میں اضافہ ہوتا ہے ''کنز الایمان'' میں جا بجا ملتے ہیں۔ لیکن سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲ ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ '' (تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔) تفاسیرِ معتبرہ کی روشنی میں سید عالم شفیع المذنبین ﷺ کے عشق میں وارفتگی کا یہ ایک ایسا نمونہ ہے جس کو پڑھنے کے بعد ایک قاری جھوم اٹھتا ہے، جذبۂ عشق رسول کو مہمیز ملتی ہے، وہ اسے بار بار پڑھتا ہے یہاں تک کہ آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ عصر حاضر کے بعض محققین نے اس ترجمہ پر اعتراض وارد کیا اور اسے نا قابل قبول اور منسوخ قرار دیا۔ حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی مدظلہ العالی نے مجدّدِ ملّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کے عشق و محبت سے بھر پور ترجمہ کے دفاع میں ''الذنب فی القرآن'' کے نام سے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس میں ۱۷۰، سے زیادہ کتب تفاسیر، حدیث، اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث، قاموس، کتب بلاغت، صرف ونحو اور عربی لسان ولغت کی متعدد کتب کے حوالہ جات سے دلائل و براہین کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور اس کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ علماء فن نے اس کتاب کو آیۂ کریمہ مغفرتِ ذنب کی ایک جامع تفسیر قرار دیا ہے۔ بہر حال رضویات پر تحقیق کے حوالے سے یہ ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

رضویات اور صحافت کے حوالے سے پاکستان میں ایک اہم کام ''ماہنامہ جہانِ رضا'' لاہور کے اداریوں کے دو مجموعوں ''باتوں سے خوشبو آئے'' اور ''فکرِ فاروقی'' کی اشاعت ہے، جس میں مدیر علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ العالی کے لکھے گئے اداریوں کی خصوصیات اور ان کے اسلوب نگارش پر جناب مولانا محمد عالم مختارِ حق صاحب کا ایک پر مغز مقالہ بھی شامل ہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں قاری کو مدیر موصوف کی زبان و بیان پر دسترس، حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر فارسی، اردو اور عربی کے شعر و ادب سے ان کے شغف اور ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے وہیں فروغ فکر رضا میں صحافتی میدان میں ''جہان رضا'' کے بھر پور کردار کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

قارئین کرام! ایک اہم خوشخبری یہ بھی ہے کہ مولانا سید صابر حسین شاہ صاحب (اٹک) نے معارف رضا کے چھبیس سالناموں کا اشاریہ مرتب کر لیا ہے۔ اب مولانا ابوالحسن واحد رضوی مدظلہ اس کی کمپوزنگ اور تصحیح کا کام انجام دے رہے ہیں۔ مولانا صابر حسین شاہ صاحب اب معارف رضا کے ماہناموں کا اشاریہ مرتب فرما رہے ہیں، امید ہے یہ دونوں اشاریئے ۲۰۰۸ء کی کانفرنس تک زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو جائیں گے، ان شاء اللہ۔

۲۷ ویں امام احمد رضا کانفرنس (۲۰۰۷ء/ ۱۴۲۸ھ) ۱۷ ر مارچ ۲۰۰۷ء کو آرٹس کونسل کے آڈیٹوریم میں ان شاء اللہ منعقد ہو رہی ہے۔ اس موقع پر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی درج ذیل کتب شائع کر رہا ہے۔

۱۔ معارف رضا (سالنامہ) اردو۔
۲۔ معارف رضا (سالنامہ) عربی۔
۳۔ معارف رضا (سالنامہ) انگریزی۔
۴۔ امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خصوصیات۔ مصنف: مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری۔
۵۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی (مقالۂ ڈاکٹریٹ) مصنف ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔
۶۔ امام احمد رضا اور علماء کوٹلی لوہاراں۔ مصنف۔ پروفیسر مجیب احمد۔
۷۔ کنز الایمان اور دیگر تراجم مصنف: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔
۸۔ امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات پر نصاب کے حوالے سے کام کی رفتار۔ مصنف: ریسرچ اسکالر سلیم اللہ جندران۔

۹۔ کتابچہ تعارف ادارہ۔ مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔

۱۰۔ امام احمد رضا بریلوی کے حالات، افکار اور اصلاحی کارنامے (سندھی)۔از: پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالباری صدیقی۔

۱۱۔ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء۔

12. Quran , Scicen & Imam Ahmad Raza. By. Majeedullah Qadri.

زیرنظر معارف رضا (سالنامہ ۲۰۰۷ء) میں ہم نے کوشش کی ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ہمہ جہت شخصیت کے حوالے سے متنوع موضوعات پر لکھے گئے مقالات شامل اشاعت ہوں۔ ہم نے کئی ماہ قبل سے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے معروف اسکالرز اور علماء کو متعدد عنوانات پر مقالہ لکھنے کی دعوت دی۔ ان میں سے نصف تعداد نے لکھنے کی حامی بھری لیکن وقت پر ان میں سے بھی صرف تین چوتھائی کے مقالے ہم تک پہنچے۔ آج کل دنیا کے ہر کونے میں انٹرنیٹ اور ویب سائیٹ کی سہولیات موجود ہیں ایک ناشر کو اگر انٹرنیٹ پر یا سی ڈی میں تصحیح شدہ کمپوز کیا ہوا مقالہ یا کتاب مل جائے تو اس کی طباعت کا مرحلہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ وقت، محنت اور وسائل کی بچت ہوتی ہے، لیکن مقالہ نگار حضرات سے درخواست کے باوجود معدودے چند کے تمام حضرات نے دستی تحریر شدہ مقالات ہمیں بھجوا دیئے۔ ان میں سے نصف ہمیں کانفرنس کے انعقاد سے محض چند دن پہلے وصول ہوئے، جبکہ ہم نے ایک ماہ قبل کی تاریخ دی تھی۔ ایسے میں ناشر پر جو بوجھ ہوتا ہے اور اسے ذہنی پریشانی ہوتی ہے وہ کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو نشر و اشاعت و طباعت کے میدان کے شہسوار ہیں۔

راقم معارف رضا کی وساطت سے ایک بار پھر اپنے تمام محترم مقالہ نگار حضرات اور معزز اسکالرز سے جنہوں نے اعلیٰ حضرت یا علماء اہلسنت کے حوالے سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہے۔ مؤدبانہ گذارش کرتا ہے کہ اپنے مقالات اور تھیسس جب بھی اشاعت کیلئے بھیجیں تو انٹرنیٹ سے ادارے کے ای میل پر تصحیح شدہ کاپی بھیجیں اور تھیسس لکھنے والے حضرات گرامی اپنی تھیسس کو پہلے کتابی صورت میں تبدیل کریں پھر اس کی تصحیح شدہ کاپی مع ان پر تقاریظ اور مقدمات کے ای میل کر دیں یا اس کی سی ڈی بھیجدیں۔ اس سلسلے میں ہم نے چند شخصیات کو بہت مستعد و معاون پایا: مثلاً۔ علامہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب، ہمدرد یونیورسٹی دھلی، (انڈیا) علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، ممبئی (انڈیا) پروفیسر خلیل احمد رانا صاحب، خانیوال، پاکستان، مولانا خورشید احمد سعیدی صاحب، استاذ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔ محترم خوشتر نورانی مدیر اعلیٰ ماہنامہ جامہ نور دہلی۔ زیرنظر سالنامہ میں جن عنوانات پر مقالہ جات شامل اشاعت ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) علم تفسیر و ترجمہ (۲) علم حدیث (۳) علم فقہ
(۴) ملفوظات (۵) شعر و ادب (۶) رضویات
(۷) صحافت (۸) تعلیمی نظریات (۹) امام احمد رضا اور انٹرنیشنل جامعات (۱۰) شخصیات (۱۱) سیاسیات
(۱۲) اصلاح معاشرہ اور رد بدعات۔

قارئین محترم!

ہم نے ان مقالات کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں نہایت احتیاط برتی ہے، لیکن غلطی کا امکان انسان کا خاصہ ہے، فروگذاشت ممکن ہیں۔ معمولی ہو تو عفو و درگذر سے کام لیں، ہاں اگر فاحش نظر آئیں تو ضرور نشاندھی فرمائیں، ہم آپ کے ممنون ہوں گے آئندہ اشاعت میں تصحیح شائع کروا دیں گے۔

محترم مقالہ نگار حضرات نے اپنی اپنی تحقیقات اور آراء کا اظہار فرمایا ہے ضروری نہیں کہ ہم یا آپ سو فیصد ہر ایک کی رائے اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اسلئے مثبت انداز میں دلیل کی بنیاد پر اختلاف رائے کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ لہذا مثبت انداز میں اختلاف رائے ہر ایک محقق کا حق ہے اور ہم اس کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن علمی مباحث میں اختلاف کی بنیاد پر سب و شتم کا راستہ اختیار کرنے اور تکفیری فتوی جاری کرنے والوں کا ہم نہ صرف یہ کہ کوئی احترام نہیں کرتے بلکہ ان کی

تحریرات کو ساقط الاعتبار بھی سمجھتے ہیں اور ہم ان کی کسی تحریر کو شائع کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔

آخر میں ہم ان تمام مقالہ نگار حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ہمیں اپنا قیمتی مقالہ، تاثرات یا پیغامات بھیجے ہیں (واضح ہو کہ تاثرات اور پیغامات علیحدہ سے مجلّہ کانفرنس میں شائع ہوتے ہیں) اور امید کرتے ہیں کہ مستقبل میں بھی وہ ہمارے ساتھ ''کارِ رضا'' کی انجام دہی میں قلمی تعاون فرماتے رہیں گے۔ اور فکرِ رضا کے ابلاغ اور تعلیمات رضا کی نشر و اشاعت میں ہماری معاونت و رہنمائی کرتے رہیں گے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

ہم اپنے ان تمام معاونین کا بھی تہہ دل سے شکر گذار ہیں کہ جن کے مالی تعاون کی بدولت امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد اور اس موقع پر ایک درجن کتب کی اشاعت ممکن ہو سکی بالخصوص محترم الحاج رفیق احمد برکاتی صاحب، الحاج عبدالمجید برکاتی صاحب الحاج نثار احمد صاحب الحاج عقیل ڈھیڈی صاحب، جناب سہیل سہروردی صاحب، جناب وسیم سہروردی صاحب، جناب ادریس سہروردی صاحب، جناب الحاج حنیف جانو صاحب، جناب حاجی عبدالرزاق تابانی صاحب، جناب افضل حسین صاحب، وغیرھم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے خلوص اور مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبول عطا فرمائے اور انہیں دین و دنیا کی بہتریاں بخشے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ان کارکنان کا ذکر نہ کریں جنہوں نے دن رات ایک کر کے معارف رضا کے سالنامہ اور دیگر کتب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ کی، طباعت و اشاعت کے کاموں کی نگرانی کی اور دیگر دفتری کاموں میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ خاص طور پر ہمارے کمپوزر اور انچارج ویب سائٹ، عزیزی عمار ضیا خاں قادری سلمہ الباری، نہایت ہی تندہی سے اپنے کام میں مشغول رہنے والے ہمارے نوعمر کمپوزر عزیزی مبشر خان سلمہ اللہ المنان اکاؤنٹنٹ اور کمپوزر جناب شاہنواز قادری، منیجر دفتر ادارہ جناب ندیم احمد نورانی معاون انچارج سرکلیشن ماہنامہ معارف رضا۔ محترم ریاض احمد صدیقی صاحب۔ ویب سائیٹ ڈیزائنر محترمہ عفیفہ صاحبہ ریسرچ اسکالر جامعہ کراچی، شیخ زاید اسلامک سنٹر۔ ہم ان سب کارکنانِ ادارہ کے محنت، محبت اور لگن کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو بروقت ادا کرنے پر ان کے شکر گذار ہیں۔ ساتھ ہی ہم عمدہ طباعت و اشاعت کیلئے جناب خرم صاحب کے بھی ممنون ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کارِ رضا میں مشغول ان تمام حضرات گرامی کو دین و دنیا کی بہترین نعمتوں سے نوازے آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

قارئین کرام! ''معارف'' کی صورت میں ہم نے ''فکرِ رضا'' کے گلستان سجانے کی ایک ادنیٰ سے کوشش کی ہے اس امید پر کہ ہمارے محترم قارئین کرام خود بھی چمنستان رضا کے پھولوں کی خوشبوؤں سے اپنی فکر کو معطر کریں گے اور دوسروں تک ان خوشبوؤں کی اٹھتی ہوئی لپیٹوں کو پہنچا کر ان کے دل و دماغ کو معطر کرنے کی بھی سعی فرمائیں گے۔ آپ معارف رضا کے ممبر خود بھی بنیں اور اپنے اعزہ و اقرباء اور دوستوں کو بھی اس کا ممبر بنا کر پیغام رضا کو گھر گھر پہنچائیں۔ اپنے اور اپنے پیاروں کے عقائد کی تعلیمات رضا کی روشنی میں اصلاح کریں اصلاح معاشرہ کی مہم میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ زندگی کے ہر معاملے میں فکرِ رضا کو اپنا محور بنائیں کیونکہ اس دورِ ابتلاء میں نجات کی ایک ہی راہ ہے اعلیٰ حضرت سے محبت اور ان کی تعلیمات پر عمل۔ اگر آپ تعلیم یافتہ نہیں ہیں تو خود مفید تعلیم کے حصول کی جدوجہد فرمائیں، اگر آپ تعلیم یافتہ ہیں تو اپنی اولاد اپنے بھائی بہن عزیز و اقارب، دوست احباب اور محلہ داروں کے بچوں اور بچیوں کی اعلیٰ حضرت کے تعلیمی نظریات کی روشنی میں مفید تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے میں مدد فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت کے مشنِ فروغِ علم نافع اور تحریک فروغِ عشقِ رسول ﷺ میں ہمارا بھرپور ساتھ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا، آپ کا اور سارے خوش عقیدہ مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو (آمین) بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

زِ شوقِ لعلِ تو حافظ نوشت شعرِ چند
بخواں تو نظمش و در گوش کش چو مروارید

****

ترجمۂ وتفسیر قرآن

۱۔ کنزالایمان کا چترالی زبان میں ترجمہ

۲۔ اردو تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ

۳۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ آیۂ مغفرت ذنب اور راجح مرجوح کی بحث

۴۔ تفسیر القرآن بآثار الصحابۃ والتابعین العظام

کنزالایمان کا چترالی زبان میں ترجمہ

[حضرت علامہ مولانا پیر محمد چشتی مدظلہ العالی، جامعہ غوثیہ، بیرون یکہ توت، پشاور نے "کنزالایمان" کا چترالی زبان میں ترجمہ شروع کردیا ہے۔ الحمدللہ ابتک سولہ ۱۶ پاروں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ یہ خبر اور چترالی ترجمہ کا نمونہ جناب مولانا سید صابر حسین شاہ بخاری برہان پور، اٹک، نے ہمیں معارف رضا میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے جو ان کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔]

سُوْرَۃ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَ ھِیَ سَبْعُ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o مٰلِکِ یومِ الدِّیْنِ o اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ o اِھْدِنَا الصِّرٰطَ الْمُسْتَقِیْمَ o صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ o

ترجمہ:

اللّٰہو ناموسورا شروع کہ ھسے بُوہ مہربان رحمت والا o

درستی صفات اللّٰہو تے شینی کہ ھسے درستی خلائقان مالک o بُوہ مہربان رحمت والا o جزوَانو سو مالک o اسپہ تتے تان عبادت کورام اُوتہہ مدد و تان ٹشکام o فروسک یونہ اسپہ چلاوے o ھتے رویان پونہ کوس سورہ کہ تو احسان کوری اسوس نوھتیتان کوس سورہ کہ غضب بنی شیر اُونہ ابتھا بیر و وان o

اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ

از: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

قرآن مجید فرقان حمید دنیا میں واحد کتاب ہے جس کو مسلسل ۱۴۰۰ سال سے شائع کیا جارہا ہے اور کسی زمانے میں اس کی اشاعت کے وقت اس کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہ کی جاسکی یہاں تک کہ زیر زبر پیش میں بھی کبھی مسلمانوں میں (معاذ اللہ) تنازعہ نہ ہوسکا اور نہ ہوسکے گا کیونکہ جب سے یہ نازل ہوئی ہے اس کو عربی زبان میں حفظ کرنے کا سلسلہ جاری ہے اسی لئے اس میں کبھی بھی کسی قسم کی تبدیلی ناممکن ہے یہاں راقم صرف ایک حوالہ انسائیکلو پیڈیا سے دینا چاہے گا جس سے دنیا کے سامنے یہ بتایا جاسکے کہ مسلمان ایک ایسی کتاب کے پیروکار ہیں جس پر تمام مسلمان ۱۴۰۰ سال سے متفق ہیں اور تا قیامت متفق رہیں گے۔ اور یہ گواہی بھی ایک عیسائی مصنف کی ہے۔

Yet There is no doubt that the koran of today is substantially same as it came from Prophet (Muhammad Sallallaho Aalaihe Wasallam)

(The Webster Family Encyclopedia V.10 p. 237,1984)

قرآن کریم کا نزول مکہ کی وادی سے شروع ہوا جہاں تمام مقامی لوگ عرب تھے اور عربی زبان بولتے تھے اور قرآن کریم کے نزول کا اختتام مدینہ پاک کی وادی میں ہوا جہاں انصار بھی عربی ہی بولتے تھے۔ اللہ پاک نے اپنے کلام کو عربی زبان میں اس لئے نازل کیا تا کہ پہلے پہل عمل کرنے والے اس کو اچھی طرح سمجھ کر عمل کرسکیں تا کہ وہ رہتی دنیا تک کے لئے ماڈل بن جائیں اور پھر عجمی لوگ عملی قرآن ان صحابہ کرام کے عمل سے سیکھ سکیں اور یوں یہ سلسلہ جاری رہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (الیوسف: ۲)

بے شک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا کہ تم سمجھو۔

ابتداً اہلِ عرب بالخصوص اہلِ مکہ کو ان کی مادری زبان میں کلام اللہ سنایا جارہا ہے تا کہ سب سے پہلے وہ اہلِ زبان ہونے کے باعث اس پر ایمان لائیں اور اس کو آسانی سے سمجھ سکیں اس کے بعد یہی لوگ اپنی آنے والی نسلوں کو اس کے مفاہیم پہنچائیں تا کہ قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ کی صحیح مراد کا ابلاغ ان تک ہو اور انہیں عربی زبان میں نازل شدہ وحی الٰہی کے معانی و مطالب واضح ہوسکیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا......○ (الشوریٰ: ۷)

"اور یونہی ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن بھیجا کہ تم ڈر اؤ سب شہروں کی اصل (مکہ) والوں کو اور جتنے اس کے گرد ہیں......"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف قرآن کریم کے متن (کلمات) کو پہنچانا نہیں تھی اگر چہ اول اول مخاطبین اہل عرب ہی تھے مگر اہل عرب عربی زبان جاننے کے باوجود اس کلام اللہ کی منشاء کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اسی لئے نبی کے ذریعہ اللہ بندوں سے خطاب فرمارہا ہے چنانچہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت نبی و رسول ذمہ داریوں کا ذکر فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ ان آیات کے معانی و مطالب جو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہیں، وہ لوگوں تک پہنچائیں چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

مَنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ○ (ال عمران: ۱۶۴)

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ میں ہی اسلام عرب سے نکل کر عجم تک پہنچ گیا تھا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں متعدد عجمی لوگ، ہند و ایران کے باشندے، دائرے اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور پھر خلفائے راشدین کے ۳۰ سالہ دور میں انتہائی کثیر تعداد میں عجمی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پہلی صدی ہجری کا دور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا دور تھا جو قرآن کریم کے ساتھ ساتھ سنت نبوی پر عمل درآمد کا مکمل آئینہ تھا اس لئے قرآن فہمی عجمی لوگوں کے لئے زیادہ دشوار نہ تھی کیونکہ ان کے سامنے عملی نمونے موجود تھے۔ لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اور عملی قرآن کے نمونے کم ہونا شروع ہو گئے تو عجم سمیت عرب لوگوں نے بھی آیات کی منشائے الٰہی کو سمجھنے کی خاطر قرآن کریم کی طرف (اصل نمونے کی خاطر) رجوع کرنا شروع کر دیا۔ عام عربوں کو عربی زبان کے باعث بہت زیادہ مشکلات نہ تھیں مگر عجمیوں کے لئے قرآن کریم کو عربی میں سمجھنا آسان نہ تھا اس لئے جلد ہی عجمی زبانوں میں ترجمۂ قرآن کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ ابتدائی دور میں ترجمۂ قرآن کی سخت مخالفت بھی کی گئی مگر ضرورت کے پیش نظر قرآن پر ترجمہ کی پابندی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور سلسلہ تراجم دوسری صدی ہجری میں باقاعدہ شروع ہو گیا۔ یہ کام اس لئے بھی ضروری تھا کہ قرآن کا پیغام امر بالمعروف ونہی عن المنکر جب تک لوگوں کی مادری زبانوں میں نہیں پہنچایا جاتا اس وقت تک اس پر عمل درآمد میں مطلوبہ تیزی اور اثر پذیری کا حصول ناممکن تھا۔

تمام آئمہ کرام اس بات پر متفق رہے کہ ترجمہ قرآن کسی بھی زبان میں کیا جا سکتا ہے مگر ترجمۂ قرآن کے الفاظ دلیل قطعی نہ ہوں گے یعنی شرعی معاملات میں اس ترجمہ پر انحصار نہیں کیا جائے گا بلکہ اصل متن ہی سے استنباط کیا جائے گا کیونکہ قرآن پاک کے ہر ہر لفظ میں جو معنوی گہرائی اور گیرائی ہے اس کو کسی بھی زبان کے ترجمہ میں نہیں ڈھالا جا سکتا جب عام کتاب کا ترجمہ اس پہلی زبان کی تمام مراد کو بعینہٖ نہیں ڈھال سکتا تو پھر قرآن تو کلام اللہ ہے اس کا ترجمہ آسانی سے کسی بھی زبان میں کیونکر اللہ اور اس کے رسول کی بعینہٖ مراد کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمۂ قرآن کی بہت سخت اور بہت زیادہ شرائط ہیں۔ یہاں انتہائی اختصار سے ان دشواریوں کی نشاندہی کر رہا ہوں تاکہ اردو ترجمۂ قرآن کا مطالعہ کرتے وقت قاری اس بات سے آگاہ رہے کہ مترجم قرآن ترجمۂ قرآن کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر اہلیت رکھتا ہے تو اس ترجمۂ قرآن کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے اور اگر مترجمِ قرآن، ترجمۂ قرآن کا اہل ہی نہیں تو اس ترجمہ کے مطالعے سے اس کو مکمل پرہیز کرنا چاہئے اب ملاحظہ کریں چند بنیادی شرائط:

فن ترجمہ اور اس کے بنیادی اصول:

قرآن مجید کے ترجمہ کی شرائط سے قبل فنِ ترجمہ کے چند بہت ہی اہم اور بنیادی اصول یہاں پیش کر رہا ہوں جو راقم نے مندرجہ ذیل اہل فن کی کتابوں سے اخذ کئے ہیں مثلاً شان الحق حقی، پروفیسر رشید امجد، ڈاکٹر سہیل احمد خاں، مظفر علی سید، احمد فخری، ڈاکٹر سید عابد حسین، ڈاکٹر جمیل جالبی، صلاح الدین احمد صاحب، نیاز فتحپوری وغیرہ۔

۱۔ دونوں زبانوں اور ان کے ادب پر کامل دسترس۔

۲۔ ترجمہ نگار کا اس زبان سے جن میں ترجمہ کیا جا رہا ہے جذباتی اور علمی واقفیت اور ہم آہنگی۔

۳۔ زبان کے ساتھ ساتھ جس موضوع پر کتاب لکھی گئی ہے مترجم کا اس

علم اور فن پر بھی کامل دسترس ہونا۔

۴۔ دونوں زبانوں کے ساتھ ادبی مساوات اور ادبی رنگ برقرار رکھنا۔

۵۔ اہل کتاب کے مصنف کے لب ولہجہ کی کھنک کا باقی رکھنا جو کہ بہت ضروری ہے۔

۶۔ مترجم کی تحریر میں انشاپردازی بھی بنیادی ضرورت میں شامل ہے۔

یہاں تفصیل میں جائے بغیر احقر قارئین کرام کی توجہ ترجمہ کے حوالے سے شق نمبر ۳ کی طرف دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ مترجم کتاب کو زبان کے ساتھ ساتھ اس علم وفن پر بھی مہارت رکھنا نہایت ضروری ہے جس فن کی کتاب کا ترجمہ کیا جارہا ہے مثلاً ایک انجینئر جو انگریزی زبان کا بھی ماہر ہے کیا ایک Advance Medical Science پر لکھی گئی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کرسکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر میں کوئی انجینئر بھی اس کام کے لئے تیار نہ ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ میڈیکل سائنس کی اصطلاحات سے بہت زیادہ واقف نہیں اس لئے وہ منع کردے گا اور کہے گا کہ یہ کام کسی اچھے میڈیکل سائنس کے استاد سے کروایئے جو میڈیکل سائنس کی اصطلاحات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ ایک انجینئر اس کام کو کیوں منع کررہا ہے کیا وہ لغت کی مدد سے اس میڈیکل سائنس کی کتاب کا ترجمہ نہیں کرسکتا تو وہ انجینئر مخلصانہ جواب دے گا کہ بے شک لغت (Dictionary) کی مدد سے میں ترجمہ تو کرلوں گا مگر میرے لئے انتہائی مشکل ہوگا کہ جب ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی لغت میں مل رہے ہوں گے تو میں کون سا لفظ ترجمہ کے لئے استعمال کروں کیونکہ اس لفظ کا صحیح چناؤ وہی کرسکے گا جو اس فن پر مکمل دسترس رکھتا ہوگا۔

قارئین کرام! اب آپ خود ہی سوچیں کہ ترجمہ کتنا مشکل کام ہے اور جب یہ مشکلات ایک عام فن کی کتاب میں اتنی زیادہ ہیں تو قرآن تو جمیع علوم کا خزانہ ہے اس کے لئے تو وہ تمام علوم وفنون کا جاننا ضروری ہوگا جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں جن کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن کے سلسلے میں علماء نے شرائط قائم کی ہیں کہ جب کوئی ان شرائط کو پورا کرسکے تب ہی وہ ترجمہ یا تفسیر قرآن کسی بھی زبان میں کرنے کے لئے سوچے اور پھر قلم اٹھائے۔

تفسیر وترجمۂ قرآن کے لئے شرائط:

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) مفسر قرآن کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ مفسر قرآن کم از کم درج ذیل علوم پر ضروری دسترس رکھتا ہو:

"علم اللغۃ، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم قرأت، علم اصول دین، علم اصول فقہ، علم اسباب نزول، علم قصص القرآن، علم الحدیث، علم ناسخ ومنسوخ، علم محاورات عرب، علم التاریخ اور علم اللدنی"

(الاتقان فی علوم القرآن جلد ۲ ص ۱۸۰ سہیل اکیڈمی ۱۹۸۰ء)

مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ ساتھ مفسر کو بہت زیادہ وسیع النظر، صاحب بصیرت ہونا چاہیے کیونکہ ذرا سی کوتاہی تفسیر کو تفسیر بالرائے بنادے گی جس کا ٹھکانہ پھر جہنم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ومن قال فی القران برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار

(جامع ترمذی جلد ۲ حدیث ۸۶۱)

اور جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

قارئین حضرات! علامہ سیوطی کی قائم کردہ شرائط کی روشنی میں مترجم قرآن کی ذمہ داری مفسر قرآن سے بھی زیادہ سخت نظر آتی ہیں کیونکہ تفسیر میں مفسر ایک لفظ کی شرح میں ایک صفحہ بھی لکھ سکتا ہے مگر ترجمۂ قرآن کرتے وقت عربی لفظ کا ترجمہ ایک ہی لفظ سے کرنا ہوتا ہے اس لئے مترجم قرآن کا کسی بھی زبان میں ترجمہ منشاالٰہی کے مطابق یا منشائے الٰہی کے قریب قریب کرنا مشکل ترین کام ہے۔ البتہ تمام شرائط کے ساتھ ترجمہ قرآن اس وقت ممکن ہے کہ جب مترجم قرآن تمام عربی

تفاسیر، کتب احادیث، تاریخ، فقہ اور دیگر علوم وفنون پر دسترس کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب پر مکمل عبور رکھتا ہو اور وہ ایک عبقری شخصیت کا حامل ہو ساتھ ہی مترجم قرآن کتاب اللہ کو عربی زبان میں سمجھنے کی حد درجہ صلاحیت رکھتا ہو تب ہی ترجمہ قرآن منشائے الٰہی اور فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہوگا۔

قارئین کرام! آیئے چند معروف اردو تراجم قرآن کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ کون کون سے تراجم قرآن وہ تمام شرائط پوری کرتے نظر آتے ہیں جو علامہ سیوطی اور دیگر اکابرین نے قائم کی ہیں۔ اگر ترجمۂ قرآن تمام ضروری شرائط کے ساتھ پایا گیا تو یقیناً وہ ترجمۂ قرآن عوام الناس کے مطالعہ کے لئے کارآمد ہوگا اور اگر ترجمۂ قرآن ان شرائط پر پورا نہیں اترتا تو وہ ترجمہ لوگوں کو نہ صرف دین سے دور کردے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں اس لئے ان عبارتوں کو غور سے پڑھیں اور سمجھیں۔

مختصر تاریخ اردو ترجمہ قرآن:

بارہویں صدی ہجری میں اردو زبان برصغیر پاک وہند میں نہ صرف ادبی زبان بن کر اُبھر رہی تھی بلکہ کثیر تصنیفات وتالیفات اور تراجم کے باعث ایک عام فہم زبان بھی بنتی جارہی تھی۔ اگرچہ دکن کی اسلامی ریاستوں میں عرصۂ دراز سے اردو زبان میں عقائد تصوف و اخلاقیات اور فقہی کتابوں کے تراجم ہورہے تھے مگر اردو ترجمۂ قرآن کا آغاز ابھی نہ ہوا تھا۔ شاید اردو کی نشوونما کی ابتداء میں چونکہ ذخیرۂ الفاظ محدود تھا اس لئے ترجمۂ قرآن کی طرف علماء نے قدم نہ اٹھایا۔ دوسری طرف برصغیر سے عربی زبان کے بعد فارسی زبان بھی تیزی کے ساتھ رخصت ہونے لگی تو عوام تو عوام، خواص کے لئے بھی اب ترجمۂ قرآن اردو زبان میں ضروری سمجھا جانے لگا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) جو خود فارسی ترجمہ قرآن کے برصغیر میں اولین مترجم میں شمار ہوتے ہیں ان کے دو صاحبزادوں کو اردو زبان کے ترجمہ قرآن کے اولین مترجم ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

شاہ محمد رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء) نے اردو زبان کا پہلا مکمل لفظی ترجمہ قرآن ۱۲۰۰ھ میں مکمل کیا جب کہ آپ کے چھوٹے بھائی شاہ محمد عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) نے اردو زبان کی تاریخ کا پہلا مکمل بامحاورہ ترجمہ قرآن ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں مکمل کیا۔ یہ دونوں تراجم قرآن تیرھویں صدی ہجری ہی میں شائع ہونا شروع ہوگئے جس کے باعث ان کو اولیت کے ساتھ ساتھ پذیرائی بھی حاصل ہوئی اگرچہ تاریخ میں ان دونوں اردو تراجم قرآن سے قبل کے بھی تراجم پائے جاتے ہیں لیکن یا تو وہ مکمل ترجمہ قرآن نہیں تھے یا مخطوطہ ضائع ہوگئے اس لحاظ سے ان دونوں بھائیوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ایک لفظی ترجمہ قرآن کا بانی ہے تو دوسرا بامحاورہ ترجمہ قرآن کا حامل۔

شاہ برادران کے بعد فورٹ ولیم کالج (قائم شدہ ۱۲۱۴ھ/ ۱۸۰۰ء) نے پہلے انجیل کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا اور پھر ۵ مولوی حضرات نے مل کر اردو میں ترجمہ قرآن (۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء) میں مکمل کیا۔ تیرھویں صدی ہجری میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۵ ترجمہ قرآن اردو زبان میں کئے گئے مگر کسی کو بھی شاہ برادران کی طرح پذیرائی حاصل نہ ہوسکی البتہ سرسید احمد خاں کی تفسیر اور ترجمہ ۱۵ پاروں تک شائع ہوا تھا اور علی گڑھ کے ہم خیال لوگوں کے درمیان اس کو پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔ مگر سرسید احمد خاں کے ترجمہ قرآن سے جدید ترجمہ قرآن کا دور شروع ہوتا ہے جس میں عام روایت سے ہٹ کر ترجمہ اور تفسیر کی گئی۔ اس جدید رجحان کو علی گڑھ سے فارغ التحصیل افراد نے سرسید کی فکر کو آگے بڑھانے میں بہت مدد دی۔ سرسید احمد خان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی دانست میں ترجمہ قرآن کو ایک عام کتاب سمجھ کر ترجمہ کرنا شروع کردیا جس کے باعث ایک بڑی تعداد مترجمین کی سامنے آئی جن میں سے چند اردو مترجمین قرآن کے نام معروف ہیں مثلاً نذیر احمد دہلوی، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی فتح محمد جالندھری، مرزا وحید الزماں، مولوی عبداللہ چکڑالوی، ابو الکلام آزاد، چودھری

غلام احمد، عبدالماجد دریا آبادی۔ سرسید احمد خان کے رفقاءِ کار کے علاوہ ایک بڑی تعداد مترجمین قرآن کی دارالعلوم دیوبند (قائم شدہ ۱۲۸۳ھ) کے مترجمین کی بھی چودھویں صدی ہجری میں سامنے آتی ہے جن میں مندرجہ ذیل مترجمین کے نام قابلِ ذکر ہیں: مولوی فیروز الدین روحی، مولوی محمد میمن جونا گڑھی، مرزا حیرت دہلوی، مولوی عبدالحق، مولوی محمد نعیم دہلوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی محمد الحسن دیوبندی وغیرہ۔

چند معروف اردو مترجمین قرآن کا مختصر علمی تعارف:

راقم یہاں ان چند اردو مترجمین قرآن کا تعارف کروانا ضروری سمجھتا ہے جن کے تراجم کا تقابلی مطالعہ آگے پیش کیا جائے گا۔ ان کے علمی تعارف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قارئین حضرات جب کسی اردو ترجمہ قرآن کا مطالعہ کررہے ہوں تو وہ مترجم کے متعلق اتنا ضرور جانیں کہ آیا وہ ترجمہ قرآن کا اہل بھی تھا یا نہیں کیونکہ ترجمہ قرآن پڑھنے والا عربی زبان سے واقف کار نہیں ہوتا وہ تو جو اردو میں ترجمہ دیکھے گا، پڑھے گا اس کو وہ من جانب اللہ ہی سمجھے گا کہ یہ ہی اللہ کی منشا اور حکم ہے۔ یہ انسان کی عام فطرت بھی ہے کہ جو علم اس کو نہیں آتا اور پہلی مرتبہ اس کے متعلق سنے گا یا پڑھے گا وہ اس کو ہی حق جانے گا اس لئے راقم بہت ذمہ داری سے یہ بات لکھ رہا ہے کہ اردو زبان میں ترجمہ پڑھنے والے مطالعہ سے پہلے مترجم کے متعلق ضرور معلومات حاصل کریں۔ جس طرح آپ اپنے پیچیدہ مرض کے لئے کسی بھی ڈاکٹر کو دکھانے سے پہلے دو چار سے مشورہ کرکے اور اس ڈاکٹر کی صلاحیتوں کے متعلق معلومات حاصل کرکے اس کے پاس جاتے ہیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ راستہ پر چلنے سے پہلے یہ ضروری معلومات حاصل کرلیں کے اللہ کی طرف راستہ دکھانے والا اس بات کا اہل بھی ہے اور کیا وہ ترجمہ قرآن کی تمام شرائط پوری کرتا ہے۔

یہاں جن معروف مترجمین قرآن کا تعارف پیش کیا جارہا ہے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سرسید احمد خان علی گڑھی
(۲) مولوی عاشق الٰہی میرٹھی
(۳) مولوی فتح محمد جالندھری
(۴) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی
(۵) مولوی محمود الحسن دیوبندی
(۶) مولوی مرزا وحید الزماں
(۷) مولوی اشرف علی تھانوی
(۸) امام احمد رضا محدث بریلوی
(۹) ابوالکلام آزاد
(۱۰) سید ابوالاعلیٰ مودودی

۱۔ سرسید احمد خاں:

آپ دلّی میں ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید میر تقی سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے مرید تھے۔ ابتدا میں دینی تعلیم گلستان، بوستان اور عربی میں شرح ملا جامی تک چند کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد دنیاوی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ آپ کے سوانح نگار مولوی الطاف حسین حالیؔ ''حیات جاوید'' میں رقمطراز ہیں جن میں خود سرسید اپنی سوانح بیان کرتے ہیں:

''میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں، کنکوے اڑائے، کبوتر پالے، ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہوکر نیچری، کافر اور بے دین کہلوائے اور رکھا ہی کیا ہے'' (حیات جاوید، ص ۲۶)

سرسید احمد خان ملازمت کے سلسلے میں ۱۸۴۱ء تا ۱۸۷۶ء بطور کلکٹر مختلف شہروں میں رہے اور پھر پنشن لے کر علیگڑھ آگئے۔ سرسید احمد خاں نے دوران ملازمت تصنیف وتالیف اور ترویج علوم کے لئے خاصا وقت صرف کیا اس دور کی تصانیف میں (۱) قول متین در ابطال حرکت زمین، (۲) انتخاب الاخوین (۳) رسالہ اسباب بغاوت ہند اور مشہور تالیف آثار الصنادید قابل ذکر ہیں۔

سر سید احمد خاں نے ۱۸۷۵ء میں ابتدائی مدرسہ علی گڑھ میں قائم کیا اور جلد ہی ۱۸۷۶ء میں کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کالج نے ۱۸۷۸ء سے کام شروع کر دیا اور ۱۸۸۳ء میں اس کو یونیورسٹی کا درجہ مل گیا۔ سر سید احمد خاں نے اسی دوران برٹش انڈین ایسوسی ایشن، سائنٹفک سوسائٹی، علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا اہتمام ابھی کیا جس کے باعث آپ کو ''سر'' اور خاں بہادر کے القاب سے نوازا گیا۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات میں ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن بھی ہیں جن کو لکھ کر آپ نے برصغیر میں آزاد خیال ترجمہ اور اردو تفسیر قرآن بالرائے کی بنیاد رکھی۔

۲۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی:

آپ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے ۱۳۱۵ھ میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی سے بیعت کی۔ ۱۳۱۷ھ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مدرس دوم کی حیثیت سے ملازمت شروع کی اور جلد ہی خیر المطابع کے نام سے مطبع کھولا اور اپنا ترجمہ کردہ ترجمہ قرآن (۱۳۱۸ھ) ۱۳۱۹ھ میں شائع کیا۔

(قاری فیوضی الرحمٰن ''مشاہیر علماء دیوبند'' جلد اول ص ۲۴۲ مطبوعہ لاہور)

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عاشق الٰہی نہ تو کسی معروف مدرسہ سے فارغ ہیں اور نہ اتنی دینی صلاحیت کے ماہر ہیں کہ ۲۰ سال سے بھی کم عمر میں قرآن کریم کا اردو ترجمہ کر لیا یقیناً یہ تعجب خیز عمل معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص جو صرف مولوی فاضل کی کتابیں پڑھا ہوا ہے اس میں کہاں سے یہ استعداد آ گئی کہ اس نے قرآن پاک کا صرف ۲۰ سال کی عمر میں ترجمہ مکمل کر لیا۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اپنا مطبع اس لئے قائم کیا کہ ترجمہ قرآن کی زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے لیکن یہ ترجمہ عام لوگوں میں مقبول نہ ہو سکا۔ دوسرا تعجب یہ ہے کہ آپ نے اور کوئی قابل ذکر علمی تصنیف یادگار نہ چھوڑی جس سے آپ کی علمی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ ہوتا کہ واقعی آپ کم عمر میں ترجمہ قرآن کرنے کے اہل تھے۔

۳۔ مولوی فتح محمد جالندھری:

مولوی فتح محمد مترجم قرآن کی حیثیت سے عوام میں متعارف ضرور ہیں مگر نہ تو مورخین نے اور نہ ہی سوانح نگاروں نے آپ کا تعارف اپنی تالیفات میں کرایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ عالم دین ہیں اور دینی کتابوں کے مصنف بھی۔ البتہ ترجمہ قرآن ان کا ایک واحد قلمی کارنامہ ہے جو تاریخ میں محفوظ ہے۔ تاریخی شواہد کے مطابق یہ ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد کا تھا۔ مولوی فتح محمد اس ترجمہ کو آپ اپنے ساتھ لے گئے کہ اس کو صاف صاف لکھ کر واپس کر دیں گے مگر اس ترجمہ کو واپس لانے کے بجائے کچھ عرصے کے بعد ''فتح الحمید'' کے نام سے اس ترجمہ کو (اپنے نام سے) شائع کر دیا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ علمی سرقہ قرار پائے گا۔ یہاں راقم اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جالندھری صاحب کا علمی پایہ کیا ہے اور کیا وہ ترجمۂ قرآن کے اہل تھے یا نہیں۔ تو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ مستند عالم دین تھے نہ مصنف اور نہ ہی آپ کی اس زمانے میں کوئی علمی شہرت تھی البتہ ترجمۂ قرآن کے باعث آپ مترجمین قرآن کی صف میں ضرور شامل ہو گئے اور افسوس کہ حکومت پاکستان نے اس ترجمہ قرآن کو سرکاری ترجمہ بنا رکھا ہے کہ جس کا مترجم ایک غیر معروف اور مجہول العلم شخص ہے۔ مولوی فتح محمد نے اپنی خفت مٹانے کے لئے شاہ عبد القادر کے ترجمہ کا سہارا لیا اور ایک مقام پر لکھا کہ:

''یوں سمجھئے کہ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ اگر مصری کی ڈالیاں ہیں تو یہ ترجمہ شربت کے گھونٹ نہایت آسان''۔

(ڈاکٹر صالح شرف الدین قرآن حکیم کے اردو تراجم ص ۲۶۲)

قارئین کرام! یہاں راقم کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ خود مترجم اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ یہ ترجمہ شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ کا چربہ ہے۔

۴۔ڈپٹی نذیر احمد دہلوی:

مولوی نذیر احمد دہلوی ۱۸۳۰ء یا ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سعادت علی دہلوی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مولوی نصر اللہ خورجی (م ۱۲۹۹ھ) سے عربی صرف ونحو اور فلسفہ ومنطق کی تعلیم حاصل کی اور پھر قدیم دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی علوم میں تعلیم حاصل کی۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلی کالج میں تعلیم کے دوران نئے دور کے تقاضوں سے متاثر ہوئے اور اردو ادب کے استاد رام چندر سے تفصیلی استفادہ کیا جو علمی اسلوب نثر نگاری کے بانی تھے۔ انگریز حکومت کی طرف سے ''شمس العلماء کا خطاب بھی ملا اور L.L.D اور L.L.O کی اعزازی سندیں بھی حاصل کیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کا ابتدائی دور ۱۸۷۲ تا ۱۸۹۳ء ادبی تصنیفات کا دور ہے جس کے دوران ۳۰ سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائیں۔ ان میں ادبی کتابوں کے علاوہ درسیات و اخلاقیات اور مذہبیات کے عنوان پر تحریریں بھی قابل ذکر ہیں۔ لیکن آپ کا اصل جوہر اردو زبان کے ناول نگار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے جن کے وہ بانی بھی قرار دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے ایک کتاب بعنوان ''امہات المومنین'' بھی تحریر فرمائی تھی جس میں اپنے مخصوص ظریفانہ لب ولہجہ کا اظہار اور محاوروں کا کثرت سے بے جا استعمال کیا جس کے باعث اس کتاب کے خلاف تکفیر کا ہنگامہ برپا ہوا اور اس کی تمام جلدیں جلادی گئیں۔

(ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ''ڈپٹی نذیر احمد'' مطبوعہ)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے اردو ترجمۂ قرآن سے متعلق ایک عجیب وغریب انکشاف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی صاحب نے اپنے Ph.D کے مقالے بعنوان ''قرآنی تراجم وتفاسیر ایک تاریخی جائزہ'' (غیر مطبوعہ) میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے پوتے مسلم احمد دہلوی کی روایت کردہ ایک بیان سے کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''مولوی نذیر احمد دہلوی کی ہمشیرہ اُم عطیہ بڑی عالمہ وفاضلہ تھیں .... مولوی نذیر احمد صاحب روزانہ چند آیات کا ترجمہ کر کے اپنی ہمشیرہ کے پاس بھیج دیتے اور وہ نظر ثانی فرماتیں۔ مولوی صاحب نے ترجمہ لکھوانے کے لئے پانچ آدمی کی ایک ٹیم بنائی تھی جس میں مولوی فتح محمد جالندھری بھی شامل تھے۔ مولوی فتح محمد ڈپٹی صاحب کے کئے ہوئے ترجمہ کا مسودہ ام عطیہ کے پاس لے جاتے اور وہ اس کی تصحیح فرماتیں۔ جب یہ ترجمہ مکمل ہوگیا تو ڈپٹی صاحب نے پورے ترجمہ کا مسودہ مولوی فتح محمد جالندھری کو نقل کرنے کے لئے دے دیا۔۔۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولوی فتح محمد نے اس ترجمہ کو اپنے نام سے شائع کردیا۔ ڈپٹی صاحب کو اس واقعہ سے سخت تکلیف پہنچی اور ان کی ہمت ٹوٹ گئی لیکن ان کی ہمشیرہ نے پھر ہمت بندھوائی اور فرمایا کہ دوبارہ اس ترجمہ کے کام کو شروع کیا جائے۔ اس دفعہ ۱۰ آدمی ترجمہ لکھنے کے لئے مقرر ہوئے اور ام عطیہ نے دوبارہ اس پورے مسودے کی تصحیح فرمائی۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ قرآن میں جو عبارتیں قوسین میں ہیں وہ ام عطیہ کی عبارتیں ہیں''۔

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ''قرآنی تراجم اور تفاسیر ایک تاریخی جائزہ'' Ph.D مقالہ، ص ۴۰۰۔۴۰۱)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ اور حواشی ''غرائب القرآن'' کے نام سے مشہور ہے جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا جس کی اشاعت کے بعد کئی علماء نے تنقید بھی فرمائی۔ مولوی اشرفعلی تھانوی نے ''اصلاح ترجمہ دہلویہ'' کے نام سے ۲۴ صفحات پر مشتمل رسالہ لکھا جس میں اس ترجمۂ قرآن پر اعتراضات وارد کئے ہیں اس کے علاوہ ان کے کئی ہم عصر اور بعد کے علماء نے ان کے ترجمہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔

شاہ برادران کے اردو تراجم قرآن کے لگ بھگ ۱۰۰ سال کے بعد ۱۳۱۴ھ میں ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمۂ قرآن سامنے آتا ہے۔ یہ ترجمہ اگر چہ ان دونوں تراجم سے مختلف ہے لیکن انتہائی کثرت سے محاورات کا جا و بے جا استعمال کیا گیا ہے۔ ڈپٹی صاحب چونکہ بنیادی طور پر ناول نگار تھے بلکہ ناول نگاری کے بانی تھے انھوں نے اپنے ترجمہ میں بھی اس رنگ کو اپنانے کی کوشش کرتے ہوئے محاورات کا بے جا استعمال کیا ہے جس کہ باعث اس کو ترجمہ کہنے کے بجائے محاوراتی ترجمہ یا توضیحی و

تشریحی ترجمہ کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ تعجب یہ ہے کہ انھوں نے محاورات کے استعمال کے آگے قرآنی متن کا بھی خیال نہ رکھا۔

اردو ادب کے بعض ناقدین نے ڈپٹی صاحب کو مترجم قرآن کی حیثیت سے بہت سراہا ہے مگر ترجمۂ قرآن میں کی گئی بے اعتدالیوں سے صرف نظر کر گئے۔ خیال رہے کہ یہ کلام الٰہی ہے کلام انسان نہیں لہٰذا کسی بھی قسم کی بے اعتدالی قرآن کے ترجمہ میں مناسب نہیں ہوگی۔

۵۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی :

آپ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور دارالعلوم دیوبند سے ۱۲۸۸ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور اس مدرسہ میں ۱۳۰۸ھ میں صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ مولوی قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) سے کتب صحاح ستہ کا درس لیا۔ آپ نے جزائر مالٹا میں اسیری کے دوران (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء تا ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) قرآن مجید کا اردو زبان میں ترجمہ مکمل کیا اور ساتھ ہی سورہ النساء تک حواشی بھی تحریر فرمائے۔ رہائی کے بعد جب ہندوستان واپس لوٹے تو ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں انتقال ہوگیا۔ آپ نے ترجمہ قرآن کے علاوہ چند مذہبی نوعیت کی چھوٹی بڑی ۱۰ کتابیں اردو زبان میں اور تحریر فرمائیں مگر آپ کی وجہ شہرت ترجمہ قرآن ہے۔

مولوی محمود الحسن دیوبندی نے شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ قرآن ''موضح القرآن'' کو بنیاد بنا کر ترجمہ کیا ہے۔ حقیقت میں مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے صرف متروک محاورات یا الفاظ کو جو شاہ عبدالقادر کے ترجمہ میں ہیں ان کو تبدیل کیا ہے اور کہیں کہیں الفاظ کے توضیحی ترجمے کئے ہیں احقر نے اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی تھیس ''کنزالایمان اور دیگر معروف تراجم کا تقابلی جائزہ'' کی تیاری کے دوران مولوی صاحب کے ترجمہ کا بغائر تجزیہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ محولہ ترجمہ میں مولوی محمود الحسن صاحب کا حصہ بمشکل ۲۰ فیصد ہے جبکہ ۸۰ فیصد ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ''موضح القرآن'' کا چربہ ہے چنانچہ مترجم موصوف خود اپنے مقدمہ میں اس بات کا نہ صرف اظہار کرتے ہیں بلکہ اقرار کرتے ہیں کہ مترجمین کی صف میں ایسا ہی شامل ہوا ہوں جس طرح کوئی لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوتا ہے ملاحظہ کیجئے آپ کی اپنی تحریر ترجمہ قرآن سے متعلق:

''تراجم موجودہ صحیحہ معتبرہ (ترجمہ شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین دہلوی) کے ہوتے ہوئے ہمارا جدید ترجمہ کرنا لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا ہے جس سے نہ مسلمانوں کو کوئی نفع معتبرہ پہنچ سکتا ہے نہ ہم کو۔۔۔۔۔ ہم کو جدید ترجمہ کرنا فضول سے بڑھ کر نہایت مذموم اور مکروہ تک نظر آتا ہے۔ (مولوی محمود الحسن: ترجمہ قرآن، مقدمہ، ص: ۲، مطبوعہ کراچی)

قارئین کرام! خود مترجم کے اعتراف کے بعد کہ اس کو مترجم کہنا مناسب نہیں اور جدید ترجمہ کرنا فضول سے بڑھ کر مذموم ہے اس لئے مولوی محمود الحسن کا ترجمہ قرآن شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کا چربہ قرار پائے گا اور اس کو اصل ترجمہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ آپ کیونکہ عالم دین تھے اور دیوبند کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے اسلئے مترجمین کی صفوں میں شامل سمجھے گئے۔

۶۔ مولوی نواب وحید الزماں :

مولوی وحید الزماں ابن نور محمد ابن شیخ احمد فاروقی کانپور میں ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں حیدرآباد دکن میں انتقال ہوا۔ درس نظامی کی سند مدرسہ فیض عام کانپور سے حاصل کی۔ آپ ابتدا میں پکے حنفی تھے اور ابتداً سلسلۂ قادریہ، پھر نقشبندیہ سلسلہ میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۸۹۵ء) سے بیعت بھی ہوئے جن سے حدیث مسلسل بالترجمہ کی سند بھی حاصل کی۔ مولوی وحید الزماں اپنے بڑے بھائی مولوی بدیع الزماں (م ۱۳۱۲ھ) سے متاثر ہو کر حنفیت چھوڑ کر اہلِ حدیث کے مکتبۂ فکر میں شامل ہوگئے اور ساتھ ہی طریقت کو بھی ترک کر دیا۔ آپ نے ایک سو سے زیادہ کتب یادگار چھوڑی ہیں ان میں تراجم و تالیفات و تصنیفات سب شامل ہیں مگر زیادہ رشحات قلم فنِ حدیث کی کتابوں کی صورت میں ہیں۔ آپ کی ایک کاوش ترجمۂ قرآن بھی ہے جس کو ''موضحۃ القرآن'' کے نام سے آپ نے ۱۹۰۳ھ میں مکمل

فرمایا اس کے علاوہ تفسیری وحیدی، لغات القرآن اور اشارۃ الاخوان بفضائل القرآن کے نام سے بھی تالیفات تحریر فرمائیں۔

مولوی وحید الزماں حدیث وفقہ کی کئی درجن کتابوں کے مصنف ومترجم ہیں مگر آپ کے ترجمۂ قرآن کے مطالعہ کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یا تو قرآن کے اصل معانی ومطالب پر ان کی نظر کمزور تھی یا آپ کسی نئے رجحان کی نمائندگی کررہے ہیں جدید خیالات وافکار کی ترجمانی کا عنصر ان کے ترجمۂ قرآن میں نمایاں ہے اور ترجمہ قرآن کرتے وقت اکثر مقامات پر وہ غیر ضروری اضافے کرجاتے ہیں جس سے روحِ قرآن مجروح ہوتی ہے۔ مثلاً:

(اے پیغمبر) خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو معبود نہ بنا۔ (بنی اسرائیل:۲۲)

(اے پیغمبر) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو (مشرکوں کی طرح) مت پکار۔ (الشعراء:۲۱۳)

اور (اے پیغمبر) تجھ کو یہ امید کہاں تھی کہ تجھ پر کتاب اترے گی مگر یہ تو ترے مالک کی مہربانی ہوئی کہ تجھ پر قرآن اترا۔ (القصص:۸۶)

۷۔ مولوی اشرفعلی تھانوی:

مولوی اشرفعلی تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر میں (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیو بند میں ۱۲۹۵ء میں داخل ہوئے اور ۲۱ سال کی عمر میں فارغ تحصیل ہوئے۔ اس دارالعلوم میں آپ نے مولوی یعقوب نانوتوی، مولوی محمود الحسن دیوبندی، مولوی سید احمد دیوبندی اور مولوی عبدالعلی میرٹھی سے اکتسابِ فیض کیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (المتوفی ۱۳۱۷ھ) سے بیعت ہوئے اور خلافت واجازت بھی حاصل کی۔

مولوی اشرفعلی تھانوی کثیر تصانیف لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں مگر صحیح تعداد اور موضوعات پر تذکرہ نگاروں نے ابھی تک توجہ نہیں دی۔ مولوی اشرفعلی تھانوی کی تصانیف علوم دینیہ کے مختلف موضوعات پر صرف اردو زبان میں ملتی ہیں۔ ان میں ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن کے علاوہ فتاوی بھی ہیں آپ نے طویل عمر پائی اور ۸۲ سال کی عمر میں ۱۳۶۲ھ میں تھانہ بھون میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ نے اپنے ترجمۂ قرآن اور کتاب ''بہشتی زیور'' سے کافی شہرت پائی۔ مولوی صاحب کا ترجمہ قرآن ۱۹۰۵ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۰۸ء میں دہلی سے شائع ہوا اس ترجمہ کے ساتھ مقدمہ بھی تحریر ہے جس میں اپنے ترجمہ کرنے کی غرض وغایت بھی بیان کی ہے آپ لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمے شائع کرنا شروع کئے ہیں جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھردیے جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی ـــــ چونکہ کثرت سے ترجمہ بینی کا مذاق پھیل گیا ہےــ مشورے سے یہ ہی ضرورت ثابت ہوئی کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جائے جن کی زبان وطرز بیان وتقریر مضامین میں ان کے مذاق وضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظ رہے۔''

(مولوی اشرفعلی تھانوی مقدمہ بیان القرآن، ص:۲، تاج کمپنی لمیٹڈ)

ڈاکٹر صالحہ اشرف اپنی تصنیف ''قرآن حکیم کے اردو تراجم'' میں مولوی اشرفعلی تھانوی کے اس مقدمے پر گفتگو کرتے ہوئے ص:۲۸۳ پر رقمطراز ہیں:

''جن تراجم کے غیر اطمینان ہونے کی طرف مولانا نے اشارہ کیلئے اس میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مرزا حسرت دہلوی اور سرسید احمد خاں کے ترجمے شامل ہیں۔ مولانا تھانوی مسلک میں روایتی عقائد کو پسند نہیں کرتے تھے۔''

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات سامنے آئی کہ اشرفعلی تھانوی نے اس لئے ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کی کہ ان کے زمانے میں جتنے بھی ترجمہ قرآن تھے اولاً وہ معیاری نہ تھے۔ دوم، وہ قواعد شرعیہ کے خلاف تھے۔ قارئین کرام! احقر نے یہاں سات (۷) مترجمین کا تعارف کروایا ہے اور ان سب کے ترجمہ سے متعلق مولوی اشرفعلی تھانوی کا

تجزیہ میرے مقصد کی حمایت کرتا ہے کہ یہ مترجمین ترجمۂ قرآن کے اہل نہ تھے اور اس قسم کے تراجم سے مترجمین کی طرح لوگوں کے نظریات میں بھی تبدیلی آئی جس کے باعث فرقے بنتے چلے گئے اور وہ روح قرآن سے دور ہوتے چلے گئے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ جن غیر معیاری اور خلاف قواعد تراجم کی نشاندہی مولوی اشرفعلی تھانوی اپنے مقدمے میں کررہے ہیں اسی قسم کی بے اعتدالیاں خود ان کے ترجمۂ قرآن میں پائی جاتی ہیں۔ کاش کہ وہ اپنے ترجمۂ قرآن کو بھی اسی نظر سے دیکھ لیتے جس طرح دوسرے تراجم کو دیکھا تھا تاکہ ان کا ترجمۂ قرآن ان اغلاط سے پاک ہوجاتا جو پچھلے مترجمین کرچکے تھے۔

مولوی اشرفعلی تھانوی کا ترجمۂ قرآن اگرچہ پچھلے تراجم کے مقابلے میں زیادہ سلیس اور عام فہم ہے اور محاورات کا استعمال بھی قدرے کم اور کسی حد تک ضرورت کے مطابق ہے مگر آپ کا یہ ترجمہ توضیحی اور نثری زیادہ ہے۔ اس نہج کو بعد کے مترجمین نے اور آگے بڑھایا اور ترجمہ قرآن کے بجائے مفہوم القرآن اور پھر تفہیم القرآن کردیا۔

مولوی اشرفعلی تھانوی نے اپنے ترجمۂ قرآن میں انبیاء کی عظمت کو اجاگر کرنے کے بجائے اتنا گرادیا کہ مسلمان کا دل لرز جائے مثلاً وہ نبی کو خطا کار (ص:۵۷۴)، غافل (ص:۳۶۰)، شریعت سے بے خبر (ص:۴۸۱)، ایمان سے بے خبر (ص:۵۵۱) تک لکھ دیتے ہیں۔ (مولوی اشرفعلی، ترجمۂ قرآن، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی)

۸۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی:

مولانا احمد رضا خاں محمدی حنفی قادری برکاتی محدثِ بریلوی ابن مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) ابن مولانا مفتی محمد رضا علی خاں بریلوی (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) بریلی میں (۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء) پیدا ہوئے اور ۱۴ سال سے بھی کم عمر میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ ''مصباح العلوم'' سے ۱۲۸۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ اپنے والد کے ساتھ سلسلۂ قادریہ میں شاہ آل رسول مارہروی (۱۲۹۶ھ) سے بیعت ہوئے اور والد صاحب کے ساتھ ہی پہلا حج ۱۲۹۵ھ میں ادا کیا جبکہ دوسرا حج ۱۳۲۴ھ میں ادا کیا۔

آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ دورِ طالبعلمی میں شروع کردیا تھا اور آخر عمر تک یہ مشغلہ جاری رہا جس کے باعث ایک ہزار سے زیادہ کتب تصنیف و تالیف فرمائیں جو اردو، فارسی اور عربی زبان پر مشتمل ہیں۔ آپ نے علومِ نقلیہ وعقلیہ کے تمام عنوانات پر قلمی رشحات یادگار چھوڑے ہیں جن میں سے ۴۰ فیصد زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ آپ کے قلمی رشحات میں سے چند کتب نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی مثلاً:

۱۔ فتاویٰ رضویہ ۱۲ مجلدات جس میں ہزاروں فتاویٰ کے علاوہ ۱۵۰ سے زیادہ رسائل ہیں۔ یہ فتاویٰ تین زبانوں پر مشتمل ہے یعنی اردو، فارسی اور عربی جبکہ ایک فتویٰ انگریزی میں بھی ہے۔

۲۔ ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' جو آپ نے ۱۳۳۰ھ میں مکمل فرمایا۔

۳۔ حدائقِ بخشش نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ جس میں اردو زبان کا طویل ترین سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' بھی ہے جو زمین کے ہر خطے میں پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

۴۔ كفل الفقيه الفاهم في قرطاس الدراهم.

۵۔ الدولة المكية بالمادة الغيبية.

۶۔ فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین۔

۷۔ حسام الحرمين على منحر الكفر والمين.

۸۔ جد الممتار على ردّ المحتار.

۹۔ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت۔

۱۰۔ احکامِ شریعت وغیرہم

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی غیر معمولی صلاحیتوں کے پیشِ نظر آپ کے ہم عصر علمائے عرب وعجم نے آپ کو ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ۱۴ ویں صدی ہجری کا مجددِ دین وملت تسلیم کیا اور آپ کو مجدد مائۃ

حاضرہ، امام، محدث، مجتہد، اور فقیہہ اعظم و وقت کا نابغۂ روزگار تسلیم کیا گیا۔ آپ دنیائے اسلام میں امام احمد رضا اور اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کے لقب سے زیادہ معروف ہوئے۔ آپ کی علمی کاوشیں گواہ ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے ہر علم وفن پر دسترس رکھنے والے راسخ العلم عالم تھے اور اس اعتبار سے آپ کا کوئی مدّ مقابل نہ آپ کے دور میں نہ ہی اس دور میں نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ حضراتِ علماء کے درمیان اعلیٰ تسلیم ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے لقب سے پکارے گئے جواب آپ کے نام کا حصہ بن چکا ہے۔

۹۔ ابو الکلام آزاد:

آپ کا نام احمد تھا اور مکہ مکرمہ میں ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی مولوی خیر الدین دہلوی (م ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) شاہ عبد الغنی دہلوی کی مسند پر ایک زمانے تک درسِ بخاری دیتے رہے۔ صوفی منش بزرگ تھے جن کے ہزار ہا مرید کلکتہ اور دہلی میں آباد تھے۔ مولوی آزاد صاحب نے دس برس کی عمر میں کلکتہ میں اپنے والد سے اردو، فارسی ادب کے علاوہ فقہ کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔ ان کے علاوہ مولوی آزاد کے استادوں میں قابلِ ذکر نام مولوی نذیر الحسین امیٹھوی، مولوی سعادت حسین اور مولانا محمد شاہ رامپوری قابلِ ذکر ہیں۔

ابتداء میں مولوی آزاد کی طبیعت کو ان علوم سے زیادہ رغبت نہ تھی چنانچہ موسیقی سے لگاؤ بڑھا اور مرزا محمد ہادی سودا سے فنِ موسیقی میں استفادہ کیا، ستار سے کافی پیار تھا یہاں تک کہ چاندنی راتوں میں ستار لے کر تاج محل چلے جاتے تھے۔

مولوی آزاد نے لڑکپن میں شاعری کی طرف بھی رغبت رکھی اور اس فن کا شوق دلانے والے عبد الواحد سرامی تھے اور آزاد تخلص ان کے استاد ہی کا رکھا ہوا ہے۔

مولوی آزاد اگرچہ بیک وقت کئی سمت میں قدم جماتے نظر آتے ہیں، ایک طرف دینی تعلیم بھی حاصل کی اور دوسری طرف شاعری اور موسیقی سے بھی کافی حد تک لگاؤ رکھا مگر عملی زندگی کا آغاز صحافت کے میدان سے کیا۔ ماہانہ ''لسان الصدق'' جریدہ کی ادارت کے ساتھ ہی ادبی رسالہ ''مخزن'' مین مضامین لکھنا شروع کئے اور پھر جلد ہی ۱۹۰۲ء میں ''الہلال'' کے نام سے اپنا اخبار جاری کیا۔

الہلال کے اجراء کے ساتھ ہی مولوی آزاد کا علمی اور سیاسی غلغلہ بلند ہوا اور جلد ہی سیاسی افق پر چھا گئے۔ الہلال کے بعد البلاغ، تحریک حزب اللہ اور تحریکِ خلافت اسی راہ کے اہم سنگ میل ہیں لیکن ۱۹۳۰ء کے بعد ابو الکلام آزاد جو تجدید و احیائے دین کے علمبردار تھے، متحدہ قومیت اور کانگریس سیکولرازم کے مبلغ بن گئے۔ ابو الکلام آزاد کا انتقال ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء میں ہوا اور دہلی کی جامع مسجد کے احاطے میں سپردِ خاک ہوئے۔

اس سے قبل کہ راقم مولانا آزاد کے ''ترجمان القرآن'' پر کوئی تبصرہ کرے، مناسب سمجھتا ہوں کہ وقت کے مؤرخ جناب خورشید احمد صاحب کا تبصرہ جو انہوں نے مولانا آزاد کی تفسیر اور ترجمہ پر کیا ہے وہ یہاں پیش کروں۔ جناب خورشید احمد رقمطراز ہیں:

''صفاتِ باری تعالیٰ کی بحث میں وہ وقت کے مذہبی ارتقاء کے نظریات سے پوری طرح اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔''

ابو الکلام آزاد تفسیر کرتے وقت اپنی رائے کو اتنی اہمیت دے گئے کہ جو بات قرآن کے حوالے سے کوئی نہ کہہ سکا وہ آپ کے قلم سے سامنے آئی۔ آپ ادیان کی بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی طرح وحدتِ ادیان کی بحث میں بھی وہ ہندوستان کی فکر اور سیاسی مصلحتوں کو کلی طور پر نظر انداز نہ کر پائے اور یہ لکھ گئے کہ

قرآن نے صرف یہ ہی نہیں بتایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔''

(تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۱۰ ص، ۲۹۵۔۶۹۶)

مولانا آزاد نے ترجمۂ قرآن کرتے وقت ایک نیا اسلوب اختیار کیا کہ لفظی، محاوراتی ترجمۂ قرآن کی بجائے قرآن کریم کے الفاظ کے معنی و مطلب سمجھ لینے کے بعد اس کے مفہوم کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس اسلوب کو بعد میں مولوی غلام احمد پرویز اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے خاصا آگے بڑھایا جس کے باعث ترجمہ قرآن معنویت سے ہٹتا چلا گیا۔

ان مترجمین قرآن نے متعدد مقامات پر آیاتِ قرآنی کا اپنی فہم کے مطابق (قرآنی فہم سے ہٹ کر) وہ مطلب بیان کیا جو متنِ قرآن سے دور ہی نہیں بلکہ متنِ قرآن کے مخالف تھا۔ مولانا آزاد نے کئی مقامات پر قرآن سے ہٹ کر آزاد ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے جو ترجمہ کرنے کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ ترجمہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لفظوں کو ایک نظم کے ساتھ دوسری زبان میں ڈھالا جائے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر مترجم کی اپنی عقل اور رائے کا دخل لازم قرار پاتا ہے اور یہ ترجمۂ قرآن کے لئے قابلِ قبول نہیں۔ چند تراجم ملاحظہ کریں:

۱۔ مسلمانو! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو۔ O (البقرۃ:۱۵۳)

۲۔ اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ہاتھیوں کا ایک غول لے کر مکہ پر حملہ ہوا تھا؟ خدا نے ان کے تمام داؤ غلط نہیں کروائے اور ان پر عذاب کی نحوستوں کے غول نازل نہیں کیے؟ جنہوں نے انہیں سخت بربادی میں مبتلا کر دیا جو ان کے لئے لکھ دی گئی تھی یہاں تک کہ پامال شدہ کیفیت کی طرح تباہ ہو گیا۔ (سورۃ الفیل)

ایک عالم جو عربی زبان اور قرآنی علوم پر دسترس رکھتا ہے وہ اس ترجمہ کے بعد یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا کہ مترجم نے وہ بات کہہ دی ہے جو منشائے الٰہی نہیں اور اپنی فہم سے متنِ قرآنی کو بگاڑ دیا ہے۔ اس ترجمہ سے یقیناً ایک صحافتی ذہن کا پتہ تو چلتا ہے لیکن مصطفوی ذہن سے دور تک ہم آہنگی نظر نہیں آتی ہے۔ لہٰذا فرق صاف ظاہر ہے۔

۱۰۔ ابو الاعلیٰ مودودی:

آپ ۳ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ/ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے۔ ۱۹۱۴ء میں مولوی کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد حیدرآباد کے ایک دارالعلوم میں داخلہ لیا مگر والد کے انتقال کے باعث تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ معاشی زندگی کا آغاز صحافتی پیشہ سے کیا اور اخبار ''مدینہ'' اور ''الجمعیۃ'' (دہلی) میں صحافی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ جلد ہی الجمعیۃ کے ایڈیٹر بھی بنا دیئے گئے اور ۱۹۲۸ء تک کام کیا مگر جمعیت علمائے ہند کی کانگریس سے مفاہمت کی پالیسی کے اختلاف پر الجمعیۃ سے استعفیٰ دے دیا اور پھر خود حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۲ء میں رسالہ ''ترجمان القرآن'' کا اجراء کیا۔

مودودی صاحب کی زندگی کا ایک نیا دور ''ترجمان القرآن'' کی اشاعت سے شروع ہوتا ہے۔ بہت جلد آپ پنجاب منتقل ہو گئے اور ۱۹۳۲ء تا ۱۹۴۱ء اس کی اشاعت مسلسل جاری رہی اور ایک عشرے کے بعد آپ کے ہم خیال لوگوں کا ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء میں اجتماع ہوا جہاں ''جماعتِ اسلامی'' نام سے ایک مذہبی جماعت کی بنیاد ڈالی گئی اور مودودی صاحب کو اس کا اول بانی امیر چنا گیا۔ آپ ۴۱ سال تک جماعتِ اسلامی کے امیر رہے اور ۱۹۷۲ء میں امیر کی حیثیت سے استعفیٰ دے دیا اور ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء میں امریکہ کے ایک ہسپتال میں انتقال ہوا۔

مودودی صاحب نے صحافتی پیشہ کے تجربہ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت آسان اور سادہ اسلوب میں ترجمۂ قرآن اور تفسیر

لکھی ہے جو ایک کم علم انسان کے لئے عام فہم ضرور ہے مگر مترجم چونکہ بنیادی طور پر عربی زبان اور دینی علوم سے واقف نہیں اس لئے مترجم عربی تفاسیر ماثورہ اور احادیث کے عربی خزانے سے زیادہ استفادہ نہیں کرسکا جس کے باعث ان کا ترجمہ اور تفسیر اصل سے ہٹ کر تفسیر بالرائے بن گیا ہے اور خود مترجم اس کو تفہیم کہہ رہے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ترجمہ منشائے الٰہی سے زیادہ فہمِ مودودی کا عکاس ہے جو یقیناً دین کو سمجھنے میں نقصان دہ ہے اور ایک نئی فکر اور فرقہ کی بنیاد ہے۔

جناب مودودی اپنے مقدمہ میں خود ان باتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن خدشات کا احقر نے اوپر اظہار کیا۔ وہ رقمطراز ہیں:

''میں نے اس قرآن کے الفاظ کو اردو جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے، اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کردوں۔

آگے چل کر رقم طراز ہیں:

''اس طرح کے آزاد ترجمے کے لئے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ان کے مطالب کی جسارت کی جائے لیکن معاملہ کلامِ الٰہی کا تھا اسی لئے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے''۔ (تفہیم القرآن، ج:۱، دیباچہ، ص:۱۱)

جناب مودودی کے خود ان وضاحتی کلمات کے بعد ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ان کے ترجمہ یا تفسیر پر مزید اظہارِ خیال کیا جائے۔ جب وہ خود فرمارہے ہیں کہ قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم میری سمجھ میں آیا اور جس کو میرے دل نے قبول کیا، وہ تحریر کے ذریعہ منتقل کردیا اور اپنی مرضی مسلط کرنے کے لئے ڈرتے ڈرتے آزاد خیالی کی جسارت بھی کرلی جو منشائے الٰہی کے مخالف بھی تھی۔ لہٰذا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جناب مودودی کا ترجمۂ قرآن ''تفہیم القرآن'' خود مترجم قرآن کی اپنی قرآن فہمی کا عکاس ہے اصل قرآن کا ترجمان نہیں جبکہ کلامِ الٰہی کی منشاء، تفاسیر ماثورہ، اور احادیث نبوی کے بغیر ممکن نہیں۔ بغیر اس کی روشنی کے ہر ترجمہ تفسیر بالرائے ہوگا جو یقیناً قرآن کے اصل کے خلاف ہوگا اور پڑھنے والے کے بنیادی دینی و اسلامی عقائد و نظریات کے لئے تباہ کن۔ مودودی صاحب نے جسارت کرتے ہوئے ایک جملے میں پچھلے تمام تفسیری اور احادیث کے ذخیرے کو اپنے ان الفاظ سے مسترد کردیا۔

''قرآن و سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر قرآن و حدیث کے پرانے ذخیرے سے نہیں۔''

جناب مودودی قرآن و سنت کے اس ذخیرے کو مسترد کرنے کی وجہ بھی خود بیان کردیتے ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں:

''آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیثِ رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو، حدیث کے صحیح ہونے کے لئے لازم دلیل نہیں سمجھتے۔''

(رسائل و مسائل، ج:۱، ص:۲۲۹)

اصولِ دین کا ہر طالبِ علم فنِ حدیث کے اس اصول کو سمجھتا ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے لئے دو بنیادی چیزوں کی پڑتال ضروری ہے۔ اول اس کی ''سند'' اور دوم اس کا ''متن''، اور اگر سند درست ہے تو اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد پر حکم کا نفاذ ہوتا ہے مگر جناب مودودی صاحب اس اصول کو یکسر نظر انداز کرتے ہیں اور سند کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں بلکہ خود ان کا فہم بنیادی اصول اور سند ہے کہ اگر ان کی عقل نے تسلیم کرلیا تو وہ حدیث صحیح ورنہ وہ حدیث اور قرآن کے مطالب قابلِ عمل نہیں۔

امام احمد رضا اور ترجمۂ کنز الایمان

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان کا تفصیل کے ساتھ علمی تعارف تو یہاں ممکن نہیں کہ مقالہ طول پکڑ جائے گا البتہ مختصر تعارف ضرور کروانا چاہوں گا تا کہ قارئین کرام، امام احمد رضا اور دیگر مترجمینِ قرآن

کی صلاحیتیوں کا ازخود تقابل کرسکیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمۂ قرآن (۱۳۳۰ھ) سے قبل کئی تراجم عوام میں متعارف ہو چکے تھے جن کی تعداد ۲۵۔۳۰ سے کم نہ تھی۔ شاہ برادران کے تراجم کے ساتھ ساتھ ڈپٹی نذیر احمد، سرسید احمد خاں، عاشق الٰہی میرٹھی، فتح محمد جالندھری، مولوی وحید الزمان، مولوی اشرفعلی تھانوی اور دیگر غیر معروف تراجم عوام الناس کے مطالعہ میں آرہے تھے جبکہ مولوی محمود الحسن دیوبندی، ابو الکلام آزاد کے تراجم قرآن کی اشاعت بھی برابر ہورہی تھی۔ قارئین کرام کو یہاں یہ ضرور بتاتا چلوں کہ یہ تمام مترجمین سوائے شاہ برادران کے اہلِ سنت وجماعت کے عقائد سے متفق نہ تھے۔ ان تراجم سے نت نئے عقائد اور نظریات سامنے آرہے تھے جس کے باعث عوام اہلِ سنت میں بے چینی بڑھ رہی تھی اور ضرورت اس امر کی تھی کہ اہلِ سنت وجماعت کے قدیمی عقائد اور نظریات رکھنے والا کوئی اہل اور مستند عالم ترجمۂ قرآن کی خدمت سرانجام دے تاکہ مسلمانوں کے عقائد کو محفوظ اور مضبوط رکھا جاسکے۔ بیشتر تراجمِ قرآن مسلمانوں کے نظریاتِ الوہیت و شانِ رسالت کے خلاف تھے۔ یہ بات بھی قطعی طور پر فہم سے بالاتر ہے کہ یکے بعد دیگرے اتنی کثرت سے اردو زبان میں تراجمِ قرآن کی کیا ضرورت تھی جبکہ بنیادی طور پر امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن سے قبل کے اردو قرآنی مترجمین کی ذہنی وفکری اور عقائد میں کسی حد تک ہم آہنگی بھی تھی۔ امام احمد رضا کے بعد کے مترجمینِ قرآن کی اکثریت بھی اسی فکر کی داعی تھی کہ مسلمانوں کے ذہن ودل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو کم کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے منصبِ نبوت ورسالت کی اہمیت وافضلیت کو بھی مشکوک کیا جائے۔ البتہ اردو زبان میں تراجمِ قرآن کی کثرت کے باعث اردو ادب کو الفاظ اور محاورات کا ایک بڑا ذخیرہ ضرور میسر آیا۔

اکثر مترجمین نے اپنے جدید افکار وخیالات ونظریات کو تراجمِ قرآن میں ڈھالنے کی کوششیں کی ہیں جن کے باعث برصغیر میں نئے نئے فرقوں نے جنم لیا اور ترجمۂ قرآن کے سہارے فروغ بھی پایا۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے برصغیر میں اس نازک صورتحال کے دیکھتے ہوئے اپنے احباب وخلفاء کے بے حد اصرار پر ترجمۂ قرآن کا وعدہ فرمالیا اور کثیر تصنیفی مشغولیات کے باعث آپ نے اپنے ایک خلیفہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) سے گذارش کی کہ آپ میرے پاس کاغذ وقلم لے کر آجایا کریں، جیسے جیسے وقت ملے گا احقر قرآن کریم کا اردو ترجمہ لکھوادے گا چنانچہ اس عظیم کام کی ابتداء جمادی الاول ۱۳۲۹ھ میں ہوئی اور چند نشستوں میں وقفے وقفے سے یہ کام ہوتا رہا۔ مخطوطہ کے آخر میں جو تاریخ درج ہے وہ شب ۲۰/ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ ہے جہاں امام احمد رضا خاں کے دستخط بھی ہیں۔ اس طرح ۱۳ ماہ میں چند نشستوں میں یہ کام مکمل ہوا۔ سارا مخطوطہ علامہ مولانا امجد علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کے آخر میں امام احمد رضا کے دستخط موجود ہیں۔ اس مخطوطہ کی فوٹو کاپی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ ترجمۂ قرآن کیونکہ ۱۳۳۰ھ میں مکمل ہوا لہٰذا علمِ الاعداد کی بنیاد پر امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل نام تجویز کیا:

''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن''

یہ ترجمۂ قرآن مولانا احمد رضا کی حیات ہی میں شائع ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مراد آباد سے یہ ترجمۂ قرآن مولانا نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) کے حاشیہ ''خزائن العرفان'' کے ساتھ شائع ہوا اور مسلسل ۱۰۰ سال سے شائع ہورہا ہے۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے علاوہ کئی تفسیری حاشیہ اور تفاسیر اس ترجمہ کے ساتھ شائع ہورہی ہیں۔ مثلاً

۱۔ **امداد الدیان فی تفسیر القرآن**
مولانا حشمت علی خاں قادری پیلی بھیتی (م ۱۳۸۰ھ)

۲۔ **احسن البیان لتفسیر القرآن**
مولانا عبد المصطفیٰ الازہری، کراچی (م ۱۹۸۹ء)

۳۔ **نور العرفان فی حاشیۃ القرآن**
مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی، گجرات (م ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء)

۴۔ خلاصة التفاسير

مولانا مفتی خلیل احمد میاں برکاتی، حیدر آباد، سندھ (م ۱۹۸۴ء)

۵۔ تفسير الحسنات

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور (م ۱۹۸۰ء)

۶۔ فيوض الرحمن ترجمه روح البيان

مترجم اردو: مولانا محمد فیض احمد اویسی

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے ترجمۂ قرآن پر سیکڑوں اہلِ قلم کی مثبت رائے موجود ہیں جن کو یہاں پیش کرنا ناممکن ہے۔ میں یہاں ان چند اہلِ قلم کی رائے کو پیش کر رہا ہوں جو عرف میں امام احمد رضا کی فکری اور ایمانی سوچ سے ہم آہنگی نہیں رکھتے مگر انہوں نے علم دوستی کے رشتے کے باعث جو اظہارِ خیال کیا وہ یہاں پیش کر رہا ہوں، ملاحظہ کیجئے۔

پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، (ڈائریکٹر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور) لکھتے ہیں:

''اردو زبان میں جن اہلِ علم نے ترجمے (قرآن) کئے، آدمی ان کی نیکی، اخلاص اور محنت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تراجم کی اکثریت ایسی ہے جو قرآن مجید کے بے مثال ادبی و معنوی حسن کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان خدا ترس اہلِ علم کو اردو زبان کے ادبی سرمایہ پر عبور حاصل نہیں تھا نیز یہ کہ ہر زبان کا اپنا اسلوب ہے جس کا ترجمہ ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ 'ذہب فلاں' [He went] لیکن اس کا ترجمہ اردو زبان میں شخصیت کے مقام و مرتبہ کے لحاظ رکھتے ہوئے جمع کے ساتھ کیا جائے گا مثلاً 'وہ تشریف لے گئے'۔ اگر کسی بڑی علمی و مذہبی، خاص طور پر پیغمبر کی ذاتِ گرامی کے ذکر میں عربی یا انگریزی سے ترجمہ مفرد ہی کیا جائے تو وہ ذوقِ سلیم پر گراں گزرے گا۔ چنانچہ ترجمہ اور تشریح میں ادب کا ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔''

آگے چل کر ڈاکٹر جالندھری صاحب، امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''گذشتہ دنوں جب مولانا عبد القیوم ہزاروی (مہتمم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) نے از راہِ کرام مجھے مولانا احمد رضا خاں مرحوم کے ترجمۂ قرآن کا تحفہ دیا تو خاکسار نے اس ترجمہ کو مقدور بھر غور سے پڑھا۔ اس ترجمہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے ترجمۂ قرآن میں اور حاملِ قرآن ﷺ کے مقامِ بلند کے آداب کو نگاہ میں رکھا ہے اور آپ نے سورۃ والضحیٰ کی آیت ''ووجدک ضالا فہدیٰ'' کا جو ترجمہ ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی'' کیا ہے، وہی زیادہ مناسب ہے''۔

(مجلہ تعارف فتاویٰ رضویہ جدید، ص:۲۱، باہتمام رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۳ء)

جناب کوثر نیازی (سابق وفاقی وزیر اور سابق چیئر مین اسلامی نظریاتی کونسل) سورہ والضحیٰ کی آیت ''ووجدک ضالا فہدیٰ'' کے ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''امام نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے! فرماتے ہیں:

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

کیا ستم ہے فرقہ پرور لوگ رشدی (ملعون) کی لغویات پر تو زبان کھولنے سے اور عالمِ اسلام کے قدم بقدم کوئی کاروائی کرنے میں اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقایانِ ولی نعمت ناراض نہ ہو جائیں مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمہ پر پابندی لگا دیں جو عشقِ رسول کا خزانہ اور معارفِ اسلامیہ کا گنجینہ ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے''

(کوثر نیازی، ''امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت''، ص:۱۹، مطبوعہ کراچی)

پروفیسر امتیاز احمد سعید (م ۱۹۹۳ء) (سابق ڈائریکٹر، وزارت مذہبی امور، حکومتِ پاکستان)، امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایسا ترجمۂ قرآن ہے جس میں پہلی بار (دوسرے اردو تراجم قرآن کے مقابلے میں) اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جب باری تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر آئے تو

ترجمہ کرتے وقت اس کی عظمت و جلالت، تقدس اور کبریائی ملحوظِ خاطر رہے۔ اسی طرح جب آیت میں حضور ﷺ کا ذکر ہو تو ان کے مرتبے و مقام کو پیش نظر رکھا جائے۔''

قارئین کرام! راقم اب چند آیاتِ قرآنی کے تراجم پیش کررہا ہے جن کا تقابل امام احمد رضا کے ترجمہ کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ اس تقابلی جائزہ پر اظہارِ خیال ضرور کروں گا مگر اس کا نتیجہ پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔ وہ خود تجزیہ کرلیں کہ کس کا ترجمۂ قرآن ان کو منشائے الٰہی سے قریب تر محسوس ہوتا ہے اور جو ترجمہ منشائے الٰہی اور تفسیر ماثور سے قریب تر ہوں، وہی ترجمہ بھی قابلِ تقلید اور قابلِ مطالعہ ہے۔ باقی تراجم سے پرہیز کرنا ضروری ہوگا کہ وہ ہمارے ایمان کو بگاڑ سکتا ہے اور ہم کو قرآن اور صاحبِ قرآن سے دور کرسکتا ہے۔

۱۔ سر سید احمد کا ترجمۂ قرآن:

۱) قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (الانعام: ۴۰)

''کہ (اے پیغمبر!) کیا دیکھا ہے تم نے اپنے لئے اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر بری گھڑی آوے، کیا خدا کے سوا اور کسی کو پکاروگے اگر تم سچے ہو۔'' (جلد سوم، ص:۱۳)

قارئین کرام! غور کا مقام ہے کیا اللہ تعالیٰ یہ خطاب نبی سے فرمارہا ہے؟ یا نبی کے ذریعہ کفار اور مشرکین سے خطاب ہے؟ اور اس ترجمہ کے بعد کیا کم علم مسلمان یہ عقیدہ اختیار نہیں کرے گا کہ نبی بھی (معاذ اللہ) خدا کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لئے پکار سکتے ہیں اور پھر ان پر اللہ کا عذاب آسکتا ہے۔ اگرچہ بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسول ﷺ دنیا میں آئے لیکن الحمدللہ کسی پر نہ عذاب آیا اور نہ کبھی کسی نبی نے عذابِ الٰہی کو معاذ اللہ احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کرکے دعوت دی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مترجم یومِ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اس لئے وہ قیامت کو ''بری گھڑی'' تعبیر کرکے یوم آخرت پر بھولوں کا ایمان متزلزل کررہے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے صحیح ترجمۂ قرآن:

''تم فرماؤ! بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو، کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروگے اگر سچے ہو۔'' (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

سر سید احمد خاں کا ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

۲) قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (اسریٰ: ۸۸)

''یعنی کہہ دے اے پیغمبر! اگر جمع ہوجاویں اس یعنی ''شہروں کے رہنے والے'' اور ''جن یعنی بدو'' جو خالص عربی زبان جاننے والے تھے، اس بات پر کہ کوئی چیز اس قرآن کی مانند لادیں تو اس کی مانند نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔'' (جلد ششم، ص:۱۳۸)

قارئین کرام! اس ترجمے سے ایک نیا عقیدہ سامنے آیا کہ قرآن نے لفظ ''جن'' دیہاتی لوگوں (یعنی بدو جو خالص عربی زبان جانتے ہیں) کے لئے استعمال کیا ہے جبکہ قرآن نے ''جن'' کو ایک الگ مخلوق بتایا ہے جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اور ان کا سردار ابلیس قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے ارشاد فرمایا:

وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن: ۱۵)

''اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لوکے سے''

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (الحجر: ۲۷)

''اور جن کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے۔''

محسوس یہ ہوتا ہے کہ مترجم اس مخلوق کی تخلیق کے قائل نہیں اس لحاظ سے یقیناً وہ ابلیس کے وجود کے قائل بھی نہیں ہوں گے اور ان کا اس مخلوق سے انکار حقیقتاً قرآن کی منشاء الٰہی کا انکار ہوگا۔ فیصلہ قارئین خود فرمائیں۔ صحیح ترجمہ ملاحظہ کریں:

''تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگر چہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔''
(ترجمۂ کنز الایمان)

آخر میں مولوی عبدالحق حقانی، مصنف ''تفسیر فتح المنان'' کی رائے کو پیش کررہا ہوں جو انہوں نے سرسید احمد کے ترجمہ اور تفسیر سے متعلق اپنے مقدمۂ قرآن میں لکھی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''تفسیر القرآن، آنریبل سید احمد خاں بہادر دہلوی کی تصنیف ہنوز ناتمام ہے۔ اس شخص نے ترجمہ شاہ عبدالقادر کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے خیالاتِ باطلہ کو جو ملحدینِ یورپ سے حاصل کئے ہیں اور جن کا اتباع، ان کے نزدیک ترقی، قومی اور فلاحِ اسلام ہے اور بے مناسب آیات واحادیث واقوال علماء کو اپنی تائید میں لاکر الہامِ الٰہی کو تحریف کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب تحریف قرآن ہے اور خاں بہادر کی اسی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علماء نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے۔''

۲۔ عاشق الٰہی میرٹھی کا ترجمۂ قرآن:

اللّٰہُ یَسْتَھْزِءُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِی طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ() (البقرۃ: ۱۵)

ترجمہ: ''اللہ ہنسی کرتا ہے ان کے ساتھ اور ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بہکے پھریں۔''

قارئین کرام! کیا کسی کا ہنسی مذاق اڑانا شریعت میں جائز ہے؟ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے اس عمل کو لکھنا کیونکر جائز ہوگا جیسا کہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی لکھ رہے ہے کہ ''اللہ ہنسی کرتا ہے''۔ ایک عربی دان تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ جملہ عربی قواعد کے مطابق ہے کہ صنعت مشاکلت میں کسی بھی جرم کی سزا کے لئے بھی انہی الفاظ مین جواب دیا جاتا ہے مگر دونوں کے معنی میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً استہزیٰ کے معنی مذاق اڑانا یا ہنسی اڑانا ہے لیکن یہاں جب اللہ کے لئے یہ لفظ استعال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے کہ وہ ہنسی اڑانے کی سزا ان کو دے گا مگر جب اس کا اردو ترجمہ کیا جائے گا تو یہ ضرور دیکھا جائے کہ جرم کون کر رہا ہے اور سزا کون دے رہا ہے، اس کی مناسبت سے اردو میں ترجمہ کرنا چاہئے ورنہ یہ صریح اللہ کی صفت میں بے ادبی اور گستاخی قرار پائے گا۔ مولانا احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

''اللہ ان سے استہزیٰ فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔''

امام احمد رضا نے یہاں لفظ ''استہزاٗ'' کا اردو زبان میں ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ اس کو متشابہ خیال کرتے ہوئے اور صفت مشاکلت کو مدنظر رکھتے ہوئے احتیاط برتی ہے اور استہزاٗ کو اس کی شان کے لائق کہہ کر چھوڑ دیا۔

وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (طٰہٰ: ۱۲۱)

''اور آدم نے نافرمانی کی پس گمراہ ہوئے۔''

اس ترجمہ کو پڑھنے کے بعد ایک عام مسلمان یقیناً یہ عقیدہ قائم کرے گا کہ انبیاء کرام بھی (معاذ اللہ) گمراہ گذرے ہیں، ان سے بھی خطائیں اور گناہ سرزد ہوئے ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دنیا میں نافرمانی کرتے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ نبوت اور رسالت پر درست عقیدہ ہے یا کسی نئے عقیدے کی بنیاد رکھی جارہی ہے؟ صحیح ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔'' (امام احمد رضا)

قارئین کرام! مولوی عاشق الٰہی میرٹھی سب سے کم سن اردو مترجم قرآن ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر کے ۲۱ ویں سال میں ترجمہ کیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جس کی علمیت ابھی ابتدائی دور میں ہو وہ اپنے دورِ طالبِ علمی میں ہی ایسا کام کردے جو مفسرین اپنی زندگی کے آخری ایام میں انجام دیتے ہیں جب کہ وہ علمی اعتبار سے بہت پختہ ہوجاتے ہیں لہٰذا کم عمری میں ترجمہ کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

۳۔ مولوی فتح محمد جالندھری کا ترجمۂ قرآن:

۱) اَلْحَقُّ مِن رَّبِّکَ فَلاَ تَکُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِینَ (البقرۃ: ۱۴۷)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر! یہ نیا قبلہ) تمہارے پروردگار کی طرف

سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔''

قارئین کرام! کیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خطاب یا ایسا انداز اللہ تعالیٰ کا اپنے چنے ہوئے برگزیدہ بندے یعنی نبی یا رسول سے ہوگا پھر یا نبی کے ذریعہ بندوں سے ہوگا؟ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے احکامات نبی کے ذریعے ہی بندوں تک پہنچتے ہیں مگر مولوی فتح محمد صاحب نے اس خطاب کو خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ (معاذ اللہ) نبی ﷺ کو اللہ کے احکامات میں شبہ رہتا تھا اس لئے اللہ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''(اے سننے والے!) یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو خبردار شک نہ کرنا۔'' (امام احمد رضا)

۲) وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشَّارِبِينَ (النحل: ٦٦)

ترجمہ: ''اور تمہارے لئے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (غور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے، اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔''

قارئین کرام! ذرا غور فرمایئے کہ کہ مترجم نے جلد بازی میں مندرجہ بالا آیات کا کیا ترجمہ کیا ہے؟ غالباً مترجم عربی زبان سے زیادہ واقف کار نہیں اور اس کو اس عمل کی بھی خبر نہیں کہ دودھ بننے کا عمل کس طرح پیٹ کے اندر ہوتا ہے۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گوبر اور خون سے دودھ بناتا ہے جو ہم پیتے ہیں۔ مقامِ تعجب ہوگا کہ جس چیز کو وہ حرام قرار دے رہا ہے یعنی گوبر اور خون، اسی سے ایک غذا بنا کر ہم کو پلا رہا ہے۔ کاش کہ مترجم دیگر علوم بھی جانتے ہوتے کہ یہ دودھ کب اور کس طرح ماں کے پیٹ میں بنتا ہے یا پھر عربی زبان پر اچھا عبور ہوتا یا کم از کم عربی تفاسیر اور احادیث دیکھ لیتے۔ آیت کریمہ میں لفظ ''بین'' موجود ہے جو کہ درمیانی کیفیت بتا رہا ہے کہ جب کوئی چوپایا یا عورت غذا کھاتے ہیں تو معدے میں جا کر اس کے ہاضمہ کا عمل شروع ہو جاتا ہے، اس دوران خون بنتا ہے، جو دل کے ذریعہ نالیوں میں چلا جاتا ہے اور فضلہ اپنے راستے سے خارج ہو جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت یہ ہے کہ جب غذا ہاضمہ کے درمیان ہوتی ہے تو اس کے خون اور گوبر بننے سے پہلے اس میں سے دودھ کو کھینچ کر نالیوں کے ذریعہ تھنوں/ پستانوں میں پہنچا دیتا ہے اور پھر بنا ہوا خون بقیہ خون میں شامل ہو جاتا ہے نہ کہ گوبر اور خون سے دودھ بنا۔ آیئے صحیح ترجمہ دیکھیں:

''اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں گوبر اور خون کے ''بیچ'' میں سے ''خالص دودھ'' سہل اترتا ہے پینے والوں کے لئے۔'' (امام احمد رضا)

٤۔ نواب وحید الزمان کا ترجمۂ قرآن:

۱) نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ط (البقرة: ۲۲۳)

ترجمہ: ''عورتیں کھیتی ہیں تمہاری اپنی کھیتی میں جس طرح سے (یا جہاں سے) چاہو آؤ۔''

مولوی وحید الزمان نے اس مقام پر نصِ قرآن کے مسئلہ جماع کے خلاف ترجمہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کھیتی ضرور بنایا لیکن اس کھیتی میں یہ نہیں فرمایا کہ جہاں سے بھی چاہو، صرف ایک مقام کی اجازت ہے اور کسی مقام سے آنے کی اجازت نہیں کہ فرج کے علاوہ دبر سے بھی داخل ہو جاؤ جبکہ احادیث میں بھی دبر سے داخلے پر سخت وعید بتائی گئی ہے۔ نواب صاحب نہ جانے کیوں اس جگہ سے اجازت دے رہے ہیں جہاں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا۔ ایک حدیث بھی ملاحظہ کیجئے:

ان الله لايستحي من الحق ثلاث مرات لاتاتوا النسآء في

اِذا شاءَ (ابن ماجہ، ج:۱، حدیث ۱۹۹۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا۔ عورتوں سے ان کے پیچھے کی جگہ میں جماع نہ کرو۔ آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

اب ملاحظہ کریں، صحیح ترجمہ:

"تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو اور اپنے بھلے کا کام پہلے کرو۔" (کنزالایمان)

۲) وما کُنتَ ترْجُوْ أن يُلْقَى إليكَ الكِتابُ إلّا رحمةً مِّن رَّبِّكَ فَلا تَكُونَنَّ ظَهِيراً لِّلْكافِرِينَ O (القصص: ۸۶)

ترجمہ: "اور (اے پیغمبر!) تجھ کو یہ امید کہاں تھی کہ تجھ پر کتاب اترے گی مگر یہ تو تیرے مالک کی مہربانی ہوئی کہ تجھ پر قرآن شریف اترا۔"

اگر یہ خطاب نبی سے ہے کہ اس کو خبر ہی نہیں اور نہ اس قسم کی امید کہ مجھ پر وحی اترے گی تو پھر وہ نبی کہاں رہا؟ جب کہ سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ روزِ میثاق کی آیات میں تمام انبیاء کو ان کی ذمہ داری بتا رہا ہے اور ان سے گواہی لے رہا ہے کہ جب تم کو کتاب دوں اور یہ نبی تشریف لے آئے تو ان کی ضرور ضرور مدد کرنا۔ ملاحظہ کیجئے، ارشادِ باری تعالیٰ:

"اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔" (آلِ عمران: ۸۱) کنزالایمان

قارئین! اب غور کریں کہ مترجم یا تو اپنی کم علمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یا پھر نبوت کے متعلق کوئی نیا عقیدہ دینا چاہتے ہیں جس میں نبی کو خود اپنے متعلق خبر نہیں کہ وہ نبی ہے اور نہ اس بات کی خبر کہ وحی کے ذریعہ اس کو کوئی کتاب ملے گی یا پھر مترجم قرآن کریم کو صحیح سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ یہ خطاب کس سے ہے اور اگر ایک آیت قبل سے اس کو ملائیں تو بات اور واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ عام لوگوں سے خطاب ہے اور آپ سے کہا جا رہا ہے کہ قل

قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ O (القصص: ۸۵)

ترجمہ: "تم فرماؤ میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو ہدایت لایا اور جو کھلی گمراہی میں ہیں۔" (کنزالایمان)

یہ خطاب ان لوگوں سے خاص کر مکہ کے کافروں، مشرکوں سے ہے کہ جن سے کہا جا رہا ہے کہ:

"تم امید نہ رکھتے تھے کہ کتاب تم پر بھیجی جائے گی، ہاں تمہارے رب نے رحمت فرمائی۔" (کنزالایمان)

قارئین کرام! آپ خود ہی تجزیہ کریں کہ اس قسم کے تراجم سے ملت کو کتنا نقصان ہوا ہوگا اور یہ ترجمہ آپ کو نئے فرقے کی بنیاد نظر آرہا ہوگا کہ نبی کو خبر ہی نہیں۔ یعنی نبی جانتا ہی نہیں کہ اس کے پاس وحی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھی راہ چلائے۔

۵۔ مولوی اشرفعلی تھانوی کا ترجمۂ قرآن:

۱) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ O (البقرة: ۱۴۵)

ترجمہ: "اور اگر آپ ان کے (ان) نفسانی خیالات کو اختیار کریں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔" (ترجمہ اشرفعلی تھانوی)

قارئین کرام! اس ترجمہ کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) سب سے زیادہ خطرہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی سے ہے کہ کہیں وہ

نفسانی خواہشات نہ کرنے لگیں، وحی کے پیغام کے باوجود وہ نافرمانی کرنے لگے اور گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم کرے۔ سوال یہ پیدا ہوگا کہ نبی کیا ہدایت یافتہ نہیں ہوتا؟ اور اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت نہیں فرماتا؟ اور ساتھ ہی یہ بات ذہن میں آئے گی کہ کتاب اللہ کیا نبی کی ہدایت کے لئے نازل ہوتی ہے یا عام لوگوں کی ہدایت کے لئے؟ اور اگر (معاذ اللہ) ایسا ہی ہے جیسا مترجم ترجمہ کر رہا ہے تو پھر بشمول نبی کوئی بھی پیروی کرنے کے لائق اسوہ نہ ہوگا۔ جبکہ یہی قرآن نبی کریم ﷺ کے لئے ارشاد فرما رہا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: ''بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔'' (کنز الایمان)

سورہ بقرہ کی اس آیت میں مخاطب دراصل وہ منکرین ہیں جو قرآن کی تعلیم کو جھٹلا رہے تھے اور خاص کر یہودیوں سے خطاب کہ وہ قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے۔ اس آیت کو اس کے پچھلے حصے کے ساتھ ملا کر ترجمہ پڑھیں پھر سمجھ میں آتا ہے کہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے یا رسول کے ذریعہ عام انسانوں سے اور بالخصوص منکرینِ قرآن سے ہے:

''اور اگر تم ان کتابیوں کے پاس ہر نشانی لے کر آؤ، وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرو اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں۔''

''اور (اے سننے والے کسے باشد!) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا، بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اس وقت تو ضرور ستم گار ہوگا۔''

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

آگے ان یہودیوں کے متعلق مزید ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ نبی کو اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ربانی ہے:

''اور جن کو ہم نے کتاب دی، وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔'' (البقرۃ:۱۴۶)

اب آپ خود یہ فیصلہ کریں کہ یہ خطاب حضور سے تھا یا منکرین سے مگر مترجم قرآن نے اس نافرمانی کو نبی کی طرف لوٹا کر مسلمانوں کے عقیدہ ''عصمتِ انبیاء'' کو متزلزل کر دیا ہے۔ مولوی اشرفعلی تھانوی کے ترجمہ قرآن سے ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

۲) وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحیٰ:۷)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا رستہ بتلا دیا۔'' (مولوی اشرفعلی تھانوی)

قارئین کرام! ہم میں اور نبی میں کیا فرق رہا کہ ہم یقیناً شریعت سے بے خبر ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرما دیتا ہے تو ہم شریعت کے مطابق اعمال کو ڈھالنے لگتے ہیں، کیا نبی بھی (معاذ اللہ) ہماری طرح اللہ کا نافرمان اور اللہ سے بے خبر ہوتا ہے۔ یہ کونسا دین ہے کہ جس کا سربراہ بھی بے خبر جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًاO وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًاO (الاحزاب:۴۶)

ترجمہ: ''اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی)! بے شک ہم نے تمہیں بھیجا، حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔''

اور سورۃ الفتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (الفتح:۲۸)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔''

مولوی اشرفعلی تھانوی کے مندرجہ بالا آیت کے ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دین مذہب میں نبی کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اور

اتنا بڑا الزام لگانے سے بھی نہیں چوکتے کہ نبی ﷺ (معاذ اللہ) شریعت ہی سے بے خبر تھا اور یہ خیال نہ کیا کہ نبی ایک لمحہ بھی اگر اللہ سے غافل ہو جائے تو وہ منصبِ نبوت کا اہل نہیں رہتا جبکہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے۔ حقیقت میں مولوی اشرفعلی نے آیت کے سیاق و سباق ہی کو نہ دیکھا اور نہ سمجھا اگر چند تفاسیر ماثورہ دیکھ لیتے تو شاید ایسا ترجمہ کرنے کی جسارات نہ کرتے۔ تفاسیر کی روشنی میں اور نبوت کے منصب کو سامنے رکھتے ہوئے جو محتاط ترجمہ ہو سکتا ہے، اس کو مولانا احمد رضا نے یوں فرمایا ہے:

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔'' (کنزالایمان)

جگہ جگہ قرآن کریم میں نبی کا جو منصب اللہ نے بیان فرمایا ہے، مولوی اشرفعلی تھانوی اس کو ترجمہ میں ڈھالتے وقت بدل ڈالتے ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ کیجئے جس میں اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو تمام عالمین کے لئے مطلق رحمت بنانے کا اعلان فرمایا مگر مولوی اشرفعلی تھانوی اپنے قلمی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے روحِ قرآن کے برخلاف ترجمہ کرتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ O (الانبیاء: ۱۰۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے (اپنے مضامین نافع دے کر) آپ کو کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں (مکلفین) پر مہربانی کے لئے۔'' (مولوی اشرفعلی)

اور صحیح ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔'' (ترجمہ کنزالایمان)

۶۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی کا ترجمۂ قرآن:

۱) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ (آل عمران: ۱۴۲)

ترجمہ: ''اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو۔'' (محمود الحسن)

اس ترجمہ کو پڑھنے کے بعد ایک انسان اپنا عقیدہ یہ بنائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی (معاذ اللہ) ناقص ہے کہ اس کو ہر آن، ہر بات کا علم نہیں، اس کو مستقبل کے معاملات کا علم نہیں، اس کو انسانوں کے ارادوں کا علم نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور مترجم نے شاید پورے قرآن کا مطالعہ بھی نہیں کیا جس میں خود باری تعالیٰ کے علم کا ذکر متعدد آیات میں موجود ہے مثلاً وہ ''علام الغیوب'' ہے، ''اعلم الغیب والشاهده'' ہے، ''ولله غیب السموت والارض'' وغیرہ وغیرہ۔

یہ بات عقل سے بالاتر ہے کہ ایک عالم جو باقاعدہ دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہے، عربی زبان و ادب کا سمجھنے والا ہے، درس و تدریس سے اس کا تعلق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے متعلق ایسا جملہ لکھ دیتا ہے کہ جس سے خالق اور بندہ کا علم برابر محسوس ہوتا ہے (معاذ اللہ)۔ لگتا یہی ہے کہ مترجم نہ تو عربی زبان کی وسعت سے بھرپور واقف اور نہ ہی وہ لفظ ''حسب'' کے معنی سے واقف ہو سکا۔ آیئے مولانا احمد رضا بریلوی کے ترجمہ کو ملاحظہ کریں جس میں عظمتِ خداوندی اور علمِ قدرت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے:

''کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔'' (کنزالایمان)

۲) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا O لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَیَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا O (الفتح: ۲)

ترجمہ: ''ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ۔ تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔''

قارئین کرام! سورہ فتح کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ صلح حدیبیہ سے واپسی پر حضور ﷺ کو فتحِ مکہ کی بشارت دے رہا ہے کہ جلد ہی مکہ فتح ہو جائے گا مگر مترجم قرآن مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس آیت کے ترجمہ کا رخ ہی بدل دیا کہ اللہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اس ترجمہ سے کسی کو بھی فتحِ مکہ کی نشاندہی نہ ہوگی مگر نبی کے گناہوں کی معافی کا اعلان اس کا عقیدہ بن جائے گا جو عقیدہ عصمتِ نبوت کے خلاف ہے۔ کیا یہ بات نبی کے لئے معیوب نہ ہوگی کہ امتیوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی نہ صرف نشاندہی کرے بلکہ اس کے مستقبل میں ہونے والے گناہوں کا بھی ذکر کرے اور پھر معافی کا اعلان کردے۔ کیا ترجمہ سے نبی کی امت کے سامنے توہین نہ ہوئی جب کہ وہ خود ستار ہے، عیبوں کو چھپانے والا ہے، پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ امتیوں کے سامنے اپنے نبی کے عیبوں کو، گناہوں کو ظاہر کرے اور پھر معافی کا اعلان کرے۔ یہ بات امت کے لئے تو فخر کی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کی دعا آپ کی امت کے حق میں قبول کرتے ہوئے ان کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کردے اور یقیناً یہ صریح فیصلہ امت کے لئے بہت بڑی کامیابی اور نبی کے لئے بہت خوشی کا باعث ہوگا۔ ملاحظہ کریں وہ ترجمہ جو منشاءِ الٰہی سے قریب تر ہے۔

''بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح دی۔ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔'' (کنزالایمان)

نوٹ: ''سورۃ فتح کی اس آیت میں ''ذنب'' کے موضوع پر کئی محقق نے مقالات تحریر کئے ہیں جس میں ثابت کیا ہے کہ یہاں ذنب نبی کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ نبی کی خاطر اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے امتیوں کی گناہ کی معافی کا اعلان کیا۔ اس موضوع پر ایک انتہائی مدلل تصنیف مولانا محمد شاہ حسین گردیزی مدظلہ کی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔''

۷۔ ابو الکلام آزاد کا ترجمۂ قرآن:

ا) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً ط (سورۃ الرعد: ۳۸)

ترجمہ: ''اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے بھی (بے شمار) پیغمبر قوموں میں پیدا کئے (اور وہ تیری ہی طرح انسان تھے) ہم نے انہیں بیویاں دی تھیں اور اولاد بھی۔'' (ابوالکلام آزاد)

آیت کے اندر ایسے کوئی کلمات ہی نہیں جن سے یہ معنی نکلیں (اور وہ تیری ہی طرح انسان تھے)۔ یہ دراصل مترجم کی طرف سے اضافہ ہے۔ جب یہاں کوئی مماثلت کی بات ہی نہیں کی جا رہی تو اردو ترجمہ پڑھنے والوں کو کیوں غلط راہ دکھائی جا رہی ہے۔ مترجم کو شاید نبی کریم ﷺ کی ذات اور منصب سے لگاؤ نہیں، اس لئے پڑھنے والوں کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ رسول کا نام آتے ہی یہ خیال مت کرنا کہ وہ کوئی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں بلکہ ان کو اپنا جیسا ہی انسان سمجھنا جب کہ یہ منظر کشی قرآن کے خلاف ہے۔ نبوت و رسالت جن انسانوں کے لئے اللہ نے منتخب فرمائی، وہ دیکھنے میں ضرور ہماری طرح کے انسان ہیں لیکن ان کے ساتھ مماثلت ممکن ہی نہیں کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ... (ال عمران: ۷۹)

''کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اُسے کتاب اور حکم اور پیغمبری دے۔'' (کنزالایمان)

امام احمد رضا کا ترجمہ سورۂ رعد کی مندرجہ بالا آیت سے متعلق ملاحظہ کیجئے:

''اور بے شک ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے بیبیاں اور بچے کئے۔''

جن کو اللہ نے پیغمبری دی، پھر وہ ہماری طرح کے انسان نہ رہے کہ اللہ کے ساتھ انبیاء کا بلاواسطہ رابطہ ہوتا ہے اور ہم انسان نہ اس کو دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی بلاواسطہ اس کو پہچان سکتے ہیں، سوائے نبی کے واسطے کے۔ اس لئے انبیاء کی انسانیت ہم سے بلند و بالا

اور عقل سے دورا ہے۔

۲) لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ○ (الحجر: ۷۲)

ترجمہ: ''(تب فرشتوں نے لوط سے کہا) تمہاری زندگی کی قسم! یہ لوگ اپنی بدمستیوں میں کھوگئے۔'' (مولانا آزاد)

یہاں مترجم کے ترجمے کے مطابق فرشتے، حضرت لوط علیہ السلام کی زندگی کی قسم کھارہے ہیں۔ یہ معنویت نہایت غیر موزوں کہ فرشتوں کو کیا ضرورت کہ نبی کی زندگی کی قسم کھائیں؟ اگر قسم یہاں اٹھائی بھی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے مخاطب ہے۔ تفسیر فتح القدیر کے حوالے سے گفتگو کررہا ہوں کہ اکثر مفسرین نے یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی حیات کی قسم مراد لی جس طرح اللہ نے آپ کے اور اعضاء اور اداؤں کی قسم اٹھائی۔ اسی طرح یہاں آپ کی حیات کی قسم اٹھا کر فرمایا اور یاد دلایا کہ قومِ لوط بدمستیوں میں کھو گئے۔

ملاحظہ کیجئے شوکانی کی عبارت:

اتفق اهل التفسير في هذ أنه قسم من الله جل جلاله بمدة حيات محمد ﷺ.

اب ملاحظہ کریں امام احمد رضا کا ترجمہ:

''(اے محبوب!) تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔'' (کنز الایمان)

۸۔ ابو الاعلیٰ مودودی کا ترجمۂ قرآن:

۱) وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ○ (الانفال: ۳۰)

ترجمہ: ''وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔'' (مودودی)

قارئین کرام! لفظ مکر کے عربی میں متعدد معنی ہیں، مثلاً چال چلنا، داؤ مارنا، دھوکا دینا، فریب دینا، تدبیر کرنا، خفیہ تدبیر کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ مترجم نے یہاں ''اللہ'' کو (معاذ اللہ) عام لوگوں کے برابر لاکر کھڑا کردیا ہے کہ جس طرح ایک عام انسان دوسرے انسان کو دھوکا دیتا ہے، یا اس کے ساتھ مکر وفریب کرتا ہے یا دھوکے کی چالیں چلتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس طرح بندوں کے ساتھ عمل فرمارہا ہے۔ یہ مترجم کی بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ اللہ کے لئے بھی وہی الفاظ استعمال کرے جو عام انسانوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ دراصل صفت مشاکلت کو یہاں مترجم نے سمجھا ہی نہیں کہ عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ جواباً بھی وہی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں لیکن اس کے معنی دوسرے سمجھے جاتے ہیں اور یہ عربی جاننے والا عربی عبارت کو ویسے ہی سمجھ لے گا مگر جب اس کا اردو ترجمہ کیا جارہا ہو تو ضروری ہے کہ اردو ادب ولغت کے لحاظ سے ترجمہ کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت متاثر نہ ہو۔ صحیح ترجمہ ملاحظہ کریں:

''اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔'' (کنز الایمان)

۲) إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا○ (الاحزاب: ۵۶)

ترجمہ: ''اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو (یعنی تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو اور پوری طرح دل وجان سے ان کا ساتھ دو ان کی مخالفت سے پرہیز کرو)۔'' (مودودی)

مترجم نے قوسین میں جو وضاحت کی ہے وہ تو اصل عبارت کے حکم سے بالکل مختلف ہے۔ حکم تو اللہ نے یہاں کثرت سے درود وسلام پڑھنے کا دیا ہے کہ نہ جس میں وقت کی قید ہے، نہ صیغے کی کوئی نشاندہی، نہ ہی طریقہ کار کا تعین، نہ ہیئت کی پابندی ہے نہ اوقات کی پابندی، نہ کوئی گنتی کی بات۔ صرف مطلق حکم درود وسلام پڑھنے کا ہے، اس میں کوئی جتنا پڑھنا چاہے، جس وقت پڑھنا چاہے جس جگہ چاہے، جس

طرح پڑھنا چاہیے، اس کو اجازت ہے۔ جبکہ مترجم اصل مفہوم سے لوگوں کی توجہ ہٹاتے ہوئے ایک قسم کے جہاد کی باتیں کررہے ہیں کہ دل و جان سے ان کا ساتھ دو، ان کی مخالفت نہ کرو اور ان کی سلامتی کی دعائیں کرو۔ یہ حکم بجا ہیں لیکن اس آیت کے حوالے سے نہیں، آیت تو حکم دے رہی ہے کہ ایک مومن کو چاہئے ہر آن وہ نبی کریم ﷺ پر دل و زبان سے درود و سلام کو جاری رکھے کہ یہ اس کے لئے سب بڑا آخرت کا سرمایہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ میں یہ ضرور لکھا ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجو لیکن مترجم کی کسی بھی دوسری تصنیف و تالیف میں کہیں بھی درود و سلام پڑھنے کی ترغیب لکھی ہوئی نظر نہیں آتی، اور نہ کبھی ان کو سلام پڑھتے ہوئے کسی نے دیکھا، جب کہ مولانا احمد رضا بریلوی نے جب اس کا ترجمہ کیا ''ان پر درود اور خوب سلام بھیجو'' تو انہوں نے قصیدۂ سلامیہ لکھا خود پھر ذوق و شوق سے پڑھ کر سنایا:

''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''

قصیدۂ سلامیہ کا یہ مصرعہ سو سال سے ہر مسلمان کی زبان پر جاری ہے اور لکھنے والے کی نیت کو اللہ نے جانچ لیا اور دنیا ہی میں اس کو اتنا اجر دیا کہ کروڑوں مسلمان روزانہ یہ مصرع پڑھتے ہیں اور انہوں نے درود کے لئے بھی ایک قصیدۂ درودیہ تحریر کیا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

کعبہ کے بدر الدجیٰ، تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ، تم پہ کروڑوں درود

۹۔ امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی کا ترجمۂ قرآن:

۱) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

ترجمہ: ''اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔'' (کنزالایمان)

سوائے امام احمد رضا کے، بقیہ ۸ مترجمین نے اسم اللہ سے ترجمہ نہ کیا بلکہ سب نے لفظ ''شروع'' سے ترجمہ کیا اور اسم ''اللہ'' کو مضاف کے بعد رکھا ہے جبکہ اردو قواعد کے مطابق اسم ''اللہ'' جو مضاف الیہ ہے، پہلے آنا چاہئے۔ اس لحاظ سے امام احمد رضا کا ترجمہ بالکل درست قرار پاتا ہے۔

ترجمہ کنزالایمان میں جامعیت کے اعتبار سے مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ کریں جس کی جامعیت کو کوئی مترجم بیان نہ کرسکا اور ان آیات کا تعلق مختلف علوم و فنون سے ہے جن کی ترجمانی امام احمد رضا اس علم کی اصطلاح سے کرتے ہیں جبکہ اور کوئی مترجم ان علوم کی اصطلاح بھی استعمال نہ کرسکا کیونکہ وہ ان علوم سے واقف ہی نہ تھے۔

یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ○ (الرحمن: ۳۳)

ترجمہ: ''اے جن و انس کے گروہ! اگر تم سے ہوسکے آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ۔ جہاں نکل کر جاؤ گے، اسی کی سلطنت ہے۔''

قرآن کریم کی یہ آیتِ شریفہ سائنس اور حکمت کے بہت اہم نکتہ کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ اس آیت میں لفظ ''سلطن'' کے ترجمے میں اکثر مترجمین کے یہاں ابہام پایا جاتا ہے اور لفظ ''سلطن'' کی جامعیت کو کوئی بھی مترجم صحیح ترجمہ نہیں کرسکا۔ اس کی وجہ بنیادی یہ ہے کہ آیت میں علم ہیئت سے متعلق گفتگو ہے کہ تم کوشش کرو اور زمین سے باہر جانے کی کوشش کرو، کرتے رہو، باہر نکل بھی جاؤ گے، آسمانوں پر اڑو گے، چاند تک اور اس سے آگے بھی نکل جاؤ گے مگر یاد رکھنا کہ ہر جگہ سلطنت، بادشاہت، حکمرانیت اسی ایک اللہ کی ہے کہ امام احمد رضا ترجمہ کرتے ہیں کہ ''جہاں نکل کر جاؤ گے، اسی کی سلطنت ہے۔'' جبکہ بقیہ تراجم ملاحظہ کریں:

☆ ''نہیں بھاگ سکتے اس کے لئے بڑا زور چاہئے۔'' (سید مودودی)
☆ ''اور زور کے سوا تم نکل سکتے ہی نہیں۔'' (مولوی فتح جالندھری)
☆ ''مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں)۔'' (مولوی اشرفعلی تھانوی)

قارئین کرام! غور کریں کہ یہ تینوں تراجم انسان کو زمین کے کناروں سے نکلنے کی نفی کر رہے ہیں جبکہ انسان زمین کے کناروں سے نکل چکا ہے اور آپ جب بھی ہوائی جہاز کا سفر شروع کرتے ہیں، زمین کے کناروں کو خدا حافظ کہہ دیتے ہیں، انسان کے بنائے ہوئے راکٹ اور سیارے چاند اور مریخ پر پہنچ رہے ہیں، تو کیا قرآن مجید کے خلاف یہ عمل ہوا؟ نہیں، قرآن کریم تو ارشاد فرما رہا ہے کہ نکل سکو تو نکل جاؤ، جہاں بھی نکل کر جاؤ گے، اسی رب کی سلطنت ہے۔'' امام احمد رضا کے ترجمے کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ امام موصوف دینی معلومات کے ساتھ ساتھ عقلی اور سائنسی پہلوؤں کو بھی ترجمہ کرتے وقت اپنے پیشِ نظر رکھتے ہیں جس کے باعث سائنسی شعور رکھنے والا اس بات کا قرار کرتا ہے کہ ہر علم قرآن میں موجود ہے یا قرآن ہر علم کے متعلق نشاندہی کرتا ہے۔

قارئین کرام! علمِ ارضیات کے ایک قانون Plate-Tectonic کے تحت تمام براعظم نیچے موجود سیال کے اوپر بہت آہستہ آہستہ حرکت کر رہے ہیں جس کے باعث براعظم ادھر سے ادھر حرکت کرتے ہیں جس کے باعث بعض جگہ زمین پھیلتی جاتی ہے، بعض جگہ سکڑتی جاتی ہے۔ قدرت نے اس عمل کو سورۃ النزعت میں مختصراً بیان کیا:

والارض بعد ذلک دحاھا (النزعات: ۳۰)

ترجمہ: ''اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔''

اس آیت میں ''دَحَاھَا'' کے لفظ کو جب تک نہیں سمجھا جائے گا کوئی مترجم اس کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا۔ امام احمد رضا کو اللہ نے چونکہ بے شمار علوم و فنون میں مہارت اور دسترس عطا کی تھی، وہ قدرت کے اس عمل کو جان گئے کہ ہر براعظم کسی نہ کسی جگہ اوپر اٹھ رہا ہے یا پانی سے باہر آ رہا ہے۔ جس طریقے سے کراچی کے ساحل کا رقبہ برابر بڑھ رہا ہے کہ سمندر پیچھے جا رہا ہے، زمین اٹھ رہی ہے، اس سارے عمل کے باعث زمین پھیلتی ہے اور لفظ ''دَحَاھَا'' اس عمل کی نشاندہی کر رہا ہے جس کے باعث زمین پھیلتی ہے۔ جس کو صرف امام احمد رضا نے سمجھا [illegible] اور مترجمین کیونکہ اس علمِ ارضیات سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے وہ اس کی معنویت اور گہرائی کو نہیں پہنچ سکے اور وہ آیت [illegible] سائنٹفک ترجمانی بھی نہ کر سکے۔ مثلاً بقیہ مترجمینِ قرآن کے [illegible] ملاحظہ کریں:

☆ ''اور اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا۔'' (مولانا مودودی)

☆ ''اور اس کے علاوہ زمین کو بچھایا۔'' (ڈپٹی نذیر احمد دہلوی)

☆ ''اور زمین کو پیچھے اس کے بچھایا۔'' (مولوی اشرفعلی)

☆ ''اور جس نے زمین کو بچھایا۔'' (وحید الزمان)

قارئین کرام! قرآن مجید کی آخری سورتیں اور ان کی آیات میں ایک عجیب صوتی حسن اور سلاست، ترنم پایا جاتا ہے جس طرح شاعری میں ردیف اور قافیہ غزل کا اہم ترین جزو ہوتے ہیں جن کے باعث غزل میں جو بات بیان کی جارہی ہوتی ہے، اس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے ہیں، اسی طرح آپ قرآن مجید کا صوتی [illegible] ملاحظہ کریں:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝
وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝
(سورۃ النازعات: ۱ تا ۴)

امام احمد رضا نے ترجمہ کے اندر اس صوتی حسن اور سلاست کو بھی قائم رکھا ہے۔

ترجمہ: ''قسم ان کی سختی سے جان کھینچیں۔ اور نرمی سے بند کھولیں۔ اور آسانی سے پیریں۔ پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں۔''

اسی طرح سورۃ البلد کی آیات ملاحظہ کریں:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝
وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۸ تا ۱۰)

ترجمہ: ''کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں۔ اور زبان اور دو ہونٹ۔ اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی۔'' (کنزالایمان)

اب ملاحظہ کریں مولوی اشرفعلی اور محمود الحسن دیوبندی کے تراجم، سورۃ البلد کے حوالے سے:

☆ ''کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں۔ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔ اور (پھر) ہم نے ان کو دونوں دونوں رستے (خیر و شر کے) بتلا دیئے۔'' (مولوی اشرفعلی تھانوی)

☆ ''بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں۔ اور زبان اور دو ہونٹ۔ اور دکھلا دیں اس کو دو گھاٹیاں۔'' (مولوی محمود الحسن دیوبندی)

قارئین کرام! یہ دونوں مترجم لفظ ''نجد'' کے معنی کو نہیں پا سکے جس کے باعث ترجمہ بھی غلط کر دیا اور سورۃ البلد کے استفہام کی لذت بھی مسخ ہوگئی۔ مولوی اشرفعلی نے ''نجد'' کے معنی خیر و شر کے رستے بتادیئے جبکہ مولوی محمود الحسن دیوبندی نے ''النجد'' کے معنی دو گھاٹیاں (وادیاں) بتادیں۔ آپ آیات دوبارہ پڑھیں کہ یہ آیات انسان کے کس وقت کی نشاندہی کر رہی ہیں اور نجد کے اصل معنی کیا ہیں۔ آیات بتارہی ہیں کہ اس کو اللہ نے دو آنکھیں دیں، ایک زبان اور دو ہونٹ، اگلی آیت میں راہ کا تعین ہے اور وہ ہے دو ابھری ہوئی جگہیں۔ یہ اصل میں اشارہ ہے اس گود کے بچے کی طرف کہ جب وہ اپنے ان دو ہونٹوں سے ماں کے سینے پر دو ابھری جگہوں میں اپنی غذا کی راہ پاتا ہے۔ ماں کا یہ پستان گھاٹیاں نہیں ہیں اور نہ ہی خیر و شر کے دو راستے بلکہ یہ اس کے سینے پر دو ابھری چیزیں ہیں جس کو ہم پستان کہتے ہیں اور عربی میں لفظ ''نجد'' کے معنی ہی ہیں بلند جگہ کے ہیں اور عربی میں Plateu یعنی ابھری ہوئی زمین کو نجد کہتے ہیں۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا ترجمہ کرتے وقت ایک ایک بات کا خیال رکھتے ہیں اور یہاں لفظ پستان بھی نہیں لائے بلکہ دو ابھری چیزوں کے ساتھ ترجمہ کر کے فصاحت و بلاغت کو بھی قائم رکھا اور شرم و حیا کا بھی پاس رکھا اور حسن سلاست بھی قائم ہے جبکہ دیگر مترجمین ''نجد'' کی اصطلاح کی گہرائی تک ہی نہ پہنچ سکے۔

امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کا ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' اردو زبان میں سب سے بہتر اور مستند قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ آپ نے ہر آیت کا ترجمہ بہت احتیاط کے ساتھ کیا ہے کہ جب کہ اور مترجمین کے قلم سے لغزشیں بھی ہوئی ہیں مگر آپ کا ترجمہ ہر قسم کی اغلاط اور لغزشوں سے پاک ہے۔ دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ آپ نے آیت کے موضوع کے لحاظ سے ترجمہ میں اصطلاح استعمال کی ہے تاکہ اس علم کا جاننے والا ترجمہ کے ذریعہ اس علم کی گہرائی اور گیرائی تک رسائی حاصل کر سکے اور جان سکے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام علوم و فنون کے اصول و ضوابط کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ آپ نے بوقت ضرورت محاورات کا استعمال کیا ہے، غیر ضروری محاورات کا اور غیر ضروری توضیحی ترجمہ سے بھی پرہیز کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ بامحاورہ بھی قائم رہے اور قارئین اس آیت کی منشائے الٰہی کو بھی پاسکیں جو ترجمہ کا اصل مقصد ہے۔ آخر میں ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے ''قرآن حکیم کے اردو تراجم'' سے ایک اقتباس پیش کر رہا ہو جو انہوں نے امام احمد رضا کے ترجمہ سے متعلق لکھا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''امام احمد رضا قرآن میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ امام احمد رضا کا شمار عالم، اسلامی کے ان خواص علماء میں ہوتا ہے جن کی قامت پر ''رسوخ فی العلم'' کی قبا راست آتی ہے۔ قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا، انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا۔ اسی مسلسل تدبیر و فکر کا نتیجہ تھا کہ امام احمد رضا کو قرآن پاک سے خاص نسبت ہوگئی اور ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے۔''

☆☆☆☆☆

اعلیحضرت کا ترجمۂ آیۂ مغفرت ذنب
اور
راجح مرجوح کی بحث

از: حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی مدظلہ العالی

مولانا سعیدی تبیان القرآن میں ''اعلیٰ حضرت کے دونوں ترجموں میں محاکمہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے اپنی دیگر تصانیف میں جو ان آیات اور احادیث کا ترجمہ کیا ہے وہ ظاہر قرآن اور احادیث کے مطابق ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمہ راجح ہے اور کنز الایمان کے ترجمہ میں جو مغفرت ذنب کی نسبت اگلوں اور پچھلوں کی طرف کی گئی ہے وہ چونکہ ظاہر قرآن اور حدیث کے مطابق نہیں ہے اس لئے وہ مرجوح ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک طریقہ افضل اور راجح ہے اور دوسرا طریقہ مفضول اور مرجوح ہے۔ اور ہمارے نزدیک افضل اور راجح طریقہ وہی ہے جس میں ظاہر قرآن اور حدیث کی موافقت ہے۔(۱)

ہمارا مؤقف یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو ضروری نہیں ہے کہ ان کے مابین راجح و مرجوح کی حیثیت سے محاکمہ کیا جائے۔ ہر قول کا اپنا محمل ہو سکتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے ہم قرآنِ حکیم سے ایک مثال پیش کرتے ہیں جس میں کئی قول ہیں اور ان میں سے راجح کوئی بھی نہیں ہے'':

فکفارته اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ماتطعمون اهلیکم او کسوتهم او تحریر رقبة ط فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام ط (۲)

یعنی یمین کا کفارہ یہ ہے کہ دس مساکین کو متوسط کھانا جو آپ اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، کھلایا جائے یا دس مساکین کو درمیانہ درجے کا لباس پہنایا جائے یا ایک غلام آزاد کیا جائے اور جب اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنا ہیں۔

یعنی پہلی تین صورتیں مال و دولت کی فراوانی سے متعلق ہیں اور اگر اس کی حیثیت نہ ہو تو پھر بدنی عبادت کر کے یمین کا کفارہ ادا کیا جائے اور وہ تین روزے رکھنا ہے علماء مجتہدین نے ان تمام طریقوں میں کسی کو راجح اور کسی کو مرجوح قرار نہیں دیا۔ حضرت شیخ احمد جونپوری لکھتے ہیں:

وهذه الکفارات الثلث یتخیر المکفر بینها، والصوم انما یجوز اذا عجز عنها۔ (۳)

یعنی کفارہ ادا کرنے والا اس باب میں اختیار رکھتا ہے کہ جس عمل کو چاہے اختیار کرے اور اگر تینوں کی ادائیگی سے عاجز ہو تو پھر روزے رکھے گا۔

ہمارے فقہاء کرام نے یہ نہیں کہا کہ ان میں سے یہ راجح اور یہ مرجوح ہے۔ چنانچہ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو ان میں راجح و مرجوح کا فرق کرنا لازم ہے۔

اس کی دوسری مثال امام ابوالحسین قدوری کی یہ عبارت ہے:

اول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم یغب الشفق، وهو البیاض الذی فی الافق بعد الحمرۃ عند ابی حنیفة، وقال ابو یوسف ومحمد وهو الحمرۃ۔ (۴)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مغرب کا آخری وقت وہ سفیدی ہے جو

سرخی کے بعد افق آسمان پر نمودار ہوتی ہے اور حضرت صاحبین کے نزدیک سرخی ہے۔

اس مسئلہ میں یہ دو قول ہیں بعد والوں نے ان پر فیصلہ دینا تھا مگر ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ راجح اور یہ مرجوح ہے بلکہ حضرت ابوبکر حداد قدس سرہ نے لکھا ہے کہ:

قولهما اوسع للناس وقوله احوط۔ (۵)

یعنی حضرات صاحبین کے قول میں لوگوں کے لئے توسع زیادہ ہے اور حضرت امام کے قول میں احتیاط زیادہ ہے۔ اس مقام میں دو قول موجود تھے مگر حضرت ابوبکر حداد نے ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار نہیں دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں کسی نے دو قول دیکھے تو اس میں سے ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینا لازمی وضروری نہیں ہے۔ اس لئے مولانا سعیدی کا دو قولوں میں ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینا اپنے قول اور مؤقف کو بالا رکھنے کی ایک کوشش ہے۔ ورنہ اس مقام میں اس کی حاجت وضرورت نہ تھی۔

مولانا سعیدی نے اپنے مؤقف پر پہلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ:

جو ترجمہ قرآن وحدیث کے ظاہر کے مطابق ہے وہ راجح ہے اور جو ترجمہ قرآن وحدیث کے ظاہر کے مطابق نہیں ہے وہ مرجوح ہے۔

ظاہر قرآن وحدیث کی مطابقت کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر قرآن حکیم میں ایسے بھی مقامات ہیں جہاں مقصد اور حقیقت کی مطابقت کو اختیار کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک حضرات انبیاء کرام کی عظمت ہے۔ علماء تفسیر نے خاص طور پر ایسے مقامات پر ظاہر قرآن کو ترک کر دیا ہے اس لئے کہ نبی کی تعظیم وتکریم کا یہی تقاضا ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی عصی ادم ربه فغوی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هوان ظاهر القران وان دل على ان ادم عليه السلام عصى وغوى، لكن ليس لا حدان يقول ان ادم عليه السلام كان عاصيا غاويا۔ (۶)

یعنی ظاہر قرآن اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ''عصیٰ اور غویٰ'' کی نسبت ہے لیکن اس کے باوجود کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ یہ بات کہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ''عاصی اور غاوی'' تھے۔

جب ظاہر قرآن میں یہ نسبت موجود ہے تو اس بات کی اجازت عام ہوتی کہ ظاہر قرآن پر عمل کیا جائے مگر حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم وتکریم کا تقاضا یہ ہے کہ ظاہر قرآن کو ترک کر دیا جائے اور امام رازی قدس سرہ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس مقام میں ظاہر قرآن کو ترک کر دیا جائے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہے:

حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَہٗ۔

اس میں ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس عمل کے لئے صرف نکاح کافی ہے۔ اور حضرت شیخ احمد قدس سرہ نے بھی لکھا ہے کہ:

لايكفى مجرد النكاح كما يفهم من ظاهر الآيه (۷)

یعنی ظاہر آیۃ سے یہی بات ثابت ہو رہی ہے کہ اس سے مراد مجرد نکاح ہے۔ اور مولانا عبدالحکیم فرنگی محلی قدس سرہ نے بھی لکھا ہے:

نقل عن سعيد بن المسيب انه حكم بظاهر الآيه وقال انه يكفى مجرد النكاح وهو مردود لمخالفة الحديث المشهور ولو قضى به القاضى لاينفذ قضاءه۔ (۸)

حضرت سعید بن مسیّب سے منقول ہے کہ وہ ظاہر آیۃ کے مطابق فیصلہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ صرف نکاح کافی ہے مگر ان کا یہ فیصلہ حدیث مشہور کی مخالفت کی وجہ سے مردود ہے اور اگر کوئی قاضی حضرت ابن مسیّب کے فیصلہ کی موافقت میں فیصلہ دے گا تو اس کا نفاذ نہیں ہوگا۔

حضرت ابن المسیب نے ظاہر آیۃ کے مطابق جو فیصلہ دیا ہے اسے علماءِ اصول نے مردود قرار دیا ہے اور حدیثِ مشہور کے فیصلہ کے مطابق نکاح بمعنی دخول مراد لیا ہے۔ اور تمام علماء کا فیصلہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے ظاہر قرآن کی مطابقت ہر جگہ راجحیت کی دلیل

نہیں ہوسکتی۔

اب ہم ظاہر حدیث کی ایک مثال صحیح مسلم سے پیش کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے فوت شدہ باپ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

فی النار، فلما قفیٰ دعاہ فقال ان ابی واباك فی النار۔

وہ آگ میں ہے تو جب وہ پلٹ کر جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ میرا اور تیرا باپ دونوں آگ میں ہیں۔

یہ حدیث کا ظاہر ہے۔ مگر امام جلال الدین سیوطی نے اس ظاہر کے خلاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابوین کے ایمان کے ثبوت میں سات رسالے لکھے ہیں اور حدیث کے ظاہر کو قبول نہیں کیا ہے۔ اور حدیث میں ہے:

لاتمنعوا اماء اللہ من المساجد۔

یعنی عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں عورتیں مساجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتی تھیں۔ مگر ان احادیث کے ظاہر کے خلاف ہمارے فقہاء کرام نے فیصلہ دے رکھا ہے۔ یکرہ للنساء حضور الجماعة (۹) اور تقریباً ایک ہزار سال سے عورتوں پر مساجد کے دروازے بند ہیں اور نماز کیلئے ان میں نہیں آسکتیں۔

اس لئے ظاہر قران اور ظاہر حدیث کی وجہ سے راجحیت کا قول غیر معتبر ہے اور اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں قرآن وحدیث کے ظاہر کے خلاف علماء اسلام نے فیصلہ دے رکھے ہیں اور برابر ان پر عمل بھی ہورہا ہے۔

اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کے پیش نظر بعض مقامات پر قرآن وحدیث کے ظاہر کو ترک کردینا اسلامی ادلہ کے مطابق ایک درست امر ہے۔ اور اس کے خلاف کو راجح قرار دینے میں کوئی علمی ودینی عظمت نہیں ہے۔ ایک امتی کو اپنی حیثیت پر نظر رکھ کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ ہر جگہ اپنے ''ذنبی'' ہونے کے مظاہرہ سے گریز کرنا چاہئے اور ادب واحترام کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ آخر نبی، نبی ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سید الانبیاء ہیں۔

مولانا سعیدی نے اپنے مؤقف پر دوسری دلیل یہ پیش کی ہے:

قرآنِ مجید کی یہ آیۃ ہے:

والمطلقات یتر بصن بانفسھن ثلثة قروء۔

قرء کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیۃ میں قرء کا معنی حیض ہے اور ان کے نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس آیۃ میں قرء کا معنی طہر ہے۔ اور ان کے نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تین طہر ہے۔ لغت کے حساب سے یہ دونوں محمل درست ہیں لیکن دلائل کے اعتبار سے یہاں قرء بمعنی حیض راجح ہے۔ (۱۰)

یعنی قرء کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی امام ابوحنیفہ نے کیا ہے اور وہ حیض ہے۔ اور دوسرا معنی امام شافعی نے کیا ہے اور وہ طہر ہے۔ امام صاحب کا معنی راجح اور امام شافعی کا معنی مرجوح ہے۔

مولانا سعیدی کا اس مقام میں اس دلیل کو پیش کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ما بہ النزاع قول عقائد سے متعلق ہے اور ثلثة قروء کی بحث احکام سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس کرنا کمزور طریقہ کار ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بات احکام سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہم اس معاملہ میں آیات قرآن کی وہ تعبیر اور توجیہ قبول کرتے ہیں جو حنفیہ نے کی ہے۔ چنانچہ ثلثة قروء کی یہ تعبیر کہ اس سے مراد حیض ہے وہ امام ابوحنیفہ نے کی اور حنفیہ اس پر عمل کررہے تھے کہ امام شافعی نے تیسری صدی ہجری کے آغاز میں دوسری توجیہ پیش کی ہے اور حنفیہ اس بات کے پابند نہیں تھے کہ وہ امام شافعی کی توجیہ کی وجہ سے اپنی توجیہ پر عمل ترک کردیں۔ حنفیہ امام شافعی کی توجیہ سے قبل اس پر عمل کررہے ہیں۔ غرضیکہ جب حنفیہ نے ثلثة قروء کی تعبیر حیض سے کی تھی اس وقت امام شافعی کی توجیہ سامنے نہیں آئی تھی لہٰذا حنفیہ کو اسے راجح قرار دینے کی حاجت نہیں تھی۔ اس وقت اس میں دو قول نہیں تھے

اور نہ ہی حضرات صاحبین کا کوئی قول ہے کہ اس میں اختلاف ہوتا اور اسے راجح قرار دیا جاتا اور بعد کے حنفیہ نے لسانی اصولوں سے بھی اس کی مخالفت کو رد کر دیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ ثلثۃ قروء میں اس وقت اصلاً دو قول نہیں تھے کہ وہ دو میں سے ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیتے۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم ثلثۃ قروء میں دو تعبیریں قبول کر لیتے ہیں مگر عملی صورت حال یہ ہے کہ ایک امام ابوحنیفہ کے نزدیک راجح ہے اور دوسری امام شافعی کے نزدیک راجح ہے، تو مرجوح اس میں کوئی نہ ہوئی۔ دونوں پر صدیوں سے اس دنیا میں عمل ہو رہا ہے لوگوں کے معاملات ان کے مطابق چل رہے ہیں، جب دونوں اپنے اپنے مقام میں معمول بہا ہیں تو پھر مرجوح نہ ہوئیں۔ معمول بہا مرجوح نہیں ہوتا۔ پھر موجوح قرار دینا شوافع کی مجبوری ہے حنفیہ کی نہیں ہے۔ اس لئے مولانا سعیدی کو اس مقام میں راجح و مرجوح پر دلیل قائم کرنے کے لئے ثلثۃ قروء کو پیش کرنا درست نہیں ہوسکتا۔

چونکہ ہم نے مولانا سعیدی کی راجحیت کے دلائل توڑ دیئے ہیں، اس لئے اس قول کی راجحیت ختم ہوگئی ہے۔ اب دونوں اقوال میں سے کوئی بھی راجح و مرجوح نہیں ہے۔ مولانا سعیدی نے اپنی دلیل میں امام شافعی علیہ الرحمۃ کا امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے لہٰذا جواب بھی اسی حساب سے دیا گیا ہے۔

مولانا سعیدی نے لکھا ہے کہ:

ہمارے لئے اس حدیث کے صحیح ہونے کے لئے یہ امر کافی تھا کہ اعلیٰ حضرت نے اس حدیث کو الاحقاف ۹ رکیلئے ناسخ قرار دیا ہے۔(۱۱)

عموماً حدیث کی صحت وضعف کے لئے راویان حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اور ممتاز محدثین کی تحقیق کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ مولانا سعیدی نے حدیث کی صحت وضعف کی شناخت کے لئے اعلیٰ حضرت کو معیار بنایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کو امام المحدثین بھی سمجھتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ اس درجہ عقیدت رکھتے ہیں کہ ان کی بات بغیر دلیل کے مانتے ہیں۔ اگر چہ ان کے اس لکھنے کے باوجود ہمیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ حقیقت بھی اس طرح ہو۔ اس لئے کم ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث ترمذی کی صحت پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بس بات کو گھما گھما کر کرنے کے فن کو استعمال کرتے ہیں جس سے کم علم قاری ان کے دھوکہ میں آجاتا ہے اور اس مقام میں اعلیٰ حضرت کی بات ماننے کی یہی وجہ ہے۔ تاہم اگر وہ اپنے اس قول میں سچے اور پکے ہیں تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے لیغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر کے دو ترجمے کئے ہیں۔ ایک وہ جو کنز الایمان میں ہے اور دوسرا وہ جو بعض معمولی اور چھوٹی کتابوں میں ہے۔ دونوں ترجموں میں سے کسی ایک کو اعلیٰ حضرت نے راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار نہیں دیا۔ ہر ایک اکا اپنا اپنا محمل ہے۔ اور سب سے اہم چیز قرآنِ حکیم کا ترجمہ ہے اس میں مجاز عقلی اور تقدیر مضاف والا ترجمہ کیا ہے اور فتاویٰ رضویہ میں بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ اور معمولی اور چھوٹی کتب میں دوسرا ترجمہ کیا ہے اور دونوں میں سے ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار نہیں دیا۔ اگر آپ کو اعلیٰ حضرت سے اتنی عقیدت ہے کہ آپ ان کے قدم بقدم چلتے ہیں، ان کی پیروی کرتے ہیں، ان کی بات بغیر اظہارِ دلیل کے مانتے ہیں تو اس مقام میں ان کی پیروی اختیار کیجئے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ایک ترجمہ کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار نہ دیجئے۔ اب اس سے معلوم ہو جائے گا کہ مولانا سعیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو کتنا مانتے ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس مقام میں ایک قول سے ان کو معمولی سی حمایت مل رہی ہے اس لئے اسے ڈھال کے طور پر استعمال کر کے اہلسنّت کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں۔ ورنہ ماننے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی بھی کنز الایمان کے ترجمہ کو مرجوح قرار نہ دیتے۔

مرجوح منسوخ ہوتاہے

مولانا سعیدی نے کنزالایمان کے ترجمہ کو مرجوح قرار دیا ہے اور اس چیز کو انہوں نے کھلے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ہمارے وہ علماء جو فقہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، انہیں فقہاء کہا جاتا ہے، وہ فقہاء کرام ''مرجوح'' کے بارے میں جو کچھ بیان کرتے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے تاکہ بعض لوگوں کی امانت و دیانت اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کس طرح بات کرتے ہیں، کی حقیقت بھی واضح ہوجائے۔ حضرت علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

ان الحکم والفتوی بالقول المرجوح جهل وخرق للا جماع۔

یعنی مرجوح قول سے حکم نافذ کرنا اور فتویٰ جاری کرنا جہالت ہے۔ اور اجماع کے خلاف ہے۔

حضرات فقہا کرام کے نزدیک مرجوح کا یہ مقام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کنزالایمان کا ترجمہ اس مقام میں مرجوح ہے تو پھر اس کے درست ہونے کا حکم لگانا جہالت ہے۔ حضرت ابن عابدین شامی قدس سرہ لکھتے ہیں:

مذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتی لنفسه يكون المرجوح صار منسوخاً۔ (۱۲)

حنفی مذہب میں مرجوح قول کا اختیار کرنا منع ہے۔ یہاں تک کہ اسے اپنی ذات کے لئے بھی اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ مرجوح قول منسوخ ہوتا ہے۔

جب حنفی مذہب میں مرجوح قول قبول نہیں کیا جاتا اس پر عمل نہیں کیا جاتا اسے منسوخ مانا جاتا ہے، تو مولانا سعیدی نے کنزالایمان کے اس ترجمہ کو مرجوح کہہ کر منسوخ قرار دیا ہے اسے قبول کرنے اور دلیل بنانے سے منع کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالعزیز پرہاروی قدس سرہ کا قول ہم سابقہ صفحات میں نقل کرچکے ہیں اب دوبارہ پیش خدمت ہے۔

اعلم ان العلماء فيه علی قولين ۔ احدهما الا خذ بقول المجتهد حملا علی انه اطلع علی هذا الحديث فوجده منسوخا او مرجوحاً وهو مذهب عامة من يتقلد ويتعصب فی التقليد۔ (۱۳)

علماء کرام کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے مجتہد کا قول قبول کرنا اس پر محمول کرتے ہوئے کہ مجتہد اس حدیث پر مطلع ہوئے تو انہوں نے اس حدیث کو منسوخ یا مرجوح پایا ہے یہ عام مقلدین اور تقلید میں شدت رکھنے والوں کا مذہب ہے۔

حضرت پرہاری قدس سرہ نے اس مقام میں ''فوجده منسوخا او مرجوحا'' سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ منسوخ اور مرجوح دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ وہ حدیث جو نا قابل عمل قرار پا رہی ہے اسے منسوخ بھی کہا جارہا ہے اور مرجوح بھی کہا جارہا ہے۔

اب یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئی کہ مولانا سعیدی کنزالایمان والے ترجمہ کو مرجوح کہہ کر ساقط الاعتبار اور نا قابل قبول قرار دے رہے ہیں۔ ادھر رجوع کا نقارہ بجادیا گیا ہے اور ادھر مرجوح قرار دے رہے ہیں تاہم رجوع اور مرجوح میں فرق ہوتا ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ اللهم اهدنا الصراط المستقیم۔

حواشی و حوالہ جات

[۱] تبیان القرآن، ج ۱۱، ص ۲۳۶۔
[۲] قرآن حکیم، سورۂ مائدہ، آیت ۸۹۔
[۳] التفسیرات الاحمدیہ، ص ۳۶۱
[۴] کتاب القدوری، ص ۳۵۔
[۵] الجوہرۃ النیرہ، ص ۳۹۔
[۶] تفسیر کبیر، ج ۲۰، ۲۱، ص ۱۲۸۔
[۷] نورالانوار، ص ۲۰۔
[۸] قمرالاقمار، ص ۲۰۔
[۹] کتاب القدوری، ص ۴۲۔
[۱۰] تبیان القرآن، ج ۱۱، ص ۲۳۶۔
[۱۱] جواب تحقیقی مقالہ، ص ۴۶۔
[۱۲] الردالمحتار، ج ۱، ص ۵۵۔
[۱۳] القدوری، ص ۴۴۔

تفسیر القرآن بآثار الصحابۃ والتابعین العظام

تصنیفاتِ امام احمد رضا کے ایک مآخذ کی حیثیت سے

از: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ سامی (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی نگارشات میں تفسیر قرآن کے حوالے سے گرانبہا مواد ملتے ہیں۔خود کنزالایمان کے نام سے آپ کا سلیس اردو میں ترجمۂ قرآن، علوم قرآن وتفسیر پر آپ کی کامل دسترس پر شاہدِ عادل ہے۔اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علومِ قرآن وتفاسیر کے تمام وافر ذخائر پر گہری نظر رکھتے تھے اور فن تفسیر میں وسیع الاطلاع تھے۔یہ الگ بات ہے کہ آپ افتاء نویسی اور دیگر تصنیفی مشغولیات کی بناء پر قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہ لکھ پائے۔لیکن بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ امام احمد رضا کا علم تفسیر میں کوئی مقام نہیں ہے نصف النہار کے وقت چمکتے ہوئے آفتاب کا انکار ہے۔

زیر نظر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے تفسیری مباحث آپ کی تصانیف میں کثرت سے موجود ہیں۔آپ جب کسی آیت کو موضوع سخن بناتے ہیں تو احادیث کریمہ کے بعد صحابہ کرام کے ارشادات اور تابعین عظام کے اقوال سے مطلب کی خوب خوب وضاحت فرماتے ہیں۔

کسی آیت کے منسوخ ومحکم ہونے کا فیصلہ اپنی رائے سے نہیں بلکہ یا تو دوسری آیات کے ذریعہ۔یا احادیث کی روشنی میں۔یا پھر آثار صحابہ وتابعین عظام سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ایسی آیات جن کا مفہوم باہم متنافی ہو تو ظاہر ہے کہ ان کا مورد ومصداق بھی جداگانہ ہوگا۔بصورت دیگر ایک آیت منسوخ اور دوسری ناسخ ہوگی اور ان چیزوں کا علم مندرجہ بالا طریقوں کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔امام احمد رضا نے ان تمام مباحث سے متعلق اپنی تصانیف میں بیش بہا اور قیمتی معلومات جمع کی ہیں۔ان میں سے چند ہدیہ قارئین ہیں۔

مثال اول: " لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقا تلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیا رکم ان تبروھم وتقسطو ا الیھم ؕ ان اللہ یحب المقسطین " [سو رۃ ممتحنہ ۔ ۸]

اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالے کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو۔بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔

اولاً:۔ اس آیت کے تعلق سے آپ نے یہ بتایا کہ یہ آیت محکم ہے اور یہی اکثر اہل تاویل کا مسلک۔

فرماتے ہیں:

ایک آیہ کریمہ کے بیان پر اقتصار کروں کہ وہی سب الٹے چھوٹے بڑے لیڈروں کی نقل مجلس ہے۔یعنی کریمۂ ممتحنہ "لا ینھٰکم اللہ الآیۃ" اس میں اکثر اہل تاویل جن میں سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں: اس سے مراد بنو خزاعہ ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔رب عزوجل نے فرمایا:

ان کی مدت عہد تک ان سے بعض نیک سلوک کی تمہیں ممانعت نہیں۔

امام مجاھد تلمیذ اکبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ ان کی تفسیر بھی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ہی سمجھی جاتی ہے فرماتے ہیں: ان کے ساتھ نیک سلوک منع نہیں۔

بعض مفسرین نے کہا: مراد کافروں کی عورتیں اور بچے ہیں جن میں لڑنے کی قابلیت ہی نہیں۔

قول اکثر کی حجت حدیث بخاری ومسلم واحمد وغیرہ ہے سیدتنا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ان کی والدہ قُتیلہ بحالت کفر آئی اور کچھ ھدایا لائی۔ انھوں نے نہ اس کے ہدیے قبول کئے نہ آنے دیا کہ تم کافرہ ہو۔ جب تک سرکار سے اذن نہ ملے تم میرے پاس نہیں آسکتیں۔ حضور میں عرض کی: اس پر آیہ کریمہ اتری کہ ان سے ممانعت نہیں۔ یہ واقعہ صلح ومعاھدہ کا ہے۔ خصوصاً یہ تو ماں کا معاملہ تھا اور ماں باپ کے لئے مطلقاً ارشاد ہے۔

"وصاحبهما فى الدنيا معروفا"

[سورۃ لقمان ۔ ۱۵]

دنیوی معاملوں میں ان کے ساتھ اچھی طرح رہ۔

ظاہر ہے کہ قول امام مجاھد پر تو آیہ کریمہ سے تعلق ہی نہیں خاص مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ اور نہ وہ اب کسی طرح قابل نسخ۔ اور قول سوم یعنی ارادۂ نساء وصبیان پر بھی اگر منسوخ نہ ہو تو ان دوستان ہنود کو نافع نہیں کہ یہ جن سے وداد واتحاد منا رہے ہیں۔ وہ عورتیں بچے نہیں۔

قول اول پر بھی کہ آیت اہل عہد وذمہ کے لئے ہے۔ اور یہی قول اکثر جمہور ہے۔ آیت کریمہ میں نسخ ماننے کی کوئی حاجت نہیں۔ لاجرم اکثر اہل تاویل اسے حق مانتے ہیں۔ اور اسی پر ہمارے ائمہ حنفیہ نے اعتماد فرمایا کہ آیت ''لاینھٰکم'' در بارۂ اہل ذمہ، اور آیت کا ''ینھٰکم اللہ'' حربیوں کے بارے میں ہے۔ اسی بنا پر ہدایہ ودرر وغیرہما کتب معتمدہ نے فرمایا: کافر ذمی کے لئے وصیت جائز ہے۔ اور حربی کے لئے باطل وحرام۔ کہ آیت "لا ینھٰکم اللہ" نے ذمی کے ساتھ احسان جائز فرمایا۔ اور آیت "انما ینھٰکم اللہ" نے حربی کے ساتھ احسان حرام۔ (فتاویٰ رضویہ جدید)

ثانیاً: امام احمد رضا نے اس آیت کو بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک منسوخ بتایا، اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی۔

آیت کریمہ میں ایک قول یہ ہے کہ مطلق کفار مراد ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑیں۔ ان کے نزدیک وہ ضرور آیات قتال وغلظت سے منسوخ ہے۔ اجلہ ائمہ تابعین مثل امام عطا بن ابی رباح استاذ امام اعظم ابو حنیفہ جن کی نسبت امام اعظم فرماتے:۔

"ما رايت افضل من عطا" میں نے امام عطا سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔

وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولی امیر المومنین عمر فاروق اعظم۔

وقتادہ تلمیذ خاص حضرت انس خادم خاص حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنھم ۔ نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح فرمائی۔ (فتاویٰ رضویہ جدید)

امام احمد رضا نے اس مطلب کے ثبوت میں تفسیر قرطبی، تفسیر جمل، تفسیر درمنثور، تفسیر جامع البیان۔ تفسیر ابو شیخ بن حبان۔ تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابوالسعود، تفسیر عنایت القاضی، تفسیر خطیب شربینی، اور تفسیر جلالین کے حوالے پیش فرمائے جو بلاشبہ آپ کی وسعت نظر کا عکاس ہیں۔

مثال دوم: تبذیر واسراف دو علیحدہ لفظ ہیں۔ کیا دونوں کے معانی بھی جدا ہیں؟ یا ایک ہی معنی پر بولے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا کی تحقیقات اقوال صحابہ وتابعین کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

"قال اللہ تعالیٰ: ولا تبذر تبذيرا" [سورۃ الاسراء ۔ ۲۶]

مال بیجا نہ اڑا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

تبذیر کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

(۱) وہ اور اسراف دونوں کے معنٰی ناحق صرف کرنا۔

اقول: یہی صحیح ہے کہ یہی قول حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس وعامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول مسند فریابی، سنن سعید بن منصور، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، ادب مفرد امام بخاری تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن منذر، معجم کبیر طبرانی، مستدرک حاکم اور شعب ایمان امام بیہقی نے نقل فرمایا ہے۔ تفسیر ابن جریر میں اس کے لفظ یوں نقل فرمائے۔

"قال التبذیر فی غیر الحق وھو الاسراف" (۲۳)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تبذیر ناحق خرچ کو کہتے ہیں۔ یہی اسراف ہے۔

اور دوسری سند سے یوں مروی ہے۔

"قال کنا اصحاب محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نتحدث ان التبذیر النفقة فی غیر حقه" (۲۴)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تبذیر ناحق خرچ کو کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول سنن سعید بن منصور، ادب مفرد امام بخاری۔ شعب الایمان امام بیہقی، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن منذر نے نقل کیا۔

"المبذر منفق فی غیر حقه" (۲۵)

مبذر ناحق خرچ ہے۔

ابن جریر میں ایک روایت ان سے یہ ہے

"لا تنفق فی الباطل فان المبذر ھو المسرف فی غیر حقه" (۲۶)

تو باطل میں خرچ نہ کر کہ مبذر ناحق خرچ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

وقال مجاھد: لو انفق انسان ماله فی الحق ما کان تبذیرا ولو انفق مداً فی الباطل کان تبذیرا "(۲۷)

اور امام مجاہد نے فرمایا: اگر انسان اپنا کل مال بھی حق میں خرچ کر دے تب بھی تبذیر نہیں۔ اور اگر ایک مد بھی باطل میں خرچ کرے تو یہ تبذیر ہے۔

نیز قتادہ سے راوی۔

"التبذیر نفقة فی معصیة اللہ تعالی و فی غیر الحق و فی الفساد" (۲۸)

تبذیر اللہ کی نافرمانی میں خرچ کو کہتے ہیں اور اسی طرح غیر حق میں اور فساد میں خرچ کرنا تبذیر ہے۔

(۲) ان دونوں میں فرق ہے۔ تبذیر خاص معاصی میں مال برباد کرنے کا نام ہے،

ابن جریر عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔

''لا تبذر تبذیرا لا تعط فی المعاصی "(۲۹)

تبذیر معاصی میں خرچ کرنا۔

اس تقدیر پر اسراف تبذیر سے عام ہوگا کہ ناحق صرف کرنا عبث میں صرف کو بھی شامل، اور عبث مطلقاً گناہ نہیں، تو ازآنجا کہ اسراف ناجائز ہے یہ صرف معصیت ہوگا، مگر جس میں صرف کیا وہ خود معصیت نہ تھا۔ اور عبارت

"لا تعط فی المعاصی" کا ظاہر یہی ہے کہ وہ کام خود ہی معصیت

ہو۔ بالجملہ تبذیر کے مقصود و حکم دونوں معصیت ہیں اور اسراف کو صرف حکم معصیت لازم=

مثال سوم=قال اللہ تعالی: سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود " [سورۃ الفتح ـ ۲۹]

ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدے کے اثر سے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں: کہ صحابہ و تابعین سے اس نشانی کی تفسیر میں چار قول ماثور ہیں۔

قول اول = وہ نور کہ روز قیامت ان کے چہروں پر برکت سجدہ سے ہوگا۔

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، امام حسن بصری، عطیہ عوفی، خالد حنفی اور مقاتل بن حیان سے ہے۔

قول دوم =خشوع وخضوع وروش نیک جس کے آثار صالحین کے چہروں پر دنیا میں ہی بے تصنع ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور امام مجاہد سے ہے۔

قول سوم = چہرہ کے زردی کہ قیام اللیل وشب بیداری میں پیدا ہوتی ہے۔

یہ امام حسن بصری، ضحاک، عکرمہ اور شمر بن عطیہ سے۔

قول چہارم =وضو کی تری اور خاک کا اثر کے زمیں پر سجدہ کرنے سے ماتھے اور ناک پر مٹی لگ جاتی ہے۔ یہ امام سعید بن جبیر اور عکرمہ سے ہے۔

ان میں پہلے دو قول اقوی واقدم ہیں کہ دونوں خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سے مروی ہیں۔ اور سب سے قوی ومقدم پہلا قول ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے بسند حسن ثابت ہے۔

رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط والصغیر وابن مردویہ عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی قولہ عز وجل: سیماھم فی وجوھھم من اثرالسجود وقال :النور یوم القیامۃ"

ولہٰذا امام جلال الدین محلی نے جلالین میں اسی پر اقتصار کیا۔

قول سوم میں قدر ضعف ہے کہ وہ اثر بیداری ہے نہ اثر سجود۔ ہاں بیداری بغرض سجود ہے۔

اور چہارم سب سے ضعیف تر ہے۔ وضو کا پانی اثر سجود نہیں۔ اور مٹی بعد نماز چھڑا دینے کا حکم ہے۔ یہ سیما ونشانی ہوتی تو زائل نہ کی جاتی۔ امید ہے کہ سعید بن جبیر سے اس کا ثبوت نہ ہو۔

بہرحال یہ سیاہ دھبہ کہ بعض کے ماتھے پر کثرت سجود سے پڑتا ہے تفاسیر ماثورہ میں اس کا پتہ نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس وسائب بن یزید ومجاہد رضی اللہ تعالی عنھم سے اس کا انکار ماثور۔ طبرانی نے معجم کبیر اور بیہقی نے سنن میں حمدی بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے۔

میں سائب بن یزید رضی اللہ تعالی عنھما کے پاس حاضر تھا، اتنے میں ایک شخص آیا جس کے چہرہ پر سجدہ کا داغ تھا۔ سائب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: لقد افسد ھذا وجھہ اما واللہ ماھی السیما التی سمی اللہ ولقد صلیت علی جبھتی منذ ثمانین سنۃ ما اثر السجود بینی عینی" بیشک اس شخص نے اپنا چہرہ بگاڑ لیا۔ سنتے ہو خدا کی قسم یہ وہ نشانی نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ میں اسی (۸۰) برس سے نماز پڑھتا ہوں میرے ماتھے پر داغ نہ ہوا۔

سعید ابن منصور وعبد بن حمید وابن نصر وابن جریر نے مجاہد سے روایت کی اور یہ سیاق اخیر ہے۔

" حدثنا ابن حمید ثنا جریر ابن منصور ان مجاهدا فی قوله تعالیٰ: سیماهم فی وجوههم من اثر السجود وقال: هو الخشوع فقلت :هو اثر السجود فقال: انه یکون بین عینیه مثل رکبة العنزوهو کما شاء الله "

یعنی منصور بن المعتمر کہتے ہیں امام مجاہد نے فرمایا: اس نشانی سے خشوع مراد ہے۔ میں نے کہا بلکہ داغ جو سجدہ سے پڑتا ہے فرمایا: ایک کے ماتھے پر اتنا بڑا داغ ہوتا ہے جیسے بکری کا گھٹنا، اور باطن میں ویسا ہے جیسی اس کے لئے خدا کی مشیت ہوئی یعنی یہ دھبہ تو منافق بھی ڈال سکتا ہے۔

ابن جریر نے بطریقہ مجاہد حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کی کہ فرمایا:

" اما انه لیس بالذی ترون ولکنه سیما الاسلام ومحیته وسمته وخشوعه"

خبردار یہ وہ نہیں جو تم لوگ سمجھتے ہو بلکہ یہ اسلام کا نور، اس کی خصلت، اس کی روش، اس کا خشوع ہے۔

بلکہ تفسیر خطیب شربینی پھر فتوحات سلیمانیہ میں ہے۔ " قال البقائی ولا یظن ان من السیما ما یصنعه بعضه المرائین من اثر هیائة سجود فی جبهته فان ذالك من سیما الخوارج وعن ابن عباس عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم انه قال لأ بغض الرجل واکرهه اذا رأیت بین عینیه اثر السجود "

یعنی یہ نشان سجدہ جو بعض ریا کار اپنے ماتھے پر بنالیتے ہیں یہ اس نشانی سے نہیں ہے۔ یہ خارجیوں کی نشانی ہے اور ابن عباس سے روایت مرفوع آئی کہ میں آدمی کو دشمن ومکروہ رکھتا ہوں جبکہ اس کے ماتھے پر سجدہ کا اثر دیکھتا ہوں۔

اقول: اس روایت کا حال اللہ جانے اور بفرض ثبوت وہ اس پر محمول جو دکھاوے کے لئے ماتھے اور ناک کی مٹی نہ چھڑائے کہ لوگ جانیں کہ یہ ساجدین سے ہے اور وہ انکار بھی سب اسی صورت ریا کی طرف راجع، ورنہ کثرت سجود یقیناً محمود اور ماتھے پر اس سے نشان خود بن جانا، نہ اس کا روکنا اس کی قدرت میں ہے نہ زائل کرنا، نہ اس کی اس میں کوئی نیت فاسد ہے۔ تو اس پر انکار نا متصور اور مذمت ناممکن بلکہ وہ من جانب اللہ اس کے عمل حسن کا نشان اس کے چہرے پر ہے۔ تو زیر آیہ کریمہ " سیماهم فی وجوههم من اثر السجود "داخل ہوسکتا ہے کہ جو معنی فی نفسہ صحیح ہو اور اس پر دلالت لفظ مستقیم اسے معانی آیات قرآنیہ سے قرار دے سکتے ہیں: ''کما صرح به الامام حجة الاسلام وعلیه درج عامة المفسرین الاعلام ''

اب یہ نشان اسی محمود ومسعود نشانی میں داخل ہوگا جس کی تعریف اس آیت کریمہ میں ہے۔ کہ بلا شبہ یہ امر جس طور پر ہم نے تقریر کی فی نفسہ عمل حسن سے ناشی اور اس کی نشانی اور الفاظ آیت کریمہ میں اسکی گنجائش ہے۔ لاجرم تفسیر نیشاپوری میں اسے بھی آیت میں برابر کا محتمل رکھا۔ تفسیر کبیر میں اسے بھی تفسیر آیت میں ایک قول بتایا۔ کشاف و ارشاد العقل میں اسی پر اعتماد کیا۔ بیضاوی نے اسی پر اقتصار کیا۔ اور اس کے جائز بلکہ محمود ہونے کو اتنا بس ہے کہ سیدنا امام سجاد زین العابدین علی بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی پیشانی نورانی پر سجدہ کا یہ نشان تھا۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۷۳)

علم حدیث

ا۔ محدث بریلوی اور خدمات علوم حدیث

۲۔ سلسلہ ذھب۔ محدث بریلوی کی سند حدیث

خدماتِ علومِ حدیث

فقہ الحدیث اور امام احمد رضا خان قادری محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ڈاکٹر مفتی منظور احمد سعیدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ وَعَلٰى آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَمَنْ تَفَقَّهَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

قال اللّٰہ تعالیٰ:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ☆(۱)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں، تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔(۲)

ہر فقیہ محدث ہے، اگر محدث نہیں، تو پھر فقیہ بھی نہیں۔ فقیہ کیلئے تمام علوم حدیث کا عالم ہونا ضروری ہے؛ اس لئے کہ فقیہ صرف فقیہ نہیں، بلکہ محدث بھی ہے۔ فقہ نام ہے فہم کا، اگر فہمِ حدیث حاصل نہیں، تو پھر کس فہم کا نام فقہ ہے؟

فہمِ حدیث صرف علومِ حدیث پر منحصر نہیں اور صرف ان علوم سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان کے علاوہ اور علوم بھی اس کے لئے ضروری ہیں، تو ان علوم میں جس قدر مہارت حاصل ہوگی، اسی قدر حدیث کی فقہ حاصل ہوگی۔

خیر القرون اور اس سے متصل ما بعد کے تین چار ادوار میں غیر محدث کو فقیہ نہیں قرار دیا گیا اور ہر محدث کو فقیہ بھی نہیں سمجھا گیا۔ دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں روایتِ حدیث کو مقصود بالذات کا درجہ نہیں دیا گیا، بلکہ فقہ الحدیث کو مقصود بالذات قرار دیا گیا؛ اسی لئے روایتِ حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ الحدیث کو بھی پوچھا جاتا تھا۔

فقہ صرف فہمِ حدیث کا نام نہیں ہے، بلکہ لغت، قرآن، حدیث اور دیگر علوم میں قرآن وحدیث کے فہم کا نام فقہ ہے

محدث کی تین قسمیں ہیں، (۱) محدثِ غیر فقیہ، (۲) محدثِ فقیہ اور (۳) محدثِ افقہ۔

فقہ الحدیث بھی علومِ حدیث میں ہی سے ہے؛ اس لئے فقیہ اور افقہ ''محدث'' کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔

محدثین اقسامِ ثلاثہ کی پوری تحقیق میرے اور مقالے میں ہے، جو اسی عنوان سے معارفِ رضا، شمارہ نمبر ۲۵، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔(۳)

ان قرون میں محدثین، فقہا اور صوفیاء وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم الگ الگ گروہ نہیں تھے، بلکہ ایک ہی شخص ایک ہی ساتھ صوفی، فقیہ اور محدث تینوں صفات کا حامل تھا، اگر کوئی شخص صوفی ہوتا تو محدث بھی ضرور ہوتا۔ اس عنوان پر کچھ تحقیق میرے مقالے ''امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علومِ حدیث'' میں دیکھی جا سکتی ہے، جو معارف

رضا میں شائع ہو چکا ہے۔(۴)

بلکہ موجودہ صدی سے پہلے تمام ادوار میں کہ جن میں غیر اسلامی تعلیم کا کوئی اثر نہیں تھا، ان میں شرزمہ قلیلہ صوفیاء کے سواء تمام صوفیاء علومِ حدیث کے ماہر ہوتے تھے، اور ان علوم کی تدریس وتعلیم اور اشاعت وتبلیغ اور اتباع وعمل میں کوشاں رہتے تھے؛ اس لئے میں سب سے پہلے فقہاء، صوفیاء اور محدثین کا ذکر بحیثیت خدماتِ حدیث کررہا ہوں۔

(۱) صوفیاء بحیثیت خدماتِ حدیث

﴿حدیث کی اہمیت اور ضرورت﴾

حدیث مآخذِ شرعیہ میں سے ایک مأخذ ہے؛ اس لئے شریعت پر عمل کرنے سے پہلے اس کا علم ضروری ہے، اور حدیث شریعت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے؛ اس لئے پر عمل ضروری ہے، اس پر عمل کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی اتباع نہیں کی جاسکتی۔

﴿سندِ علمِ تصوف﴾

اس جماعت کا تعلق علم وعمل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم ہی سے ہے؛ اس لئے سندِ حدیث کی تصحیح وتضعیف کی طرح سندِ تصوف کی تصحیح وتضعیف کو دیکھتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے۔ اسکے علاوہ اور بھی سندیں ہیں۔(۵)

﴿صوفی اور عالم﴾

صوفی عالم ہی ہوتا ہے؛ کیونکہ اس کے لئے علم ضروری ہے۔ اس علم کی وجہ سے وہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ان کے اعمال واخلاق میں نمونہ ہوگا۔ شیخ اکبر حاتمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ حدیث:

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل، میں علماء سے مراد صوفیاء ہیں۔(۶)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اگر علم حاصل نہیں ہوگا، تو صوفی ایک ہی خیال میں دس سال ضائع کردے گا اور اگر علوم حاصل ہوں، تو ایک ہی چھلانگ میں پار ہوجائے گا۔(۷)

﴿صوفی اور خدمتِ اسلام﴾

صوفیاء نے شریعت کے حکم اور اسکے اسرار کو بیان کرکے اور اخلاق وآداب کی تربیت کرکے اسلام کی خدمت کی ہے، تو جو متکلمین، فقہاء اور صوفیاء علم سنت میں پختہ نہیں ہیں، تو وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔(۸)

﴿صوفی اور علمِ شریعت﴾

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

جس علمِ حقیقت میں شریعت کا حکم نہ ہو، وہ مردود اور نا قابلِ اعتماد ہے۔(۹) امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

ہر وہ علمِ حقیقت کہ جس کو شریعت رد کردے، وہ زندقہ ہے۔

(۱۰) امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

صوفی کے تمام افعال اختیاریہ میزانِ شریعت میں پورے وزن پر ہوں؛ کیونکہ اس راستہ پر شریعت کے احکام کو اپنائے بغیر چلنا، ناممکن ہے۔(۱۱)

﴿صوفی اور علومِ قرآن وحدیث﴾

حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

جو شخص قرآن وحدیث سے جاہل ہے، پیروی کے قابل نہیں؛ کیونکہ صوفیاء کا مذہب مقید بہ قرآن وحدیث ہے۔(۱۲) جو صوفیاء علم سنت میں پختہ نہیں ہوتے، وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔(۱۳)

حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعادی:

جعلك الله صا حب الحديث صوفيا ولا جعلك صوفيا

صاحب الحدیث۔

تو جو محدث بن کر صوفی بنے گا کامیاب رہے گا اور جو علم حدیث کے حصول سے پہلے صوفی بن گیا، تو وہ گمراہ ہو گیا اب کیا حدیث پڑھے گا؟ (۱۴)

﴿صوفی کی تعریف﴾

خواجہ ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ م ۲۳۶ھ نے فرمایا:

خدا جل وعلا اور سول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی محبت کی نشانی یہ ہے کہ افعال واخلاق اور امر ونہی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی پیروی کرے۔ (۱۵) حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

مخلوق پر سب راستے بند ہیں، مگر ان لوگوں پر کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ (۱۶) امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صوفیاء کی تمام حرکات وسکنات ظاہر وباطن میں سینۂ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کے نور سے منور ہوتی ہیں؛ کیونکہ اس زمین پر نورِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کے سواء کوئی نور نہیں، جس سے روشنی حاصل کی جائے۔ (۱۷) حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

صوفی وہ ہے کہ کوئی بات خلاف شرع نہ کہے۔ (۱۸)

﴿راہ صوفیاء﴾

حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ہمارے طریقہ کی بنا کتاب وسنت پر ہے، اور جو کچھ کتاب وسنت کے خلاف ہے اور باہر ہے، وہ مردود ہے۔ (۱۹) حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بار اپنے مرید سے فرمایا:

مسلكِ پير حجت نمی شود، دليل از كتاب وسنت بايد۔ (۲۰)

﴿اتباعِ صوفیاء﴾

جب صوفیاء کتاب اللہ جل وعلا اور حدیثِ رسول اللہ علیہ التحیۃ والثناء کے خادم اور تابع ہوئے تو ان کی اتباع اللہ جل وعلا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی اتباع ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

چھ گروہوں کے ائمہ کی اطاعت خدا کے حکم سے فرض ہے، ازاں جملہ مجتہدینِ شریعت وشیوخِ طریقت اند کہ حکم ایشان بطریق واجب۔ (۲۱)

﴿صوفیاء کی خدماتِ حدیث﴾

﴿برصغیر ہند میں﴾

آٹھویں صدی ہجری تا نویں صدی ہجری ہند میں جب علومِ حدیث سے زیادہ دوسرے علوم کی طرف علماء توجہ دینے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم اور آپ کی سنت کی محبت سے سرشار صوفی علماء نے علم حدیث کی تحصیل پر خود بھی توجہ دی اور اپنے مریدوں میں بھی اسے حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا۔ اسی کا نتیجہ نکلا کہ چار صوفی علماء کی سرکردگی میں شمالی ہند میں علم حدیث کے چار مکاتب قائم ہو گئے، چنانچہ دہلی میں نظام الدین اولیاء، بہار میں مخدوم شرف یحیی منیری، ملتان میں شیخ زکریا، اور کشمیر میں میر سید علی ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مکاتیب قائم کئے اور حدیث کی تعلیم کی اشاعت کی، اسطرح ان خانقاہوں میں صحاح ستہ کی تعلیم مقبول ومروج ہوئی۔ (۲۲)

﴿صوفیائے محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم﴾

طبقۂ صوفیاء میں بیشمار محدثین گزرے ہیں، تمام کا شمار کرنا ناممکن ہے، یہاں پر کچھ صوفیائے محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل میرے مقالۂ پی ایچ ڈی "احمد رضا خان کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ" میں باب اول: تاریخ حدیث میں دیکھیں۔

(۲) محدثین بحیثیت خدماتِ حدیث:

پیچھے (یعنی میرے مقالۂ پی ایچ ڈی "احمد رضا خان کی خدماتِ

حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' میں باب اول: تاریخ حدیث میں) مذکور ہو چکا ہے کہ علمائے حدیث کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ حدیث کو روایت کرتے ہیں اور اسمیں یہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث صحیح کونسی ہے ضعیف کونسی ہے اور موضوع کونسی ہے؟ اور یہ کہ مرفوع کونسی ہے اور موقوف کونسی ہے؟ وغیرہ؟ یہ اگرچہ خدمت حدیث ہے، لیکن صرف یہی خدمت حدیث نہیں ہے۔

حدیث کی کتب صرف مسانید ہیں، باقی وہ کتبِ حدیث کہ جو ابواب پر مرتب ہیں، وہ صرف حدیث کی کتب نہیں ہیں، بلکہ فقہ الحدیث کی کتب ہیں، مثلاً بخاری، مسلم، موطا امام محمد، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ؛ اسی وجہ سے کسی کا نام ''الجامع'' ہے، کسی کا نام ''السنن'' ہے اور کسی کا نام ''موطا'' ہے۔

فقہ الحدیث کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کے بے شمار ارشادات ہیں:

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ہے:

نضر الله امرأسمع منا حدثيا، فحفظه، حتى يبلغه۔ فرب حامل فقه الى من هو افقه منه، ورب حامل فقه ليس بفقيه ۔ (۲۳)

(۲) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

نضر الله امرأ سمع مقالتى، فبلغها ۔ فرب حامل فقه الى غير فقيه، ورب حامل فقه الى من هوا فقه منه (۲۴)

حقیقی اور واقعی خدمتِ حدیث اسکے معانی اور مفاہیم کو سمجھنا ہے، معانی ومفاہیم سے مراد معانی اولیہ نہیں ہیں، بلکہ معانی ثانیہ ہیں اور اسی کا نام فقہ الحدیث ہے۔

فقہ الحدیث سے مراد مروجہ فقہ نہیں ہے، بلکہ اس سے وسیع ہے، جو تمام شعبہائے زندگی کو شامل ہے، خواہ انکا تعلق عقائد سے ہو یا سلوک سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اجتماعی مفادات سے ہو یا شخصی افعال سے، پوری اسلامی دینوی اور اخروی زندگی کو یہ محیط ہے۔

(۳) فقہاء بحیثیت خدماتِ حدیث

کچھ لوگوں نے فقہاء کو محدثین کے مقابلے میں لانے کی کوشش کی ہے، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ فقہائے احناف محدثین اور حدیث کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو محدثین کے زمرہ میں شامل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور فقہائے احناف کو نکالنے کی اور اپنا نام اہل حدیث اور انکا نام اصحاب الرائے رکھ لیا ہے۔

اہل حدیث کسی دور میں کوئی فقہی مذہب نہیں رہا۔ لفظ اہل حدیث سے محدثین مراد ہوتے تھے اور محدثین ہی مراد ہیں اور یہ لوگ کسی نہ کسی فقہی مذہب کے مقلد رہے ہیں، ان کو صرف علومِ حدیث کے جاننے کی وجہ سے اہل حدیث کہا جاتا تھا۔

علامہ سخاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ م ۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء لکھتے ہیں:

قال: واليه ذهب من اهل الحديث ،الخطيب، وقطع به۔ ونحوه قول النووى فى شرح مسلم: المرسل عند الفقهاء، والاصولين، والخطيب، وجماعة من المحدثين ماانقطع اسناد على اى وجه كان، فهو عندهم لمعنى المنقطع۔ (۲۵)

اور جگہ لکھتے:

والمراد الجمهور من الطائفتين، بل وجماعة من المحدثين، والامام احمد فى رواية حكاها النووى، وابن القيم وابن كثير ۔رضى الله تعالى عنهم (۲۶)

اور جگہ لکھتے ہیں:

وعند جمهور المحدثين وجماعة من الفقها وجماهير اصحاب الاصول والنظر، قال: وحكاه الحاكم ابو عبد الله عن سعيد بن المسيب ومالك وجماعة اهل الحديث والفقهاء رضى الله تعالى عنهم ۔ (۲۷)

ایسی بے شمار عبارات ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین

ہی کو اہل حدیث کہا جاتا ہے۔

امام ذہبی رضی اللہ تعالی عنہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

امام اہل الحدیث مالک رضی اللہ تعالی عنہ (۲۸)

تو خدماتِ حدیث صرف محدثین کی خدمات نہیں، بلکہ فقہاء اور صوفیاء کی حدیث کی تحقیقات بھی خدماتِ حدیث ہی ہیں؛ اسی لئے امام احمد رضا خان محدث قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے تینوں گروہوں کے اصولِ حدیث ذکر کئے ہیں۔

تصحیح حدیث میں محدثین، فقہاء اور صوفیاء کا معیار

﴿صوفیاء کا معیار﴾

بہت احادیث جنہیں محدثین کرام رضی اللہ تعالی عنہم اپنے طور پر ضعیف و نامعتبر ٹھہرا چکے، علمائے قلب، عرفائے رب، ائمۂ عارفین، ساداتِ مکاشفین، قدسنا اللہ تعالی با سرارھم الجلیلۃ، و نور قلوبنا بانوار ھم الجمیلۃ، انہیں مقبول و معتمد بناتے، اور بصیغ جزم و قطع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے۔

اور ان کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے ہیں، جنہیں علمائے حدیث رضی اللہ تعالی عنہم اپنے زبر و دفاتر میں کہیں نہیں پاتے، ان کے یہ علوم ظاہر بینوں کو نفع درکنار الٹے باعث طعن و وقیعت، و جرح واہانت ہوجاتے؛ حالانکہ یہ عباد اللہ رضی اللہ تعالی عنہم ان طاعنین سے بدرجہا اتقی للہ واعلم باللہ، واشد توقیا فی القول عن رسول اللہ ﷺ تھے۔(۲۹)

﴿صوفیاء کے نزدیک تصحیح کے اقسام﴾

صوفیاء کے نزدیک تصحیح حدیث کے تین طریقے ہیں، (۱) معروف محدثین کا طریقہ، (۲) کشف سے حدیث کی صحت معلوم کرنا، (۳) اصل کے اعتبار سے۔

﴿۱۔محدثین کے معروف طریقہ سے﴾

سب سے پہلے یہ محدثین کے معروف طریقۂ تصحیح حدیث کو لیتے ہیں، اس میں صوفیاء اور محدثین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

﴿۲۔کشف﴾

۱۔میزان الکبریٰ میں حدیث "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" کی نسبت فرماتے ہیں۔

ھذا الحدیث وان کان فیہ مقال عند المحدثین، فھو صحیح عند اھل الکشف ۔(۳۰)

۲۔کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ میں اپنے شیخ سے روایت فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث والذی قبلہ، روینا ھما عن الخضر علیہ السلام عن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم، و ھما عندنا صحیحان فی اعلی درجات الصحۃ وان لم یثبتھما المحدثون علی مقتضی اصطلاحھم ۔(۳۱)

۳۔میزان شریف میں اپنے شیخ سیدی علی خواص قدس سرہ العزیز سے نقل فرماتے ہیں:

کما یقال عن جمیع ماروا ہ المحدثون رضی اللہ تعالی عنھم بالسند الصحیح المتصل ینتھی سندہ الی حضرۃ الحق جل و علی؛ فکذلک یقال فیما نقلہ اھل الکشف "الصحیح من علم الحقیقۃ"۔(۳۲)

۴۔حضرت سیدی امام المکاشفین فی الملت والدین شیخ اکبر ابن عربی نے کچھ احادیث کی تصحیح فرمائی کہ طورِ علم (حدیث) پر ضعیف مانی گئی تھیں، ایک جوان کے کشف سے حدیث کی صحت معلوم کی۔(۳۳)

۵۔خاتم حفاظ الحدیث امام جلیل جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ العزیز نے پچھتر بار بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم سے بہت احادیث کی تحقیقات کی دولت پائی اور تصحیح فرمائی کہ طریقہ محدثین رضی اللہ تعالی عنہم پر ضعیف ٹھہر چکی تھیں۔(۳۴)

۶۔خلاصہ: اولیاء رضی اللہ تعالی عنہم کے لئے سوائے اس سند

ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع واعلیٰ ہے، حضرت سیدی ابو یزید بسطامی و قدس سرہ السامی اپنے زمانے کے (منکرین حدیث) سے فرماتے ہیں:

قد اخذتم علمکم میتا عن میت و اخذنا علمنا عن الحی الذی لایموت ۔(۳۵)

﴿تحقیق﴾

امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس طرح اس کو صحتِ حدیث کا عنوان قرار دیا، دوسرے علماء ومحدثین نے اس کو اگر چہ الگ عنوان نہیں قرار دیا، لیکن پھر بھی ان کی تصانیف میں ایسی عبارات پائی جاتی ہیں ۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ شخصیت ہیں، جن کے اقوال کے حجت ہونے پر دیوبندیوں کا بھی اتفاق ہے؛ اس لئے مکتوبات سے آپ کے قول کو نقل کیا جارہا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

لیکن امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف و الہام کو بھی حجت قرار دیا، لکھتے ہیں:

الہام ان کو ہوتے ہیں اور کلام ان سے ہوتا ہے۔اکابر حقیقت میں یہی لوگ ہیں۔ یہ علوم اور اسرار بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں، اور مجتہدین کی طرح کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کے پابند ہوتے ہیں، یہ لوگ بھی معارف ومواجید میں اپنے الہام اور فراست کے تابع ہیں۔(۳۶)

اسی مکتوب میں آگے لکھتے ہیں:

لیکن امور دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ بھی بہت ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ: تیسرا اصل الہام ہے۔

اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے، نہ کہ کمالاتِ زائدہ کا مثبت؛ جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام دقائق واسرار کا مظہر ہے کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے کہ اسکا دارومدار رائے پر ہے اور اسکا دارومدار خداوند تعالیٰ کی ذات پر ہے ۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی ہے، جو اجتہاد میں نہیں ۔(۳۷)

تو ثابت یہ ہوا کہ آپ صوفیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے کشف کو ثابت کرتے ہیں۔

میں انور شاہ کشمیری دیوبندی کی عبارت بھی امام احمد رضا خان محدث قادری کے ذکر کردہ عنوان کی تائید وتحقیق کیلئے نقل کررہاہوں۔ انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتا ہے:

وقد تکون روحه البارکة بنفسها مع البدن المثالی و قد تکون یقظة ایضا ۔ و یمکن عندی رؤیته ﷺ یقظة لمن رزقه الله تعالی ؛ کما نقل عن السیوطی رحمه الله تعالی (و کان زاهدا ، متشددا بعض معاصریه ممن له شان) : انه راه ﷺ اثنین مرة وساله عن احادیث ، ثم صححها بعد تصحیحه ﷺ ۔(۳۸)

﴿۳۔اصل کے اعتبار سے﴾

امام ابوطالب مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''قوت القلوب'' میں فرماتے ہیں:

حدیث جبکہ قرآن عظیم یا کسی ثابت حدیث کے منافی نہ ہو، اگر چہ کتاب وسنت دونوں اس کی شہادت نہ دیں، جبکہ اس کی تاویل اجماع امت سے خارج نہ ہو، تو یہ قبول اور عمل کو واجب کریگی؛ کیونکہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

کیف ؟وقد قیل ۔ کیونکر نہ مانے گا؟ حالانکہ کہا تو گیا ہے۔(۳۸٠)

اس لئے کہ سند خاص کے اعتبار سے حدیث کا ضعیف اور موضوع ہونا اصل حدیث کو لازم نہیں؛ کیونکہ یہ حکم صرف بنظر ظاہر میں ہے، واقع میں ممکن ہے کہ اس کے برعکس ہو۔(۳۹)

۲۔راوی کے مجہول وغیرہ ہونے سے حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں امام اجل عارف باللہ سید ابو طالب مکی قدس سرہ الملکی ''قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب'' میں فرماتے ہیں:

بعض وہ باتیں جن کے سبب راوی کو ضعیف اوران کی حدیثوں

کو غیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، فقہاء اور علماء باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک وہ باعث ضعف جرح نہیں ہوتیں جیسے راوی کا مجہول ہونا؛ اس لئے کہ، (۱) اس نے گمنامی پسند کی کہ خود شرع مطہر نے اس کی ترغیب فرمائی، (۲) یا اس کے شاگرد کم ہوئے کہ لوگوں کو اس سے روایت کا اتفاق نہ ہو۔ (۴۰)

﴿ اجتہادِ صوفیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴾

اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وہ اقوال جو بے سند ہوں وہ ان کے اجتہادات ہیں؛ کیونکہ اس قول کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی طرف کیسے منسوب کر سکتے ہیں، جو آپ کا قول نہیں؟ اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم سے ایسی بات کو بچانے اور دور کرنے میں زیادہ سخت ہیں۔ (۴۱)

﴿ فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معیار ﴾

فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک تصحیح حدیث کے متعدد طرق ہیں۔

﴿ ۱۔ محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معروف طریقہ ﴾

فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب سے پہلے تصحیح حدیث میں محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معروف طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔

﴿ ۲۔ اہلِ علم کا عمل ﴾

اہل علم کے عمل سے حدیث کی صحت ثابت ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم۔

امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

جس حدیث کی سند ضعیف ہوتی ہے یہ اس کے بارے میں ہے، تو امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمل اہل علم سے، حدیث کی تقویت مراد لے رہے ہیں، تو یہ حدیث مرتبہ ضعف سے اوپر چلی گئی ہے۔ (۴۲)

﴿ ۳۔ تعامل تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ﴾

تعامل تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سند وصحت کیلئے کافی ہے۔ (۴۳)

﴿ ۴۔ تعامل اہل مدینہ ﴾

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ بھی تصحیح حدیث کا معیار ہے۔

﴿ ۵۔ انقطاع وارسال کا صحتِ حدیث پر اثر ﴾

۱۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث صحیحہ مرفوعہ کو الگ نہیں کیا، بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات کو بھی شامل کیا ہے۔ حالانکہ ان کی بلاغات میں ایسی احادیث ہیں جو معروف نہیں۔ (۴۴)

موطا امام مالک، امام صاحب اور ان کے مقلدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک صحیح ہے، اس بناء پر ان کے نزدیک مرسل، منقطع وغیرہا سے استدلال صحیح ہے۔ (۴۵)

۲۔ انقطاع وارسال احناف کے نزدیک صحت وحجت میں کچھ خلل نہیں ڈالتے بشرطیکہ راوی ثقہ وعادل ہوں۔ (۴۶)

احناف اور جمہور علماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا، یہ احناف کے نزدیک مرسل کی طرح ہے۔ غیر صحابی کی مرسل، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد اور دوسرے اکثر فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، یہ قرون ثلثہ کی مرسل کے بارے میں ہے اور اس کے علاوہ کی مرسل میں توقف ہے۔ (۴۷)

﴿ ۶۔ جہالتِ راوی سے حدیث پر اثر ﴾

جہالتِ راوی کی وجہ سے حدیث مجہول کی تین قسمیں ہیں۔

مستور، مجہول العین اور مجہول الحال۔

(۱) مستور:

جس راوی کی ظاہر عدالت معلوم ہو اور باطنی کی تحقیق نہ ہو یعنی باطنی عدالت پوشیدہ ہو، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں، یہ جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے اور یہی مذہب امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، اگرچہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے اختلاف کیا ہے امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کو صحیح قرار

دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعذرت الخبرة الباطنة بهم ۔ (۴۸)

(۲) مجہول العین:

جس راوی سے صرف ایک شخص نے روایت کی ہو، بعض محدثین نے مطلقاً صرف ایک ثقہ راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی کی ہے، یا اس شرط کے ساتھ نفی کی ہے کہ راوی صرف اس مجہول العین سے روایت کرتا ہے جو اس کے نزدیک عادل ہے، مثلاً یحیی بن سعید بن القطان، عبدالرحمن بن مہدی، اور امام احمد جیسے ثقہ محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی مجہول سے حدیث روایت کی ہے۔ (۴۹)

امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختلاف کے باوجود ان دونوں قسموں کے احتجاج کے بارے میں فرماتے ہیں:

واما الآخران فاحتج بهما كثيرون من المحققين رضی الله تعالى عنهم ۔ (۵۰)

فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا عندیہ لکھتے ہیں:

بہر حال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہ طعن بھی ہے یا نہیں ۔ (۵۱)

امام اجل عارف باللہ سیدی ابو طالب مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہاء و صوفیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس کو بالکل طعن ہی قرار نہیں دیا۔ (۵۲)

(۳) مجہول الحال:

سب کے نزدیک متفقہ طور پر نا قابلِ احتجاج ہے۔

﴿۷۔ اصل کے اعتبار سے﴾

فقیہ کا حکم سند پر نہیں ہوتا بلکہ متن پر ہوتا تو اگر موضوعیت کا حکم لگایا تو اس کا متن موضوع و مردود ہوگا۔ (۵۳) تو حدیث جو کہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے یا موضوع ہے، فقیہ کے نزدیک اس وقت ضعیف یا موضوع ہوگی جب اس کے متن میں ایسا کوئی قادح ہوگا؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اصل حدیث کے اعتبار سے صحیح ہو۔ (۵۴)

امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سند کے بارے میں جامع ترمذی میں کہا:

لايصح في هذا الباب عن النبي ﷺ۔

لیکن یہی حدیث امام ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک صحیح ہے؛ کیونکہ یہ دوسری سند ہے۔ (۵۵)

امام ذہبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث "طلب العلم فريضة" کے بارے میں فرمایا: یہ جھوٹ ہے۔ یعنی صرف اس سند مذکورہ سے۔ (۵۶)

حدیث "صلوة بسواك خير من سبعين صلوة بغير سواك"۔ (۵۷) کے بارے میں امام ابن معین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "انه باطل"، تو امام سخاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ صرف ان طرق کے بارے میں ہے کہ جن سے ان کو یہ حدیث پہنچی ہے، ورنہ اقل درجہ حسن ثابت ہے۔ (۵۸)

اور حدیث: "قال رجل ان امراتي لاتدفع يد لامس، فقال ﷺ: طلقها، قال اني احبها، قال ﷺ: استمتع بها"۔ (۵۹) کے بارے میں امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ليس له اصل ولا يثبت عن النبي ﷺ۔

امام الشان حافظ سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو حدیث ہے یہ اس کے بارے میں ہے، دوسری سندوں کے بارے میں نہیں؛ اس لئے آپ نے یہ فرمایا؛ اس لئے آپ معذور ہیں۔ اس حدیث کی دوسری اسانید وہ ہیں کہ ان کے رجال صحیحین میں موجود ہیں اور ان سے احتجاج کیا گیا ہے۔ (۶۰) تو تصحیح و تضعیف صرف بنظر ظاہر ہیں، واقع میں ممکن ہیں کہ ضعیف صحیح ہو و بالعکس۔ (۶۱)

﴿محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معیار﴾

﴿ا۔ صحت حدیث﴾

محدثین کے صحت حدیث میں دوگروہ ہیں

ا۔ محدثین کے نزدیک یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے، اس کا دائرہ بہت تنگ ہے، تمام احادیث جو کتابوں میں مذکور ہیں حتیٰ کہ ان چھ کتابوں میں بھی جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے، محدثین کی اصطلاح کے مطابق تمام حدیثیں صحیح نہیں ہیں بلکہ تغلیباً صحیح کہا جاتا ہے، (۶۲)؛ کیونکہ سیکڑوں حسان حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ؛ بلکہ عندالتحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں۔(۶۳)

۲۔ یہ محدثین صحت حدیث کا دوسرا معنی کرتے ہیں کہ صحت کا معنی ''ثبوت'' ہے۔(۶۴)

تو پہلی تعریف کے اعتبار سے صحت اور ثبوت دو الگ چیزیں ہیں تو صحیح حدیث، حسن حدیث کے مقابل ہوگی کہ حسن کا رتبہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ہوگا، (۶۵) اور صحت کی نفی سے حسن کی نفی نہیں ہوگی۔ (۶۶) یہ دونوں استدلال واحتجاج میں شریک ومثیل ہیں۔(۶۷) اور اس جماعت کے نزدیک صحیح کی دو قسمیں ہیں، صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ۔

دوسری تعریف کے لحاظ سے ''ثبوت'' صحت اور حسن دونوں کو شامل ہوگا، تو اس کی پھر چار قسمیں بنیں گی (۱) صحیح لذاتہ، (۲) صحیح لغیرہ، (۳) حسن لذاتہ، اور (۴) حسن لغیرہ۔

تو اس ''ثبوت'' کا معنی یہ ہوگا کہ یہ احادیث قابل استدلال و احتجاج ہیں، تو اگر کسی حدیث کے بارے میں محدثین نے "لا یصح" سے مراد " لا یثبت " لیا ہے، تو صرف مذکورہ چار اقسام کی نفی ہوگی، ضعاف کی نہیں، اس سے موضوعیت پر دلالت نہیں ہوگی۔(۶۸) اور لفظ ثبوت سے اس پر دلالت ہوگی کہ یہ چاروں قسمیں استدلال واحتجاج میں شریک ہیں، اور صحت کی نفی سے معتبر ہونے کی نفی نہیں ہوگی؛ کیونکہ معتبر حدیث فضائل اعمال میں مقبول ہے۔(۶۹)

﴿۲۔ غیر قیاسی موقوف حدیث﴾

یہ حدیث بھی مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔ احوال ارواح مفارقہ میں رائے کو دخل نہیں؛ اس لئے اس سلسلہ کی موقوف بھی صحیح مرفوع میں داخل ہیں۔(۷۰)

﴿خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موقوف حدیث﴾

یہ حدیث بھی مرفوع ہے؛ کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غیر قیاسی موقوف حدیثیں بھی مرفوع کا حکم رکھتی ہیں۔(۷۱) مولانا علی قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

قلت اذا ثبت رفعه الى الصديق فيكفى للعمل به ؛ لقوله عليه الصلوة والسلام : عليكم بسنتى و سنة الخلفاء الراشدين رضى الله تعالى عنهم ۔(۷۲)

اور حدیث ہے:

اقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر و عمر رضى الله تعالى عنهم ۔(۷۳)

﴿ب۔ قول تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ﴾

وہ قول جس میں عقل کو دخل نہ ہو، مرفوع صحیح حدیث کے حکم ہے۔(۷۴)

﴿ج۔ صحیح موقوف حدیث﴾

نفی صحت احادیث مرفوعہ سے احادیث موقوفہ صحیحہ کی نفی نہیں ہوتی۔(۷۵) بلکہ اس سے احادیث موقوفہ صحیحہ ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اصول میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔(۷۶)

۳۔ تضعیف حدیث محدثین، فقہاء اور صوفیاء کے طرق پر

احادیثِ ضعیفہ کے احکام واقسام۔ محدثین، فقہاء اور صوفیاء کا بعض مقامات پر ان میں اختلاف ہے۔ میں صرف مختلف فیہ مقامات کو ذکر نہیں کر رہا، بلکہ کچھ متفق علیہ مقامات کو بھی ذکر کر رہا ہوں۔

﴿محدثین کے طریقہ پر﴾

﴿ا۔ مضطرب﴾

یہ ضعیف کی قسم ہے اور فضائل میں مقبول ہے۔(۷۷)

۲۔ جہالتِ راوی

اس سے حدیث ضعیف ہوتی ہے بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت و مانع حجت بھی ہے یا نہیں، (۷۸)

اس کی تین قسمیں ہیں۔ بعض محدثین نے تینوں قسموں کو ضعیف قرار دیا ہے کہ ضعف کے انجبار کے بعد قابل حجت ہونگی، اور بعض نے صرف ایک قسم کو ضعیف قرار دیا ہے، اور جمہور اہل تحقیق محدثین نے صرف دو قسموں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۷۹) یہ ضعیف حدیث، حدیث منکر سے احسن واعلیٰ ہے۔ (۸۰)

اقسامِ ثلاثہ یہ ہیں:

۱۔ مستور: یہ جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یعنی اس کی جہالت قادح صحت اور مانع حجت نہیں۔ یہ جمہور محدثین کے نزدیک ہے اور قلیل محدثین اس کے خلاف ہیں۔ (۸۱)

۲۔ مجہول العین: اس میں محدثین کے تین گروہ ہیں (۱) مطلقا ضعف کے قائل۔ (۸۲) (۲) مطلقا صرف ایک معتمد (یعنی ثقہ) راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی، کہ اس قسم کی جہالت قادح صحت اور مانع حجت نہیں ہے۔ (۸۳) اور (۳) اس شرط کے ساتھ جہالت کی نفی کہ یہ ثقہ راوی اُس سے روایت کرتا ہے جو اُس کے ہاں عادل ہے۔ تو ان کے ہاں بھی یہ جہالت قادح صحت اور مانع حجت نہیں ہے۔ (۸۴)

۳۔ مجہول الحال: بالاتفاق تمام محدثین کے نزدیک نا قابل حجت ہے۔ (۸۵) یعنی انجبار ضعف سے پہلے احکام حلال و حرام میں نا قابل قبول ہے اور انجبار کے بعد ضعف سے ترقی پا کر حسن کے درجہ پر چلی جائے گی اور قابل احتجاج ہو جائے گی؛ اس لئے کہ مبہم جو ضعف میں اس کے اوپر ہے، (۸۶) میں تعدد طرق سے جبر نقصان ہو جاتا ہے۔ (۸۷) بلکہ خود حدیث مجہول تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے۔ (۸۸)

مجہول اور منکر حدیثوں میں فرق

مجہول کی حدیث منکر سے احسن واعلیٰ ہے، اگرچہ دونوں ضعیف ہیں۔ (۸۹)

۳۔ منقطع

انقطاع سے حدیث میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ (۹۰)

۴۔ متروک اور منکر حدیثیں

جب ان کے متعدد طرق ہوں تو ضعیف غریب تک ترقی کر جاتی ہیں، یعنی فضائل اعمال میں مقبول ہو جاتی ہیں، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کر جاتی ہیں۔ (۹۱)

۵۔ عنعنہ مدلس

جمہور محدثین کے نزدیک مذہب مختار و معتمد میں مردود نامستند ہے اور یہ مرسل کی قسم ہے (۹۲) یعنی اس کی دو قسمیں ہیں

۱۔ جس میں سماع کی صراحت نہ ہو وہ مرسل اور غیر مقبول ہے۔ اور

۲۔ جس میں سماع کی صراحت ہو جیسے سمعت، حدثنا، اخبرنا اور ان جیسے الفاظ تو مقبول ہے کہ اس سے احتجاج ہو سکتا ہے۔ (۹۳)

فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ پر

تصحیح و تضعیف صرف ظاہر میں ہے، واقع میں ممکن ہے کہ ضعیف صحیح ہو اور صحیح ضعیف ہو، (۹۴) کبھی سند کے اعتبار سے حدیث صحیح ہوتی ہے، اور فقیہ اس پر عمل نہیں کرتا، اس کی کئی وجوہ ہیں:

۱۔ یا اس کے لئے یہ حدیث غیر متواتر ہے جو کتاب اللہ کا نسخ واجب کرتی ہے۔

۲۔ یا خبر واحد ہے جو کتاب اللہ پر زیادتی کو لازم کرتی ہے۔

۳۔ یا تکرار وقوع اور عموم بلویٰ کے مقام میں احاد سے حدیث کو روایت کیا گیا ہے، یا کثیر مشاہدین اور دواعی روایت کے وافر ہونے میں۔ (۹۵)

۴۔ یا اس پر عمل کرنے میں تکرار نسخ لازم آتا ہے۔

۵۔ یا دوسری صحیح حدیث اس کے معارض ہو اور کثیر وجوہ ترجیح سے مترجح ہو۔

۶۔ یا یہ حدیث مؤوّل ہو، یا جمع، توفیق اور تطبیق بین الادلۃ کے حکم سے ظاہر سے معدول ہو۔

۷۔ یا دو حدیثیں متساوی ہوں، اور دونوں میں قابل قبول جمع ممکن نہ ہو، اور دونوں کی تاریخ بھی معلوم نہ ہو تا کہ ناسخ حدیث منسوخ حدیث سے الگ ہو جائے۔ تو دونوں حدیثوں پر عمل ساقط ہو جانے کی وجہ سے اصل کی موافقت کی طرف رجوع واجب ہے۔

۸۔ یا اس کے خلاف پر علماء عمل کر چکے ہیں۔

۹۔ یا تعامل امت حدیث کی مخالفت ظاہر کر چکا ہے، جس طرح کہ حدیث ''المخابرہ'' ہے۔

۱۰۔ یا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی نے حدیث کی مخالفت کی ہو۔

۱۱۔ یا اب علت حکم منتفی ہو گئی ہے جس طرح کہ مؤلفۃ القلوب کے حصہ میں ہے۔

۱۲۔ یا حکم کی بناء زمانہ کے حال پر تھی، یا عرف بلد پر تھی، تو اب وہ منتفی اور منقطع ہو گئی ہے؛ اس کی مثال ''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو'' ہے۔

۱۳۔ یا اس حدیث پر عمل سخت تنگی اور دین میں حرج کا داعی ہے جس طرح کہ حدیث ''الشبہات'' میں ہے۔

۱۴۔ یا آج کا دور کہ فساد پیدا ہو گیا ہے جس طرح کہ حدیث ''التغریب العام'' میں ہے۔

۱۵۔ یا اس کا منشاء امر عادی یا وقتی امر یا ضرورت خاصہ ہو، اس کو دائمی شرعی حکم بنانا مقصود نہ ہو جس طرح کہ حدیث ''ضجعۃ الفجر'' اور ''جلسۃ الاستراحۃ''، اور کبھی کبھی نماز ظہر میں ایک آیۃ کا جہر سے پڑھنا، یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعاء قنوت کا جہر سے پڑھنا یا مثل حدیث ''علیک السلام تحیۃ الموتی''۔ تو اس سے صرف خبر دینا مقصود ہے، حکم شرعی نہیں۔ (۹۶)

ان کی تائید ائمہ مجتہدین، علمائے محدثین، کبار ائمہ تابعین، اجلہ صحابہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ہوتی ہے۔

الف: امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنبی کے تیمم کے بارے میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر عمل نہ کیا۔ (۹۷) اور اسی طرح حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ''مطلقہ بائنہ کے لئے سکنی اور نفقہ کے عدم لزوم'' پر عمل نہ کیا۔ (۹۸)

ب: اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث تیمم مذکور سابق پر عمل نہ کیا۔ (۹۹)

ج: اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مذکور سابق پر عمل نہ کیا۔ (۱۰۰)

د: اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "الوضوء مما مست النار" پر عمل نہ کیا۔ (۱۰۱)

ہ: اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث: رسول اللہ ﷺ ان دو رکنوں کو بوسہ نہیں دیتے تھے، پر عمل نہ کیا۔ (۱۰۲)

و: اسی طرح جمہور صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صحیح معروف حدیث ''اونٹ کے گوشت کھانے سے وضوء لازم ہے'' پر عمل نہ کیا۔ (۱۰۳)

ز: سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عمل، حدیث سے زیادہ ثابت ہے۔ (۱۰۴)

ح: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبعین نے کہا: اس (عمل) کی مثل ہونے میں "حدثنی فلان عن فلان" ضعیف ہے۔ (۱۰۵)

ط: ائمہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت کے پاس جب کوئی حدیث ان کے عمل کے خلاف پہنچتی تو فرماتے: ہم اس سے جاہل نہیں ہے، لیکن عمل اس کے خلاف پر ہو چکا ہے۔ (۱۰۶)

ی: امام محمد بن ابی بکر بن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے بھائی کئی بار کہتے رہے ہیں؛ آپ فلاں حدیث پر حکم کیوں نہیں فرماتے؟ تو کہتے: میں نے لوگوں کو اس پر نہیں پایا۔ (۱۰۷)

ک: امام بخاری اور امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے استاد کے استاد، امام المحدثین عبدالرحمٰن بن مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: اہل مدینہ کی وہ سنت جو پہلے سنت بن چکی ہے حدیث سے بہتر ہے۔(۱۰۸)

ل: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث ''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی'' پر عمل نہیں کیا۔(۱۰۹)

م: امام ابوعبداللہ محمد بن الحاج عبدری مکی مالکی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لکھا ہے: عمل امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے۔(۱۱۰)

﴿صوفیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق پر﴾

تضعیف حدیث میں صوفیاء کرام کا طریق بہت محدود ہے؛ کیونکہ انکی نظر حدیث میں صرف اس حیثیت سے ہوتی ہے کہ ان سے اعمال کی ترغیب ترہیب ثابت ہوتی ہے، یہ نہ تو عقائد سے بحث کرتے ہیں نہ احکام حلال وحرام سے۔

الف: ترغیب وترہیب میں ہر وہ حدیث جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، صوفیاء کے نزدیک مقبول ہے، توانکے نزدیک حدیث کی دو قسمیں ہونگی۔

(۱) جو سب سے بدترین قسم ہے اور کہیں بھی قابل قبول نہیں یعنی موضوع حدیث۔

(۲) اس کے علاوہ باقی تمام اقسام کی حدیثیں، ایک قسم کی قرار پائیں گی۔

ب: محدثین حدیث پر سند کے اعتبار سے نظر کرتے ہیں؛ اس لئے سند کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ جو سب سے اعلیٰ معیار پر ہو۔

۲۔ جس میں ہلکا سا نقص ہو۔

۳۔ جس میں متوسط قسم کا عیب ہو جو اوپر والے سے زیادہ ہو، اور

۴۔ جس میں انتہائی بدترین خرابی ہو۔

محدثین کی نظر اس طرف نہیں ہوتی کہ ان احادیث سے کیا ثابت کرنا ہے، وہ ان سے قطع نظر کرتے ہوئے بحث کرتے ہیں۔

ج: فقہاء کی نظر اس طرف ہوتی کہ ان سے احکام کس طرح ثابت ہوتے ہیں؟ یہ عقائد سے بالذات بحث نہیں کرتے؛ اس لئے ان کے اور محدثین کے تصحیح وتضعیف کے معیار میں فرق ہے؛ اس لئے فقہاء کے نزدیک صحیح اور حسن دونوں کا ایک حکم ہے تو ان کے نزدیک حدیث کی تین قسمیں بنیں گی۔

(۱) جسمیں انتہائی بدترین خرابی کہ رد کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

(۲) متوسط قسم کا عیب کہ فضائل میں مقبول۔

(۳) ہلکے قسم کا عیب کہ جس سے حدیث احکام حلال وحرام میں مقبول اور قابل احتجاج ہو، صحیح حدیث بھی اس قسم میں شامل رہیگی۔

۴۔ ارسال حدیث محدثین، فقہاء اور صوفیاء کے نزدیک

﴿محدثین کے نزدیک﴾

﴿تعریف مرسل﴾

تابعی کا یہ کہنا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے یوں فرمایا۔(۱۱۱)

﴿تعریف معلق﴾

تابعی سے نیچے کوئی راوی بغیر سند کے روایت کرے۔(۱۱۲)

﴿تعریف معضل﴾

جس کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی ساقط ہوں مثلاً تبع تابعی یہ کہتے ہوئے روایت کرے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا، یا تبع تابعی کے بعد کا کوئی شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم سے، یا حضرت ابوبکر وعمر وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے درمیان کا واسطہ ذکر کئے بغیر روایت کرے، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول: مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث پہنچی، اصحاب حدیث نے اس کو معضل کہا ہے۔(۱۱۳)

﴿تعریف منقطع﴾

اس کو مرسل کا ہم معنی قرار دیتے ہوئے تعریف کو چھوڑ گئے، یا تمام غیر متصل کا مقسم قرار دیتے ہوئے چھوڑ گئے، کیونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تین تعریفیں لکھی ہیں۔ (۱۱۴)

﴿تعریف بلاغات﴾

راوی یوں کہے: مثلاً مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچی، محدثین کے نزدیک یہ معضل ہے، (۱۱۵) یعنی راوی اور مروی کے درمیان دو یا دو سے زائد راوی غیر مذکور ہوئے ہیں۔

یہ تمام احادیث بے سند ہونے میں ایک ہیں محدثین بے سند احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

بقیہ بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ذاكرت حماد بن زيد رضى الله تعالى عنه باحاديث فقال: ما اجود ها لو كا ن لهاا جنحة يعني اسناد۔

امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

الاسناد سلاح المؤمن فاذالم يكن معه سلاح فباى شئ يقاتل۔

امام مبارک عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لو لاالاسنا د لقال من شاء ماشاء۔

امام ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث ابن خراش عن الحجاج بن دينار رضى الله تعالى عنهم، قال: قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی نسبت فرمایا:

بين الحجاج بن دينا ر رضى الله تعالى عنه و بين النبى صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم مفاوز، تنقطع فيها اعناق المطى۔

نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لا يقبل الحديث الا باسناد صحيح۔ (۱۱۶)

بے سند احادیث تمام اقسام محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اور ضعیف مجروح ہوتی ہیں، (۱۱۷) یہ صرف فضائل میں مقبول ہیں، احکام حلال و حرام میں نہیں۔ (۱۱۸)

﴿مرسل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ﴾

یہ ان بے سند احادیث کے بارے میں ہے جو غیر صحابی کی ہوں؛ کیونکہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرسل بالاتفاق مقبول ہے۔ (۱۱۹)

﴿عنعنہ﴾

مدلس جمہور محدثین کے نزدیک مذہب مختار و معتمد میں مردود و نا مستند ہے۔

۱۔ مدلس کی وہ روایت جو ایسے لفظ سے ہو جو سماع کا تو احتمال رکھتا ہو مگر تصریح نہ ہو تو یہ مرسل ہے اور غیر مقبول ہے۔

۲۔ جس میں سماع کی صراحت ہو جیسے سمعت، حدثنا، اخبرنا تو وہ مقبول اور قابل استدلال ہے۔ (۱۲۰)

﴿فقہاء کے نزدیک﴾

﴿اسناد کی اہمیت﴾

اسناد کے سنت مطلوبہ و فضیلت مرغوبہ و خاصہ امت مرحومہ ہونے میں کسے کلام ہے؟ محققین قابلین مراسیل و معاضیل بھی مسانید کو ان پر تفضیل دیتے ہے اور منقطع سے متصل کا نسخ نہیں مانتے۔ (۱۲۱)

﴿بے سند احادیث کے اسامی﴾

محدثین نے ان کے کئی نام رکھ چھوڑے ہیں، فقہاء کے نزدیک ہر بے سند حدیث مرسل ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک بھی صرف نام الگ الگ ہیں باقی حکم سب کا ایک ہے تو جب کثرت اصطلاح و اسامی سے کوئی فائدہ ظاہر نہیں، تو فقہاء نے سب کا ایک نام رکھ دیا۔ (۱۲۲)

﴿فقہاء کے اصول پر احکام میں مقبول﴾

جبکہ مرسل امام معتمد، محتاط فی الدین عارف بالرجال، بصیر بالعلل، غیر معروف بالتساہل ہو، مذہب مختار میں کچھ تخصیص قرن، غیر قرن نہیں ہر قرن کے ایسے عالم کا "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم" کہنا حجت فی الاحکام ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے میں کسی قرن کی بھی ہو بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، مقبول ہے، اور ابن ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرون ثلثہ کے لئے ثقہ ہونے کی شرط نہیں لگائی، (۱۲۳)؛ کیونکہ ان ادوار کے تمام راوی توثیق اور تجریح کے ماہر تھے، (۱۲۴) ان قرون کے بعد کیلئے مرسل کیلئے ثقہ وغیرہ ہونا شرط قرار دیا۔ ابن حاجب مالکی اور ابن ہمام حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ائمہ ثقات کی مرسل کو مقبول قرار دیا ہے، (۱۲۵) خواہ کسی قرن کی ہو، خواہ اس کی تائید ہو یا نہ ہو اور غیر ثقات کی مرسل میں توقف ہے اور یہی مختار ہے۔ تینوں ائمہ اور جمہور رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مراد بھی یہی ہے۔ (۱۲۶)

﴿۲۔ اصول محدثین پر اس کا قبول ثابت ہے﴾

غیر ناقد محدث پر اس کا قبول لازم ہے، یعنی اس جیسی حدیث کے بارے میں غیر ناقد محدث کے لئے، ناقد محدث کے قول پر اعتماد کرنے کے سوا کوئی راہ نہیں؛ کیونکہ غیر ناقد کے لئے نقد کے پیچھے جانا تکلیف مالا یطاق ہے؛ تو اس کے لئے ذکر و عدم ذکر سند دونوں یکساں، اور بلاشبہ قول ناقد محتاط: "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم" تصحیح صریحی والتزامی سے اعلیٰ نہیں تو کم بھی نہیں، اور جو احتمالات مساہلت و تحسین ظن و خطائی النظر عدمِ ذکر سند میں ہیں، ذکر سند میں بھی حاصل۔ (۱۲۷)

امام ابن الصلاح، امام طبری، امام نووی، امام زرکشی، امام عراقی، امام عسقلانی، امام سخاوی، امام زکریا انصاری، اور امام سیوطی وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تصریح فرمائیں کہ اگر امام معتمد نے کسی حدیث کی صحت پر تنصیص کی یا کتاب ملتزم الصحۃ میں اسے روایت کیا، اسی قدر اعتماد کے لئے بس اور احتجاج روا، اس کی صحت کی جستجو و تلاش کی ضرورت نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ عدمِ ذکر سند میں قول ناقد پر اعتماد نہ ہو۔

لاجرم جس طرح امام احمد، یا امام یحییٰ کا "ھذا لحدیث صحیح" فرمانا، یا بخاری، یا مسلم، یا ابن خزیمہ، یا ضیاء کا صحاح میں لانا، یوں ہی منذری کا مختصر میں ساکت رہنا، یوں ہی ابن السکن کا صحیح یا عبدالحق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا احکام میں وارد کرنا، مقبول ہے، یوں ہی امام معتمد ناقد محتاط کا کہنا: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم، فعل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم الی غیر ذلک، مقبول ہے۔ (۱۲۸)

﴿۳۔ محدثین کا بھی قبول کرنا﴾

بعض محدثین بھی اس کو قبول کرتے ہیں: حسن، عطا اور زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے ہیں، یہ بات کہ حدیث لینے میں یہ نرمی کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ شیخ ثقہ ہے یا نہیں، اس کو لازم نہیں کہ حدیث کو اداء و روایت کرنے میں بھی نرمی کرتے ہوں، بعض اوقات کسی بھی شخص سے حدیث لے لیتے ہیں مگر ارسال صرف ثقہ سے کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل ائمہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراسیل قبول کرنے میں ہماری موافقت کی ہے۔

۱۔ حضرت امام یحییٰ بن القطان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو انتہائی متقی، حدیث کے نقد و جرح میں بہت سخت، اقتداء کی شان والے ہیں۔

۲۔ حضرت علی بن مدینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو اس فن کے عظیم شخص ہیں، جن کے بارے میں امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے: میں نے اپنے آپ کو ان کے سوا کسی کے سامنے ہیچ نہیں سمجھا۔

۳۔ حضرت امام ابوزرعہ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو امام اجل نقادِ علل ہیں۔

تو کیا ان کی اقتداء کافی نہیں؟

﴿مرسل امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق﴾

امام قطان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

جس حدیث کے بارے میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم" تو ہمیں ایک یا دو کے علاوہ ہر حدیث کی اصل مل گئی۔

امام علی بن مدینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ مراسیل جوان سے ثقہ لوگوں نے روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے ساقط ہونے والی کتنی ہیں ؟

امام ابوزرعہ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

ہر شی کہ جس کے بارے میں حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا :"قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم" مجھے سوائے چار حدیثوں کے سب کی اصل مل گئی۔

امام ابوزرعہ اور امام قطان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نہ پانے سے یہ لازم نہیں کہ ان کی سند متصل ہی نہ ہو کیونکہ عدم الوجدان عدم الوجود کا مقتضی نہیں، (۱۲۹) ممکن ہے ان کے علاوہ کسی اور امام کو ان کی اصل مل گئی ہو۔ (۱۳۰)

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں:

جب میں تم سے کہوں "حدثنی فلان" تو وہ اسی کی حدیث ہے .اور جب میں کہوں: "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم" تو وہ ستر اساتذہ سے مروی ہے۔ (۱۳۱)

حضرت امام یونس بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

میں نے حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، آپ کہتے ہیں: "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم" حالانکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی زیارت نہیں کی، فرمایا:

یہ وہ زمانہ کہ تم دیکھ رہے ہو یعنی وہ حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا، تو ہر وہ شی کہ تم نے سنی میں کہتا ہوں: "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم" وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے سنی تھی، کہ میں ایسے زمانہ میں ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں لے سکتا۔ (۱۳۲)

یہ وہ تین ائمہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کی مراسیل کو سب سے زیادہ ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ (۱۳۳) اور وہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مراسیل میں ان سے زیادہ قوی سمجھے جاتے ہیں ان کی مراسیل تو زیادہ احتجاج کے قابل ہیں۔

﴿صوفیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک﴾

ارسال سے محدثین کے نزدیک حدیث میں ضعف پیدا ہوتا ہے، اور فضائل اعمال میں ضعف سے کچھ خلل نہیں ہوتا۔ ارسال کے معاملہ میں صوفیاء محدثین کے طریق سے ہٹ کر نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہی طریق پر ہیں، کیونکہ صوفیاء نہ تو عقائد سے بحث کرتے ہیں اور نہ احکام حلال وحرام سے۔

امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابو طالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ المکی قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب میں فرماتے ہیں:

الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبلة متحملة علی کل حال ، مقاطبعهما، و مراسیلهما لا تعارض و لا ترد، کذلک کان السلف یفعلون ۔ (۱۳۴)

۲۔ یا علم تصوف میں بھی بعض امور احکام حلال وحرام کے درجہ پر ہوتے ہیں تو ان کے ثبوت کے لئے کم از کم حسن کے درجہ کی حدیث ہونی چاہئے، کیونکہ صوفیاء مستحبات کی اس طرح پابندی کرتے ہیں جیسا کہ واجبات کی اور بہت سارے مباحات سے اس طرح بچتے ہیں کہ گویا وہ محرمات ہیں؛ (۱۳۵) اس لئے جو حدیثیں محدثین کے نزدیک ارسال یعنی عدم اتصال کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے صوفیاء کے نزدیک ان کے اتصال کی اپنی سند ہے۔

کشف الغمہ عن جمیع الامہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم فرمایا کرتے: جس نے "صلی اللہ علی محمد" کہا، اس نے اپنے اوپر ستر دروازے رحمت کے کھول لئے، اور اللہ تعالیٰ اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا، تو صرف وہ شخص اس سے بغض رکھے گا جس کے دل میں نفاق ہوگا۔

صاحب کشف الغمہ اس حدیث کی صحت کے بارے فرماتے ہیں:

ہمارے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

یہ حدیث اوراس سے پہلے والی دونوں کو بعض عارفین نے از خضر از رسول اللہ ﷺ روایت کیا ہے، یہ دونوں حدیثیں ہمارے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں اگر چہ محدثین اپنی اصطلاح کی بنا پر ان کو صحیح نہ قرار دیں ۔(۱۳۶) رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

خدماتِ حدیث میں سب سے اہم خدمت فقہ الحدیث ہے، یہ خدمت سب سے زیادہ فقہائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادا فرمائی۔

احکام

الف: تعریف

کتبِ احکام حدیث وہ ہیں جن میں صرف ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو فقہی مسائل پر مشتمل ہیں مثلاً ابن حجر کی بلوغ المرام۔

مکمل فتاوی رضویہ مطبوعہ قدیم بارہ ضخیم جلدوں میں پھیلا ہوا ہے، جسمیں ۳۶۶۳ سے زائد غیر مکررہ احادیث ہیں۔صرف یہ نہیں کہ احادیث جمع کردیں بلکہ فقہ الحدیث اور سندوں کی تحقیق وتنقید بھی کی۔فتاوی رضویہ میں بیسوں ضخیم رسائل بھی ہیں۔

فتاوی فقہ الحدیث ہے:

فقہ کی کوئی کتاب کہ جسمیں مسائل کی تحقیق احادیث سے کی گئی ہو وہ صرف فقہ کی کتاب نہیں بلکہ حدیث کی کتاب ہے،اس علم کو'' فقہ الحدیث'' کہا جاتا ہے۔

''فتاوی نذیریہ'' کی تصدیر میں ہے:

''فقہ الحدیث '' کا موضوع اسلام کی پوری تعلیم پر حاوی ہے، جس میں عقائد،عبادات،معاشرت،معیشیت،سیاست اخلاق وغیرہ سارے مسائل پر خالص قرآن وحدیث کی تصریحات اور سلف امت۔ صحابہ،وتابعین،وفقہائے محدثین کی تنقیحات کی روشنی میں مسائل کا حل موجود ہے،مثال کیلئے اس مبارک فن'' فقہ الحدیث'' کی ایک اہم کتاب''فتاوی نذیریہ'' کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(۱۳۷)

کتبِ فقہ کتبِ حدیث ہیں:

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

صحاح ستہ،صحاح کتب میں احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں اور ان کے جمع کرنے والے صحابہ اور بعد کو علماء و عاملین ومقبولین رہے اور باتفاق جمیع اہل اسلام مقبول اللہ تعالیٰ کے ہیں۔جو شخص ان کتابوں کو برا کہتا ہے وہ توہین کرتا ہے،گویا رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے وہ شخص فاسق ومرتد ہے بلکہ کافر وملعون حق تعالیٰ کا ہے،جو مسائل فقہ کے ہیں وہ احادیث ہی سے مستنبط ہیں۔(۱۳۸)

ب: ازلة العار بحجر الكرائم عن كلاب النار

اس رسالہ میں کسی صحیح العقیدہ مسلمہ خاتون کا نکاح کسی ایسے بد عقیدہ شخص سے کہ جسکا عقیدہ کفر تک پہنچتا ہو، کے بارے میں پوچھے گئے سوال کا جواب ہے کہ یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا ممنوع،اس میں گناہ ہوگا یا نہیں؟

امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف سوال کے جواب پر اکتفاء نہیں کیا

(۱) بلکہ بدعقیدہ شخص کی بدعقیدگی کی وجہ،

(۲) اس کی بدعقیدگی کی وجہ سے بیوی کیلئے مضرت،

(۳) اسکی بدعقیدگی کی وجہ سے اس کی تعظیم کی ممانعت،

(۴) اسکی تعظیم کی وجہ سے استحقاق غضبِ الٰہی،

(۵) اسکی بدعقیدگی باعث عذاب نار،

(۶) اسکی بدعقیدگی باعثِ ذلت وعار،

(۷) اسکی بدعقیدگی باعث دوری واجتناب،

(۸) اوراس جیسے دوسرے مفاہیم بھی آپ کے رسالہ میں ضمناً آئے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں دو جہتوں سے تحقیق کی (۱) اعتقادی اور (۲) فقہی۔

(۱) اعتقادی:

کسی مسلمان کو کافر اعتقاد کرنا۔(۱۳۹)

اسپر تین قسم کے دلائل ذکر کئے:

الف فقہی:

کثیر فقہاء سے بغیر اختلاف کے ایسے شخص کے کافر ہو جانے کے حوالے دیئے۔(۱۴۰)

ب حدیثی:

کتب حدیث بخاری و مسلم وغیرہ سے ایسے شخص کے کافر ہو جانے پر دو حدیثیں نقل کیں۔(۱۴۱)

ج کلامی:

متکلمین کے قول پر کہ جو کسی ضروری دینی کا منکر نہیں، نہ ضروری دینی کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے، اسے کافر نہیں کہتے۔ مگر یہ صرف برائے احتیاط ہے، دربارۂ تکفیر حتی الامکان احتیاط اسی میں ہے کہ سکوت کیجئے۔(۱۴۲)

﴿۲﴾ فقهي:

جس مسئلہ کے بارے میں سوال کیا گیا تھا وہ فقہی تھا کہ نکاح کا جواز یا عدم جواز۔ مذکورہ شخص کہ جس کے بارے میں متکلمین کے قول احتیاط کی وجہ سے سکوت کیا جائے گا، سے فقہی نقطۂ نظر سے احتیاط اسی میں ہے کہ نکاح ناجائز ہے اور یہ مناکحت زنا ہے۔(۱۴۳)

یعنی اعتقاد اور حلت و حرمت کے احکام میں فرق ہے کہ اول میں حتی الامکان احتیاط اسی میں ہے کہ تکفیر سے سکوت کیجئے۔ اور ثانی میں احتیاط اسی میں ہے کہ نکاح ناجائز ہے اور یہ مناکحت زنا ہے۔

اس عدم جواز اور حرمتِ نکاح پر قرآن پاک کی آیات سے استدلال کیا ہے۔ جبکہ تمام آیات ۱۳ ہیں، اور ان کو سات دلیلوں میں ذکر کیا ہے۔ دلیل (یعنی آیت) اول کے سواء باقی تمام کی تشریح و تائید احادیث سے کی ہے۔

درحقیقت یہ رسالہ احکام القرآن کا ہی رسالہ ہے؛ کیونکہ پہلے امام احمد رضا خان محدث قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کتاب اللہ سے استدلال کیا ہے پھر احادیث سے۔

یہ تمام مباحث میاں اور بیوی دونوں کے حقوق زوجیت کی حیثیت سے ذکر کئے ہیں۔ امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل اول کے سواء تمام دلیلوں کے ماتحت کئی عنوانات ذکر کئے اور انپر احادیث لائے ہیں۔ بیوی پر شوہر کی خوشی کیلئے کون کون سے امور لازم ہیں اور انسے شوہر کے بدعقیدہ ہونے کی صورت میں بیوی کو دنیاء اور آخرت میں کون کونسی رسوائیوں اور عذابوں سے دوچار ہونا پڑے گا؟

امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سات دلیلوں کے ماتحت کئی عنوانات ذکر کئے ہیں۔

امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں یعنی بیوی پر شوہر کے حق کا اور بدعقیدہ شخص کے عقیدہ کا حکم ایک ہی ساتھ ذکر فرمایا۔

احادیث کی طرف اشارات کہ جن سے امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی دونوں جہتوں پر استدلال کیا ہے۔(۱۴۴)

﴿الف﴾: بدعقیدہ شخص کافر ہے اس لئے اس سے نکاح حرام ہے۔

﴿۱﴾ ایما امرئ قال لا خیه کا فر فقد باء بها احد هما

﴿۲﴾ من دعا رجلا با لکفر، اوقال : عد و الله ،ولیس کذ لك الا حا ر علیه(۱۴۵)

﴿ب﴾ دلیل دوم کے اندر مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت احادیث تحریر کیں:

﴿۳﴾ بیوی کو شوہر سے خاص محبت ہوتی ہے:

ان للزوج من المراة لشعبة ما هی لشئ۔

﴿۴﴾ بدمذہب کی محبت سمِ قاتل ہے؛ کیونکہ بیوی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا۔

المرأ مع من احب ۔(۱۴۶)

﴿ج﴾ دلیل سوم کے اندر مندرجہ ذیل عنوان کے تحت احادیث قلمبند فرمائیں:

شوہر بدعقیدہ کی صحبت بد کا اثر بیوی پر پڑے گا، اس عنوان کے ما تحت پانچ حدیثیں ذکر کیں۔ پھر اس عنوان کی پانچ مؤید حدیثیں ذکر کیں۔

﴿۵﴾ شوہر بدعقیدہ کی ہم نشینی بیوی پر اثر انداز ہو کر اس کو بدعقیدہ بنادے گی اور نقصان کے سواء کچھ حاصل نہیں ہوگا:

انما مثل الجليس الصالح وجليس السوء كحامل المسك ،اما ان يحذيك ،واما ان تبتاع منه ،واما ان تجد منه ريحا طيبة ،ونافخ الكير اماان يحرق ثيابك، واما تجد منه ريحا خبيثة۔

﴿۶﴾ برے کی صحبت روسیاہی ہے:

مثل جليس السوء كمثل صاحب الكيران يصيبك من سواده اصابك من دخانه۔

﴿۷﴾ اسکی صحبت بد کے اثر سے بچنے کیلئے دور بھاگنا لازم ہے:

اياكم وياهم لا يضلونكم ولا يفتونكم ۔

﴿۸﴾ شوہر کے بدعقیدہ ہونے کیوجہ سے بیوی بھی بدعقیدہ متصور ہوگی:

اعتبروا الصاحب بالصاحب۔

﴿۹﴾ شوہر کے بدعقیدہ ہونے کی صورت میں بیوی بھی بدعقیدہ مشہور ہوگی:

اياك وقرين السوء ؛ فانك به تعرف ۔

﴿۱۰﴾ شوہر کے بدعقیدہ ہونے کی حالت میں بیوی کی بدعقیدگی کی دلالت تمام اشیاء کی دلالت سے زیادہ ہوگی۔ یعنی شوہر کی بدعقیدگی کی دلالت بیوی کی بدعقیدگی پر دوسری تمام اشیاء سے زائد ہوگی۔ اسی کے مطابق یہ مثال بھی ہوسکتی ہے ''سفید بیل کالے بیل کے ساتھ رہنے سے اگر چہ رنگ نہیں بدلتا لیکن عادتیں بدل لیتا ہے''۔ قول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے:

ما شئ ادل على شئ ولا الدخان على النار من الصاحب على الصاحب ۔

﴿د﴾ انہیں کے مویدات

﴿۱۱﴾ بیوی شوہر بدعقیدہ کے عقیدہ سے بہت جلد متاثر ہو جائے گی؛ کیونکہ عورت میں مادہ قبول وانفعال کی کثرت ہوتی ہے، وہ نرم دل ہوتی ہے، یہاں تک کہ اہل تجربہ میں ''موم کی ناک'' مشہور ہے:

رويدك يا انجشة بالقوارير۔(۱۴۷)

﴿۱۲﴾ شوہر بدعقیدہ بیوی کے ناقص العقل ہونے کی وجہ سے اس پر اثر انداز ہوگا:

ناقصات العقل والدين۔

﴿۱۳﴾ بیوی شوہر کی محبت میں اندھی و بہری ہو جائی گی:

حبك الشئ يعمى ويصم ۔(۱۴۸)

﴿۱۴﴾ بیوی شوہر کے دین وعقیدہ پر ہوتی ہے اس لئے شوہر کے مذہب وعقیدہ کو دیکھ لیا جائے۔

الرجل على دين خليله فلينظر احدمن يخالل۔

﴿۱۵﴾ شوہر بدعقیدہ کے اعتقادی کی ہوا بیوی کے دل کو پلٹتے جائے گی:

مثل القلب مثل الريشة تقلبها الرياح بفلاة ۔

﴿ہ﴾ مرد حاکم ومسلط ہیں عورتوں پر

دلیل چہارم کے اندر مندرجہ بالا عنوان کے تحت احادیث تحریر کیں۔

﴿۱۶﴾ شوہر کا حق عورت پر سب سے زیادہ ہوگا، اور بد مذہب کا کوئی حق نہیں:

اعظم الناس حقا على المرأة زوجها۔(۱۴۹)

﴿۱۷﴾ شوہر عورت کیلئے سخت واجب التعظیم اور بد مذہب کی تعظیم حرام:

لوكنت أمرا ان يسجدلاحدلامرت النساء ان يسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحق ۔ ولو كان من

قد مه الى مفرق راسه فرحة تنحس بالقيح والصديد ثم استقبلته فلمسته ما ادت حقه ۔

﴿۱۸﴾ بدمذہب شوہر ہونے کی صورت میں عورت اسلام کے ڈھانے کی مرتکب ہوگی؛ کیونکہ بدمذہب کی تعظیم حرام ہے۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام ۔(۱۵۰)

﴿و﴾ ﴿شوہر سردار ہے﴾

دلیل پنجم میں مندرجہ بالاعنوان کے ماتحت احادیث لکھیں:

﴿۱۹﴾ عورت سنیہ کا بدعقیدہ سے نکاح کر کے اسکو سردار بنایا گیا، جبکہ منافق کو سردار کہنا اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے:

لا تقولوا للمنافق : يا سيد إفانه ان يكن سيد افقد اسخطتم ربكم عزو جل۔

﴿۲۰﴾ عورت صحیح العقیدہ کا بدمذہب ومنافق سے نکاح کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب میں پڑے گا:

اذا قال الرجل للمنافق : يا سيد ! فقد اغضب ربه ۔(۱۵۱)

﴿ز﴾ ﴿کتے کے نیچھے بچھنا﴾

دلیل ششم میں مندرجہ بالاعنوان پر احادیث سے استدلال کیا:

کیا تم میں سے کسی کو پسند آتا ہے کہ اسکی بیٹی یا بہن کسی کتے کے نیچے بچھے؟ تم اسے برا جانو گے۔(بلکہ ایسے الفاظ کہنے والے سے لڑ مرو گے۔)

﴿۲۱﴾ بدمذہب میں کتے کی گھٹیا عادت ہوتی ہے؛ اس لئے بیوی بنانا بہت برا لگے گا:

العائد فى هبته كالكلب يعود فى قيئه ليس لنا مثل السوء ۔

﴿۲۲﴾ بدمذہب ضرور کتا ہے، صحیح العقیدہ خاتون کا شوہر ہونا برا لگے گا:

اصحاب البدع كلاب اهل النار ۔ وفى رواية : اهل البدع۔

﴿۲۳﴾ بلکہ کتے سے بھی بدتر و ناپاک تر؛ اس لئے نکاح میں دینا بہت برا لگے گا۔

اهل البدع شر الخلق والخليقة ۔الخلق الناس والخليقة البهائم۔

﴿ح﴾ حرمت نکاح بالتصریح

﴿۲۴﴾ مذکورہ سابقہ تمام احادیث سے نکاح کا عدم جواز اور حرمت ان کے مفہوم سے ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ احادیث اسی لئے اس مسئلہ میں ذکر کی گئی ہیں آخر میں حرمتِ نکاح کے اثبات کیلئے ایسی حدیث لائے جس کے منطوق سے یہ ثابت ہے، لکھا ہے:

لا جرم حدیث میں ان کی مناکحت سے ممانعت فرمائی گئی۔

(۱۵۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

لا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواكلوهم ولا تناكحوهم ۔(۱۵۳)

﴿ط﴾ تحقیق:

﴿۱﴾ امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ان احادیث سے فقہ الحدیث کا انداز یہ ہے:

صرف ایک حدیث کہ جس سے صراحۃ نکاح کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے اور نکاح سے ممانعت کی گئی ہے، اور باقی تئیس حدیثیں کہ جن کا صراحۃً حرمتِ نکاح سے تعلق نہیں، لیکن اس مسئلہ میں انکو ذکر کر کے اس بات کی طرف رہنمائی کی کہ آپ فقہ الحدیث میں اس درجہ پر ہیں کہ صرف ظاہر حدیث سے مسائل کے فہم وفہرست کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ حدیث کے پوشیدہ مفہوم سے بھی استنباط کا ملکۂ تامہ رکھتے ہیں۔

﴿۲﴾ تفسیر آیات:

احادیث سے آٹھ آیات کی تفسیر بھی فرمائی ہے۔ یہ تفسیر حرمتِ نکاح ہی کے بارے میں ہے۔

﴿۳﴾ کتبِ احادیث:

امام احمد رضا خاں محدث قادری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی تخریج مندرجہ ذیل کتب سے فرمائی:

(۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابوداؤد (۴) ترمذی (۵) سنن نسائی (۶) مسند احمد (۷) ابن ماجہ (۸) مستدرک حاکم (۱۵۴) (۹) ابن عساکر فی التفسیر (۱۵۵) (۱۰) البخاری فی التاریخ (۱۱) ابن عدی (۱۲) الحسن بن

سفیان فی مسندہ (۱۳) ابونعیم فی الحلیۃ (۱۴) السجزری فی الابانہ (۱۵) ابن حبان (۱۶) الطبرانی فی الکبیر (۱۷) البیہقی فی شعب الایمان (۱۸) حافظ الحدیث منذری نے کتاب الرغیب والتراہیب میں (۱۹) ابوحاتم جزء حدیثی میں (۲۰) امام دارقطنی (سنن) (۲۱) عقیلی، شروح حدیث میں (۲۲) علامہ مناوی تیسیر میں۔

﴿۴﴾ کتبِ فقہ سے تشریح:

احادیث مذکورہ رسالہ ہذا کی تشریح کتبِ فقہ سے بھی فرمائی:

(۲۳) ردالمحتار (۱۵۶) (۲۴) وجیز کردری (۱۵۷) (۲۵) الدررالسنیۃ (۲۶) اعلام بقواطع الاسلام (۱۵۸) (۲۷) بحرالرائق (۲۸) علامہ حسن شرنبلائی مراقی الفلاح (۲۹) امام علامہ فخر الدین زیلعی تبین الحقائق (۳۰) علامہ سید ابوالسعو دازہری فتح المعین (۳۱) علامہ سید احمد مصری حاشیہ درمختار۔ (۱۵۹)

﴿۵﴾ کتبِ عقائد سے تشریح کی:

(۳۲) علامہ محقق سعدالملۃ والدین تفتازانی مقاصد وشرح مقاصد۔ (۱۶۰)

اس رسالہ کے مآخذ میں فقہ وعقائد وغیرہما کی کتب انکے علاوہ بھی ہیں لیکن عنوان سے الگ ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) (القرآن: التوبۃ: ۱۲۲)

(۲) کنز الایمان، امام احمد رضا خان قادری محدثِ بریلوی، ص:۲۶۶۔ ۲۶۷ حافظ کمپنی لاہور۔

(۳) معارفِ رضا، شمارہ نمبر ۲۵، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء کراچی، ص:۶۳-۹۷۔

(۴) معارفِ رضا، شمارہ نمبر ۲۴، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء کراچی، ص:۳۵-۳۶

(۵) الحضارۃ الاسلامیہ، ۲/ ۲۷-۲۸، آدم۔

(۶) رسائل شیخ اکبر حاتمی، رسالہ الانوار، ۱/ ۱۶-۱۷۔

(۷) میزان العمل، ص:۲۲۴، غزالی۔

(۸) مقدمہ مدارج السالکین، ص:۲۔ الزرعی۔

(۹) رسائل شیخ اکبر الحاتمی، رسالہ لا یعول علیہ، ۱/۲۔

(۱۰) (عوارف المعارف، ۱/ ۴۳) ارشادات اعلیٰ حضرت، ص:۷۱، نعمانی مصباحی۔

(۱۱) میزان العمل، ص:۳۳۹۔

(۱۲) سرورالقلوب، ص:۲۰۹، بریلوی۔

(۱۳) مقدمہ مدارج السالکین، ص:۲۔

(۱۴) ارشادات اعلیٰ حضرت، ص:۷۰-۷۱، نعمانی۔

(۱۵) سرورالقلوب، ص:۲۱۰۔

(۱۶) مدراج السالکین زرعی ۲/ ۲۳۷۔

(۱۷) میزان العمل، ص:۱۶۶۔

(۱۸) سرورالقلوب، ص:۲۰۹۔

(۱۹) مرج البحرین، ص:۱۱۴۔

(۲۰) مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، ص:۲۳۔

(۲۱) سیف الجبار، ص:۵۱-۵۲ مکتبہ رضویہ لاہور۔

(۲۲) علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ۔

(۲۳) سنن ابوداؤد، ۲/ ۱۵۹۔ اور الجامع الصحیح للترمذی، ۲/ ۹۴۔ اور کنز العمال، ۱/ ۲۲۱/ ۲۹۱۶۵، اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔ ابوداؤد، ۲/ ۱۵۹۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

ترمذی، ۲/ ۹۴۔ اور ترمذی اپنی جامع میں، اور ابن حبان اپنی صحیح میں، ۱/ ۱۰۴، اور حاکم اپنی صحیح میں مرفوعا راوی ہیں:

نضر الله امرأ سمع مقالتی الخ معنیً۔ عمدۃ القاری، ۲/ ۳۵۔ و قال الترمذی: حسن، فقال الحاکم: صحیح علی شرط الشیخین۔ ترمذی، ۲/ ۹۴۔

(۲۴) سنن ابن ماجہ، ۱/ ۲۱۔ اور الجامع لاحکام القرآن، ۱/ ۲۸۰-۲۸۱۔

(۲۵) فتح المغیث، ۱/ ۱۵۸-۱۵۹۔

(۲۶) فتح المغیث، ۱/ ۱۶۲۔

(۲۷) فتح المغیث، ۱/۱۶۶۔
(۲۸) تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۰۹۔
(۲۹) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۱۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۳۰) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۳۱) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۳۲) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۲-۴۹۳، رضا فاؤنڈیشن۔
(۳۳) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۳ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۳۴) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۳ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۳۵) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۳ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۳۶) مکتوبات، ج:۳، مکتوب:۵۵، ص:۱۱۳۰۔
(۳۷) مکتوبات، ج:۳، مکتوب:۵۵، ص:۱۱۳۲۔
(۳۸) فیض الباری، ۱/۲۰۴، انور شاہ کشمیری دیوبندی۔
(۳۸۰) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۸۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۳۹) فتح القدیر، ۱/۲۶۶، ۳۸۹، نوریہ سکھر، موضوعات کبیر ملا علی ۶۸- مجتبائی دہلی، اور العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/۴۹۰- ۴۹۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۰) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۱) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۲) مرقاۃ ۳/۹۸ امدادیہ ملتان، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۷۶، رضا فاؤنڈیشنلا ہور۔
(۴۳) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ۸/۵۵۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۴) تدریب الراوی، ۱/۹۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ ملتان، اور العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/۶۲۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۵) تدریب الراوی، ۱/۹۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ ملتان، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۶) فتح القدیر ۱/۱۹- نوریہ سکھر، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۸-۴۴۹ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۷) مسلم الثبوت فواتح الرحموت ۲/۱۴۷، الشریف رضی، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۸-۴۴۹، حاشیہ العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۶-۶۲۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۸) شرح المذہب، اور امام ابن صلاح نے بھی اس کو اختیار فرمایا۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۱۵۳، فاروقی ملتان، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳-۴۴۴ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۴۹) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۵۰) مقدمہ الامام نووی من شرح مسلم، قدیمی کراچی، ص:۱۷، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۵ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۵۱) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۵ رضا، فاؤنڈیشن لاہور۔
(۵۲) قوت القلوب ۱/۱۷۷- دار صادر بیروت، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۵ رضا، فاؤنڈیشن لاہور۔
(۵۳) شفاء السقام، ص:۲۶- نوریہ فیصل آباد، العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۰۳، رضا فاؤنڈیشنلا ہور۔
(۵۴) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۶۹-۴۶۸ رضا فاؤنڈیشن۔
(۵۵) جامع ترمذی، آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۱، اور سنن ابی داؤد، آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۱۸، اور فتح القدیر نوریہ- سکھر ۲/۱۶۴، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/۷۰۱-۷۰۲ رضا فاؤنڈیشن۔
(۵۶) میزان الاعتدال دار المعرفہ بیروت، ۱/۶۹، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۶۹، ۴۷۱، ۴۶۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۵۷) مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶/۲۷۲، دار الفکر بیروت، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/۴۶۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۵۸) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۷۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۵۹) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۷۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۶۰) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۷۰-۴۷۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۱) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۰-۴۹۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۲) (شرح صراط مستقیم لعبد الحق المحدث دہلوی)، العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۳۹ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۳) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۳۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۴) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۵) جواہر العقدین فی مثل الشرفین سیدی نور الدین علی سمہودی، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۳۸ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۶) الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعہ حدیث ۹۲۹ - دار الکتب العلمیہ بیروت علی قاری، ص:۲۳۶، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۳۸ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۷) نزھۃ النظر، ص:۳۳ علیمی لاہور، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۴۳۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۸) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۶۹) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۳۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۰) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۹/۴۲-۴۳-۴۷ رضا فاؤنڈیشن۔

(۷۱) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/۴۳۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۲) الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعہ ص:۲۱۰ - دار الکتب العلمیہ بیروت، علی قاری اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۳) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۶۳۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۴) منہیہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۹/۴۲-۴۳-۴۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۵) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۳۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۶) رد المحتار ۵/ ۳۸، مصطفیٰ بابی مصر، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۶۳۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۷) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۵۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۸) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۷۹) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳ - ۴۴۸، رضا فاؤنڈیشن۔

(۸۰) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۴۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۸۱) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳ - ۴۴۵، رضا فاؤنڈیشن۔

(۸۲) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳ - ۴۴۴، رضا فاؤنڈیشن۔

(۸۳) امام نووی، امام ابن الصلاح اور صوفیاء وغیرھم اسی کے قائل ہیں العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳ - ۴۴۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۸۴) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۴۳ - ۴۴۵، رضا فاؤنڈیشن۔

(۸۵) (نووی، تدریب تقریب) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۴۴۵، رضا فاؤنڈیشنلاہور۔

(۸۶) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۵۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۸۷) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۵۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۸۸) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴/۴۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۸۹) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۴۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۹۰) (فتح القدیر ۱/۱۹، نوریہ سکھر)، العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۴۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۹۱) (التعقبات علی الموضوعات سیوطی نایاب) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۳-۴۷-۴۷۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۹۲) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۴۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۹۳) (تدریب ۱/ ۲۲۹ دار نشر الاسلامیہ لاہور) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۲۴۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۹۴) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۴۹۰-۴۹۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۹۵) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۳، بریلوی احمد رضا خاں۔

(۹۶) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۴، بریلوی احمد رضا خاں۔

(۹۷) (مسلم شریف) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۵، بریلوی احمد رضا خاں۔

(۹۸) (مسلم شریف) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی،

ص:۲۵، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۹۹) (بخاری شریف و مسلم شریف) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۵، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۰) (بخاری شریف) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۵، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۱) (ترمذی شریف) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۵، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۲) (بخاری من روایۃ الحموی والمستملی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۵، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۳) (من حدیث البراء و جابر بن سمرہ ،۶۲) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۵-۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۴) (مدخل، ابن الحاج مکی مالکی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۵) (مدخل، ابن الحاج مکی مالکی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۶) (مدخل، ابن الحاج مکی مالکی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۷) (مدخل، ابن الحاج مکی مالکی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۸) (مدخل، ابن الحاج ی مالکی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۰۹) (مدخل، ابن الحاج مکی مالکی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۱۰) (مدخل، ابن الحاج مکیما لکی) الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی، ص:۲۶، بریلوی احمد رضا خاں۔
(۱۱۱) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۱۲) فواتح الرحموت ۲/۱۷۴، منشورات الشریف الرض، العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۱۳) مقدمہ ابن الصلاح ص:۲۸، فاروقی ملتان، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/۶۲۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۱۴) (۱) ایک یا ایک سے زائد راوی مختلف جگہوں سے ساقط ہوں۔ (۲) مرسل کے ہم معنی، (۳) مطلقاً غیر متصل۔ مقدمہ مشکوۃ شریف ص:۴۔
(۱۱۵) (مقدمہ ابن صلاح ص:۲۸- فاروقی ملتان)۔ العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۱۶) الصحیح لمسلم ۱/۱۲ قدیمی کراچی، العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۴-۶۲۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۱۷) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۱۸) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۲۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۱۹) حاشیہ العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۲۰) (تدریب الراوی۔ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۲۹)۔ العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۲۴۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۲۱) (مسلم الثبوت) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۳-۶۲۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۲۲) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ۲/۱۷۴، منشورات الشریف الرضی قم، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۲۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۱۲۳) حاشیہ العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۲۶، رضا فاؤنڈیشن۔
(۱۲۴) حاشیہ العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۲۷، رضا فاؤنڈیشن۔
(۱۲۵) حاشیہ العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۲۶، رضا فاؤنڈیشن۔

(۱۲۶) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ۲/۱۷۴، منشورات الشریف الرضی قم، اور العطایا النبوی فی الفتاویٰ الرضویہ، ۵/ ۶۲۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۲۷) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۲۷، رضا فاؤنڈیشنلا ہور۔

(۱۲۸) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۲۷-۶۲۸، ۶۲۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۲۹) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/۶۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۳۰) تدریب الراوی دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱/۲۰۴، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۱۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۳۱) مسلم الثبوت مطبع انصاری دہلی، ص: ۲۰۲، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۶۱۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۳۲) تدریب الراوی دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱/۲۰۴، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۶۱۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۳۳) نصب الرایہ المکتبہ الاسلامیہ لاہور، ۱/ ۵۱، اور ''مراسیل'' تدریب الروی، نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱/ ۲۰۳، اور ''احتجاج الشافعی بالمرسل''، العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۶۱۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۳۴) قوت القلوب دار صادر مصر، ۱/ ۱۷۸، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۷۸-۴۷۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۳۵) العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ ۵/ ۴۸۵، رضا فاؤنڈیشن۔

(۱۳۶) المیزان الکبریٰ، مصطفیٰ البابی مصر، ۱/ ۳۴۵، اور العطایا النبوی فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۴۹۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۳۷) فتاویٰ نذیریہ ''تصدیر'' ص: الف، اہل حدیث اکادمی لاہور طبع ثانی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء۔

(۱۳۸) فتاوی رشدیہ، ص: ۶۱ (کامل صفحات ۵۰۴) مطبوعہ محمد سعید کراچی۔

(۱۳۹) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۴۹ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور۔

(۱۴۰) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۴۹ مکتبہ رنبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۱) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۰ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۲) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۱ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۳) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۲ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۴) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۲-۲۵۳ مکتبہ نبویہ گنج بخش

(۱۴۵) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۰ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۶) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۷ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۷) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۸ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۸) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۸ مکتبہنبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۴۹) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۹ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۰) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۶۰ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۱) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۶۱ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۲) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۶۲ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۳) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۶۳ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۴) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۷ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۵) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۸ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۶) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۶۱ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۷) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۰، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۸) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۵۱، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۵۹) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۶۰، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

(۱۶۰) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ۵/ ۲۶۱، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ۔

سلسلۃ الذھب

سندِ حدیث

امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ تا امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمۃ الباری

ترتیب۔ خلیل احمد رانا

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ

امام احمد رضا خاں قادری بن مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں علیہم الرحمۃ ۱۰؍ شوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شہر (بھارت) میں پیدا ہوئے، اُردو، فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا غلام قادر بیگ بریلوی ولد حسن جان بیگ (متوفی ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء) سے پڑھیں، پھر دینیات کی تعلیم اور جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) سے مکمل کیے، ان کے علاوہ درج ذیل اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔

حضرت مولانا عبد العلی خاں رامپوری، ریاضی داں۔
(متوفی ۱۳۰۳ھ)

حضرت مولانا شاہ ابوالحسین نوری مارہروی۔
(متوفی ۱۳۲۴ھ)

حضرت مولانا شاہ آل رسول مارہروی۔
(متوفی ۱۲۹۶ھ)

شیخ احمد بن زینی دحلان مکی، مفتی شافعیہ۔
(متوفی ۱۳۰۴ھ)

شیخ عبد الرحمٰن سراج مکی، مفتی حنفیہ۔ (متوفی ۱۳۱۴ھ)

شیخ سیّد حسین بن صالح جمل اللیل شافعی۔
(متوفی ۱۳۰۵ھ)

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں اور تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ) کے ہمراہ سیدی شاہ آل رسول مارہروی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بیعت ہوئے اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت اور سند حدیث حاصل کی۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے مقام حفظِ حدیث شریف کو دیکھنا ہو تو آپ کی تصانیف مبارکہ کا مشاہدہ کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ جگہ جگہ قرآن کریم کے دلائل کے ساتھ احادیث مبارکہ کے دلائل نظر آتے ہیں، جس کی مثال آپ کی تصنیف لطیف "الدولۃ المکیہ" ہے جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر صرف آٹھ گھنٹے میں عربی زبان میں تحریر فرمائی۔

۱۳۰۳ھ میں مدرسۃ الحدیث، پیلی بھیت (یوپی۔ ہندوستان) کے تاسیسی جلسہ میں علماءِ سہارنپور، لاہور، کانپور، جونپور اور بدایوں وغیرہ کی موجودگی میں حضرت علامہ وصی احمد محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے علم حدیث پر متواتر تین گھنٹے تک پُر مغز اور مدلل کلام فرمایا، جلسہ میں موجود تمام علمائے کرام نے خوب حیرت واستعجاب کے ساتھ تحسین وتعریف فرمائی۔

مولانا خلیل الرحمٰن بن مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری نے تقریر کے اختتام پر بے ساختہ اُٹھ کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی دست بوسی کی اور فرمایا کہ اگر اس وقت والد ماجد (یعنی مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، متوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) ہوتے تو وہ علم حدیث

میں آپ کے تبحر علمی کی دل کھول کر داد دیتے اور انہیں کو اس کا حق بھی تھا۔ مولانا محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری (بانی رکن ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے بھی اس کی پُر زور تائید کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشاہیر علماء کے جمِ غفیر میں بھی آپ کا محدثانہ مقام ہر ایک کو مسلّم تھا۔

۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو بریلی (صوبہ اتر پردیش، ہندوستان) میں وصال ہوا۔

(تذکرہ علماء اہل سنت، شاہ محمود احمد قادری، مطبوعہ کانپور، بھارت ۱۹۷۱ء)

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ برکاتیہ، محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء)

(امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات، یٰسین اختر مصباحی، ص ۱۴۵)

حضرت شاہ آلِ رسول قادری مارہروی قدس سرہٗ

حضرت مخدوم شاہ سیّد آل رسول بن حضرت شاہ آل برکات ستھرے میاں علیہم الرحمہ رجب المرجب ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ شریف (ضلع ایٹہ، یوپی، ہندوستان) میں پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت والد گرامی کی آغوشِ شفقت میں پائی، ابتدائی تعلیم حضرت عین الحق شاہ عبدالمجید بدایونی (متوفی ۱۲۶۳ھ)، مولانا شاہ کرامت اللہ کشفی بدایونی (متوفی ۱۲۸۱ھ) رحمۃ اللہ علیہما سے خانقاہ برکاتیہ میں حاصل کرنے کے بعد مولانا انوار الحق فرنگی محلی (متوفی ۱۲۳۶ھ)، مولانا عبدالواسع سید نپوری، اور مولانا شاہ نور الحق رزاقی لکھنوی عرف ملّا نور (متوفی ۱۲۸۳ھ) رحمۃ اللہ علیہم سے کتب معقولات و منقولات کی تحصیل و تکمیل فرمائی۔

۱۲۲۶ھ میں حضرت مخدوم شیخ العالم عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۶۰ھ) کے عرس کے موقع پر مشاہیر علماء و مشائخ کی موجودگی میں دستار فضیلت سے نوازے گئے، اور اسی سال حضرت اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کے ارشاد کے مطابق حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث میں شریک ہوئے، صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث و طریقت کی سندیں مرحمت ہوئیں، ۱۸ر ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ بروز بدھ مارہرہ شریف میں وصال ہوا۔

(سلاسل الذہب، محمد صدیق فانی، مطبوعہ خانیوال ۱۹۹۹ء)

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ برکاتیہ، محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی قدس سرہٗ

سراج الہند، حجۃ اللہ، آیۃ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہم اللہ، ۲۵ر رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، سلسلہ نسب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے،، پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کی اور کمالات ظاہری و باطنی بھی انہی سے حاصل کئے، بعض کتب حدیث شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ امین اللہ کشمیری سے پڑھیں، آپ کی ذات سے برصغیر پاک و ہند میں علوم اسلامیہ خصوصاً تفسیر و حدیث کا بڑا چرچا ہوا۔

آپ کے شاگردوں میں مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی، شاہ ابوسعید دہلوی، شاہ احمد سعید مجددی دہلوی، مخدوم آل رسول مارہروی، شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، شاہ رؤف احمد نقشبندی وغیرہ مشہور ہیں۔

۷ر شوال ۱۲۳۹ھ کو دہلی میں وصال فرمایا، ترکمان دروازہ کے باہر قبرستان مہندیاں میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

(احوال و آثار شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، خلیل احمد رانا، مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ

حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم عمری دہلوی، ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ کو قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر (یوپی،، بھارت) میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم متداولہ اور فنون متعارفہ سے فراغت حاصل ہوئی، سترھویں سال آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا، والد ماجد کی وفات کے بعد تقریباً بارہ سال تدریس وتعلیم میں مشغول رہے، ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، وہاں ایک سال قیام فرما کر شیخ ابو طاہر مدنی وغیرہ مشائخ سے حدیث کی روایت کی اور وہاں کے علماء وفضلاء کی صحبت سے مستفیض ہوئے، ۱۱۴۵ھ میں دوسرا حج ادا کرکے واپس دہلی آئے، آپ کی تصانیف مشہور ہیں، بعض لوگوں نے جعلی تصانیف بھی آپ کی طرف منسوب کردیں، مثلاً "قرۃ العین فی ابطال شہادت الحسین، جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ، بلاغ المبین، تحفۃ المواحدین، اشارہ مسترہ، اور قول سدید۔

حال ہی میں آپ کے صحیح حالات وافکار پر مبنی کتاب "القول الجلی فی ذکر آثار الولی" مؤلفہ شاہ محمد عاشق پھلتی، کاکوری ضلع لکھنؤ (بھارت) میں دستیاب ہوا ہے، شاہ محمد عاشق پھلتی علیہ الرحمہ، شاہ ولی اللہ کے قریبی عزیز اور شاگرد ہیں، اور یہ کتاب انہوں نے شاہ ولی اللہ کی حیات ہی میں لکھ کر اُن سے تصدیق کروائی، اس کتاب کا ذکر پُرانی کتابوں میں آتا رہا، لیکن دستیاب نہیں تھی، اب اس کتاب کے مخطوطے کا عکس ۱۹۸۹ء میں دہلی سے شائع ہوگیا ہے اور ۱۹۹۷ء میں کاکوری ضلع لکھنؤ سے اس اُردو ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے، پاکستان میں اس کا یہی اُردو ترجمہ "مسلم کتابوی" دربار مارکیٹ لاہور سے شائع ہوچکا ہے، اس کتاب کے شائع ہونے سے حضرت شاہ ولی اللہ کے عقائد کو غلط طور پر متعارف کرانے والوں کا بھانڈا عین چوراہے پر پھوٹ گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء میں دہلی میں انتقال فرمایا۔

(شاہ ولی اللہ اور اُن کا خاندان، حکیم محمود احمد برکاتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء)

(القول الجلی کی بازیافت، شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء)

شیخ ابوطاہر محدّث کُردی مدنی قدس سرہٗ

شیخ ابوطاہر جمال الدین محمد عبدالسمیع بن ابراہیم الکردی المدنی الشافعی، ۲۱؍رجب ۱۰۸۱ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد اور دیگر اربابِ کمال سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی نیز محدث محمد بن عبدالرسول برزنجی، حسن بن علی عُجیمی، عبداللہ بن سالم بصری وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، حرم نبوی شریف میں درس دیتے تھے، دُور دُور سے طلباء نے آکر اکتساب علم کیا، رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا، بقیع میں دفن ہوئے۔

(فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ، مولانا عبدالحلیم چشتی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۴ء، سلک الدرر، ج ۲، ص ۲۷، انسان العین فی مشائخ الحرمین، مطبع احمدی دہلی، ص ۱۳، ۱۴، الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبدالغنی، طبع دہلی ۱۳۴۹ھ، ص ۲۰)

شیخ ابراہیم محدّث کُردی قدس سرہٗ

شیخ العرفان برہان الدین ابراہیم بن حسن الشہر زوری الکردی الکورانی الشافعی ۱۰۲۵ھ میں پیدا ہوئے، والد بزرگوار کے علاوہ دیگر نامور علماء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی پھر بغداد میں دو برس قیام کرکے اکابر علماء ومشائخ سے استفادہ کیا، پھر چار سال شام میں گزار کر مصر ہوتے ہوئے حرمین آئے، یہاں شیخ قشاشی سے فیض یاب ہوئے، اُنہوں نے آپ کو تمام مرویات کی اجازت دے کر خرقہ خلافت پہنایا اور اپنی دختر کا نکاح ان سے کردیا، آپ حرم میں درس دیتے تھے،

۱۸ربیع الاوّل ۱۰۱۱ھ کو وصال فرمایا اور بقیع میں دفن ہوئے۔

(فوائد جامعہ، انسان العین فی مشائخ الحرمین، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، سلک الدرر، ج ا، ص ۵، ۶، الرحلۃ العیاشیہ، ج ا، ص ۳۲۰، البدر الطالع، ج ا، ص ۱۱، ۱۲، معجم المصنفین، ج ۳، ص ۱۰۴ تا ۱۰۷، ہدیۃ العارفین، ج ا، ص ۳۵)

شیخ احمد محدّث قشاشی مدنی قدس سرہٗ

شیخ صفی الدین احمد بن محمد البدری القشاشی المدنی المالکی ۹۹۱ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت والد ماجد شیخ محمد مدنی سے پائی، ۱۰۱۱ھ میں والد ماجد کے ساتھ یمن کا سفر کیا، وہاں مشائخ یمن سے استفادہ کیا، پھر مکہ معظمہ آ گئے، ایک عرصہ تک یہیں مقیم رہے، پھر مدینہ منورہ آ کر مشائخ مدینہ اور شیخ احمد بن علی شناوی کی صحبت اختیار کی، ان کے جانشین ہوئے، تمام عمر حرم نبوی میں حدیث کا درس دیتے رہے، ۱۰۷۱ھ/ ۱۶۶۱ء میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں قبہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے شرقی گوشہ میں دفن ہوئے۔

(انسان العین فی مشائخ الحرمین، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، الرحلۃ العیاشیہ، ج ا، ص ۴۰۷ تا ۴۲۹، خلاصۃ الاثر، ج ا، ص ۳۴۳ تا ۳۴۶ الفہرس الفہارس، ج ۲، ص ۳۲۰، ہدیۃ العارفین، ج ا، ص ۱۶۱)

شیخ احمد محدّث شناوی المصری قدس سرہٗ

شیخ ابوالمواہب احمد بن علی الشناوی المصری المدنی الشہیر بالحنائی ۹۷۵ھ میں مصر کے مشہور محلہ روح میں پیدا ہوئے، علوم ظاہری کی تکمیل مصر کے مشہور محدّث شیخ شمس الدین رملی اور دوسرے علماء سے کی، پھر مدینہ منورہ آ کر طریقت کی تعلیم سیّد صبغۃ اللہ سندھی سے لی، ان ہی سے خرقہ خلافت ملا، ۸/ ذی الحجہ ۱۰۲۸ھ کو مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور بقیع میں دفن ہوئے۔

(فوائد جامعہ، انسان العین فی مشائخ الحرمین، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، خلاصۃ الاثر، ج ا، ص ۲۴۳ تا ۲۴۶، ہدیۃ العارفین، ج ا، ص ۱۵۴)

شیخ محمد بن احمد محدّث رملی قدس سرہٗ

شیخ شمس الدین محمد بن احمد الرملی المنوفی الانصاری الشافعی المصری، جمادی الاوّل ۹۱۹ھ میں منوفہ (مصر) میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کیا پھر تمام دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار شیخ احمد رملی سے حاصل کی، حدیث کی سند شیخ الاسلام زکریا انصاری اور شیخ برہان الدین ابی شریف سے حاصل کی، تفسیر، حدیث، فقہ کا درس دیتے تھے، آپ کا شمار مجدّدین میں ہوتا ہے، ۱۳/ جمادی الاوّل ۱۰۰۴ھ کو مصر میں وصال ہوا۔

(خلاصۃ الاثر، ج ۳، ص ۳۴۲ تا ۳۴۸، المجددون فی الاسلام، ص ۳۷۴ تا ۳۷۶، تاج العروس (مادہ، رم ل)

شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری محدّث مصری قدس سرہٗ

شیخ الاسلام ابو یحییٰ زین الدین زکریا محمد الانصاری الخزرجی السنیکی ثم القاہری الشافعی ۸۲۳ھ میں سنیکہ (مصر) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن یہیں مکمل کیا، پھر قاہرہ آئے اور جامعہ ازہر میں علوم اسلامیہ کی تکمیل کی، علامہ ابن حجر عسقلانی کے علاوہ سینکڑوں شیوخ سے استفادہ کیا اور افتاء و تدریس کی اجازت لی، آپ کی عمر سو سال سے زیادہ تھی، بڑھاپے میں کھڑے ہو کر نفل ادا کرتے تھے، ۳/ ذی قعدہ ۹۲۶ھ کو وصال ہوا۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ الکواکب السائرۃ، ج ا، ص ۱۹۶ تا ۲۰۷، النور السافر، ص ۱۲۰ تا ۱۲۵، شذرات الذہب، ج ۸، ص ۱۳۴ تا ۱۳۶، البدر الطالع، ج ۲، ص ۲۵۲، ۲۵۳، فہرس الفہارس، ج ا، ص ۳۴۲، ۳۴۵، ہدیۃ العارفین، ج ا، ص ۳۷۴)

شیخ ابن حجر محدّث عسقلانی قدس سرہٗ

شیخ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی المعروف ابن حجر المصری القاہری الشافعی، شعبان ۷۷۳ھ مین پیدا ہوئے، بچپن میں والدین کا سایہ اُٹھ گیا، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی، پانچ برس کی عمر سے تعلیم کا آغاز کیا، نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر حج پر چلے گئے، وہاں تعلیم حاصل کی، شیخ زین الدین ابراہیم محدّث تنوخی سے سند حدیث لی، اس کے علاوہ بہت سے شیوخ حدیث سے بھی اجازت ہے، جن میں مصر، شام، قطیہ، غزہ، رملہ، اور قدس شریف کے شیوخ ہیں، پھر قاہرہ آگئے، آپ کی ذات جامع کمالات تھی، ۲۸/ ذی الحجہ ۸۵۲ھ کو وصال ہوا۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ شذرات الذہب، ج ۷، ص ۲۷۰، ۲۷۳، البدر الطالع، ج ۱، ص ۸۷ تا ۹۲، فہرس الفہارس، ج ۱، ص ۲۳۶ تا ۲۵۰، ہدیۃ العارفین، ج ۱، ک ۱۵۴، بستان المحدثین، ص ۱۲۶ تا ۱۲۹، اتحاف النبلاء، ص ۱۹۳ تا ۱۹۷)

شیخ زین العابدین ابراہیم بن احمد محدّث تنوخی قدس سرہٗ

شیخ ابوالاسحاق زین الدین ابراہیم بن احمد التنوخی البعلی ثم الشامی، ۷۰۹ھ میں پیدا ہوئے، دمشق میں تعلیم و تربیت پائی، علم فقہ مصر میں پڑھا، جن شیوخ سے روایت حدیث کی اجازت ہے ان کی تعداد چار سو ہے، علم حدیث میں بڑا کمال حاصل تھا، ۸۰۰ھ میں وصال ہوا۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ الدرر الکامنہ، ج ۱، ص ۱۱، فہرس الفہارس، ج ۱، ص ۱۵۷)

شیخ ابوالعباس احمد بن ابی طالب محدّث حجار قدس سرہٗ

شیخ ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ابی طالب حجار الصالحی ۶۲۴ھ سے قبل پیدا ہوئے، ۶۳۰ھ میں دمشق میں محدث زبیدی سے صحیح بخاری کا سماع کیا اور اپنے عہد کے نامور محدثین سے حدیثیں سنیں، پھر حدیث کا درس دینا شروع کیا، بہت طویل عمر پائی، ۲۵/ صفر ۷۳۰ھ کو عصر کے وقت وصال ہوا۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ البدایہ والنہایہ، ج ۱۴، ص ۱۵۰، الدرر الکامنہ، ج ۱، ص ۱۴۳، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، ص ۳۱۰، شذرات الذہب، ج ۶، ص ۹۳، فہرس الفہارس، ج ۱، ص ۲۵۲)

شیخ سراج الدین حسین بن مبارک محدّث زبیدی قدس سرہٗ

شیخ ابوعبداللہ سراج الدین حسین بن مبارک زبیدی بغدادی حنفی ۵۴۶ھ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید مختلف قرأت سے پڑھ کر علوم و فنون کی تکمیل کی، اپنے دادا شیخ ابوالوقت سے فقہ و حدیث پڑھی، وزیر ابوالمظفر بن ہبیرہ کے مدرسہ میں درس حدیث دیتے تھے، نہایت نیک اطوار، متواضع اور بااخلاق تھے، ۲۳/ صفر ۶۳۱ھ میں وصال فرمایا، جامع منصور بغداد میں دفن ہوئے۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، ج ۱، ص ۲۱۶، ذیل تذکرۃ الحفاظ، از محمد زاہد کوثری، ص ۲۵۹، شذرات الذہب، ج ۵، ص ۱۴۴، تاج العروس، (مادہ ز ب د)

شیخ عبدالاوّل بن عیسیٰ السجزی محدّث ہروی قدس سرہٗ

شیخ ابوالوقت عبداللہ بن عیسیٰ السجزی ۴۵۸ھ میں پیدا ہوئے،

ہرات میں تعلیم وتربیت پائی، ۵۰۲ھ میں بغداد میں شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن مظفر داؤدی اور دوسرے مشائخ سے حدیث کا سماع کیا، علم حدیث میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، ۶/ذی قعدہ ۵۵۲ھ کو وصال ہوا اور شونیزیہ بغداد میں دفن ہوئے۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ وفیات الاعیان، ج ۱، ص ۳۳۱، النجوم الزاہرہ، ج ۵، ص ۳۲۸، ۳۲۹، شذرات الذہب، ج ۴، ص ۱۶۶، اتحاف النبلاء، ص ۳۰۲)

شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن مظفر محدّث داؤدی قدس سرہٗ

شیخ ابوالحسن جمال الاسلام عبدالرحمٰن بن محمد بن مظفر داؤدی، ۳۷۴ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد نیشاپور میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابوعلی دقاق اور ابوعبدالرحمٰن سلمی سے تصوف کی تحصیل کی، محدّث ابوالحسن بن الصلت سے بغداد میں، ابوعبداللہ الحافظ سے نیشاپور میں اور ابومحمد ابن ابی شریح وغیرہ سے بوشنج میں حدیثوں کا سماع کیا، پھر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، بخاری شریف کا سماع ابومحمد عبداللہ سرخسی سے بچپن میں ۳۸۱ھ میں ہوا، شوال ۴۶۷ھ میں وصال ہوا اور بوشنج میں دفن ہوئے۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ کتاب المنتظم، ج ۸، ص ۲۹۶، کتاب العبر، ج ۳، ص ۲۶۵، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۳، ص ۲۲۸، ۲۲۹، فوات الوفیات، ج ۱، ص ۲۶۲، ۲۶۳، شذرات الذہب، ج ۳، ص ۳۲۷)

شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد محدّث سرخسی قدس سرہٗ

شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد سرخسی، ۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے، اپنے زمانے کے اکابر محدّثین سے حدیث کا سماع کیا، شیخ محمد بن یوسف فربری کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے، راوی صحیح بخاری کے الفاظ سے مشہور تھے، ماہ ذی الحجہ ۳۷۳ھ میں وصال ہوا۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ کتاب العبر، ج ۳، ص ۱۷، النجوم الزاہرہ، ج ۴، ص ۱۶۱، شذرات الذہب، ج ۳، ص ۱۰۰)

شیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف محدّث فربری قدس سرہٗ

شیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری الشافعی ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اہل علم سے حدیثیں سُنیں، فربر میں علی بن خشرم سے حدیثیں سنیں، امام بخاری سے دومرتبہ صحیح بخاری کا سماع کیا، پہلی مرتبہ اپنے وطن فربر میں ۲۴۸ھ میں اور دوسری مرتبہ مصنف کے وطن بخارا میں ۲۵۲ھ میں، ۳/شوال ۳۲۰ھ کو وصال ہوا، فربر بخارا سے متصل دریائے جیحوں کے کنارے چھوٹا قصبہ ہے۔

(فوائد جامعہ، بحوالہ کتاب العبر، ج ۲، ص ۱۸۲ تاج العروس، (مادہ ف رر) اتحاف النبلاء، ص ۳۸۵ وفات الاعیان، ج ۳، ص ۴۱۷)

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل شافعی محدّث بخاری قدس سرہٗ

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل شافعی بخاری، ۱۳/شوال ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علامہ داخلی سے حاصل کی، سولہ سال کی عمر میں عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو یاد کرلیا تھا، پھر علم حدیث کے لئے مکہ کا سفر کیا، اس کے علاوہ اور بھی دور دراز کے سفر کئے، بے مثال قوت حافظہ کے مالک تھے، سماع حدیث میں اساتذہ کی فہرست طویل ہے، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں بڑا مقام تھا، تقریباً بائیس کتابیں تصنیف کیں، یکم شوال ۲۵۶ھ کو باسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا، عید کے دن ظہر کے بعد دفن ہوئے۔

(فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ، بستان المحدثین، تہذیب الاسماء واللغات، وفیات الاعیان، تذکرۃ الحفاظ، طبقات الشافعیہ، البدایہ والنہایہ، مرآۃ الجنان، تہذیب التہذیب، ہدیۃ العارفین اتحاف النبلاء وغیرہ)

۱۔ فتاویٰ رضویہ کی عبارت پر شبہ اور اس کا ازالہ

فتاویٰ رضویہ کی عبارت پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ

مولانا اسیدالحق محمد عاصم قادری*

امام بیہقی نے اپنی کتاب ''شعب الایمان'' میں خالد بن معدان سے ایک مرسل حدیث پاک نقل فرمائی ہے:

اعتموا خالفوا على الامم من قبلكم[۱]

مذکورہ حدیث کوامام سیوطی نے جامع صغیر اور متقی الہندی نے کنزالعمال میں بھی نقل کیا ہے ۔اس حدیث کے پہلے لفظ "اعتموا" میں دواحتمال ہوسکتے ہیں،(۱) یہ "اِعتِمام" (باب افتعال) سے مشتق ہے اس صورت میں اس کو "اِعتَمّوا" پڑھا جائے گا، اور اس کا ترجمہ ہوگا ''عمامہ باندھو''۔(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ "اِعتام" (باب افعال) سے مشتق ہے اس صورت میں اس کو "اَعتِموا" پڑھا جائے گا، اوراس کا معنی ہوگا ''عشاء کی نماز کو پہلی تہائی رات میں ادا کرو''۔

فتاویٰ رضویہ میں اس حدیث کو فضائل عمامہ کے باب میں ذکر کیا گیا ہے اوراس کا ترجمہ یہ کیا ہے ''عمامے باندھو۔ اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے''[۲] حدیث کا یہ ترجمہ بالکل درست اور حدیث کے سیاق وسباق کے عین مطابق ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، مگر ایک معاصر فاضل ومحقق نے اس ترجمہ کو ''حدیث کی غیر معتبر توجیہ'' قرار دیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''کسی معتبر ذریعہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس حدیث کا فضائلِ عمامہ کے باب سے بھی کچھ تعلق ہے۔دراصل ''اعتموا'' کے لفظ سے وہم ہوتا ہے کہ یہ باب ''اعتمام'' سے مشتق ہے، جو عمامہ باندھنے کے معنی میں ہے، حالانکہ وہ باب ''اعتام'' سے مشتق ہے اور حدیث مذکور میں عشاء کی نماز کے متعلق یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ اسے تہائی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا جائے''۔اپنے دعوے کے ثبوت میں فاضلِ محترم نے علامہ عزیزی کی السراج المنیر شرح الجامع الصغیر اور علامہ عبدالروٴف المناوی کی فیض القدیر شرح الجامع الصغیر کا حوالہ بھی دیا ہے، علامہ عزیزی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اعتموا بفتح الهمزه وسكون العين المهملة وكسر المثناة الفوقانية اى اخروا صلاة العشاء الى العتمة[۳]

(ترجمہ: اعتموا میں ہمزہ پر زبر، عین ساکن، تا پر زیر... معنی یہ ہے کہ عشاء کی نماز کو پہلی تہائی رات تک موٴخر کرو۔)

اس کے بعد فاضل محترم نے فیض القدیر سے علامہ مناوی کی ایک طویل عبارت نقل فرمائی ہے، اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

''علامہ مناوی کی اس پوری بحث کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کا تعلق عمامہ سے نہیں ہے، بلکہ اس میں نماز عشاء کی اہمیت وافضلیت کا بیان ہے''۔اس کے بعد فاضل محترم نے ابوداوٴد شریف کی ایک حدیث سے اس معنی کی تائید پیش کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔''فاضل بریلوی نے حدیث کا جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ غالباً علامہ مناوی کی اس تحریر سے متاثر ہے وقيل هو اعتموا اى البسوا العمائم ويؤيد السبب الآتى عليه ففيه ان التعميم من خصائص هذه الامة مگر یہ ضعیف قول چند وجوہ سے باطل ہے''۔

اس کے بعد فاضلِ محترم نے اس ''ضعیف قول'' کے باطل ہونے کی پانچ وجوہ ذکر کی ہیں۔ فاضل محترم کی پوری بحث پڑھنے کے بعد بادیٔ النظر میں ایسا لگتا ہے کہ واقعی یہاں صاحب فتاویٰ رضویہ سے ترجمہ کرنے میں تسامح ہوا ہے، لیکن اس بے بضاعت راقم الحروف نے جب اس حدیث کا تحقیقی مطالعہ کیا تو مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے۔(۱) اس حدیث پاک کا عشاء کے وقت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ عمامہ کی فضیلت ہی میں وارد ہوئی ہے۔(۲) فتاویٰ رضویہ میں

* ڈائریکٹر: الازہر انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، مولوی محلہ بدایوں (یوپی)

مذکور ترجمہ بالکل درست ہے۔ (۳) جن شارحین نے اس حدیث کو عشاء کی فضیلت سے متعلق کیا ہے انہوں نے صرف حدیث کے ایک جز کو پیش نظر رکھا اور حدیث کے سیاق وسباق پر غور نہیں فرمایا۔ اب ہم ان تینوں امور کا دلائل کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ سرِ دست ہمیں اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر کلام نہیں کرنا ہے، اور نہ اس کے مقبول وحجت اور قابل عمل ہونے کے سلسلہ میں ہم کوئی ذمہ داری لینے کو تیار ہیں، یہاں ہمیں صرف اس بات سے بحث ہے کہ اس حدیث کا تعلق فضائلِ عمامہ کے باب سے ہے۔

ہم نے ابتدا میں ذکر کیا تھا کہ یہ حدیث شعب الایمان، جامع صغیر، اور کنز العمال میں موجود ہے، کافی تلاش کے باوجود فی الحال ان تین کتابوں کے علاوہ اور کہیں اس حدیث کی موجودگی کا علم راقم کو نہیں ہے، جامع صغیر اور کنز العمال دونوں میں اس حدیث کے بعد "هب" کا نشان بنایا گیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ مذکورہ دونوں کتابوں میں اگر "هب" کی علامت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، گویا اس حدیث کا اصل ماخذ "شعب الایمان" ہے، اب اگر عشاء کے وقت سے اس حدیث کا ذرا بھی تعلق ہوتا تو امام بیہقی اس کو "باب مواقیت الصلاۃ" یا "باب فضائل العشاء" وغیرہ کے تحت ذکر کرتے لیکن شاید آپ کو حیرت ہوگی کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو "بــاب فــی الــمــلابــس والاوانی" (کپڑوں اور برتنوں کا باب) میں درج کیا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کو اس باب میں "فصلٌ فی العمائم" (فصل عمامہ کے بارے میں) کے تحت رکھا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام بیہقی کے نزدیک بھی یہ حدیث عمامہ سے متعلق ہے[۴]

اس حدیث کے فضائل عمامہ سے متعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا سیاق وسباق ہے، اگر سیاق وسباق پر غور کر لیا جائے تو پھر کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جامع صغیر اور کنز العمال میں اس حدیث کا صرف ایک جز مذکور ہے (اس کی وجہ آگے آرہی ہے) مگر اس حدیث کے اصل ماخذ "شعب الایمان" میں یہ پوری حدیث نقل کی گئی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

خالد بن معدان قال أتی النبی ﷺ بثیاب من الصدقة فقسمها بین اصحابه فقال اعتموا خالفوا علی الامم من قبلکم[۵]

(ترجمہ: خالد بن معدان نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس صدقہ کے کچھ کپڑے آئے تو آپ نے ان کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیا اور فرمایا اعتموا الی آخرہ—) حدیث پاک کو اگر اس سیاق وسباق کی روشنی میں ملاحظہ کریں تو اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق عمامہ سے ہے، حضور ﷺ کا اپنے صحابہ کو کپڑے تقسیم فرماتے ہوئے (جن میں عمامہ کا ہونا عین قرین قیاس ہے) ارشاد فرمانا کہ "اِعتَمّوا" اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ لفظ اعتموا سے عمامہ باندھنے کا حکم فرما رہے ہیں، اگر بالفرض یہاں اعتموا سے عشاء کی نماز مراد ہو تو پھر راقم الحروف حدیث کے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان کوئی ربط سمجھنے سے قاصر ہے، کیونکہ کپڑے تقسیم فرمانے اور عشاء کی نماز کے وقت کی فضیلت بیان کرنے میں بظاہر کوئی ربط نظر نہیں آتا۔

امام سیوطی نے جامع صغیر میں صرف "احادیث قولیہ" ذکر کرنے کا التزام فرمایا ہے لہٰذا آپ نے حدیث کا پہلا جز (کپڑے تقسیم فرمانا) جس کا تعلق "حدیث فعلی" سے ہے اس کو چھوڑ کر صرف وہ جز نقل فرمایا جو "حدیث قولی" ہے یعنی اعتموا الخ اب چونکہ جامع صغیر کی ترتیب ابواب وفصول پر نہیں ہے بلکہ حدیث قولی کے پہلے حرف کا اعتبار کرتے ہوئے حروف معجم کی ترتیب پر احادیث کو درج کیا گیا ہے لہٰذا اگر کسی حدیث کے کسی لفظ میں کوئی ایسا ابہام یا احتمال ہے جس کی بنیاد پر اس حدیث کے باب یا موضوع کے تعین میں دشواری ہو تو صرف جامع صغیر دیکھ کر حتمی طور پر یہ طے نہیں کیا جاسکتا کہ اس حدیث کا تعلق کس باب سے ہوگا، جامع صغیر کی اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے امام علی بن حسام الدین چشتی برہان پوری المعروف بالمتقی الہندی نے کتاب

"کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" تالیف فرمائی، جس میں امام سیوطی کی تین کتابوں جامع صغیر، جامع کبیر اور زیادۃ الجامع کی احادیث کو ابواب وفصول پر ترتیب دیا، ابواب وفصول کی یہ ترتیب گویا مذکورہ تین کتابوں میں موجود احادیث کی شرح کی منزل میں ہے، مصر کے بلند پایہ محدث اور از ہر شریف میں شعبۂ حدیث کے پروفیسر علامہ عبد المہدی عبد القادر کنز العمال کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئی فرماتے ہیں: جمع احادیث الجامع الصغیروزوائده وبوبها علی حسب الابواب الفقهیه، وتلك الابواب والفصول والتراجم بمنزلة الشرح للاحادیث[۶]

(ترجمہ: جامع صغیر کی احادیث کو جمع کیا اور پھر ابواب فقہیہ کے اعتبار سے ان کی تبویب کی، یہ ابواب، فصلیں اور تراجم احادیث کی شرح کی منزل میں ہیں) اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر جامع صغیر کی کسی حدیث کے باب کے تعین میں اختلاف ہو تو اس کے تصفیہ کے لئے کنز العمال سے رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جامع صغیر کی زیر بحث حدیث کو علامہ برہان پوری نے کنز العمال میں کس باب کے تحت درج کیا ہے؟ کنز العمال میں تیسرا باب لباس کے بیان میں ہے (الباب الثالث فی اللباس) اس باب میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل لباس کے آداب کے بیان میں ہے (الفصل الاول فی آدابہ) اس فصل میں چند فروع ہیں، ان میں ایک فرع کا عنوان ہے "فرع فی العمائم" اس فرع میں عمامہ کے متعلق چند احادیث درج کی گئی ہیں، جن میں پانچویں حدیث یہی زیر بحث حدیث ہے [۷] گویا صاحب کنز العمال کے نزدیک بھی عشاء کے وقت سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث عمامہ کے باب سے متعلق ہے۔

فاضل محترم نے جامع صغیر کی دو شروح (السراج المنیر للعزیزی اور فیض القدیر للمناوی) کا حوالہ بھی دیا ہے مذکورہ دونوں شروح اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں اور یہ درست ہے کہ ان میں اس لفظ کی تشریح اس کو "اعتام" سے مشتق مان کر کی گئی ہے، لیکن جامع صغیر کے ایک اور جلیل القدر شارح علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد المتبولی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس کو عمامہ کے متعلق ہی تسلیم کیا ہے۔ آپ نے "الاستدراك النضیر" کے نام سے جامع صغیر کی شرح فرمائی ہے، اس کا ایک نایاب مخطوطہ از ہر شریف کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کے متعلقہ صفحے کی فوٹو کاپی ہمارے پیش نظر ہے، اُس میں آپ اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے۔ "قال اعتموا ای تعمموا یعنی البسوا العمامة قال خالفوا علی الامم الخ فیه الامر بمخالفة من قبلنا حیث لم یرد فی شرعنا وان من قبلنا کانوا لا یعتمون وسببه کما فی الشعب اتی النبی ﷺ بثیاب من الصدقة فقسمها بین اصحابه وقال اعتموا خالفوا فذکره وروی ابن عدی والبیهقی من طریق خالد بن معدان عن عبادة مرفوعاً علیکم بالعمائم فانها سیما الملائکة وارخوا لها خلف ظهورکم ولو قیل متن الحدیث جید بهذه الطرق لم یبعد وفیه ندب لبس العمائم خصوصاً عند ارادة الصلاة ونحوها" [۸]

کیا اس واضح عبارت کے بعد بھی اب اس بات میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق عمامہ سے نہیں ہے۔

ان سب حوالوں سے قطع نظر اگر عربی لغت اور زبان کے محاورات کی رو سے اس معاملہ کا جائزہ لیا جائے تو بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس حدیث میں "اعتموا" سے عمامہ باندھنا ہی مراد ہے۔ اس لئے کہ "أعتَمَ" کا معنیٰ "صلّیٰ العشاء فی العتمة" (اس نے رات کے پہلے تہائی میں عشاء کی نماز پڑھی) محل نظر ہے، بلکہ "اعتم" کا معنیٰ "دخل فی العتمة" (وہ رات کے اول تہائی میں داخل ہوا) ہے، لغت کی معتبر کتاب مختار الصحاح میں ہے "أعتَمنا من العتمة کاصبحنا من الصبح" [۹] خود فاضل محترم نے علامہ مناوی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں بھی یہی ہے۔ "یقال اعتم الرجل اذا دخل فی العتمة کما یقال اصبح اذا دخل فی الصباح" [۱۰] لہٰذا اگر اول

تہائی شب میں عشاء کی نماز پڑھنے کا مفہوم ادا کرنا ہو تو صرف ''اعتم'' کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد ''ب'' حرف جر کے صلے کے ساتھ لفظ ''عشاء'' یا لفظ ''صلاۃ'' وغیرہ لانا ہوگا، مثلاً "اَعتَم بالعشاء" یا "اَعتَم بالصلاۃ" وغیرہ۔ ذخیرۂ احادیث سے اس کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں، مثلاً امام احمد اپنی مسند میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "اَعتَم رسول اللہ ﷺ بالعشاء" [۱۱] مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے "اَعتَم نبی الله ﷺ ذات لیلة بالعشاء" [۱۲] چونکہ عشاء کی نماز کو بھی ''العتمة'' کہا گیا ہے، لہٰذا صحیح ابن حبان میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کے الفاظ یہ ہیں "اَعتَم رسول الله ﷺ بالعتمة" [۱۳] دیکھا آپ نے جہاں بھی ''عشاء کی نماز اول تہائی شب میں ادا کرنے'' کا مفہوم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہاں صرف "اَعتَم" کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ عشاء یا صلاۃ وغیرہ بھی لانا ضروری ہوتا ہے، فاضل محترم نے ابوداؤد شریف کی جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں بھی ترکیب کی یہی نوعیت ہے "اَعتِمُوا بھٰذہ الصلوٰۃ" [۱۴] اس کے برخلاف جہاں صرف "اَعتَم" ہوتا ہے اس سے عشاء کی نماز نہیں بلکہ رات کے تہائی حصے میں داخل ہونا مراد ہوتا ہے، مثلاً امام احمد اپنی مسند میں اور ابن خزیمہ اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "ان رسول الله ﷺ اَعتَمَ ذات لیلة حتیٰ ذھب عامة اللیل وحتیٰ نام اھل المسجد فخرج فصلیٰ" [۱۵] اس حدیث پاک میں "اَعتَم" بغیر صلے کے استعمال ہوا ہے لہٰذا یہاں اس سے عشاء کی نماز نہیں بلکہ رات کے پہلے تہائی حصے میں داخل ہونا مراد ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ اگر آپ اس "اعتم" سے "صلی العشاء فی العتمة" مراد لیں تو حدیث کے آخری الفاظ "فخرج فصلیٰ" بے معنیٰ ہو کر رہ جائیں گے۔ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود کوئی ایسی روایت نہیں مل سکی جس میں صرف "اَعتَم" ہو اور وہاں عشاء کی نماز اول تہائی شب میں پڑھنا مراد ہو۔ اب اس وضاحت کی روشنی میں اگر زیر بحث حدیث پر غور کیا جائے تو اس میں بھی لفظ "اَعتِموا" حرف جار ''ب'' اور مجرور ''عشاء'' یا ''صلاۃ'' کے بغیر آیا ہے اس لیے عربی لغت اور محاورے کی رو سے یہاں "اَعتِموا" سے "صلوا العشاء فی العتمة" مراد لینا درست معلوم نہیں ہوتا، لہٰذا یہاں "اَعتِموا" نہیں بلکہ "اِعتَمّوا" پڑھنا درست ہونا چاہیے، کیونکہ "اِعتَمّوا" بغیر کسی صلے کے عمامہ باندھنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

ان تمام دلائل کے بعد بھی ہم یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے کہ ''علامہ مناوی اور علامہ عزیزی نے اس حدیث کی غیر معتبر توجیہ کی ہے''، کیونکہ ممکن ہے ان حضرات کے پاس اس توجیہ کی کوئی ایسی وجہِ ترجیح ہو جس تک ہماری ناقص نگاہ نہیں پہونچ پا رہی ہے۔

ہم نے ابتدا میں ذکر کیا تھا کہ فاضلِ محترم نے اس حدیث سے عمامہ مراد ہونے کو پانچ وجوہ سے باطل کیا ہے، ان پانچوں وجوہ پر بھی گفتگو ہوسکتی ہے، مگر ان جلیل القدر ائمہ فن کی تصریحات اور لغت کی شہادت کے بعد اب ہمارے خیال میں ان وجوہ پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

مراجع

[۱] شعب الایمان: حدیث نمبر۔۶۲۶۱: ج۵/ص:۱۷۶: دار الکتب العلمیة بیروت۔

[۲] فتاویٰ رضویہ ۳/۷۸: (قدیم) رضا اکیڈمی ممبئی۔

[۳] السراج المنیر ج:۱/ص ۲۲۵: طبع مصر ۱۳۰۴ھ۔

[۴] شعب الایمان: ج۵/ص:۱۷۶: دار الکتب العلمیة بیروت۔

[۵] مرجع سابق۔

[۶] طرق تخریج الحدیث: ص ۱۵۶: مکتبۃ الایمان القاہرہ ۱۹۸۷ء۔

[۷] کنز العمال ج:۱۵، ص ۱۳۳ (حدیث نمبر۔۴۱۱۲۹) دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[۸] الاستدراك النضیر شرح الجامع الصغیر: ص:۶۱، مخطوطہ نمبر: م/۵۴۲۹ مکتبة الازھر القاھرہ۔

[۹] مختار الصحاح: ج۱/ص ۱۷۳ مکتبة لبنان بیروت ۱۹۹۵ء۔

[۱۰] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج۱/ص ۱۰۷۔

[۱۱] مسند احمد بن حنبل ج۶/ص ۳۴ مؤسسة القرطبة القاھرہ۔

[۱۲] مصنف عبدالرزاق ج۱/ص ۵۵۷، المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ۔

[۱۳] صحیح ابن حبان ج ۳/۳۷۹، مؤسسة الرسالة بیروت ۱۹۹۳ء۔

[۱۴] سنن ابی داؤد: ج۱/ص ۱۰۴، دار الفکر بیروت ۱۹۹۰ء۔

[۱۵] صحیح ابن خزیمة ج۱/ص ۱۷۹، المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۷۰ء۔ مسند احمد بن حنبل ج۶/ص ۱۵۰ مؤسسة القرطبة القاھرہ۔

ملفوظات ومکتوبات

۱۔ مفتی اعظم اور ملفوظات

۲۔ مکتوبات کے حوالے سے دو اہم خطوط

مفتی اعظم اور الملفوظ

از: مولانا یٰسین اختر مصباحی

علم اور علماء کی فضیلت وعظمت اور مجالسِ علم وعلماء کی افادیت واہمیت سے ایک عام آدمی بھی اچھی طرح واقف ہے۔ دریائے فیض جب بہتا ہے اور ابر کرم جب برستا ہے تو وہ ہر وادی کو ہسار کو سیراب کر دیتا ہے اور روح کی تشنگی جب انسان کو مضطرب اور بے قرار بنا دیتی ہے تو وہ افتاں وخیزاں کسی نہ کسی طرح کوئی ایسا چشمہ اور آبشار تلاش کر کے ہی دم لیتا ہے جس سے اس کی تڑپتی روح کو سکون میسر آسکے۔ افادہ استفادہ کا یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا۔

خدائے علیم وخبیر علم وعلماء اور صحبت ومجالست ومذاکرۂ علماء وصالحین کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (سورۃ المجادلۃ۔ آیت ۱۱)

اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ (سورہ فاطر۔ آیت ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ بیشک اللہ عزت بخشنے والا ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۶۹)

اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً ۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ (سورۃ التوبہ۔ آیت ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (سورۃ التوبہ۔ آیت ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ الانبیاء۔ آیت ۷)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

معلم کائنات فخر موجودات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اُغْدُ عالماً او متعلماً اومستمعاً او مُحبًّا ولا تکن الخامس فتھلک (رواہ البزاز والطبرانی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ)

عالم دین بنو یا طالب علم بنو یا عالم دین کی بات سننے والا بنو یا اس سے محبت کرنے والا بنو اور پانچواں نہ بنو کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خیراً یُفَقِّھْہُ فی الدین (صحیح بخاری عن معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہا)

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

مسجد نبوی میں ایک بار صحابۂ کرام کی ایک مجلسِ ذکر اور ایک

مجلس علم کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

کلاهما علیٰ خیرٍ واحد هما افضل من صاحبه۔ اما هؤ لا ء فیدعون الله ویر غبون الیه فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم ۔ واما هوٴ لا ۔ فیتعلّمون الفقه او العلم ویُعلّمون الجاهلَ فهم افضل۔ وانما بعثت معلّماً۔ ثم جلس فیهم (رواہ الدارمی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ومشکوٰۃ المصابیح)

یہ دونوں مجالسِ خیر میں ہیں مگر ان میں ایک مجلس دوسری سے افضل ہے۔ رہے یہ لوگ تو اللہ سے دعاء کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں ۔ وہ اگر چاہے تو انہیں عطا فرمائے اور چاہے تو کچھ نہ دے۔ اور یہ لوگ فقہ دین اور علم سیکھ رہے ہیں اور نہ جاننے والوں کو سکھاتے ہیں تو یہ افضل ہیں اور میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔ پھر آپ مجلسِ علم میں بیٹھ گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

مجالسةُ العلماء عبادة (رواہ الدیلمی فی الفردوس)

علماء کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لاتفارقو امجالسَ العلماء فانَّ الله لم یخلق تربةً علیٰ وجهِ الارض اکرم من مجالس العلماء۔ (تفسیر کبیر للرازی جلد اول)

علماء کرام کی مجلسوں کو نہ چھوڑو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر علماء کی مجلسو سے زیادہ شرف رکھنے والی کوئی مٹی نہیں پیدا فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کلمةُ حکمةٍ یسمعها الرجل خیر لهٗ من عبادةِ سنةٍ والجلوس ساعةً عند مذاکرة العلم خیر مِن عِتقِ رَقَبَةٍ (رواہ الدیلمی)

شریعت وحکمت کی ایک بات کا سننا سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور علم دین کی گفتگو کرنے والوں کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

"جب میں بغرضِ تحصیلِ علم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درِ دولت پر جاتا اور وہ باہر تشریف نہ رکھتے ہوتے تو براہِ ادب ان کو آواز نہ دیتا۔ ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ رہتا۔ ہوا خاک اور ریت اڑا کر مجھ پر ڈالتی ۔ پھر جب حضرت زید کا شانۂ اقدس سے تشریف لاتے اور فرماتے ، اے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی؟ میں عرض کرتا مجھے لائق نہ تھا کہ آپ کو اطلاع کراتا۔ یہ وہ ادب ہے، جس کی تعلیم قرآن عظیم نے فرمائی۔

اِنَّ الذین یُنادونك من وراءِ الحجرات اکثرهم لا یَعقِلون۔ ولو انَّهُم صبروا حتی تخرج الیهم لکان خیراً الهم۔ والله غفور رحیم (سورہ الحجرات۔ آیت ۵)

وہ جو حجروں کے باہر سے تمہیں آواز دیتے ہیں ان میں بہت کو عقل نہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم باہر تشریف لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک مرتبہ حضرت زید (بن ثابت) رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رکاب تھامی ۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا! یہ کیا ہے اے ابن عم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ انہوں نے کہا ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ علماء کے ساتھ ایسا ادب کریں ۔ اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اترے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا! ہمیں یہی حکم ہے کہ اہل بیت اطہار کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ (الملفوظ حصہ اول)

علم وفضل ، ورع تقویٰ ، صدق وصفا، نور ونکہت اور شرافت وکرامت طبع ونفس کی یہ ایمان افروز اور روح پرور باتیں صدر اول کی ہیں جن کی برکتوں کا ظہور دورِ تابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین رضوان

اللہ اجمعین میں بھی ہوتا رہا جنہیں آج ہم اپنی ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن ان کے نقوشِ حیات کی کچھ تجلیات کا ان کتابوں کے صفحات پر مشاہدہ کر سکتے ہیں جو گردشِ روزگار سے محفوظ رکھ کر امین ودیانت دار ہاتھوں نے بطور وراثت ہم تک منتقل کی ہیں اور ہمیں ان سے مستفیض ومستنیر ہونے کے زریں مواقع فراہم کئے ہیں۔ اپنے طائر فکر وخیال اور چشم تصور کے سہارے ہم ان صفحات پر وہ مجالس ومحافلِ علم وحکمت آباد اور زندہ وتابندہ دیکھ سکتے ہیں جہاں ایمان ویقین، روحانیت وتقدس، دانش وبینش اور فضل وکمال کے خزانے لٹ رہے ہیں اور بقدر ظرف وصلاحیت ہر شخص کو اس کا حصہ مل رہا ہے۔

سرزمینِ ہند کا دامن بھی ایسے علماء وفقہاء وفضلاء واعاظم واکابر واسلاف کرام کی دولت اور ان کی یادوں سے معمور ہے جو اپنے اپنے عہد وعصر میں زمانِ برکت نشان کے پرتو تھے اور جنہیں دیکھنے، جن کی بات سننے، جن کی محفل میں بیٹھنے، جن کی خدمت کرنے، جن کا ادب احترام بجالانے اور جن کا ذکر وبیان ومدح وستائش کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

چودھویں صدی ہجری کی وہ مقتدرہ شخصیت بھی ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کی فہرست میں شامل ہے جن کی زیارت ومجالست کو علماء ومشائخ دہر نے باعث برکت وسعادت سمجھا اور جس نے خود بھی اپنے معاصر علماء ومشائخ کے ساتھ یہی رویہ اور یہی روش اپنا کر وقارِ علم وعلماء کی روایت کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اسے پروان بھی چڑھایا۔ جسے شیخ الاسلام والمسلمین فقیہ اسلام مرجع انام حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ (متولد ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔ متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے نام سے عالم اسلام میں قابلِ رشک شہرت وعزت حاصل ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری (متولد محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/اکتوبر ۱۸۸۰ء۔ متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/نومبر ۱۹۶۲ء) احترام واکرامِ علم وعلماء کے ایک روحانی اور تاریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دبدبۂ سکندری رامپور مورخہ یکم اپریل ۱۹۱۲ء میں ہے کہ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ کا مبارک مہینہ ہے کہ اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) مدظلہم الاقدس گنج مرادآباد تشریف لے گئے اور ایک جگہ قیام فرما کر اپنے دو ہمراہیوں کو (حضرت) شیخ (فضل رحمٰن گنج مراد آبادی تلمیذ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی) علیہ الرحمۃ کی خدمت مبارک میں بھیجا اور تاکید فرمادی کہ صرف اتنا کہنا! ایک شخص بریلی سے آیا ہے، ملنا چاہتا ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے معاً فرمایا! وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ ان کے دادا اتنے بڑے عالم، ان کے والد اتنے بڑے عالم، اور وہ خود عالم، فقیر کے پاس کیا دھرا ہے؟

پھر بکمالِ لطف فرمایا! بلایئے، تشریف لائیں۔

بعد ملاقات اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مجلس (میلاد) شریف کی نسبت حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے استفسار کیا۔ ارشاد فرمایا! پہلے تم بتاؤ؟ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا! میں مستحب جانتا ہوں۔

فرمایا!" آپ لوگ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور میں سنّت جانتا ہوں۔ صحابہ جو جہاد کو جاتے تھے تو کیا کہتے تھے؟ یہی نا کہ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اتارا، انہوں نے یہ معجزے دکھائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیئے۔ اور میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ یہی بیان ہوتے ہیں جو صحابہ اس مجمع میں کرتے تھے۔ فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڑوا (لڈو) بانٹتے ہو، وہ اپنی مجلس میں مُوڑ (سر) بانٹتے تھے۔

غرض شیخ علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو بکمالِ اعزاز واکرام باصرار تام تین روز ٹھہرایا۔ انتیس ماہِ مبارک کو رخصت کیا جب عید سر پر آگئی۔ اور وقتِ رخصت فرشِ مسجد کے کنارے تک تشریف لائے"۔ (ص ۷۷۔۴۷۶۔ حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ترتیب جدید مطبوعہ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء رضا اکیڈمی ممبئی ۳)

''جامعِ حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ جس زمانہ میں قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) کوسنایا کرتا تھا جب اس شعر پر پہنچا۔

اذاحلّوا تمصّرتِ الا یادی ۔ اذاراحوافصار المصر بیدا

جب وہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو ویرانہ شہر بن جاتا ہے اور جب وہ کوچ کرتے ہیں وت شہر ویران ہوجاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تو محض شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا!

نہیں بلکہ یہ واقعہ ہے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا عبدالقادر (بدایونی) صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہی شان تھی کہ جب وہ یہاں فروکش ہوتے، عجیب رونق اور چہل پہل ہوجاتی، درودیوار روشن ہوجاتے، انوار وبرکات کی بارش ہوتی۔ اور جب واپس تشریف لے جاتے باوجودیکہ صرف وہی ایک جاتے، گھر کے سب لوگ، محلّہ والے، سب کے سب رہتے لیکن عجیب اداسی اور ویرانی چھاجاتی۔ دولہا گیا، رہ گئے براتی (ایضاً ص، ۱۹۶، ۱۹۷)

''جامع حالات غفرلہٗ کہتا ہے کہ میرے زمانۂ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہل سنت ومشائخ کرام ودواعیانِ دین وملت ودیگر حضرات اہل سنت وجماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دومہمان تشریف نہ لاتے ہوں۔ ان سب کی خاطر ومدارات حسب مرتبہ کی جاتی۔ اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) کی مسرت کی جوحالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

خصوصاً حضرت محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد صاحب پیلی بھیتی، حضرت ابوالوقت شیر بیشۂ سنت مولانا ہدایت الرسول صاحب لکھنوی، حضرت مولانا سراج الدین ابوالذکاء شاہ سلامت اللہ صاحب اعظمی رام پوری، حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب رام پوری، حضرت مولانا شاہ ریاست علی خاں صاحب شاہجہاں پوری، حضرت مولانا عید الاسلام شاہ عبدالسلام صاحب جبل پوری، حضرت مولانا سید شاہ محمد فاخر صاحب اجملی الٰہ آبادی، حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی کچھوچھوی اور ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب، جناب مولانا قاضی عبدالوحید صاحب عظیم آبادی، مولانا محمد عمر الدین صاحب ہزاروی نزیل ممبئی، حضرت مولانا سید دلدار علی صاحب اَلوری ثم لاہوری، حضرت مولانا شاہ احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی، حضرت الاستاذ مولانا شاہ عبیداللہ صاحب الٰہ آبادی ثم کانپوری، مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری ثم علی گڑھی، مولانا رحیم بخش صاحب بہاری آروی، مولانا سید شاہ عبدالغنی صاحب سہرامی وغیرہ وغیرہ علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں تو بیان سے باہر ہے۔'' (ص ۲۱۷ تا ۲۱۹ حیاتِ اعلیٰ حضرت اول ترتیب جدید)

اپنے سفر حج وزیارت ۱۳۲۳ھ کے ایام میں حرمین طیبین کے اکابر علماء کی ملاقات اور ان سے مذاکراتِ دینیہ وعلمیہ وغیرہ کے احوال امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی قدس سرہٗ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

''زمانۂ قیام (مکۃ المکرمہ) میں علماء وعظمائے مکہ معظمہ نے بکثرت فقیر کی دعوتیں بڑے اہتمام سے کیں۔ ہر دعوت میں علماء کا مجمع ہوتا، مذاکراتِ علمیہ رہتے۔ شیخ عبدالقادر کردی، مولانا شیخ صالح کمال کے شاگرد تھے، مسجد الحرام شریف کے احاطے ہی میں ان کا مکان تھا۔ انہوں نے تقریرِ دعوت سے پہلے باصرارِ تام پوچھا کہ تجھے کیا چیز مرغوب ہے؟ ہر چند عذر کیا نہ مانا۔ آخر گزارش کی الحلو البارد (شریں سرد)۔ ان کے یہاں دعوت میں انواع اطعمہ جیسے اور جگہ ہوتے تھے ان کے علاوہ ایک نفیس چیز پائی کہ الحلو البارد کی پوری مصداق تھی، نہایت شیریں وسرد اور خوش ذائقہ۔ ان سے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے؟ کہا رضی الوالدین۔ اور وجہ تسمیہ یہ بتائی کہ جس کے ماں باپ ناراض ہوں یہ پکاکر کھلائے راضی ہوجائیں گے۔ فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا۔ مولانا شیخ صالح کمال، وشیخ العلماء مولانا محمد سعید

باَبصیل ومولانا عبدالحق مہاجر الٰہ آبادی اور کتب خانہ میں مولانا سید اسمٰعیل کے پاس۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہِ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں۔ اور مولانا سید اسمٰعیل التزاماً روزانہ تشریف لاتے۔ خصوصاً ایام علالت میں کہ یکم محرم الحرام ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم تک مسلسل رہی۔ دن میں دوبار تشریف لاتے اور ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہ ہوتا الخ (الملفوظ دوم ص،۱۳۵،۱۳۶، مطبوعہ، فرید بک اسٹال، لاہور،)

یہاں (مدینہ منورہ) کے حضرات کرام کو حضرات مکہ معظمہ سے زیادہ اپنے اوپر مہربان پایا۔ بحمد اللہ اکتیس روز حاضری نصیب ہوئی۔ بارہویں شریف کی مجلس مبارک یہیں ہوئی۔ صبح سے عشاء تک علماء کا اسی طرح ہجوم رہتا، بیرون باب مجیدی (مدینہ منورہ) مولانا کریم اللہ رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ حضرت مولانا عبدالحق مہاجر الٰہ آبادی رہتے تھے ان کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہیں (الملفوظ دوم ص،۱۵۵، مطبوعہ، فرید بک اسٹال، لاہور)

علمائے کرام نے یہاں (مدینہ منورہ) بھی فقیر سے سندیں اور اجازتیں لیں۔ خصوصاً شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یاسیدی فرماتے۔ میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی! حضرت سید تو آپ ہیں۔ فرمایا! واللہ تم سید ہو۔ میں نے عرض کی! میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا! تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مولیٰ القوم منھم، قوم کا غلام آزاد شدہ انہیں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقہ میں آفات دنیا وعذاب قبر وعذاب حشر سے کامل آزادی عطا فرمائے۔ آمین۔

یوں ہی حضرت مولانا سید عباس رضوان، ومولانا سید مامون بری، ومولانا سید احمد جزائری، ومولانا شیخ ابراہیم خربوتی، ومفتی حنفیہ، مولانا تاج الدین الیاس، ومفتی حنفیہ سابقاً مولانا عثمان بن عبدالسلام داغستانی وغیرہم حضرات کے کرم بھولنے کے نہیں۔ (الملفوظ دوم، ص۱۵۵)

واللہ اعلم وہ کیا بات تھی جس نے حضرات کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ علماء تو علماء اہلِ بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا۔'' (الملفوظ دوم، ص،۱۵۷)

ایسا عالمِ ربانی کہ دانشِ برہانی سے جس کا دل دماغ روشن ہو۔ جس کا پورا وجود علم وفضل وکمال سے معمور ہو۔ جو شہیر حل وحرم اور مقبولِ عرب وعجم ہو۔ اکابر حجاز مقدس جس سے سندیں اور اجازتیں لیں، جس کی کتب ورسائل اور فتاویٰ تصدیقات وتقریظاتِ مشاہیرِ علماء اسلام سے مزین ہوں، جس کی مجالس ومحافل میں ہر لحہ ذکر خدا اور سول ہو اور جس کی زیارت سے اللہ کی یاد تازہ ہو جائے، جس کے روئے زیبا کا دیدار عبادت ٹھہرے، جس کی ہر بات اور ہر ادا سنتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی مجسم تصویر ہو اور جو اسلاف کرام کا سچا متبع اور ان کی روایتوں کا امین ہو اس کے ملفوظات کیوں نہ جمع ہوں اور جو ملفوظات جمع ہو چکے ہیں وہ کیوں نہ عام کئے جائیں اور دنیا بھر میں ان کا ذکر اور چرچا ہو؟ یہاں واضح رہے کہ جمعِ ملفوظات کی یہ کوئی پہلی اور طبع زاد کوشش نہیں بلکہ صدیوں پہلے سے علماء مشائخ کرام کے ملفوظات جمع کئے جاتے رہے ہیں اور ان سے عوام وخواص استفادہ کرتے رہے ہیں۔ عربی زبان میں ''امالی'' کے نام سے کئی کتابیں ملتی ہیں۔ ہندوستان میں دلیل العارفین اور فوائد الفؤاد وغیرہ ملفوظاتِ مشائخ اس جمعِ ملفوظات کی ابتدائی اہم کڑیاں ہیں۔

یہ (جمع الملفوظ) کام ہوا اور جتنا بھی ہوا وہ بڑا جامع بڑا مفید بڑا مستند اور بڑا ہی دل پذیر ہوا۔ کیسے اور کتنا ہوا۔ کیوں اور کس طرح ہوا۔ اور جو نہیں ہو سکا اس پر کتنا افسوس ہوا؟ یہ سب جاننے کے لئے مرتب ملفوظات شہزادۂ امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی قدس سرہٗ سیدی ومرشدی حضرت مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ (متولد ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء۔ متوفی ۱۴۰۲ء/۱۹۸۱ء) کی

یہ تحریر پُر تنویر ملاحظہ فرمائیں۔

''غرض میری جان ان پاک قدموں پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے برے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزیاں سوجھا، مَنھیات سے تابمقدور احتراز کیا اور اُوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا۔ اور اب اعلیٰ حضرت (مولانا الشاہ احمد رضا) مدظلہٗ الاقدس کی بافیض صحبت میں زیادہ رہنا اختیار کیا۔

یہاں جو دیکھا کہ شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوضِ کامل کے بعد بھی ہماری کیا بساط، بڑے بڑے سرٹیک کر رہ جائیں۔ فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف اَنــــا لا اَدری کا دم بھریں۔ وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرمادیئے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے، گویا اشکال ہی نہ تھا۔ اور وہ دقائق ونکاتِ مذہب وملت جو ایک چیستاں اور ایک معمہ ہوں، جن کا حل دشوار سے زیادہ دشوار ہو، یہاں منٹوں میں حل فرمادیئے جائیں۔ تو خیال ہوا کہ یہ جواہر عالیہ وزواہر غالیہ یوں ہی بکھرے رہے تو اس قدر مفید نہیں جتنا سلکِ تحریر میں نظم کرلینے کے بعد ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پھر یہ کہ خود ہی متمتع ہونا یا زیادہ سے زیادہ ان کا نفع حاضر باشانِ دربارِ عالی کو ہی پہنچنا، باقی اور مسلمانوں کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں۔ ان کا نفع جس قدر عام ہوتا ہی بھلا۔ لہٰذا جس طرح ہو یہ تفریق جمع ہو۔ مگر یہ کام مجھ بے بضاعت اور عدیم الفرصت کی بساط سے کہیں سوا تھا اور گویا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا تھا اس لئے بار بار ہمت کرتا اور بیٹھ جاتا۔

میری حالت اس شخص کی سی تھی جو کہیں جانے کے ارادے سے کھڑا ہو مگر مذبذب ہو، ایک قدم آگے ڈالتا اور دوسرا پیچھے ہٹالیتا ہو۔ مگر دل جو بے چین تھا کسی طرح قرار نہ لیتا۔ آخــر السعــی منــی والاِ تــمــام مِن الله کہتا کمر ہمت چست کرتا اور حَسْبُنَــا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَ کِیل پڑھتا اٹھا اور ان جواہر نفیسہ کا ایک خوشنما ہار تیار کرنا شروع کیا۔ اور میں اپنے رب عزوجل کے کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ہار کو ہی میری جیت کا باعث بنائے۔ ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

والله تعالیٰ ولیُّ التوفیق وهو حسبی وخیر رفیق۔ وصلّی اللـه تـعـالیٰ علیٰ خیر خلقهٖ سید نا ومولانا محمد و علیٰ آلهٖ وصحبهٖ اجمعین وبارك وسلم۔

میں نے چاہا تو یہ تھا کہ روزانہ کے ملفوظات جمع کروں مگر میری بے فرصتی آڑے آئی اور میں اپنے اس عالی مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ غرض جتنا اور جو کچھ مجھ سے ہوسکا میں نے کیا۔ آگے قبول واجر کا اپنے مولیٰ تعالیٰ سے سائل ہو''۔ وهـو حسبی وربی۔ (تمہید الملفوظ حصہ اول)

امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی نے جمعِ ملفوظات کی خدمت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

میرے ملفوظ کچھ کیے محفوظ
مصطفیٰ ، مصطفیٰ کا ہو ملحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں
زبر وبینہ میں الملفوظ

۱۳۳۸ھ

اعداد نکالنے کے عام طریقے سے الملفوظ کے ساتوں حروف کے اعداد ۱۰۹۷ ہوتے ہیں اور ہر حرف کر پورا (الف، لام وغیرہ) لکھ کر مجموعی اعداد ۱۳۳۸ ہوتے ہیں۔ آخری مصرع میں یہی بات کہی گئی ہے۔

الملفوظ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کئی سال کی متفرق کاوشوں کا نتیجہ اور علوم واسرار وحقائق کا گنجینہ ہے جس کا مطالعہ پیش قیمت معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ اور مجالس ومحافلِ رضویہ تک اپنے آپ کو پہنچانے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس بزم رضا کی برکت وسعادت اور معارف رضا کی رنگارنگی دیکھ کر طبیعت مچل اٹھتی ہے اور روح پکار اٹھتی ہے کہ۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں

علوم ومعارفِ قرآن حکیم، عقائد وکلام، فقہ وافتاء، تصوف

وتزکیہ، سیرت وتاریخ، اِحقاق حق وابطال باطل، تحقیق وتردید، ہیئت وفلسفہ، واقعات وحکایات، متنوع مباحث ومسائل، تفصیلاتِ اسفار، ان سب کا مجموعہ ہے یہ الملفوظ۔ پہلے الرضا، بریلی وتحفۂ حنفیہ، پٹنہ ویادگار رضا، بریلی میں متفرق طور پر شائع ہوا۔ پھر حسنی پریس بریلی سے پہلی بار کتابی شکل میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اس کے اکثر قدیم نسخے جو نقل درنقل ہوتے رہے ان میں کتابت کی غلطیاں بلکہ بعض تصرفات بھی نظر آتے ہیں۔ اب یہ کوشش کی گئی ہیں کہ تصحیح واصلاح میں کوئی بے توجہی اور خامی نہ رہ جائے۔ پھر بھی غلطیوں کا امکان باقی ہے اور اس سے کوئی مفر بھی نہیں ہے۔

الملفوظ کے بعض مقامات عام قارئین کی فہم سے بالاتر ہیں اور بعض ایسے مقامات بھی ہیں جنہیں سمجھنے میں کچھ لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل سنت کے ایک حریف طبقہ نے محض عناد ومخاصمت کے جذبات سے مغلوب ہوکر چند مقامات کونشانۂ طعن وتشنیع وتنقیص وملامت بنا کر اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ غلط فہمی وبدگمانی پھیلانے کی ایک مسلسل اور مذموم حرکت کی ہے جس کا علماء اہل سنت نے باربار تحقیقی والزامی جواب دیا ہے مگر وہ ابھی تک قبول حق کی صلاحیت سے اپنے آپ کو محروم اور نا اہل ثابت کرتا چلا آرہا ہے۔

یہاں نہایت اختصار واجمال کے ساتھ ہم بعض ان مقامات کی نشاندہی اور اہل سنت کے انہیں جوابات کا اعادہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تفصیل کے لئے قارئین کرام علماء اہل سنت کی کتب ورسائل بالخصوص تحقیقات از شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، سابق صدر، شعبۂ افتاء، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی (متوفی ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) کا مطالعہ فرمائیں۔

عرض وارشاد کی شکل میں سوال وجواب تحریر کئے گئے ہیں۔ ملفوظات کا آغاز مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) کے سوال اور امام احمد رضا کے جواب سے اس طرح ہوتا ہے۔

عرض: حضور! سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی گئی؟

ارشاد: حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ یاجابر ان الله قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نوره ۔

اے جابر بیشک اللہ سبحنہٗ وتعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔ (الملفوظ اول)

اس حدیثِ نور کو قدیم ومستند محدثین اور اجلۂ علماء کرام نے اپنی اپنی کتابوں مثلاً مصنف عبدالرزق، مواہب لدنیہ، زرقانی علی المواہب، فتاویٰ حدیثیہ، سیرت حلبیہ، مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

اس وقت میرے سامنے فضیلۃ الدکتور عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع الحمیری مدیر عام دائرۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ بدبی (الامارات العربیۃ المتحدہ) کی ایک سو پانچ صفحات پر مشتمل تازہ ترین کتاب (مطبوعہ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء) "الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف" للحافظ الکبیرابی بکر عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی (المتولد سنة ۱۲۶ھ۔ المتوفی ۲۱۱ھ) ہے جس کے اندر حدیث نور اور اس سے متعلق مکمل تحقیق کے ساتھ شبہات واشکالات کے اطمینان بخش جوابات بھی درج ہیں۔ شیخ عیسیٰ مانع سابق وزیر حج واوقاف دوبئی لکھتے ہیں۔

ومن توفیق الله عزوجل ابنا عثرنافی هذه النسخة علیٰ حدیث جابر مسندا۔ بل وتبیّن لنا ان النسخة المطبوعة قد سقط منها عشرة ابواب ، بعد اجراء المقابلة بین النسختین المطبوعة والمخطوطة۔ كما سیعرف القاری الكریم من المقارنة بین النسختین فی هذا التحقیق ان شاء الله تعالیٰ۔

وتبیّن لنا بعد ذلك صحة الحدیث الذی یروية عبدالرزاق عن معمرعن بن المنكدر عن جابر بن عبدالله الانصاری (قال : سألت رسول الله عن اول شئی خلقهٗ الله تعالیٰ فقال: هو نور نبیك یاجابر......) الحدیث

فثبت لدینا بان سیدنا ومولانا محمد صلی الله علیه

وعلیٰ آله وسلم اول مخلوق فی العالم ای اول روح مخلوقة وآدم اول شبهية مخلوقة از أن آدم مظهر من مظاهره صلی الله علیه وعلیٰ آله وسلم ولا بدّللجوهران يتقدمه مظهر ۔ فكان آدم متقدماً بالظهور في عالم التصوير والتدبير ۔ وسيدنا محمد صلى الله عليه وعلیٰ آله وسلم مقدماًفی عالم الامر والتقدير ۔ لانهٗ حقيقة الحقائق وسراج المشارق فی كل المغارب ۔ (ص ۸۰۷۔ الجزء المفقود،للدكتور عیسیٰ بن عبدالله بن محمد بن مانع الحميري عميد كلية الامام مالك للشريعة والقانون بدبی ۔ الطبعة الاولی سنة ۱٤۲٥/۲۰۰٥م)

مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے الجزء المفقود میں حدیثِ نور کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

عبدالرزاق عن معمر عن ابن المنكرر عن جابر قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اول شئی خلقهٗ الله تعالیٰ ؟ فقال : هونور نبيك يا جابر! خلقهٗ الله ، ثم خلق فيه كل خير، وخلق بعدهٗ كل شئی ۔

اس حدیثِ نور میں نور محمدی کی متعدد تقسیمات کا ذکر ہے اور پھر اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

فلما اخر الله النور من الحجب ركّبهٗ الله فی الارض فكان يضئی منها ما بين المشرق والمغرب كالسراج فی الليل المظلم ، ثم خلق الله آدم من الارض فركب فيه النور فی جبينه، ثم انتقل منه الیٰ شيث، وكان ينتقل من طاهر الیٰ طيب، ومن طيب الیٰ طاهر ، الیٰ ان اوصلهٗ الله صلب عبدالله بن عبد المطلب، ومنهٗ الیٰ رحم آمنة بنت وهب۔

ثم اخرجنی الیٰ الدنيا فجعلنی سيد المرسلين ، وخاتم النبيين، ورحمة للعلمين، وقائد الغر المحجّلين، وهكذا كان بدء خلق نبيك يا جابر۔ (ص ٦٥،٦٦۔ الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف ، بتحقيق الدكتور عیسیٰ مانع، المطبوع سنة ١٤٢٥ھ/۲۰۰٥م)

الملفوظ کے اندر مذکور حدیث نور سے متصل ایک عرض کے ارشاد میں تخلیق ارض وسماء کا مسئلہ ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ حم، سورۃ البقرہ سورۃ نازعات، سورۂ یونس وغیرہ میں تخلیق ارض وسماء کا ذکر ہے۔ کتب تفسیر واحادیث میں اس کی تشریح وتفصیل ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق میں کون متقدم اور کون متاخر ہے؟ اور مفسّرین ومحدثین نے تطبیق واختلاف کی صورتیں بھی تحریر فرمائی ہیں کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں کتنے دنوں میں اور کس طرح پیدا اور ظاہر ہوئیں؟

سورہ اعراف آیت ۵۴، سورۂ یونس آیت ۳، سورۂ ھود آیت ۷، سورہ فرقان آیت ۵۹، سورۂ قٓ آیت ۹، سورہ حدید آیت ۴، سورہ سجدہ آیت ۴ میں چھ دن میں تخلیق زمین وآسمان کا ذکر ہے۔ سورہ حٰم السجدہ آیت ۱۰،۱۱ میں دو دن میں زمین دو دن میں آسمان اور دو دن میں ان کے درمیان کی چیزوں کی تخلیق کا ذکر ہے۔ اور آنے والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین اور اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی جس کی تائید بیہقی وحاکم وطبری کی ایک روایت سے ہوتی ہے اور ابن عباس وزمخشری اور اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں کہ زمین پہلے بنی۔ ترجمۂ آیات یہ ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے اور پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۹) کیا تم لوگ اس کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو؟ وہ ہے سارے جہان کا رب۔ اور اس میں اس کے اوپر لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں۔ یہ سب ملا کر چار دن میں، ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو۔ پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو انہیں پورے سات آسمان کردیا دو دن

میں اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے۔ (سورۂ حم السجدہ آیت ۹ تا ۱۲)۔

مقاتل وقتادہ وسدی وبیضاوی اس کے قائل ہیں کہ پہلے آسمان بنا اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔'' اور اس کے بعد زمین پھیلائی اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو جمایا۔ (سورۂ نازعات آیت ۳۰ تا ۳۲)

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (متوفی ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے اتوار اور دوشنبہ کو زمین کی تخلیق کی۔ منگل کو پہاڑ اور بدھ کو پانی، آبادی، ویرانہ۔ اور جمعرات کو آسمان اور جمعہ کو چاند، سورج، فرشتے بنائے۔ آدم علیہ السلام کو جمعہ ہی کے دن آخری گھڑی میں بنایا (ترجمہ ص ۸۹ جلد ۴ مدارک التنزیل)

استاذ محترم بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہٗ العالی، سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی کا ایک تحقیقی مضمون اس موضوع پر اس وقت میرے سامنے ہے جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور صفحہ ۱۲ تا ۱۹ شمارہ مئی جون ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے، اس مسئلہ کی مزید تحقیق وتفصیل اس کے اندر دیکھی جاسکتی ہے۔ بحر العلوم مدظلہٗ العالی نے اس مضمون میں ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا کا ارشاد قرآن وحدیث اور کتب تفسیر کے مطابق ہے۔ اور پہلے زمین بنی یا آسمان یا ان میں سے کس کا کب کس طرح ظہور ہوا اس کے بارے میں مفسرین کرام کے درمیان اختلاف ہے مگر کسی نے کسی مفسر وعالمِ دین کو مخالفِ قرآن وحدیث نہیں کہا۔ اس مضمون کے آخری حصہ میں آپ امام احمد رضا کے حوالے ہی سے یہ تحقیق نقل کرتے ہیں کہ۔

''نورِ احدیت کے پرتو سے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ اور اس کے پرتو سے تمام عالم ظاہر ہوا۔ اول پانی پیدا ہوا پھر اس میں دھواں اٹھا اس سے آسمان بنا۔ پھر پانی کا ایک حصہ منجمد ہو کر زمین ہو گیا اسے خالق عزوجل نے پھیلا کر سات پرت کر دیا۔ پھر اسی طرح آسمان کے سات طبقے کیے۔ یوں ہی پانی سے آگ بنی۔ ممکن ہے کہ پانی کسی قسم کی حرارت پا کر ہوا ہوا ہو۔ اور ہوا گرم ہو کر آگ یا جس طرح مولیٰ سبحنہٗ وتعالیٰ نے چاہا۔ غرض پانی مادہ تمام مخلوقات کا ہے۔

امام احمد، ابن حبان، وحاکم کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کل شئی خلق من الماء ہر چیز پانی سے بنی ہے۔ (ص ۸۔ کشف الحقائق از امام احمد رضا)

حفاظتِ الفاظ ومعانی قرآن سے متعلق ایک سوال وجواب اس طرح ہے۔

عرض: اللہ تعالیٰ فرماتا ھے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا جب اس کے الفاظ محفوظ ہوئے تو معانی کی حفاظت ضرور کہ معانی الفاظ سے منفک نہیں ہو سکتے اور معانی قرآن کی صفت تِبیا ناً لِکُلِّ شئی ہے تو قرآن عظیم ہی سے تِبْیاناً لِکلِ شئی کا دوام ثابت ہو گیا۔

ارشاد: قرآن عظیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا اگرچہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں لیکن ان معانی کا علم میں ہونا کیا ضرور؟ نبی کلام الٰہی کے سمجھنے میں بیانِ الٰہی کا محتاج ہوتا ہے ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ اور یہ ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو۔ اِلَّا مَا شاء الله'' (الملفوظ حصہ سوم ص ۲۵۴)

اس جامع اور علمی وتحقیقی ارشاد پر معاندین ومخالفین نے بے جا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا کہ اس کے اندر معاذ اللہ حفاظت قرآن کا انکار ہے۔ قرآن عظیم کی توہین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین ہے۔ جس کا بڑا ہی اطمینان بخش اور مُسکت جواب علماء اہل سنت نے دیا جو مختصراً درج ذیل ہے۔

''سائل کی دلیل کا پہلا مقدمہ یعنی الفاظ کی حفاظت معانی کی حفاظت کو مستلزم ہے درست تھا اس لئے کہ معانی الفاظ سے جدا نہیں ہو سکتے لیکن دوسرا مقدمہ کہ معانی کی حفاظت معانی کی صفت تِبْیَـاناً لکلِ شئی کو مستلزم ہے درست نہیں۔ اس لئے کہ معانی کا تبیناً لکلِ شئی ہونا ان معانی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ صرف محفوظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سمجھ بھی لئے جائیں ورنہ لازم آئے گا کہ الفاظ کے علم

میں آتے ہی تمام معانی کا بھی علم ہو جائے تعلیمِ الٰہی کی ضرورت نہ رہے حالاں کہ ایسا نہیں۔

یعنی الفاظ قرآن کے علم کے بعد معانی مراد جاننے کے لیے بیان الٰہی کا محتاج ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ یعنی قرآن پاک کو آپ کے سینے میں جمع کرنے کے بعد ہم پر اس کا بیان ہے تو واضح طور پر ثابت ہوا کہ الفاظِ قرآن کی محفوظی اور تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہونے کی محفوظی کے درمیان ملازمہ نہیں اور جب ملازمہ نہیں تو اس دلیل سے سائل کا مدعیٰ یعنی قرآن کے تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ ہونے کا دوام ثابت نہیں۔ یہی بات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے جواب میں افادہ فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ہے اگر چہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں لیکن ان معانی کا علم میں ہونا کیا ضرور؟ نبی کلام الٰہی کے سمجھنے میں بیانِ الٰہی کا محتاج ہوتا ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بیانَہٗ۔

ظاہر ہے کہ جواب مذکور میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا نے نہ الفاظِ قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار کیا ہے نہ معانی کے محفوظ ہونے کا نہ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہونے کا۔ بلکہ سائل کی پیش کردہ دلیل سے تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ ہونے کے دوام کے ثبوت کا انکار کیا ہے جو عقل و نقل کی روشنی میں درست ہے۔

عقلاً تو یوں کہ ملازمہ نہ ہونا واضح ہے اور نقلاً خود اسی آیت سے ثابت ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہے۔ فَلِلّٰہِ الحجۃ السامیۃ۔

رہا اس کے بعد یہ فرمانا کہ ''اور ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو'' دلیل مذکور سے مدعیٰ کے ثابت نہ ہونے پر دوسری تنبیہ ہے۔ یعنی جب بعض آیات کا نسیان ممکن ہے اور معانی الفاظ کے ساتھ ہیں تو معانی کا نسیان بھی ممکن۔ تو تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ کے دوام کا اس آیت سے کیسے اثبات ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین نہیں نہ قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار ہے بلکہ نسیان ہونا تو خود قرآن سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ مَا نَنْسَخ مِن ایۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیرٍ منھا او مِثلھا۔ جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔

رہا یہ کہ محفوظ ہونے کا کیا مطلب ہے تو وہ یہ ہے کہ نسخ و انساء کے بعد جو بچا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتراً منقول ہے جس کو حضرت ابو بکر صدیق نے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے جمع فرمایا اور ما بین الدفتین آج تک موجود ہے وہ ہر قسم کی تبدیلی و تغیر سے محفوظ ہے اور رہے گا''۔

جواب مذکور جو علماء اہل سنت کی طرف سے شائع و ذائع ہے وہ نہایت کافی و شافی ہے جس کی مکمل تائید قرآن و حدیث سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

ایک انصاری رات میں تہجد کے لئے اٹھے، سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ تلاوت کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہ آئی۔ صبح کو دوسرے صحابی سے ذکر کیا انہوں نے بتایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا! آج شب میں وہ سورت اٹھالی گئی۔ (بیہقی)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ عن قتادہ فی قولہٖ ماننسخ من ایۃ اوننسھا قال کان عزوجل یُنسی نبیہٗ صلی اللہ علیہ وسلم مایشاء وینسخ مایشاء عن الحسن انہ قال فی قولہٖ اوننسھاان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم قرأقرآنا ثم نسیہ ۔ عن ابن عباس انہ قال کان ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوحی باللیل وینسھا بالنھار فانزل اللہ ماننسخ من ایۃ اوننسھا نأت بخیر منھااو مثلھا (صفحہ ۱۵۰، جلد اول)

قتادہ سے آیۂ کریمہ ماننسخ کی تفسیر میں روایت ہے کہ اللہ عزوجل اپنے نبی کو جو چاہتا بھلا دیتا جو چاہتا منسوخ فرما دیتا۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرآن پڑھا

پھراسے بھول گئے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رات میں وحی نازل ہوتی اور دن میں بھول جاتے تو یہ آیت ماننسخ من اية اوننسها نأت بخير منها او مثلها نازل ہوئی۔

حضرت ملاعلی بن سلطان محمد ہروی (متوفی ۱۰۱۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

والمنسوخ انواع ۔ منها التلاوة والحكم معاً وهو مانسخ من القرآن فى حياة الرسول صلى الله عليه وسلم بالا نساء حتىٰ روى ان سورة الاحزاب كانت تعدل سورة البقره ۔ منهاالحكم دون التلاوة كقوله تعالىٰ لكم دينكم ولى دين۔ ومنها التلاوة دون الحكم كآ ية الرجم (صفحہ ۲۱۵، جلداول مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

منسوخ کی کئی قسمیں ہیں ۔ایک یہ کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔یہ قرآن کا وہ حصہ ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں بھلا کر منسوخ کیا گیا یہاں تک کہ روایت ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ایک یہ کہ حکم منسوخ ہو تلاوت باقی ہو جیسے لكم دينكم ولى دين ۔ایک یہ کہ تلاوت منسوخ ہو نہ کہ حکم جیسے آیت رجم۔

ایسا ہی شیخ احمد معروف بملا جیون امیٹھوی (متوفی ۱۱۳۰ھ) نے بھی تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے۔رب عزوجل قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسىٰ اِلَّامَاشَاءَ اللهُ۔

آیت وَمَا ننسخ منها کا ترجمہ دیوبندی حکیم الامت اشرفعلی تھانوی نے یہ کیا ہے۔ ''ہم کسی آیت کے حکم کو منسوخ کردیتے ہیں یا اس آیت ہی کو ذہنوں سے فراموش کردیتے ہیں تو اس آیت سے بہتر یا اس آیت کے مثل لاتے ہیں''۔

امکانِ نظیر محمدی کے اپنے خودساختہ عقیدہ کا اثبات کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل دہلوی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ۔

بعد اخبار ممکن ہست کہ ایشاں را فراموش گردانیدہ شو۔ پس قول بامکان مثل اصلاً منجر بتکذیب نصے از نصوص نگردد وسلب قرآن بعد انزال ممکن است (رسالہ یکروزی)

ترجمہ: ممکن ہے کہ یہ آیت (ولكن رسول الله وخاتم النبيين) لوگوں کو بھلادی جائے۔تو اب یہ کہنا کہ حضور جیسا دوسرا ممکن ہے کسی نص کو جھوٹا کہنے کا موجب نہ ہوگا اور نازل کرنے کے بعد سلب قرآن ممکن ہے۔

ان حقائق ودلائل سے مذکورہ عبارتِ الملفوظ کا صرف بے غبار ہونا نہیں بلکہ اہل ایمان کا اس پر اجماع ہونا ثابت ہے اور قرآن حکیم جو متواتر اہم تک منقول ہے اس پر ایمان رکھنا فرض ہے۔

ایک عرض کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

ارشاد: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات حقیقی حسّی دنیاوی ہیں ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لئے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے۔اس حیات پر وہی احکامِ دنیویہ ہیں۔ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ان کی ازواج کا نکاح حرام نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں۔وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں۔بلکہ سیدی محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حج کرتے ہوئے لبیک پکارتے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔اور اولیاء علماء شہداء کی حیات برزخیہ اگرچہ حیات دنیویہ سے افضل واعلیٰ ہے مگر اس پر احکام دنیویہ جاری نہیں۔ان کا ترکہ تقسیم ہوگا ان کی ازواج عدت کریں گی۔اور حیات برزخیہ کا ثبوت تو عوام کے لئے بھی ہے۔الخ (الملفوظ حصہ سوم)

اس مسئلہ میں بھی شور وغوغا مچایا جاتا ہے اور طرح کی بے سروپا نکتہ آفرینیاں کی جاتی ہیں۔اہل ایمان جانتے ہیں کہ موت طاری ہونے کے باوجود انبیاء کرام کا نکاح باقی رہنا ان کے خصائص میں سے

ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کو جنت میں ان کی بیویاں ملیں گی جن سے وہ مجامعت ومباشرت کریں گے اور وہاں نکاح جدید کی روایت کہیں کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔

حضرت امام محمد بن عبدالباقی زرقانی (متوفی ۱۰۹۹ھ) لکھتے ہیں۔

نقل السبکی فی طبقاته عن ابن فورك انه علیه السلام حیّ فی قبره علیٰ الحقیقة لا علی المجاز ۔ یصلی فیة باذان واقامة۔ قال ابن عقیل ویضاجع ازواجهٗ ویتمتع بهن اکمل من الدنیا۔ وحلف علیٰ ذلك وهو ظاهر لامانع عنهٗ۔ (زرقانی علی المواهب)

ترجمہ۔امام سبکی نے اپنے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں نہ کہ مجازی حیات کے ساتھ۔ وہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا اور اپنی ازواج کے ساتھ مضاجعت وشب باشی فرماتے ہیں۔ اور دنیا میں جس طرح ان سے تمتع حاصل کرتے تھے اس سے زیادہ تمتع حاصل کرتے ہیں۔ ابن عقیل نے اس پر قسم کھائی۔ اور یہ ظاہر ہے اس سے کوئی چیز مانع نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بات کہی گئی ہے مگر دیگر انبیاء کرام کی طرف اس کی نسبت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ کوئی بات جب ایک صنف یا کسی نوع کے ایک فرد یا چند افراد کے لئے ثابت ہو تو پوری صنف اور نوع کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔وخلق الانسان هلوعا۔اور ۔وکان الانسان اکثر شئی جدلا۔

مومن صالح کی قبر جب حد نظر تک وسیع کردی جاتی ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ویفسح لهٗ فیها مدّ بصره (باب اثبات عذاب القبر مشکوٰة المصابیح) حد نظر تک اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے۔ پھر آپ اور دیگر انبیاء کرام کی قبر کی کشادگی کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ اور عالم برزخ وآخرت کی باتوں کو دنیا کی باتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سفر معراج کے موقعہ پر حضور اقدس نے انبیاء سابقین کی امامت فرمائی جس سے واضح ہے کہ روح مع الجسم تھی اور انبیاء نے اپنی حیات جسمانی کے ساتھ نماز پڑھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنّ الله تعالیٰ حرم علی الا رض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق (ابن ماجه) اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے اجسام کو کھانا حرام فرمادیا ہے تو اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں جنہیں رزق دیا جاتا ہے۔

اسی ضمن میں اس بات کو سمجھ لینا بھی بہتر ہے جو ابریز از شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے الملفوظ حصہ دوم ص ۱۶۹ میں مذکور ہے کہ سید احمد سجلماسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی خواب گاہ میں ایک بیوی کی موجودگی میں اپنی دوسری بیوی سے ہمبستری کی یہ سوچ کر کہ پہلی بیوی سو چکی ہے اور پھر جب آپ حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ اور کہا کہ چوتھے بستر پر کون تھا؟ اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ شیخ عبدالرحمٰن کا بھی ہے جو ابریز میں مذکور ہے۔ یہ دنیاوی واقعہ ہے مگر اس میں روحانی تصرف کارفرما ہے اور اس کا اس مزعومہ بے غیرتی وبے حیائی سے کوئی تعلق نہیں جس پر معاندین ومخالفین کی طرف سے واویلا ہوتا رہتا ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ کراماً کاتبین ہر ایک کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور وہ ان کے سارے حالات وواقعات دیکھتے ہیں اور انہیں لکھتے بھی ہیں؟ اور کیا انہوں نے یہ نہیں پڑھا کہ۔

انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اِن الله تبارك وتعالیٰ وکّل بالرحم ملکا یقول یارب نطفة یارب علقة یارب مضغة فاذا اراد الله ان یقضی خلقهٗ قال هل ذکرام انثی شقی ام سعید فما الرزق فما الا جل قال

فیکتب فی بطن امہ (کتاب الانبیاء، کتاب القدر صحیح بخار)

اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ کہتا ہے اے پروردگار! نطفہ ہے۔ اے پروردگار! بستہ خون ہے۔ اے پروردگار! گوشت کالوتھڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتا ہے اس کی پیدائش کا تو فرشتہ پوچھتا ہے مرد ہے یا عورت؟ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کی روزی کتنی ہے؟ عمر کتنی ہے؟ یہ سب لکھ دیا جاتا ہے اور بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔

اذا استقرت النطفة فیْ الرحم اخذ ھا الملك بكفه وقال ای رب۔ از: كر أوانثیٰ (ص ۴۰۸، جلد ۱۱، فتح الباری) جب نطفہ رحم میں ٹھہر جاتا ہے فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر پوچھتا ہے اے رب! مرد ہے یا عورت؟

اور کیا انہوں نے اس کا بھی کوئی جواب سوچا ہے کہ۔

''ایک دفعہ حضرت گنگوہی جوش میں تھے۔ فرمایا! تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا''۔ (ص ۲۹۰، ارواح ثلثہ از تھانوی)

پیغمبروں کی شہادت سے متعلق ایک سوال وجواب اس طرح ہے۔

عرض: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَتَبَ اللہ لَاَ غلبنّ انا ور سُلی تو بعض انبیاء کیوں شہید ہوئے؟

ارشاد: رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا؟ انبیاء البتہ شہید کئے گئے۔ رسول کوئی شہید نہ ہوا۔ یقتلون النبیین فرمایا گیا نہ کہ یقتلون الرسل (الملفوظ حصہ چہارم ص ۳۶۱)

بعض مطبوعہ نسخوں کے سوال میں ختم اللہ ہے جو سائل کا تسامح ہے قرآن کی آیت ''کتب اللہ'' ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (سورۃ المجادلہ۔ آیت ۲۱) اللہ لکھ چکا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول۔ بیشک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کتابت کی غلطی سے کَتَبَ اللہ کی جگہ ختم اللہ ہوگیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت مجیب یا حضرت مرتب کی اس وقت اس جانب توجہ نہ ہوئی ہو۔ کتابت کی غلطی یا نقل وتلاوت میں سہو کوئی نادر بات نہیں۔ ایسے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ معاندین ومخالفین کی کتب ورسائل میں خود اس طرح کے نمونے ملتے ہیں۔ جو تحقیقات از حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی میں منقول ہیں۔

جواب میں رسولوں کی شہادت کا انکار ہے جو قرآن تفاسیر کے مطابق ہے۔ نبی اصطلاحاً اس انسان کو کہتے ہیں جس کی جانب وحی کی جائے خواہ وہ صاحب شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو۔ اور رسول وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ ہو۔ کتب تفسیر مثل بیضاوی ومدارک وغیرہ میں یہ اصطلاحی تعریف درج ہے۔ متعدد آیات میں رسول بمعنی نبی بھی وارد ہے۔ امام احمد رضا نے رسول بمعنی صاحب شریعت جدیدہ مراد لیا ہے اور یہ امر محقق ہے کہ رسول بمعنی صاحب شریعت جدیدہ کوئی شہید نہیں ہوا اس لئے جواب مذکور بالکل صحیح اور برحق ہے اور اس کے خلاف شور وشر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مزید تحقیق کے لئے تحقیقات از حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی کا مطالعہ کریں۔

ایک عالم دین حضرت مولانا مولوی برکات احمد کے بارے میں امام احمد رضا نے اپنا یہ واقعہ اور یہ خواب ذکر کیا ہے۔

جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لیے جاتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! حضور کہاں تشریف لیے جاتے ہیں؟ فرمایا! برکات احمد کے جنازہ کی نماز پڑھنے۔ الحمد للہ! یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا۔ الخ (الملفوظ حصہ دوم)

اس پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا نے اپنے آپ کو

امام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتدی بنادیا اور اپنی برتری ثابت کی۔معاذ اللہ! خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز نہیں ادا کی تھی (صحیح بخاری) اور کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس جماعت کے امام نہیں تھے جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے؟

فلم سلّم عبدالرحمن بن عوف قام رسول الله صلّى الله عليه وسلم يتم صلواته الى آخر الحديث (صحیح مسلم) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سلام پھیرا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اپنی نماز پوری کرنے لگے۔

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ فیہ دلیل علیٰ جواز اقتداء الافضل بالمفضول اذا علم ارکان الصلوٰۃ (ص ۳۶۲ جلد اول مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) اس میں اس پر دلیل ہے کہ افضل کو مفضول کی اقتداء کرنی جائز ہے جب کہ مفضول ارکان صلوٰۃ جانتا ہو۔

امام کا ہر مقتدی سے افضل یا مساوی ہونا ضروری نہیں۔ اور امام احمد رضا کا یہ کہنا کہ الحمدللہ یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا یہ بطور اظہار تشکر ہے کہ مجھے ایسی عظیم سعادت میسر آئی۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تصرف روحانی سے کسی کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائیں یہ بھی کوئی محال و مستبعد نہیں کیوں کہ وہ بحیات حقیقی جسمانی زندہ ہیں اور جہاں چاہیں وہاں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اور جہاں تشریف لے جائیں وہاں برکت ہی برکت اور خوشبو ہی خوشبو ہوتی ہے جو ظاہر و باہر ہے۔ ایسی صورت میں مولانا برکات احمد کی قبر میں وہی خوشبو رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش و کرم گستری سے محسوس کی گئی جو روضۂ انور کے قریب اہل دل اور اہل محبت محسوس کرتے ہیں اسی حقیقت کا اظہار امام احمد رضا نے اپنے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔

معترضین کو کسی دوسرے پر حملہ و تیراندازی سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر رکھنی چاہئے۔ ان کے عالم خلیل احمد انبیٹھوی کے تذکرہ وسوانح میں مذکور ہے کہ۔

''شیخ سعید تکرونی کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور ایک عالم ہندی خلیل احمد کا انتقال ہوگیا ہے ان کے جنازہ کی نماز میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔'' (صفحہ ۳۰۴، تذکرۃ الخلیل، از عاشق الٰہی میرٹھی)

اور شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ دہلی جو مولوی حسین احمد کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے اس میں ایک خواب لکھا ہے کہ۔

''حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرمائیں۔ جامع مسجد کے قریب بوجہ جمعہ مصلیوں کا بڑا مجمع ہے۔ مصلیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمائیں۔

فقیر نے جرأت کرکے عرض کیا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا۔ مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ ادا فرمائی۔ فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا'' (صفحہ ۱۶۴، کالم ۳، شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ دہلی)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو متہم و مطعون کرنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک صحابی یا تابعی کو توہین کی ہے اور ثبوت میں یہ عبارت پیش کی جاتی ہے۔

ایک بار عبدالرحمٰن فزاری کہ کافر تھا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والوں کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا الخ (الملفوظ حصہ دوم)

یہ عبدالرحمٰن فزاری یقیناً کافر وظالم وسرکش تھا جو محرم الحرام ۷ھ کے غزوۂ ذات القرد میں مقتول ہوا اور حضرت ابوقتادہ نے اسے قتل کیا۔

اور وہ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری جو بقول جمہور تابعی اور بقول واقدی صحابی ہیں ان کی ولادت ۹ھ اور وفات ۸۱ھ میں ہوئی اس لئے مذکورالصدر عبدالرحمٰن فزاری کو صحابی یا تابعی کہنا خود غلط اور خلاف واقعہ ہے بلکہ خلاف اسلام ہے۔ الملفوظ کے بعض قدیم نسخوں میں مجیب ومرتب نے نہیں بعد کے کسی ناقل وکاتب نے فزاری کی بجائے قاری لکھ کر اسے بنی قارہ کا فرد بتا کر اپنے زعم میں تشریح واصلاح اور درحقیقت ایک غلطی کی جس سے مجیب ومرتب کا دامن پاک ہے۔ عبدالرحمٰن کے اس واقعہ کا ذکر مشکوٰۃ المصابیح اور صحیح مسلم میں بھی ہے جہاں عبدالرحمٰن قاری نہیں بلکہ عبدالرحمٰن فزاری کا ذکر ہے اور اس کے کافر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری جو تابعی ہیں ان کا مختصر حال یہ ہے۔

عبدالرحمن بن عبدالقاری يقال انه ولد علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس له منه سماع ولا رواية۔ وعدّهٗ الواقدی من الصحابة فی من ولد علىٰ عهد النبی صلى الله عليه وسلم۔ المشهور انه تابعی وهو من جملة تابعی المدينة وعلماء ها۔ سمع عمربن الخطاب۔ مات سنة احدٍ وثمانين ولهٗ ثمان وسبعون سنة۔ (الاکمال)

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور نبی کریم سے ان کو نہ سماع ہے نہ روایت۔ واقدی نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں۔ یہ مدینہ کے علماء تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب سے حدیث سنی۔ ۸۱ھ میں وفات پائی اور آپ کی عمر ۷۸ سال کی تھی۔

ایرانی بادشاہ نوشیرواں کو لاعلمی میں بہت سے لوگ سلطان عادل کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک عرض وارشاد یہ ہے۔

عرض: نوشیرواں کو عادل کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

ارشاد: نہیں! اور اگر اس کے احکام کو حق جان کر کہے کفر ہے ورنہ حرام (الملفوظ حصہ چہارم)

اس ارشاد کے خلاف بھی انگشت نمائی کی جاتی ہے اور نوشیرواں کو عادل کہنے کے لئے یہ موضوع حدیث بطور ثبوت پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ولدت فی زمن الملك العادل۔ میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

حضرت ملا علی قاری اس باطل وموضوع حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

قال السخاوی لا اصل لهٗ۔ قال الذركشی كذب باطل۔ وقال السيوطی قال البيهقی فی شعب الايمان تكلم شيخنا ابو عبدالله الحافظ بفلان مايرويه بعض الجهلاء عن نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولدت فی زمن الملك العادل. يعنی انو شيروان۔ (ص ۷۹، موضوعات کبیر)

علامہ ابوطاہر فتنی لکھتے ہیں۔

لااصل لهٗ ولا يجوزان يسمّی من يحكم بغير حكم الله عادلا (ص ۲۱۹، جلد خامس، مجمع بحار الانوار) اس کی کوئی اصل نہیں۔ جو شخص اللہ کے حکم کے خلاف حکم کرے اس کو عادل کہنا جائز نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

ونزد محدثین ایں صحیح نیست، وچوں درست باشد وصف مُشرک بعدل وحال آں کہ شرک ظلم عظیم است۔ قال الله تعالىٰ اَنَّ الشِرك لَظُلم عظيمٌ۔ ومی گویند کہ مراد بعدل ایں جا سیاستِ رعیت وداد ستانی وفریاد رسی است کہ اہل عرف آں را عدل می خوانند۔ اما جریان اسم عادل برزبان سید انبیاء صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ بعید است۔ (ص ۲۲۴، جلد دوم۔ مدارج النبوۃ)

اور سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ۔

ایرانیوں میں اس (نوشیرواں) کی عدل پروری اب تک مشہور

ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کی بدولت ملا۔ (ص ۱۶۴ جلد ۴، سیرۃ النبی)

ایک مسئلہ بتاتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا۔

"امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نفس بچہ کی مثل ہے کہ اگر اس کو دودھ پلائے جاؤ جوان ہو جائے گا اور پیتا رہے گا اور اگر چھوڑ دو چھوڑ دے گا۔ میں نے خود دیکھا۔ گاؤں میں ایک لڑکی ۱۸ یا ۲۰ برس کی تھی۔ ماں اس کی ضعیفہ تھی اس کا دودھ اس وقت تک نہ چھڑایا تھا۔ ماں ہر چند منع کرتی وہ زور آور تھی پچھاڑتی اور سینے پر چڑھ کر دودھ پینے لگتی۔ (الملفوظ حصہ سوم)

اس بات کو بد اندیش معاندین چٹخارے لے کر بیان کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا ایک جوان لڑکی کو اس طرح دودھ پیتے دیکھتے اور اسے بیان بھی کرتے ہیں۔ اور انہیں یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ واقعہ امام احمد رضا نے اپنے بچپن میں دیکھا اور اسے اپنے دور جوانی یا بڑھاپے میں عبرت ونصیحت کے لئے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بدنصیب مخالفین کی شوشہ بازی اور کردار کشی کا ایک شقاوت آمیز اور شرانگیز نمونہ ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ حیوانات ونباتات بھی اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور ان کے اندر بھی مادۂ معصیت ہے۔ اسی ضمن یہ بیان فرماتے ہیں۔

جب مجمع ہوا کفار کا مدینہ طیبہ پر کہ اسلام کا قلع قمع کر دیں، غزوۂ احزاب کا واقعہ ہے۔ رب عزوجل نے مدد فرمانا چاہی اپنے حبیب کی، شمالی ہوا کو حکم ہوا۔ جا اور کافروں کو نیست ونابود کر دے۔ اس نے کہا۔ الحلائل لایخرجن باللیل ۔ بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں۔ فاعقمها الله تعالیٰ ۔ تو اللہ نے اس کو بانجھ کر دیا۔ اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا۔ پھر صبا آئی اور اس نے کہا۔ فقالت سمعنا واطعنا ۔ تو اس نے عرض کی، ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ وہ گئی اور کفار کو برباد کرنا شروع کیا۔ (الملفوظ حصہ چہارم)

اس پر یہ تبصرہ کہ بادشالی پر اللہ کا حکم نہیں چلا اور اس سے پانی نہیں برستا جب کہ ہندوستان میں اس سے پانی برستا ہے۔ یہ نہایت لغو لاطائل بات ہے۔

کسی پر حکم نہ چلنا اور کسی کا تعمیل حکم نہ کرنا یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ امام احمد رضا نے ہرگز یہ نہیں فرمایا ہے کہ بادشالی پر اللہ کا حکم نہیں چلا۔ بادشالی نے حکم نہیں مانا یہ ابلیس جیسا اس کا عمل ہے کہ اللہ نے سجدۂ آدم کا حکم دیا اور سارے فرشتوں نے اس پر عمل کیا مگر ابلیس نے انکار وسرکشی کی جس کے نتیجے میں وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ اور بادصبا نے تعمیل حکم کر کے فرشتوں کی اتباع کی اور سرخروئی حاصل کی۔ اسی طرح توحید ورسالت پر ایمان واقرار حکم الٰہی ہے جس کی تعمیل اہل ایمان کرتے ہیں اور اس سے تمرد وطغیان کر کے اہل کفر وشرک اپنے برے انجام کو پہنچتے ہیں۔

رہ گئی بات حیوانات ونباتات وجمادات میں مادۂ معصیت کی تو وہ صحیح ہے۔ جیسا کہ ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بقتل الوزغ وقال انه كان ينفخ علىٰ ابراهيم عليه السلام (صحیح بخاری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر پھونک مارتا تھا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ماصيد صيد ولا عضدت عضادة ولا قطعت وشيجة الا بقلة التسبيح (تاریخ الخلفاء) جو جانور بھی شکار کیا جاتا ہے جو درخت کاٹا جاتا ہے وہ تسبیح کی کمی کی وجہ سے۔ ایک روایت میں ہے۔ ماصيد صيد ولا عضت من شجرة الاضيعت من التسبيح (تاریخ الخلفاء) کوئی جانور شکار نہیں کیا جاتا اور کوئی درخت نہیں کاٹا جاتا مگر یہ کہ وہ تسبیح ضائع کرے۔

امام سدی روایت کرتے ہیں۔ قال علیه السلام ما

اصطید حوت فی البحرولا طائر یطیر الا بما یضیع من تسبیح اللہ تعالیٰ (تفسیر مدارک ج ا ص ۲۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمندر میں کوئی مچھلی اور کوئی پرندہ شکار نہیں ہوتا مگر اس سبب سے کہ وہ تسبیح ضائع کرتا ہے۔

بادشالی سے پانی نہ برسنے کی بات عرب کے تعلق سے کہی گئی ہے۔ ہندوستان کے موسم اور حالات کا عرب کے موسم اور حالات پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟

ایک عرض وارشاد اس طرح ہے۔

عرض: کافر جو ہولی دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں، مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: اس روز نہ لے۔ ہاں! اگر دوسرے روز دے تو لے لے۔ نہ یہ سمجھ کر کہ ان خبثاء کے تیوہار کی مٹھائی ہے بلکہ مال موذی نصیب غازی سمجھے۔ (الملفوظ حصہ اول)

اس ارشاد پر بھی نکتہ چینی کی جاتی ہے جب کہ خاص تیوہار کے روز کافروں کی مٹھائی لینے سے منع فرمایا گیا ہاں دیگر ایام میں مال موذی نصیب غازی سمجھ کر لیا جاسکتا ہے۔

مخالفین کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہئے۔ دیوبندی قطب الاقطاب رشید احمد گنگوہی صاحب کا مسئلہ تو یہ ہے کہ۔

مسئلہ: ہندو تیوہار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں، ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے۔ فقط (ص ۱۰۷ حصہ دوم فتاویٰ رشیدیہ)

علاج چشم کے تعلق سے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

میرے استاد جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہ اصرار فرمایا کہ اسے (ڈاکٹر کو) آنکھ دکھائی جائے۔ علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (الملفوظ حصہ اول)

امام احمد رضا کی اندھی مخالفت کرنے والوں نے حضرت مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کا ڈانڈا قادیانی کذاب مرزا غلام احمد سے ملا کر طوفان مچانا شروع کردیا کہ دیکھئے مولانا احمد رضا کے استاد مرزا قادیانی کے بھائی تھے۔ العیاذ باللہ

حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ابتدائی استاد تھے اور بعد میں انہوں نے امام احمد رضا سے بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ اب آگے کے حقائق کیا ہیں انہیں پڑھ کر آپ کو صحیح حالات معلوم ہوجائیں گے۔

حضرت مرزا غلام قادر بیگ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی نے مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کے بارے میں اپنا جو سوانحی مضمون تحریر کیا ہے اس کے چند اقتباسات افادۂ قارئین کے لئے درج ذیل ہیں۔

''حضرت مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے حقیقی دادا حضرت مولانا مرزا مطیع بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور میرے دادا حضرت حکیم مرزا حسن بیگ مرحوم مغفور لکھنوی کی بیاض کے مطابق حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۵ر جولائی ۱۸۲۷ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی پیدائش محلہ جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد مرحوم نے لکھنؤ کی سکونت ترک کرکے بریلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ لہٰذا آپ جامع مسجد بریلی کے شرق میں واقع مکان محلہ قلعہ میں رہتے تھے۔ آپ کا مکان آج بھی موجود ہے''۔ (ص ۶۱۔ ماہنامہ حجاز جدید دہلی، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء)

''ہمارا خاندان نسلاً ایرانی ترکستانی مغل نہیں ہے اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانِ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں۔ اسی مناسبت سے ہمارے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ مرزا اور بیگ کے الفاظ لکھے جاتے رہے ہیں۔ ہمارا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ حضرت احرار رحمۃ اللہ علیہ نسلاً فاروقی تھے''۔ (ص ۶۱ حوالہ مذکور)

''حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کے اجداد کرام بھی شاہانِ مغلیہ سے وابستہ رہے ہیں۔ اسی زمانہ سے ہمارے اور امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان سے قریبی روابط رہے ہیں۔ یہ تعلق وروابط حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کی حیات ظاہری تک برابر رہا حتی کہ میرے دو ہمشیرگان بھی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بیاہی گئیں''۔ (ص ۶۱، حوالہ مذکور)

''ہمارے خاندان کا کبھی بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ وتعلق مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے نہیں رہا حتی کہ ہمارے دور کے عزیزوں کا بھی نہیں''۔ (ص ۶۲، حوالہ مذکور)

''یہ الزام لگانا کہ حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے، انتہائی لغو، بے بنیاد اور کذب صریح ہے۔ غلام احمد قادیانی کذاب کا کوئی بھائی غلام قادر بیگ ہو تو یقیناً وہ دیگر شخص ہے۔ اس سے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استادی وشاگردی کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے''۔ (ص ۲۷، حوالہ مذکور)

''حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بریلی شریف میں ہوا۔ میرے والد مرحوم نے اپنی بیاض میں آپ کی تاریخ وفات ۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۷ء یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ بعمر نوے سال لکھی ہے۔ آپ محلہ باقر گنج میں واقع حسین باغ (بریلی) میں دفن کئے گئے تھے''۔ (ص ۶۲، ماہنامہ حجاز جدید دہلی اکتوبر ۱۹۸۸ء)

اگر اتنے تاریخی شواہد پر بھی کسی کو یقین نہ آئے اور یہ الزام وہ دہراتا رہے کہ مرزا غلام قادر بیگ بریلوی، مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے تو ایسے لوگ اس الزام کے جواب میں کیا ثبوت پیش کریں گے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی یہودی النسل اور احسان الٰہی ظہیر نصرانی الاصل تھے؟۔

حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی نے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ودجال کی تکفیر فرمائی ہے وہیں اس کے خلاف مندرجہ ذیل کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) المبین ختم النبیین (۲) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب (۳) جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۴) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی۔ علاوہ ازیں ردِ قادیانیت میں بریلی شریف سے ایک مستقل رسالہ بھی حضرت فاضل بریلوی نے جاری فرمایا جس کا نام ہے۔ قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان۔

معترضین ومعاندین ومخالفین کو ان کے گھر تک پہنچانے کے بعد اب واپس آیئے بارگاہ رضوی میں اور دیکھئے کہ اس محفل ذکر وفکر اور مجلس علم وحکمت میں حقائق ومعارف کی کیسی دولت تقسیم ہو رہی ہے اور کیسے کیسے جواہر کی چمک دمک ہے۔ ایک جھلک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کلمۂ طیبہ کے اختصار سے پورا کلمہ مراد ہے یا نصف کلمہ اس کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''لا الٰہ کلمۂ طیبہ کا علم ہے جس سے پورا کلمہ مراد ہے۔ اگر کہئے الحمد سات بار کہو یا قل ھو اللہ گیارہ بار کہو۔ کیا اس سے صرف لفظ الحمد یا لفظ قل ھو اللہ مراد ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ پوری سورتیں کہ اختصاراً جن کے یہ نام ہیں۔ کلمہ طیبہ کا اختصار لا الٰہ نہیں ہوسکتا تھا کہ نفی محض بلا استثناء تو معاذ اللہ کلمۂ کفر ہے۔ لاجرم نصف کلمہ اس کا اختصار ہوا۔ یہ ایک ظاہر جواب ہے۔

اور میرے نزدیک تو حقیقتِ امر یہ ہے کہ بیشک صرف لا الٰہ الا اللہ نجات کا ضامن ہے اور اسی سے وہ ملعون قول کہ محمد رسول اللہ کی معاذ اللہ حاجت نہیں کفر خالص ہے۔ لا الٰہ الا اللہ سے فقط الفاظ مراد نہیں بلکہ اس کے معنی کی تصدیق سچے دل سے اس پر ایمان لانا کہ جس کی ذاتِ جامع جمیع کمالات منزہ از جمیع عیوب ونقائص کا علمِ پاک واقع میں اللہ ہے، جس نے سچی کتابیں اتاریں، سچے رسول بھیجے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل وخاتم النبیین کیا، وہ جس کے کلام کا ایک ایک لفظ یقینی قطعی حق ہے جس میں کذب یا سہو یا خطا کا اصلاً کسی طرح امکان نہیں۔

جس نے اللہ کو اس طرح پہچانا اسی نے اللہ کو جانا، اسی نے لاالٰہ الااللہ مانا، اور جسے ضروریات دین سے کسی بات میں شک یا شبہ ہے اس نے ہرگز اللہ کو جانا نہ لاالٰہ الا اللہ کو مانا۔ مثلاً توحید کی گواہی دیتا ہے ایسے کو اللہ سمجھتا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھیجا اور وہ ہرگز اللہ نہیں، اس نے اپنے خیال میں ایک باطل تصور جما کر اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے۔ یہ اللہ پر مومن نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ مشرک ہے۔ اللہ یقیناً وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا تو اللہ پر ایمان وہی لائے گا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر تمام ضروریاتِ دین کو قیاس کرلو۔ مثلاً جو اللہ کا مُقر اور قیامت کا منکر ہے یقیناً اللہ کا منکر اور اس اقرار میں مشرک ہے تو ایسے کو اللہ ٹھہرایا جو قیامت نہ لائے گا۔ حالاں کہ اللہ وہ ہے کہ قیامت جس کا سچا وعدہ ہے۔ (الملفوظ حصہ دوم)

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی افضلیت کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''جمہور حنفیہ کا یہی مسلک ہے (کہ مکہ افضل ہے) اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدینہ طیبہ افضل ہے اور یہی مذہب امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ایک صحابی نے کہا مکہ معظمہ افضل ہے۔ فرمایا کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ انہوں نے کہا واللہ! بیت اللہ وحرم اللہ۔ فرمایا! میں بیت اللہ وحرم اللہ کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ انہوں نے کہا کہ خانۂ خدا وحرم خدا۔ فرمایا! میں خانۂ خدا اور حرم خدا کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ وہ وہی کہتے رہے اور امیر المؤمنین یہی فرماتے رہے۔ اور یہی میرا مسلک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ المدینة خیر الھم لو کانوا یعلمون ۔ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانیں۔ دوسری حدیث نص صریح ہے کہ فرمایا۔ المدینة افضل من مکة۔ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔

اور تفاوتِ ثواب کا جواب باصواب شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمۃ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب دیا ہے کہ مکہ میں کمیت زیادہ ہے اور مدینہ میں کیفیت زیادہ ہے یعنی وہاں مقدار زیادہ ہے اور یہاں قدر افزوں جسے یوں سمجھئے کہ لاکھ روپیہ زیادہ ہے کہ پچاس ہزار اشرفیاں؟ گنتی میں وہ دونے ہیں اور مالیت میں یہ دس گنی۔ مکہ معظمہ میں جس طرح ایک نیکی لاکھ نیکیاں ہیں یوں ہی ایک گناہ لاکھ گناہ ہیں۔ اور وہاں گناہ کے ارادے پر بھی گرفت ہے جس طرح نیکی کے ارادے پر ثواب۔ مدینہ طیبہ میں نیکی کے ارادے پر ثواب اور گناہ کے ارادے پر کچھ نہیں۔ اور گناہ کرے تو یوں ہی ایک گناہ اور نیکی کرے تو پچاس ہزار نیکیاں۔ عجب نہیں کہ حدیث میں خیرلھم کا اشارہ اسی طرف ہو کہ ان کے حق میں مدینہ ہی بہتر ہے۔ (الملفوظ دوم)

نادانی ولاعلمی میں عوام اکثر ''اللہ میاں'' کہتے ہیں اس کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''زبان اردو میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں۔ ان میں سے دو ایسے ہیں جن سے شانِ الوہیت پاک ومنزہ ہے۔ اور ایک کا صدق ہوسکتا ہے۔ تو جب لفظ دو خبیث معنوں اور ایک اچھے معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع میں وارد نہیں تو ذات باری پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا۔ اس کا ایک معنی مولیٰ، اللہ تعالیٰ بیشک مولیٰ ہے۔ دوسرا معنی شوہر، تیسرا معنی زنا کا دلال کہ زانی اور زانیہ میں متوسط ہو۔ (الملفوظ اول)

حمد ونعت میں افراط وتفریط پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔ (الملفوظ دوم)

اپنے دل دونیم کے نقوش کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہٰ الا اللہ۔ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ۔ (الملفوظ سوم)

اللہ اور اس کے رسول سے محبت پیدا کرنے کا طریقہ اور نسخۂ کیمیا بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''تلاوتِ قرآن مجید اور درود شریف کی کثرت اور نعت شریف کے صحیح اشعار خوش الحانوں سے بکثرت سنے۔ اور اللہ و رسول کی نعمتوں اور رحمتوں میں جو اس پر ہیں غور کرے۔ (الملفوظ اول)

صاحب جوامع الکلم افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شعر و شاعری سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

''آیۂ کریمہ (وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ) کے یہ معنی نہیں کہ اوروں کے اشعار حضور کے علم میں نہیں بلکہ یہ معنی کہ حضور کو ہم نے شعر گوئی پر قدرت نہیں دی اور نہ یہ حضور کے لائق۔

صحابہ قصائد عرض کرتے کیا ان کے اشعار ہمارے حضور کے علم میں نہ آتے؟ بلکہ بعض مواقع پر اصلاح فرمائی ہے۔ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے قصیدۂ نعتیہ عرض کیا۔

اِن الرسول لنارٌ یستضاء به
وصارم من سیوف الهند مسلول

ارشاد ہوا نار کی جگہ نور کرو اور سیوف الہند کی جگہ سیوف اللہ۔

جب بعض اشعارِ دیگراں علم اقدس میں آنا منافی آیۂ کریمہ وما علّمنٰہ الشعر نہ ہوا تو جمیع اشعار اولین و آخرین مکتوباتِ لوحِ مبین کو علم اقدس کا محیط ہونا کیا منافی ہوسکتا ہے؟ جو ایجابِ جزئی کسی سلب کلی کا نقیض نہیں اس کا ایجاب کلی بھی یقیناً منافی نہیں۔ البتہ ملکۂ شعر گوئی حضور کو عطا نہ ہوا اور اس پر بھی رب العزۃ نے دفعِ وہم فرمادیا کہ یہ کوئی خوبی نہ تھی جو ہم نے ان کو نہ دی بلکہ وما ینبغی لہٗ یہ ان کی شانِ رفیع کے لائق ہی نہیں تو ان کے حق میں منقصت تھی اور وہ جمیع نقائص سے منزہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بلکہ شعر گوئی بالائے طاق اگر نادراً کبھی دوسرے کا شعر پڑھتے تو اسے وزن سے ساقط فرما دیتے۔ لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر۔

ستبدی لك الایام ما کنت جاهلا
ویاتیك بالا خبار من لم تزوّد

کا مصرع دوم یوں پڑھتے۔ ویاتیک من لم تزوّد بالا خبار۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو شعر سے منزہ فرمایا ہے۔ شاعر نے یوں کہاں۔

ویاتیك بالا خبار من لم تزود۔ (الملفوظ دوم)

اردو زبان کے دوسرے شعراءِ نعت کا کلام سننے کے تعلق سے اپنے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ ایک موقعہ پر یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

''سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام قصداً نہیں سنتا۔ مولانا کافی (مراد آبادی) اور حسن میاں مرحوم (بریلوی) کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔ البتہ مولانا کافی کے یہاں لفظ رعنا کا اطلاق جا بجا ہے اور یہ شرعاً ناروا و بے جا ہے۔ مولانا کو اس پر اطلاع نہ ہوئی ورنہ ضرور احتراز فرماتے۔ حسن میاں مرحوم کے یہاں بفضلہٖ تعالیٰ یہ بھی نہیں۔ ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتادیئے تھے۔ ان کی طبیعت میں ان کا ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی معیارِ اعتدال پر صادر ہوتا جہاں شبہ ہوتا مجھ سے دریافت کرلیتے۔ ایک شعر میں خیال میں آیا۔

خدا کرنا ہوتا جو تحتِ مشیت
خدا ہو کے آتا یہ بندہ خدا کا

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ شرطیہ ہے جس کے مقدم اور تالی کا امکان ضرور نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحمٰنِ وَلَدٌ فانا اولُ العابِدِیْن۔ اے محبوب! تم فرمادو کہ اگر رحمٰن کے کوئی بچہ ہوتا تو اسے سب سے پہلے میں پوجتا۔ ہاں شرط و جزاء میں علاقہ چاہئے

وہ آیۂ کریمہ کی طرح یہاں بھی بروجہ احسن حاصل ہے۔ (الملفوظ دوم)

احترام سیادت کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

''قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجود اس کے کہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔ تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد؟ (الملفوظ سوم)

امر و نہی کے ایک ضابطۂ شرعیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''شریعتِ مطہرہ کا ایک عام قاعدہ ہے کہ کسی کام کو منع فرماتی ہے کسی مصلحت سے اور جب بندہ کو ضرورت پیش آجاتی ہے فوراً اپنی ممانعت اٹھالیتی ہے۔ خمر و خنزیر سے بڑھ کر کون سی چیز حرام فرمائی گئی؟ مگر ساتھ ہی مضطر کا استثناء فرمایا۔ جنگل میں ہے پیاس کی شدت ہے شراب موجود ہے پانی کہیں نہیں ہے نہ کوئی اور چیز ہے جس سے پیاس بجھ سکے۔ اب اگر شراب نہ پئے تو پیاس کی وجہ سے مرجائے گا۔ یا نوالہ اٹکا ہوا ہے اور سوائے شراب نہ پئے تو پیاس کی وجہ سے مرجائے گا۔ یا نوالہ اٹکا ہوا ہے اور سوائے شراب کے کوئی ایسی چیز نہیں جس سے نوالہ اتر جائے اگر نہ پئے دم گھٹ کر مرجائے گا۔ ایسی حالت میں اگر اس نے شراب نہ پی اور مرگیا گنہگار ہوا۔ حرام موت مرا، یا مثلاً بھوک کی شدت ہے اگر اب کچھ نہ کھائے تو مرجائے گا اور سوائے خنزیر کے گوشت کے کچھ موجود نہیں اگر اس نے نہ کھایا اور مرگیا تو گنہگار ہوا حرام موت مرے گا۔ (الملفوظ سوم)

عرفِ تعظیم و توہین سے تبدیلی احکام کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''تعظیم و توہین عرف پر مبنی ہیں۔ ایک چیز ایک زمانہ میں تعظیم یا توہین ہوتی ہے دوسرے زمانہ میں نہیں۔ یا ایک قوم میں ہوتی ہے دوسری قوم میں نہیں۔ مثلاً عرب میں بڑے چھوٹے سب کو صیغۂ مفرد سے خطاب ہے۔ انت قلت تو نے کہا۔ یہ وہاں کوئی توہین نہیں اور ہمارے یہاں توہین ہے۔ (الملفوظ اول)

نرمی کے فوائد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔

جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہوجائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتداء بڑی نرمی برتی گئی۔ الخ (الملفوظ اول)

ابطالِ باطل اور شرعی گرفتوں سے اصلاح پذیر ہونے کی بجائے معاندین و مخالفین آپ پر سب و شتم کرتے جس کا جواب دیتے ہوئے ایک موقعہ پر آپ فرماتے ہیں۔

''دل میں کیا بر ملا فحش گالیاں دیتے ہیں۔ بعض خبثاء تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں۔ پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس سے زیادہ میری ذات پر حملے کریں تو میں شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھ کو ستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لئے ہے بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ (الملفوظ دوم)

اولاد و مال کی محبت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ھو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولا د من حیث ھو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم نیک عمل ہے اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضہ ہے۔ (الملفوظ چہارم)

افتاء اور ردِ وہابیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''ردِ وہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت وہ دن وہ جگہ وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔(الملفوظ اول)

روح اور قلب ونفس کا فرق بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''اصل میں تین چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نفس، روح، قلب۔ روح بمنزلۂ بادشاہ کے ہے اور نفس وقلب اس کے دو وزیر ہیں۔ نفس اس کو ہمیشہ شر کی طرف لے جاتا ہے اور قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرف بلاتا ہے(الملفوظ سوم)

مفید، مستفید، منفرد کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

''آدمی تین قسم کے ہیں۔ مفید، مستفید، منفرد۔ مفید وہ کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ مستفید وہ کہ خود دوسرے سے فائدہ حاصل کرے۔ منفرد وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بلکہ واجب (امام ابن سیرین کا واقعہ بیان کرکے ارشاد فرمایا) وہ لوگ جو پہاڑ پر گوشہ نشیں ہو کر بیٹھ گئے تھے وہ خود فائدہ حاصل کئے ہوئے تھے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی ان میں قابلیت نہ تھی ان کو گوشہ نشینی جائز تھی اور امام ابن سیرین پر عزلت حرام تھی۔(الملفوظ سوم)

عالم کون ہے اور غیر عالم کو وعظ کہنا کیسا ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔ عالم وہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتابوں سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔(الملفوظ اول)

یہ اور اس طرح کے بہت سے جواہر پارے الملفوظ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں جن کی جمع وترتیب کی خدمت انجام دے کر شہزادۂ امام احمد رضا سیدی ومرشدی حضور مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی نے انہیں قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔

مفتی اعظم ہند بھی اپنے والد ماجد کی طرح علم وفضل اور تدین وتقویٰ میں بے مثال تھے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہ ومفتی تھے۔ مرجع علماء وفقہاء تھے۔ مقبول انام تھے۔ اور آپ کی درجنوں تصانیف بھی موجود ہیں جن سے اہل علم استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے تلامذہ وخلفاء پورے برصغیر اور اس سے باہر سرزمین حجاز تک پھیلے ہوئے ہیں۔ معتقدین ومریدین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ آپ مدبر ومفکر، عالم وفاضل، مصلح، شاعر، متقی، سب کچھ تھے جس کی شہادت ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں خواص وعوام دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

الملفوظ میں آپ نے دین ودانش، فضل وکمال، شریعت وطریقت، حقائق ومعارف، اسرار ورموز کا ایک جہان اور ایک دنیا آباد کردی ہے اب یہ اس کے دیکھنے پڑھنے والوں پر منحصر ہے کہ اس سے وہ کس حد تک اپنا دامن بھرتے ہیں اور اپنی دنیا آباد کرکے اپنی عاقبت سنوارتے اور اسے قابل رشک بناتے ہیں۔ گویا

بیاو رید گرایں جابود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے میں انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینو کو

مکتوباتِ رضا کے حوالے سے دو اہم خطوط

باسمہ وبمنہ

علی گڑھ

۱۲؍دسمبر ۲۰۰۶ء

مکرم ومحترم اسلام علیکم

۲۸؍نومبر کا والا نام ملا پڑھ کر مسرور ہوا۔ بہت دنوں پر آپ کا خط آیا اس لیے مسرت میں مزید اضافہ ہوا۔

۱۱؍نومبر کے خط کے ساتھ جو میں نے ایک تحریر بھیجی تھی وہ فی الحال صرف آپ کے مطالعے کے لیے ہے، نتائج شائع ہونے پر اس کو دے دیجئے گا مجھ کو اس کی ضرورت ہوگی تا کہ وہ فرصت نکال کر اپنے کام پر نظر ثانی، ترمیم واضافہ کرے۔ ملک العلماء پر کچھ چیزیں بھیج دوں گا اور اگر ممکن ہوا تو کچھ اور معلومات بھی بعض دوسرے علماء محققین کے سلسلے میں۔

معلوم نہیں دوسرے صاحب کی رپورٹ آئی یا نہیں، آئی تو کیا آئی۔

رجسٹرار کے دفتر میں خود تشریف لے جائیں بقایا بھجوائیں۔ وائس چانسلر صاحب سے تو اس وقت ملنا مناسب ہوگا جب رجسٹرار کے دفتر سے آپ مایوس ہو جائیں۔

۲۔ اعلیحضرت کے خط کی دوسری نقل آپ کو مل گئی اور آپ اسے سالنامہ میں شائع کر رہے ہیں، بہتر ہو کہ دوسرا خط بھی آپ پیرزادہ اقبال فاروقی کو ٹیلیفون کر کے منگوالیں کسی ماہانہ رسالے میں چھپنے سے زیادہ بہتر ہے کہ آپ کے سالنامے میں شائع ہو اس طرح افادہ عام ہوگا اور دونوں خط ایک جگہ چھپ کر محفوظ ہو جائیں گے۔

۳۔ حضرت کے نام کے خطوط نوادر قدیم میں ہیں اور امتداد زمانہ سے ایسے ہو گئے ہیں کہ انھیں چھوتے ڈر لگتا ہے عکس بھی بہت احتیاط سے بہت اچھی مشین سے بن پائیں گے۔ ایک دوکان میں لے جا کر ایک دو خط کے عکس بنوانے کی کوشش کی لیکن کاغذ اور تحریر کا رنگ اس قدر بدل گیا تھا کہ عکس بالکل سیاہ بن کر آیا۔ لیکن آپ کو آپ کے جدا کرم کے خط کا عکس ضرور بھیجوں گا۔ کئی سال پہلے اس پر نظر پڑی تھی وہ کہیں نہ کہیں محفوظ ہے۔ میں نے ایک زمانے میں فائل سے خطوط نکال کر علیحدہ علیحدہ لفافوں میں رکھنا شروع کیا تھا پھر اور کاموں میں لگ گیا۔ آپ کے جدامجد کے خط کا کاغذ مضبوط ہے اور خط کئی صفحوں میں ہے اسقدر یاد آتا ہے۔ آپ کے والدہ کا اسم گرامی کیا ہے۔ اعلحضرت سے تعلق تو آپ کے جدامجد کا ہوگا۔

۴۔ بریلی ومارہرہ وبدایوں اور دوسرے مقامات کے علماء کرام کے سینکڑوں خطوط میرے پاس ہیں لیکن ان کی ترتیب وتحشیے کا کام اب مجھ سے تنہا نہیں ہوسکتا۔ یہ کام کسی منصوبے کے تحت ہوسکتا ہے جس میں میں ایک دو مستند لائق محنتی طالب علم/ اسکالر کو اپنے ساتھ رکھوں جو تبییض کا کام کر سکے اور ترتیب وتحشے میں مدد دے سکے۔ اپنے کتب خانے کی کتابیں بار بار نہیں نکال سکتا ہوں، ریفرنس کے لیے مولانا آزاد لائبریری کی دوسری منزل پر نہیں چڑھ سکتا۔ علماء کے خطوط پڑھنا بھی آسان نہیں میں اسی پچاسی کے لپیٹ میں ہوں گزشتہ دو تین ماہ میں دو آپریشن ہوئے ہیں دوبار ہسپتال بھی رہ کر آیا ہوں، ڈاکٹروں کی ہدایت کے خلاف کچھ نہ کچھ کام کرتا رہتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ خدا شفائے عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔ بہت سے کام میں ان کی تکمیل کی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ ان میں مکاتیب ملک العلماء، اور مکاتیب بنام ملک العلماء، ہے۔ یہاں کوئی ایسا ادارہ نہیں جو اس کام میں مدد دے سکے۔ کسی معقول آدمی کو رکھوں تو ہزار رپے ماہوار سے کم کیا لے گا۔ کام ایک دو سال میں مکمل ہوسکتا ہے بمبئی کے اصحاب سے میرا کوئی ایسا تعلق نہیں۔ ان کے لیے مکاتیب مفتی اعظم بنام ''ملک العلماء'' لکھ کر بھیج دیا ہے آپ دیکھیں گے تو پسند کریں گے۔ اس طرح میں اور علماء کے خطوط شائع کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ علماء کے خطوط پر تحشیے کی ضرورت نہیں لیکن ان کا پڑھنا اور صحیح نقل کرنا ہر کس کے لیے یہ بھی مشکل اور تھکا دینے والا کام ہے، اس منصوبے میں آپ کا ادارہ تعاون نہ کر سکے تو ایک کام

کیجیے۔ میں مولانا سید ایوب علی رضوی، مولانا تقدس علی خاں، مولانا حسنین رضا خاں، حکیم حسن رضا خاں، سید پیارے علی بریلوی یا بریلی کے کچھ اور علماء کے خطوط کے عکس آپ مجھ سے حاصل کریں، اپنے ادارہ کے کسی مستند و باصلاحیت محقق سے انھیں نقل کرا کے اور مقابلہ کر کے مجھے بھیج دیں کہ میں ایک نظر ڈال لوں اور ضروری حواشی لکھ دوں، یا مجھے نہ بھیجے وہیں یہ کام کرالیں اور اپنے رسالے کے ۱۶ صفحے خطوط کی اشاعت کے لیے وقف کریں، ایک سال میں ۱۸۰ صفحات میں خاصے خطوط آجائیں گے۔ بعد کو کتابی شکل میں بھی یہ شائع کیے جاسکتے ہیں۔

یہ خطوط بریلی اور بریلی کی مذہبی خدمات کو سمجھنے میں بہت مدد دیں گے، ان سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ اور بہتوں کے حالات پر روشنی پڑ سکے گی۔ بریلی کے مشاہیر اور بارگاہ رضویہ سے تعلق رکھنے والے اصحاب کے بارے میں بہت اچھی اطلاعات ملیں گی اور ان کے ان علمی و دینی کارناموں سے لوگ روشناس ہوسکیں گے۔

مفتی اعظم کے چند خطوط جو میرے کتب خانے میں محفوظ تھے عنقریب شائع ہونے والے ہیں، انھیں مرتب کرنے میں میرے چھ ماہ صرف ہوئے ہیں (درمیان میں اور کام بھی ہوتے رہے ہیں) فٹ نوٹس لکھنے میں بڑی کمکھیر اٹھانی پڑی ہے۔ جب آپ دیکھیں گے تو خطوط کی اہمیت کا اندازہ ہوگا، لیکن ظاہر ہے سارے خطوط ایسے نہیں جن پر اتنی محنت کی جائے۔ بعض اصحاب کے خطوط سمپل ایڈیٹنگ کے بعد شائع کیے جاسکتے ہیں۔

آپ ان دونوں صورتوں پر آپ خود غور فرمائیں اور پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب، ڈاکٹر مجید اللہ قادری اور دوسرے احباب سے مشورہ کر کے مجھے اطلاع دیں۔ ان دونوں اصحاب کی خدمت میں میرا اسلام پہنچائیے۔ پروفیسر دلاور خاں صاحب کو بھی سلام کہیے، کیا ان سے میری کہیں ملاقات ہوئی ہے؟

پروفیسر مسعود احمد صاحب زید مجدہٗ کا منصوبہ حضرت مجدد الف ثانی پر امید ہے مکمل ہوگیا ہوگا، اس کی کتنی جلدیں چھپی ہیں اب تک اور مجموعی قیمت کیا ہے؟ چھ سات مجلدات پر اب محصول کیا لگے گا، ممکن ہے لائبریری والے منگوائیں۔ میں نے صرف پانچ جلدیں دیکھی ہیں۔ آپ کی بیگم صاحبہ اب کیسی ہیں خدا انھیں تندرست و توانا رکھے، بیگم صاحبہ انھیں سلام لکھوا رہی ہیں۔

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام

مختار الدین احمد

باسمہ

علی گڑھ

۲۳ ردسمبر ۲۰۰۶ء

صاحبزادہ جناب مکرم، محترم السلام علیکم

کراچی کا رجسٹرار آفس تو بالکل خاموش ہے زرا کھٹکھٹایے کہ جاگیں۔ معلوم نہیں اس طالبہ کی دوسری رپورٹ آئی یا نہیں، اگر آئی تو کیا آئی۔۔۔۔۔۔۔ ہوا یا نہیں۔

اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو غیر مطبوعہ خط ملے تھے ایک بنام سردار ولی خاں اور دوسرا بنام مولانا برہان الحق جبلپوری۔ ایک خط اشاعت کے لیے آپ کو بھیجا تھا کہ آپ اپنے رسالے کے سالنامہ میں چھاپیں، دوسرا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کو جہان رضا کے لیے روانہ کیا تھا۔ پھر خیال ہوا کہ وہ دوسرا خط بھی سالنامہ ہیں آپ کے یہاں چھپے تو خوب ہو۔ میں نے پیرزادہ صاحب کو لکھا تھا کہ آپ وہ خط صاحبزادہ صاحب کو کراچی بھیج دیے اگر اب تک شائع نہیں ہوا ہو۔ آپ کو لکھا تھا کہ آپ بعنوان احسن ان سے منگوالیں انھیں کوئی مضمون بھیج دوں گا۔

آپ کے جدامجد کے نام اعلیٰحضرت کا مکتوب تلاش کر رہا ہوں۔ اپنے والد مرحوم و مغفور کا اسم گرامی اور دونوں کے سنینِ ولادت و وفات سے مطلع فرمائیں۔

کبھی کبھی خط لکھا کیجیے ٹیلیفون ضروری اور اہم امور کے لیے استعمال ہوتو اچھا ہے اگرچہ اس میں اب لوگوں کو آسانی ہوتی ہوگی، لیکن ٹیلیفون کی ساری باتیں یاد نہیں رہتیں۔

امید آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام

مختار الدین احمد

شعروادب

۱۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری

۲۔ قصیدۂ رضا کا علمی مطالعہ

۳۔ اعلیٰ حضرت کے عربی قصیدے ''قصیدتانِ رائعتان'' ایک طائرانہ نظر

۴۔ مولانا احمد رضا خاں کے اسلوب کا تنقیدی جائزہ

برق وشرر کی تنقیدی تحریر اور غور ومحاسبہ پر حضرت محبوب العلماء کا روشن تحقیقی مقالہ

اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری

از: (مفتی) مولانا محبوب رضا روشن القادری پوکھریروی*

اعلیٰ حضرت محقق اعظم مجدد اعظم دین وملت جن کی ساٹھ سے زائد علوم وفنون پر ضخیم ضخیم کتابیں ہیں آپ کے ذہن وفکر اور خداداد علم کی عکاسی کرتی ہیں۔ بے شمار دشمنوں نے نکتہ چینی کی کوشش کی اور چاہا کہ کہیں سے کسی طرح کی غلطی نکال دیں مگر اس بحر بیکنار میں سب ڈوب گئے پھر کنارہ نہ ملا۔ خدا نے آپ کے قلم میں وہ صلاحیت وقوت عطا فرمائی کہ دشمنوں کے دانت کھٹے ہوگئے یہی وجہ ہے کہ الفاظ وکلام اور جملے، تحقیق اور براہین ودلائل کی بندشوں کی لطافت ونظافت پر علمائے حرمین طیبین نے آپ کے قلم کو چوما اور ایسی ستائش فرمائی کہ ہندوستان میں دیگر کسی عالم کیلئے اکابر علماء ربانیین اور عرب کے محققین نے اس طرح کسی کے حق میں نہ لکھا۔ جن کا لوہا عرب وعجم نے مانا اور ہر چہار جہات عالم نے ان کے دور میں اور ان کے بعد اب تک ہر ذی علم وفہم نے ان کی قابلیت وصلاحیت اور زہد وتقویٰ وعبادت وریاضت اور حقانیت وعلم لدنی اور معرفت سے متعلق تاثرات قلم بند فرما کر اپنی دنیا کو تابناک بنایا ہے۔ اسی طرح لاکھوں نے آپ کے شعر وشاعری کی نفاست، ذکاوت اور کمال اذہان تخیل کا تذکرہ زبان وصفحۂ قرطاس پہ کیا ہے۔ اتنی مدت گزرنے کے بعد اب وہ جن کی حیثیت ان کے علم کے نزدیک ایک ذرۂ خاک کے برابر بھی نہیں ہے وہ اگر یہ کہے کہ قافیہ سمجھ میں نہیں آتا اور شعر بحر سے گرا ہوا ہے۔ تو شرم آتی ہے کہ ایک محقق ومجدد کی بارگاہ میں یہ کتنی بڑی بے ادبی ہے۔ کہ بغیر سوچے سمجھے ڈائرکٹ حملہ کر دیا۔ اور کچھ پرواہ نہ کی۔ جن کی ذات بابرکات جس طرح جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں بے مثل وبے مثال تھی اسی طرح آپ کی شخصیت فن شعر گوئی میں ید طولیٰ کی متحمل اور بے بدل تھی۔

اعلیٰ حضرت کے کلام میں سوز وگداز، کیف وحال، جذب، عشق، الفت ومحبت، لذت وسلامت کی جس قدر چاشنی پائی جاتی ہے وہ (الا ماشاء اللہ) دوسرے نامور شاعر کے کلام کو حاصل نہیں۔ یہ سخنوری کا ایک ماہرانہ انداز ہے کہ اعلیٰ حضرت نے شریعت وطریقت، قرآن وحدیث کی کماحقہ پاسداری فرماتے ہوئے مفہوم ومطالب کو سلک ادب فصاحت میں نظم فرمایا ہے۔ کہ مضمون کی شستگی حسن تخیل، عروس فکر حدود شرع کی شناسائی، حقائق ومقاصد کی پختگی تصورات کی عکاسی، ایک بند کی دوسرے بند سے تطبیق سنجیدگی، اشعار کی نکہت ورعنائی، فن بحور کے جملہ اصناف پر طبع آزمائی اور تشبیہات وخصوصیات کی معنویت درخشندگی استعارات کی حلاوت وشیرینیت اور بالیدگی، پیہم الفاظ مترادفات کی برجستگی، توجیہہ وتوضیح اور حسن تعلیل کی شائستگی، ممدوح کے محاسن وشمائل پر سلسبیل سے دھلے ہوئے الفاظ کی وارفتگی، دلآویز کلمات کی ترکیبی کیفیات کی شگفتگی، برجستہ وپیہم اور متواتر اترآنے والے قوافی کی جدت وسادگی، یہ ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اشعار کے ہمہ جہات غزل وقصائد، مستزاد وقطعات، مثنوی ومخمس، اعتدال وتوازن اور تغیر ارکانی بحور میں زحافات سے حاصل شدہ ارکان میں نعت گوئی پر دسترس حاصل ہونے اور شعر گوئی میں الفاظ کی تخفیف پر غیر یقین لفظوں کا استعمال کی مہارت، مہ وخور کی طرح تابانی اپنی مثال آپ ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے قادر الکلام محقق ومجدد اعظم کے خامۂ شاخ طوبیٰ سے بکھرے ہوئے لفظ وکلام کی لذت پر نہ کسی شرر کی دہکتی چنگاریوں کی لپٹ اور اس کی ہمت پرواز دم مار سکتی ہے۔ اور نہ کسی برق کی چودھیاتی چمک اس کی تجلی درو دہلیز تک پہونچ سکتی ہے۔ چاہے غور ومحاسبہ کی تے

☆ صدر مفتی رضوی نوری دار الافتاء فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی

سے فضا کو جس قدر مسموم و متعفن کیا جائے یا بغرض ازالہ تعفن معالجاتی برقی نسخۂ ندامت سے تقطیع کو ٹھکایا جائے۔ آمدم برسر مطلب۔

موراجیرا لرجے درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

کی تقطیع و تشریح سے پہلے مناسب ہے کہ تقطیع کے قاعدے بیان کردیئے جائیں۔ تقطیع میں بحر و رکن میں مطابقت اور اس کی رعایت لازمی ہے کہ متحرک کی جگہ ساکن ساکن کی جگہ ہو اگرچہ بعض مقامات میں کسرہ یا ضمہ ی اور رواؤ کا فائدہ دیتا ہے۔ اور خوان ستان میں محض مکتوبہ الف گردانا جائیگا۔ اسی طرح مشدد اور الف ممدودہ کی شکل میں ایک ایک حرف دو شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح کبھی ضمہ معروفہ کی ادائیگی میں واؤ اور کسرہ معروفہ میں ی موزوں ہوتا ہے اور معرف باللام، لام تاکید کی طرح اور ملفوظ ساکن کو تقطیع میں متحرک سے وضع دی جاتی ہے۔ مذکورہ مصرع کی تقطیع کے بارے میں جناب ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے بحر متحرک مخبون و مسکن شانشردہ رکنی سے تعبیر کیا ہے جو قاعدہ کے لحاظ سے بالکل غلط ہے اس لئے کہ مخبون وہ ہے جس کا رکنِ خفیف سے حرف ساکن گر گیا ہو جیسے متحرک کے فاعلن سے الف گر کر فعلن رہ گیا۔ مثمن مخبون بکسر العین ہے اور لم یات نظیرك فی نظر میں لَمْ یَا فَعِلُنْ تِ نَظِیْ فَعِلُنْ رُكَ فِیْ فَعِلُنْ نَظَرِنْ فَعِلُنْ کی تقطیع ہرگز جائز نہیں ہوگی کہ مصرعہ کا ہر دوسرا حرف ساکن ہے وہ بھی متواتر ہے اور بحر میں رکن کا ہر دوسرا عین کلمہ متحرکہ ہے تو یہ ساکن اگر مصرعہ میں بحیثیت تواتر نہ ہو تو کبھی متحرک پڑھا جائیگا جس کا بیان آگے آئیگا مگر تواتر میں ہرگز درست نہیں اور اگر زحاف قصر قطع خبن فعلن مانا جائے تو پھر درک یا ٹھمک کی تقطیع دشوار ہوگی اور تیسری صورت کی گنجائش نہیں تو معلوم ہوا کہ کھینچ تان کر متدارک کہنا غلط ہے۔ جب مختصر قاعدے کی افادیت سامنے آگئی تو اب آیئے اصل بحر اور درک کی تحقیق و اصل کی طرف جو مقتضب وافر، متقارب مقبوض مکشوف اثنا عشریہ ہے۔ مفعول فعول مفاعلتن ،مفعول فعول مفاعلتن دوبار۔ بمقابل دو مصرعہ۔

یعنی ایک شعر۔

لفظ درک نہ تو لفظ عربی ہے نہ یہاں فارسی اور نہ معنی میں معلوم و دریافت، فہم دوزخ جہنم کے اور نہ انتہائی گہرائی کے اور نہ یہ موراجیرا لرجے کی متقاضی صفت ہے بلکہ بریلی شریف اور بدایوں شریف کے علاقہ کی روہیلکھنڈی زبان ہندی ہے جو معنی میں دھڑک کے ہے۔ یعنی اختلاج کے اور یہی جملہ اولیٰ کا تقاضہ ہے کہ جس کا معنی اول مصرعہ کے ساتھ یہ ہے کہ اے میرے قافلے والوں اپنے قیام مدینہ کی مدت دراز کرلو اور مری تشنہ لبی و حسرت پر خدارا رحم کرو۔ مرا دل ابھی سے لرزتا کانپتا دھڑکتا ہے کہ کہیں یہ نہ کہدو کہ دیار اقدس اور بہار آستانہ کی دلآویزی چھوڑ کر وطن لوٹنے کا وقت آگیا ہے۔ خدا کے واسطے یہ مت سنانا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی لکھی ہوئی مشہور و معروف اور مقبول نعت مقدس کے مذکورہ بحر رکن اثنا عشریہ کے چار حصے فرما کر پہلے میں صرف عربی دوسرے میں صرف فارسی تیسرے چوتھے میں اردو ہندی کو مخصوص فرما کر کمال شاعری کو روشن فرمایا ہے۔ جیسے لم یات فعول ک فی نظر مفعول نظیر مفاعلتن اس بحر پر اعلیٰ حضرت سے پہلے طوطی ہند ملک الشعراء عارف باللہ عاشق سید نظام الدین اولیاء حضرت امیر خسرو علیہما الرحمۃ والرضوان نے عارفانہ ہندی نعتیہ کلام موزوں فرمایا ہے۔ متذکرہ بالا قاعدۂ تقطیع میں فارسی کلام کے مثال سے پہلے ہندی کلام سے ذہن کو ہموا فرمائیں شعر۔

ایک ماہ مدن گورا سابدن نیچی نظریں کل کی خبریں
دکھلا کے پھبن وہ سنا کے سخن مورا پھونک دیو سب تن من دھن

اب ہر خط کشیدہ کو مذکورہ بالا اوزان سے ملالیں:

اک ماہ　مدن گو　راسابدن　نیچی ن　ظریں کُ　لِ کی خبریں
دکھلا کے　پھبن وہ　سنا کے سخن　مورا پھونک　دیوس　ب تن من دھن

ہر خط کشیدہ جملہ مساوی و ہموزن ہے۔ مفعول فعول مفاعلتن کے بعض وہ جگہ ہے جہاں الف ساکن کے بعد ہمزہ منفردہ ساکن کی

حرکت ماقبل الف ساکن کو دیگر موزوں کیا گیا اور بعض وہ جگہ ہے جہاں سب کی س کو متحرک چھوڑ کر ب کو متحرک من کی ن کو متحرک کر کے مفاعلتن کا ہموزن کیا گیا۔

اس قاعدہ سے اعلیٰ حضرت کے مصرع ثانیہ کی تقطیع کیجئے۔

موراجیر الرجے مفاعلتن مفعول فعول سناجانا۔ ماسبق جس طرح ہمزہ آیا یہاں بھی آئے گا۔ مفعول فعول درکی درک۔۔۔ طیبہ سے ابھی نہ مفاعلتن۔ قاعدے میں واضح کردیا گیا کہ کبھی کسرہ یا پڑھا جائے گا اور کاف ضرورت شعری کی بنیاد پر مشدد ہوجائیگی کہ کبھی غیر منصرف سلاسلا کی طرح منصرف لکھا پڑھا جاتا ہے۔

ابھی ابھی لفاف بند کرتے وقت مولانا اعظم نے اگست کا ماہنامہ دیا جو بحکم حضور سراج ملت، ضیغم رضویت، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت خلیفہ مفتی اعظم حضرت مولانا سید شاہ سراج اظہر صاحب قبلہ بانی و مہتمم دارالعلوم فیضان مفتی اعظم تلاش کرلائے تھے کہ اس مہینے کا یہ رسالہ مفقود سا ہوگیا تھا اس میں حضرت مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا انٹرویو چند موضوعات پر مشتمل مشتہر ہے۔

ڈاکٹر شرر صاحب نے اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام لم یات الخ سے متعلق ہندی اردو مصرعہ ثانیہ میں سرسو ہے پر معترضانہ بحث فرمائی ہے حالانکہ اس کا معنی اور اس کی تقطیع صاف اور ستھری، موزوں اور اظہر من الشمس ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بہت سارے مقامات پر اصل لفظ کو ضرورت شعری کے پیش نظر تخفیف سے شعر کو موزوں فرمایا ہے۔ جس کی مثالیں اکابر شعرائے فارسی عربی اردو کی لسانیاتی بندشوں میں محصور خوش کن نظر آتی ہے۔

جگ راج کو تاج تورے سرسو

ہے تجھ کو شہ دو سرا جانا

میں یعنی مصرعہ ثانیہ کے دو بندوں میں سے پہلے بند کا آخری حصہ سرسو بھے ہے۔ اور دوسرا بند جس کا پہلا لفظ ''ہے'' ہندی کا۔ حرف ندا ہے۔ ایسی صورت میں پورے مصرعے کا معنی یہ ہوگا۔ ساری دنیا کی سلطنت کا تاج آپ ہی کے سر زیب دیتا ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ہم نے دو جہاں کا بادشاہ جانا اور تسلیم کیا۔ اب اس کی تقطیع اس طرح ہوگی۔

جگ راج مفعول کو تاج فعول تورے سرسو بھے مفاعلتن ہے تجھ کو مفعول شہ دو فعول سرا جانا مفاعلتن۔

صورت مذکورہ میں ہندی لفظ کے سکون و حرکت کا تصور بعینہ عربی فارسی الفاظ سے نہیں کیا جائیگا اور نہ لفظ کی گنتی کی جائیگی اور نہ سکون و حرکت لم یات نظیرک فی نظر میں وارد کی طرح قیاس کیا جائیگا بلکہ طرز و ترنم سے ارکان بحر کو موزوں کیا جائیگا ورنہ ع ''گستنتر ہے میلہ ترا'' کی تقطیع غیر ممکن ہوجائیگی ایسے ہی لوک تنتر وغیرہ میں۔

لہذا ثابت ہوا کہ بھے برائے تخفیف حذف ہے اور لفظ ہندی کو مترنم موقوف سے موزوں کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اب اگر کسی نے اعتراض کیا کہ جس طرح دو عظیم شخصیتوں کے کلام میں ساکن کو متحرک کیا گیا جب کہ غیر تواتر تھا تو کیا ایسی صورت اور کہیں ملتی ہے۔ تو آیئے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کا مقطع پڑھئے جو متقارب مثمن مقبوض اخرم کے وزن پر ہے۔

خیال راہ عدم سے اقبال تیرے در پر ہوا ہے حاضر

بغل میں زاد عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

جس کی تقطیع اس طرح ہوگی:

خیال فعلن، عدم سے فعلن، ل ترے فعلن، ہوا ہے فعلن فعول، راہ فعلول اقبا فعول فعلن، فعول فعلن، اگر اقبال کی لام کو متحرک نہ کیا جائے جیسے درک میں کیا گیا ہے تو وزن سے گر جائے گا۔ یا پھر حضور ملک الشعراء کے کلام۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم

میں دال کو متحرک نہ کیا جائے۔ تو وزن بحر ہزج مفاعیلن سلامت نہ رہے۔ حالانکہ مصدر کا نون اس سے پہلے کا زبر گرا کر ماضی مطلق کا پہلا صیغہ بودن سے بود بنا اسی طرح حضرت حافظ شیرازی کا شعر۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمر قند و بخارا را

میں ت بدست کی اور دال ہند کی متحرک ہوگئی اور دل مارا کے لام مکسورہ کا کسرہ یاء کے برابر شمار ہوا۔ بروزن۔ مفا۔ ایسا ہی فصیح الملک غالب دہلوی کے شعر۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

بحر متقارب مثمن سالم میں بھیس کی س متحرک ہو کر سین غالب پر بروزن فعولن ہوگئی۔ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر بھی۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آلباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

جو بروزن بحر کامل ہے۔ اس میں لباس کی س متحرک ہو کر س مجاز میں ہموزن متفاعلن ہوگی۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جو لوگ اپنی صغرسنی یا کوتاہ نظری سے اعلیٰ حضرت کے قوافی مرے، بھرے، گرے، پر اعتراض کرتے اور جو غور کرنے میں پریشان حال ہیں وہ یہاں کیا کہتے ہیں جبکہ شعر کا قافیہ مجاز ہے۔ میں ردیف ظاہر ہے۔ قوافی اس کے مجاز، نیاز، پیاز، ایاز نماز ہی وغیرہ ہوں گے تو جب انہیں ہموزن مرے، گرے سمجھ میں نہیں آتا تو مجاز نیاز کو پیاز سمجھا ہے۔ میرے پیارے مرے، گرے دھرے، میں اصل قافیہ رے میں اور یہاں الف ساکن ''را'' ہے یہ الگ بات کے کہ لوگ اس کے ہموزن پر قیاس کرتے ہیں۔ تنقید کرنے والے اعلیٰ حضرت کے قوافی پر اعتراض کر کے اپنی کم فہمی کا اظہار کرتے ہیں وہ اپنی صلاحیت کے دائرے ہی میں دیکھتے ہیں مگر وسعت علم جن کے اندر ہے وہ اونچا دیکھ کر قوافی کی ندرت پر نثار ہو جاتے ہیں آپ نے جس طرح نثر میں مقفی عبارت سے اچھے اچھوں کی چوکڑی بھلا دی ہے نظم میں بھی ایسی جدت فرمائی ہے کہ اہل علم حاجاتے رامیں کی طرح ششدر رہیں۔ اہل ذوق وشوق اور اہل معرفت اور صاحب علم اشعار وقصائد کی لذتوں سے محظوظ و مستفیض ہوتے ہیں اس لئے کہ آپ کے کلام عارفانہ، مجتہدانہ، فقیہانہ اور علم وعمل، ایمانی حلاوت، دشمن خدا اور دشمن رسول پر شدت، خصوصاً تہنیت شادی، قصیدۂ معراجیہ کو شوق سے پڑھیں پھر شاعری کا کمال دیکھیں۔ جس میں منطق، فلسفہ، ہیئات، مصطلحات، مابعد الطبیعات، موضوع الھیات، سراغ، کیف والی، متی، این و کیف کے مرحلے، محیط ومرکز، فرق ومتشکل، خطوط وصل وفصل، حد اوسط، صغریٰ کبریٰ، فرق مکان ولا مکاں جہت عالم ہو، عالم فنا وبقا، معنی قدر رأ پر مازاغ کی بصیرت، میلاد وعظمت، قرب ودانا، دیدار مولیٰ، علم غیب، حقائق ومشاہدات اور ان پر دلائل وبراہین کا استعمال بالنظم یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت چل دیئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مضمون کی طوالت کا خیال کرتے ہوئے اب اعلیٰ حضرت کے ترجے سے متعلق معلوماتی باتیں آئندہ عنقریب ہوں گی اسمیں اس بات کی بھی نشاندہی ہوگی کہ تخریب کاروں نے کہاں کہاں کیا کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

قصیدۂ رضا کا علمی مطالعہ

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی ☆

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمہ رضا کہ یوں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

امام احمد رضا کی طرف منسوب منظومات کا ایک مجموعہ بنام،، حدائق بخشش حصہ سوم،، پیش نظر ہے، جسے حافظ افتخار ولی خاں مالک کتب خانہ اہل سنت پیلی بھیت نے اپنے اہتمام و سعی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ میں یہاں لفظ ،،منسوب،، کا استعمال قصداً کر رہا ہوں۔ اس لیے اہل سنت کا کسی کی طرف تحقیقی طور پر کسی بات کی اسناد کے لیے جو معیار ہے، اور جسے خود امام احمد رضا نے بھی ،،الفیوض الملکیہ ،، اور ،، جحب العوار،، میں تحریر فرمایا ہے، یہ مجموعہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا ہے۔ امام احمد رضا کا وصال صفر ۱۳۴۰ھ مطابق اکتوبر 1921ء کو ہوا، اور یہ مجموعہ اس کے بہت بعد ناقص طور پر مرتب کر کے شائع کیا گیا ہے جیسا کہ لوح کتاب کی یہ عبارت چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہے۔

''کلام الامام امام الکلام یعنی حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ کے نعتیہ کلام کا تیسرا حصہ'' اور ناقص طور پر اس لئے کہ بیشتر منظومات کے شروع میں یا آخر میں لکھا ہے:

''شروع کے اشعار ندارد، مطلع نہیں ملا، مقطع دستیاب نہیں ہوا، اس کے آگے کے اشعار دستیاب نہیں ہوئے غیر مکمل، نا تمام دستیاب ہوئی، اور اشعار دستیاب نہیں ہوئے وغیرہ وغیرہ''

اسی پر بس ہو جاتا تو بھی ایک بات ہوتی، مگر کہیں کہیں تو دوسروں کے کلام بھی شامل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ص ۳۷، ۳۸ پر شجرۂ مبارکہ کے عنوان سے ایک نظم ہے، جس میں مقطع موجود نہیں اور پہلا بند یوں ہے:

فخر و امام اہل سنت - محی سنت ماحیٔ بدعت - شمس ہدایت اعلیٰ حضرت - حامیٔ دین و ناصر ملت - نائب شاہ ختم نبوت

ظاہر ہے کہ کوئی شخص ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ اسے امام احمد رضا کا کلام قرار نہیں دے سکتا۔ کچھ یہی حال اشعار کے درمیان ترتیب کا بھی ہے۔ شروع کے اشعار درمیان میں، درمیان کے اشعار اخیر میں، اور اخیر کے اشعار شروع میں آگئے ہیں۔ ایک واضح مثال دیکھئے: ص ۸ پر'' فضائل فاروق،، کے تاریخی عنوان سے ایک قصیدہ ہے جس کی ابتدا میں مقصود کے اشعار درج ہیں:

عمر وہ عمر جس کی عمرِ گرامی
ہوئی صرف ارضائے خلّاقِ واہب

عمر قصرِ دین نبی کی عمارت
عمر عمرِ باقیِ دینِ اطائب

عمر راحتِ روحِ شرعِ الٰہی
عمر آفتِ جانِ ادیانِ کاذب

اور ۱۴۷ اشعار کے بعد تشبیب کے یہ اشعار آگئے ہیں:

ہوں گلچینِ باغِ احادیث وقرآں
سمن راز ہے خطّۂ فکرِ صایب

لپکتے ہیں گلشن مہکتے ہیں دامن
مزے لوٹتی ہے مشامِ مراقب

نکھرتا ہے جوبن بہارِ خرد کا
ہے بالش میں نخلِ تلاشِ مطالب

پتہ رب کی موضوع کی کاوشوں کا
جو کانٹوں میں الجھے وہ لے یہ مصائب

☆ چیف قاضی: ادارۂ شرعیہ، بنگلور (کرناٹک)۔

نہ یاں شاذ ومنکر کا بے گانہ سبزہ — نہ یاں بید مجنونِ سقم غرائب
صحاح وحسان وسوانح کے خرمن — مرے دانے دانے میں پائے گا طالب
مجھے پتی پتی کا حال آئینہ ہے — نہیں کوئی پھل پھول آنکھوں سے غائب

پھر گریز کے اشعار در آئے ہیں:

نظر سوئے لَو کَانَ بَعدِی نَبِیّ — خیال اِقْتَدُوا بِالَّذِیْنَ کی جانب

حالاں کہ شعر وسخن سے کچھ بھی شدھ بدھ رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اصناف نظم میں ایک اہم صنف، قصیدہ ہے جو عموماً بالترتیب ذیل کے عناصر سے مرکب ہوتا ہے۔

(۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مقصود (۴) خاتمہ

تشبیب:

عموماً مقصود کی مناسبت سے فن سخن گوئی، حسن، عشق، مقام اور موسم کو تشبیب بنایا جاتا ہے۔ یعنی تشبیب کے اشعار میں فن کا بیان، سخن گوئی کا اظہار، حسن کی جلوہ ریزی، عشق کی نمائش، مقام کی عکاسی اور موسم کی منظر کشی ہوتی ہے۔

گریز:

گریز کے اشعار تشبیب ومقصود کے درمیان کی وہ کڑی ہوتے ہیں جن سے دونوں کے باہمی تعلق کا بھی پتا چلتا ہے، اور ان کی جداگانہ شناختیں بھی ہوتی ہیں۔ گویا وہ تشبیب ومقصود کے درمیان حدِ مشترک اور برزخ کا کام دیتے ہیں۔

مقصود:

قصیدۂ مدحیہ کے مقصود میں ممدوح کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے۔

خاتمہ:

خاتمہ میں عموماً ممدوح کے مخالفین کی ہجو ہوتی ہے۔ اور ان کو مخالفت سے باز رہنے کی تلقین کر کے ممدوح کے حق میں دعا کی جاتی ہے اور اپنے لیے طلب کیا جاتا ہے۔

ذوق نے بہادر شاہ ظفر کی تعریف میں جو قصیدے کہیں ہیں ان میں سے ایک قصیدہ کے اندر تشبیب کے چند اشعار یہ ہیں۔

حبذا ! ساقیِ فرخ رخ وخورشید جمال — مرحبا! مطرب ہاروت فن وزہرہ جمال
بارک اللہ! کہ درخشاں ہے تو اے ابرِ بہا — خیر مقدم ! کہ خراماں ہے تو اے بادِ شمال
ہے یہ وہ دور کہ ہر صوفیِ صافی مشرب — رقصِ مستاں میں رہے وجد کناں شاملِ حال
ہوں قلم ہاتھ اگر کوئی لکھے خطِ غبار — صفحۂ دہر پہ کیا دخل جو ہو گردِ ملال

گریز کے اشعار یہ ہیں:

روزِ جشن آج ہے اس کا کہ جسے کہتی ہے خلق — نائب ختم رسل ظلِ خدا ئے متعال
نائب ختمِ رسل ظلِ خدا ئے متعال — دکھلائے چمک چرخ پہ کٹ جائے ہلال

مقصود کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے۔

وہ نکوخو و نکورو و خجستہ منظر	وہ بلند اختر وفرح روشن وفرخ حال

غالب نے بہادر شاہ ظفر کی شان میں جو قصیدے کہے ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ کے اندر تشبیب کے چند اشعار یہ ہیں:

صبح دم دروازۂ خاور کھلا	مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا
خسر وئے انجم کے آیا صرف میں	شب کو تھا گنجینۂ گوھر کھلا
صبح گردوں پر پڑاتھا رات کو	موتیوں کا ہر طرف زیو ر کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر	اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا
لاکے ساقی نے صبوحی کے لیے	رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا

گریز کے اشعار یہ ہیں:

بزم سلطانی ہوئی آراستہ	کعبۂ امن واماں کا در کھلا
تاج زریں مہر تاباں سے سوا	خسروئے آفاق کے منھ پر کھلا
شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے	راز ہستی اس پہ سرتا سر کھلا

مقصود کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:

و ہ کہ جس کی صورت تکوین میں	مقصدِ نہٗ چرخ ہفت اختر کھلا

سودا کے مشہو[illegible] ہ کی تشبیب کے چند اشعار یہ ہیں:

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے سلمانی	نہ چھوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا	نہ [illegible] شیخ بے جوہر وگرنہ ننگ عریانی
تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا	کہ ہے جمعیت خاطر مجھے ان کی پریشانی
زمانے میں نہیں کھلتا ہے کوئی راز حیراں ہوں	گرہ غنچے کی کھولے ہے صبا کیوں کر بآسانی

گریز کے اشعار یہ ہیں:

سیہ بختی میں اے سودا نہیں طول اَمل لازم	نمط خامہ کے سر کٹوائیگی ایسی زبان دانی
سمجھ اے قباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا	ادائے چین پیشانی ولطف زلف طولانی
خدا کے واسطے باز آتو اب ملنے سے خوباں کے	نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی
نظر رکھنے سے حاصل ان کے چشم وزلف کے اوپر	مگر بیمار ہوئے صعب یا کھینچے پریشانی
نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے	برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی
زہے دین محمد پیرو ہی اس کے جو ہووئیں	رہے خاک قدم سے اس کی چشم عرش نورانی

مقصود کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی	امانت دار نوری احمدی ہوتی نہ پیشانی

,,قصیدہ نگاران اتر پردیش،، میں صفدر رام پوری کے ایک نعتیہ قصیدہ کا انتخاب شائع ہوا ہے، جس کی تشبیب کے چند اشعار یہ ہیں:

بزم سخن میں ہم زباں خاک ہو تجھ سے انوری	شمع صفت جلے بجھے گل ہو چراغ شاعری

خالق علم سے مجھے روز ازل سبق ملا
کس کو نصیب ہے مرا مرتبۂ سخن وری

عرفی و فیضی و منیر، شوکت و بیدل و حزیں
قافیہ تنگ ہو اگر مجھ سے کریں برابری

صائب و حافظ و غنی، طالب و دانش و وحید
کہہ دو کہ مجھ سے سیکھ لیں رسم و رہ سخن وری

گریز کے طور پر یہ اشعار ثبت قرطاس ہوئے ہیں:

ہے یہ عجیب ماجرا تھا میں کہاں کدھر گیا
طبع رسا دکھا دے اب شوکتِ مدح گستری

اس شہ دیں پناہ کا وصف میں اب رقم کروں
جس پہ خدا نے ختم کی روزِ ازل پیمبری

مقصود کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:

نام شر و فساد کا عہد میں اس کے اٹھ گیا
ذرہ و آفتاب میں مٹ گئی جنگِ زرگری

محسن کاکوروی کے مشہور زمانہ نعتیہ قصیدہ کے چند تشبیبی اشعار یہ ہیں:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سروقدان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل
سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار اور پیدل

شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالانِ گلستاں کو سنائے یہ غزل

گریز کے اشعار یہ ہیں:

پھر چلا خامہ قصیدہ کی طرف بعد غزل
کہ ہے چکر میں سخن گو کا دماغ مختل

کیا جنوں خیز ہے لکھنے میں صریر نئے کلک
کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سودے کا خلل

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل

ہاں! یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہوئی آئینۂ مضمون کی دو چنداں صیقل

روئے معنٰی ہے بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں
کہ تصور بھی جہاں جا نہ سکے سر کے بل

یعنی اس نور کے میدان میں پہونچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ
انبیا جس کی ہیں شاخیں، عرفا کونپل

مقصود کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی و عربی
زیب دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل

جس سے روشنی کی طرح واضح ہے کہ فاروق اعظم کی مدح میں درج بالا قصیدہ نہ صرف یہ کہ ناتمام ہے بلکہ اس میں ترتیب اشعار کی بھی گڑبڑی در آئی ہے۔ پہلے تشبیب کے اشعار ہونے چاہیے تھے۔ پھر گریز کے اشعار، اس کے بعد مدح کے اشعار۔ اور یہاں پہلے مدح کے اشعار آ گئے ہیں پھر تشبیب کے اشعار، اس کے بعد گریز کے اشعار۔

اسی طرح ص ۲۶، ۲۷، ۲۸ پر ایک قصیدہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب میں ہے، جو ناتمام ہونے کے ساتھ

ساتھ ترتیب اشعار کے لحاظ سے بھی گڑبڑی کا شکار ہوگیا ہے۔ تشبیب کے کچھ اشعار گریز میں آگئے ہیں اور کچھ اشعار خاتمہ میں۔ یونہی خاتمہ کے کچھ اشعار مقصود میں در آئے ہیں۔ اس کے علاوہ تشبیب، مدح، خاتمہ سبھی کے اشعار بے ترتیبی سے گڈمڈ ہوکر رہ گئے ہیں۔ ہم حدائق بخشش حصہ سوم میں مطبوعہ ترتیب کے مطابق اشعار نقل کرتے ہوئے اجزائے قصیدہ کی نشاندہی کے ساتھ اپنی سمجھ کے مطابق صحیح ترتیب کے لیے سلسلہ وار نمبر بھی دیں گے۔ ممکن ہے اب بھی کوئی خامی رہ جائے لہٰذا سخن فہم ارباب ذوق بنظر غائر مطالعہ فرما کر اپنی قیمتی آرا سے نوازنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

اجزائے قصیدہ	قصیدہ		سلسلہ وار نمبر
(تشبیب)	آج فردوس میں کس کان حیا کا ہے گذر	حکم ہے سبزۂ بیگانہ کو باہر باہر	(۱)
	مردم دیدہ نظر بند ہیں اب لے کے عصا	پہرہ دیتا رہے دنبالہ سرمہ در پر	(۲)
	نہ اٹھے آنکھ رہے اپنی طرف آج نگاہ	ہے یہ خود بینی خدا بینی کی جانب منجر	(۳)
	بخیہ تارنگہ وسوزنِ مژگاں سے کرے	آج آنکھوں میں ہر ایک بلبل بے باک نظر	(۴)
	نیل ڈھل جائے گا آنکھوں کا فلک یاد رہے	وا اگر یوں ہی رہی آج بھی چشم اختر	(۵)
	آنکھیں ہو جائیں گی اے ماہ جہاں دیدہ سپید	چشم بددور ہوا تو بھی بہت شوخ نظر	(۶)
	گرچہ دستِ ہوسِ دہر سے دامن ہے بری	مگر آوارۂ ہر جاہے عروسِ خاور	(۷)
	چلمنیں چھوڑ دو، پلکوں کی چکیں ڈالدو جلد	کہہ دو مردم کو کہ دامان نگہ لیں منہ پر	(۸)
	تیلی اندھانہ بتا سب ہیں فلک سے شفاف	سات پردے ہیں نمائش کے زحل ساں تجھ پر	(۹)
تشبیب بعد رجوع	روشیں آئینہ، چرخ آئینہ، پرتو کا ہجوم	سرِ اشجار شجر ہیں تہِ اشجارِ شجر	(۱۰)
تشبیب	غمِ صیاد سے فارغ ہیں عنادل کہ یہاں	سب زمیں آئینہ ہے دام چھپے گا کیوں کر	(۱۱)
	عکسِ باہم سے عجب لطف صفا نے بخشا	سبز ہیں لالہ وگل، سبزہ و اوراق احمر	(۱۲)
	یہ بنا تختِ زمرد، وہ بنا افسرِ لعل	واہ کیا سبزہ وگل نے ہیں دکھائے جوہر	(۱۳)
	تنگ وچست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار	مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر	(۱۴)
	یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت	کہ ہوئے جاتے ہیں جامے سے بروں سینہ و بر	(۱۵)
	شوخ دیدہ کو رکھیں اہلِ چمن آنکھوں میں	نرگس از بس ہے پریشاں نظری کی خوگر	(۱۶)
	داغِ حرماں کا کوئی چاند سا ٹکڑا شا کی	مصلحت تھی کہ توجہ نہ ہوئی ان کی ادھر	(۱۷)
	رنگِ عشرت سے کسی گل پہ نکھرتا جوبن	خارِ حسرت سے کسی پھول کا پہلو مضطر	(۱۸)
تشبیب تحمیض	یاد وہ مجمع رنگینِ عروسانِ حجاز	اور پیاں کے نہ چھپائیں گی حالِ شوہر	(۱۹)
	مادر زرع کی شادابی کشتِ امید	برقِ خرمن وہ طلاق اور نکاحِ دیگر	(۲۰)
	روحِ معشوقۂ بے غش تھی پر اب دخل نہیں	بار پائے مرے آغوشِ بدن میں لے کر	(۲۱)
رجوع	خامہ کس قصد سے اٹھا تھا کہاں جا پہونچا	راہ نزدیک سے ہو جانبِ تشبیب سفر	(۲۲)
	تھیں جو بے پردہ عنادل میں عروسانِ چمن	شرم سے لیتی ہیں دامانِ صبا اب منہ پر	(۲۳)
	خوف ہے کشتیِ ابرونہ بنے طوفانی	کہ چلا آتا ہے حسن لہلہ کی صورت بڑھ کر	(۲۴)

خاک اڑائی پھری آورہ ہر دشت وچمن　　اب حضوری کی ہوا سر میں ہے اے بادِ سحر　　(۲۵)

خدمتِ گشت معاف! آج رہے گوشہ نشین　　حکم سرکار ہے اور بندۂ داغیِ قمر　　(۲۶)

گریز　حوررویت کے لیے شوق سے آنکھیں دھولیں　　اسی سرکار کی مملوک ہے حوضِ کوثر　　(۲۷)

ہیں کہاں مالنیں سرکار کی عفت حرمت　　کہہ دو مجرے کو بڑھیں پھولوں کا گہنا لے کر　　(۲۸)

چمنِ قدس کے بیلے کا جبیں پر چھپکا　　نَـحْـنُ اَقْـرَبُ کی چنبیلی سے گلے کا زیور　　(۲۹)

مدح　باغِ تطہیر کی کلیوں سے بنائیں کنگن　　آیۂ نور کا ماتھے پہ منور جھومر　　(۳۰)

مدح　تنِ اقدس پر لباس آیۂ تطہیر کا ہو　　سورۂ نور ہو سر پر گہرآساں معجز　　(۳۱)

یَـا حُـمَـیْـرَا! کا تنِ پاک پہ گلگوں جوڑا　　کَـلِّـمِـیْـنِـیْ، کے درآویزۂ گوشِ اطہر　　(۳۲)

بانوا! تیرا سراپردۂ عفت وہ رفیع　　جس میں بے اذن نہ ہو روح قدس کو بھی گزر　　(۳۳)

کوئی خاتون تری طرح کہاں سے لائے　　باپ صدیق[1] سا اور ختم رسل[2] سا شوہر　　(۳۴)

بس کے جز حضرتِ شہ دل میں نہیں اور کی جا　　شاہزادوں سے بھی خالی ہے کنارِ اطہر　　(۳۵)

جبرئیل اور تجھے تسلیم، بایں قدرِ جلیل　　وزراء مجرائی بانوئے سلطاں ہیں مگر　　(۳۶)

تیرے جلوے سے رہی مسندِ افتا روشن　　عہدِ صدیق سے تا دورِ جنابِ حیدر　　(۳۷)

تیری تدقیق پہ غش حیدر و نجلِ ہاشم　　تیری تحقیق کے قائل عمر وابنِ عمر　　(۳۸)

غم رسانی ہے جب ان ماؤں کی خارِ رہِ خلد　　وائے اس پر کہ غمیں جس سے ہے تجھ سی مادر　　(۳۹)

عاق ونا خلف کورِ نمک ناحق کوش　　تجھ سے جو دل میں رکھے سوئے عقیدت تل بھر　　(۴۰)

خاتمہ　سورۂ نور نے منھ کالے کیے اعدا کے　　لَـعْـنَـةُ اللّٰهِ عَـلـیٰ کُـلِّ شَـقِـيٍّ اَکْـفَـرْ　　(۴۱)

تیل بھی خوب ہی نکلے گا تپِ محشر میں　　آج جس دل میں ترا سوئے ادب ہے تل بھر　　(۴۲)

خاتمہ　گو سیہ کار ہے لیکن کلمہ سے ہے امید　　ترے بیٹوں میں گنا جائے یہ تنگِ مادر　　(۴۳)

اس سلسلہ بارترتیب کے ساتھ قصیدہ کے اشعار کو دیکھیے تو خوشگوار حیرت ہوگی کہ پاس شرع کے ساتھ ساتھ حسن تخیل بھی کس قدر ہے۔

دیکھیے ام المومنین کی کی عفت وحرمت کی مناسبت سے حجاب نسواں کو تشبیب بنایا گیا ہے۔اسی اعتبار سے نوعروسانِ چمن کو پردہ داری کی تلقین کی گئی ہے،اور چشمِ تماشائی کو نامحرموں پر نظر ڈالنے سے روکا گیا ہے۔تقریب میں دکھایا گیا ہے کہ ام المومنین جنت میں داخل ہو رہی ہیں،فردوس سراپا بہار ہو رہا ہے،نونہالان چمن دیدار کے لیے جامہ سے باہر ہوئے جارہے ہیں۔اندیشہ ہے کہ عروسان چمن شوق لقا کے جذبۂ فراواں میں پردہ کا لحاظ نہ رکھ سکیں۔اس لئے عنادل و کوا کب سب کو آنکھیں بند کر لینے کی تلقین کی جارہی ہے۔ذیل کے اشعار دیکھیے۔

آج فردوس میں کس کان حیا کا ہے گزار　　حکم ہے سبزۂ بیگانہ کو باہر باہر

مردم دیدہ نظر بند ہیں اب لے کے عصا　　پہرہ دیتا رہے دنبالۂ سرمہ درپر

نہ اٹھے آنکھ رہے اپنی طرف آج نگاہ　　ہے یہ خود بینی خدا بینی کی جانب منجر

بخیہ تارنگہ وسوزن مژگاں سے کرے　　آج آنکھوں میں ہر اک بلبل بے باک نظر

نیل ڈھل جائے گا آنکھوں کا فلک یاد رہے　　وااگر یوں ہی رہی آج بھی چشم اختر

---

(۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہ　　(۲) صلی اللہ علیہ وسلم

آنکھیں ہوجائیں گی اے ماہِ جہاندیدہ سپید — چشم بد دور ہوا تو بھی بہت شوخ نظر
گرچہ دستِ ہوسِ دہر سے دامن ہے بری — مگر آوارۂ ہر جا ہے عروسِ خاور
چلمنیں چھوڑ دو، پلکوں کی چکیں ڈالدو جلد — کہدو مردم کو کہ دامان نگہ لیں منھ پر
تپلی اندھانہ بتا سب ہیں فلک سے شفاف — سات پردے ہیں نمائش کے زحل ساں تجھ پر
روشیں آئینہ، چرخ آئینہ، پرتو کا ہجوم — سرِ اشجارِ شجر ہیں تہِ اشجارِ شجر
غمِ صیاد سے فارغ ہیں عنادل کہ یہاں — سب زمیں آئینہ ہے دام چھپے گا کیوں کر
عکسِ باہم سے عجب لطف صفا نے بخشا — سبز ہیں لالہ وگل سبزۂ و اوراق احمر
یہ بنا تختِ زمرّد وہ بنا افسرِ لعل — واہ کیا سبزۂ وگل نے ہیں دکھائے جوہر
تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار — مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت — کہ ہوئے جاتے ہیں جامے سے بروں سینہ و بر
شوخ دیدہ کو رکھیں اہلِ چمن آنکھوں میں — نرگس ازبس ہے پریشاں نظری کی خوگر
داغِ حرماں کا کوئی چاند سا ٹکڑا شاکی — مصلحت تھی کہ توجہ نہ ہوئی ان کی ادھر
رنگِ عشرت سے کسی گل پہ نکھرتا جوبن — خارِ حسرت سے کسی پھول کا پہلو مضطر
یاد وہ مجمعِ رنگینِ عروسانِ حجاز — اور پیماں کی نہ چھپائیں گی حالِ شوہر
مادرزرع کی شادابیِ کشتِ امید — برقِ خرمن وہ طلاق اور نکاحِ دیگر
روح معشوقۂ بے غش تھی پر اب دخل نہیں — بار پائے مزے آغوشِ بدن میں لے کر

تشبیب میں جنت کی آرائش وزیبائش کا بیان اوراس کی بہاروں کا تذکرہ کرتے ہوئے چوں کہ بطور تحمیض ۔(اصل موضوع سے جدا موقع ومحل کی مناسبت سے کوئی لطیف بات بیان کرنا تحمیض کہلاتا ہے) عروسان حجاز کے اس رنگین مجمع کا ذکر آگیا تھا، جس میں ام المومنین کے بقول عروسان حجاز نے کچھ بھی نہ چھپانے کا عہد وپیان کر کے اپنے اپنے شوہروں کے احوال بیان کیے تھے، اوران میں سے ام زرع نے کہا تھا کہ اس کے شوہر نے اسے ہرطرح کا پیار دیا اوراپنی بے کراں چاہتوں سے نوازا، اس طرح شوہر کا پیار پا کر جب اس کی کشت امید سرسبز وشاداب ہوگئی تو اچانک ابو ذرع نے طلاق کی بجلی گرا کر اسے خاکستر کردیا اوردوسری شادی کر لی (مسلم ج ۲ بار الفضائل) اس لیے اس سے رجوع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

رجوع
خامہ کس قصد سے اٹھا تھا کہاں جاپہونچا — راہِ نزدیک سے ہوجانبِ تشبیب سفر

تشبیب
تھیں جو بے پردہ عنادل میں عروسانِ چمن — شرم سے لیتی ہیں دامانِ صبا اب منھ پر
خوف ہے کشتی ابرو نہ بنے طوفانی — کہ چلا آتا ہے حسن اہلہ کی صورت بڑھ کر
خاک اڑائی ہوئی آوارۂ ہر دشت و چمن — اب حضوری کی ہوا سر میں ہے اے بادِ سحر
خدمتِ گشت معاف! آج رہے گوشہ نشیں — حکمِ سرکار ہے او بندۂ داغیِ قمر

یہاں سے گریز کیا گیا ہے:

حور رویت کے لیے شوق سے آنکھیں دھولیں　　اسی سرکار کی مملوک ہے حوضِ کوثر

پھر گریز کے بعد مقصود کی ابتدا کی گئی ہے:

ہیں کہاں مالنیں سرکار کی عفت حرمت　　کہدو مجرے کو بڑھیں پھولوں کا گہنا لیکر
چمنِ قدس کے بیلے کا جبیں پر جھپکا　　نَحنُ اَقرَبُ کی چنبیلی سے گلے کا زیور
باغِ تطہیر کی کلیوں سے بنائیں کنگن　　آئینہ نور کا ماتھے پہ منور جھومر
تنِ اقدس پہ لباس آیۂ تطہیر کا ہو　　سورۂ نور ہو سر پر گہر اساں معجز
یَا حُمَیْرا ! کا تن پاک پہ گلگوں جوڑا　　کَلِّمِینِی کے درآویزۂ گوشِ اطہر
بانو! تیرا سرا پردۂ عفت وہ رفیع　　جس میں بے اذن نہ ہو روحِ قدس کو بھی گزر
کوئی خاتون تری طرح کہاں سے لائے　　باپ صدیق[1] سا اور ختم[2] رسل سا شوہر
بس کہ جز حضرتِ شہ دل میں نہیں اور کی جا　　شاہزادوں سے بھی خالی ہے کنارِ اطہر
جبرئیل اور تجھے تسلیم، بایں قدرِ جلیل　　وزراء مجرئی بانوئے سلطاں ہیں مگر
تیرے جلوے سے رہی مسندِ افتا روشن　　عہدِ صدیق سے تا دورِ جناب حیدر[3]
تیری تدقیق پہ غش حیدرو نجلِ ہاشم　　تیری تحقیق کے قائل عمر وابنِ عمر[4]

مقصود کے بعد حضرت ممدوحہ سے بغض وعناد رکھنے والوں کو خدا کے عتاب وعذاب سے ڈراتے ہوئے اپنے لیے سعادت طلب کی گئی ہے اور قصیدے کا اختتام کر دیا گیا ہے:

غم رسانی ہے جب ان ماؤں کی خارِ رہِ خلد　　وائے اس پر کہ غمیں جس سے ہے تجھ سی مادر
عاق و نا خلف کو رِ نمک نا حق کوش　　تجھ سے جو دل میں رکھے سوئے عقیدت تل بھر
سورۂ نور نے منھ کالے کیے اعدا کے　　لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی کُلِّ شَقِیِّ اَکفَر
تیل بھی خوب ہی نکلے گا تپ محشر میں　　آج جس دل میں ترا سوئے ادب ہے تل بھر
گوسیہ کار ہے لیکن کلمہ سے ہے امید　　تیرے بیٹوں میں گنا جائے یہ ننگِ مادر

مگر حیرت ہوتی ہے ان حضرات کے فہم وفکر پر جو ایک طرف تو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اور دوسری طرف تشبیب میں شامل:

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار　　مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت　　کہ ہوئے جاتے ہیں جامے سے بروں سینہ و بر

درج بالا اشعار کو براہ راست ام المومنین سے متعلق قرار دیتے ہوئے امام احمد رضا کو موردِ الزام گردانتے ہیں۔ جب کہ ان اشعار میں جنت کی بہاروں اور اس کے غنچہ و گل کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔

جن حضرات نے غنچہ و گل کا داخلی مطالعہ کیا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ شروع میں نیچے سے ایک لمبا ڈنھل ہوتا ہے، جس کے اوپر درمیانی حصہ میں ایک طشت سا بنا ہوتا ہے، جس کو ''مسندِ گل'' کہتے ہیں، مسندِ گل سے اوپر کلی ہوتی ہے، جس کا ابتدائی حصہ کچھ باریک ہوتا ہے جسے ''کاسۂ گل'' کہتے ہیں، درمیانی

---

(۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہ　( ) صلی اللہ علیہ وسلم　(۳)، (۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حصہ نسبتاً پھولا ہوا سا ہوتا ہے، اور پھر اوپر سر کا حصہ باریک ہو جاتا ہے، مسندِ گل میں سبز پتیاں لگی ہوتی ہیں جن کو ''قبائے'' گل کہتے ہیں، جب تک کلی نہیں کھلتی ہے پتیاں لباس کی طرح چمٹ کر اسے چھپائے رکھتی ہیں۔ پھر جب کلی کھلنے لگتی ہے تو اوپری حصہ (سر) سے نصف حصہ یعنی کاسہ گل تک وہ پتیاں مسک جاتی ہیں۔

غنچہ وگل کے اس داخلی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بالا اشعار سے پہلے۔

عکس باہم سے عجب لطف صفا نے بخشا سبز ہیں لالۂ گل، سبزۂ و اوراق احمر

اس شعر میں ''مسندِ گل'' کی پتیوں اور کلی کی پنکھڑیوں کی صفائی، نزاکت اور رنگت کو بیان کیا گیا ہے کہ ''مسندِ گل'' کی پتیاں اور کلی کی پنکھڑیاں اس قدر صاف شفاف ہیں کہ پتیوں کی رنگت کا عکس پنکھڑیوں پر پڑ رہا ہے تو وہ سرخ ہوتے ہوئے بھی کچھ سبزی مائل نظر آ رہی ہیں، اور پنکھڑیوں کا عکس پتیوں پر پڑ رہا ہے تو وہ سبز ہوتے ہوئے بھی کچھ سرخی مائل نظر آ رہی ہیں۔

یہ بنا تختِ زمرد، وہ بنا افسرِ لعل واہ کیا سبزۂ وگل نے ہیں دکھائے جوہر

اس شعر میں ''مسندِ گل'' کو تختِ زمرد اور پھول کو افسرِ لعل کہہ کر یہ بتایا گیا ہے کہ ''مسندِ گل'' اور گل نے اپنے اپنے جوہروں کا اس طرح مظاہرہ کیا ہے کہ مسندِ گل تختِ زمرّد اور گل افسرِ لعل بنا ہوا ہے۔

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار مَسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

اس شعر میں کلی کے کھلنے کی منظرکشی کی گئی ہے، جس میں کلی کی ان پتیوں کو جو کلی سے چپکی رہتی ہیں ''تنگ و چست لباس'' اور کلی کی نمو کو ''جوبن کا ابھار'' کہا گیا ہے، پھر وہ پتیاں جو کلی کو سر سے مسندِ گل تک چھپائے رکھتی ہیں جن کو قبائے گل کہتے ہیں، ان پتیوں کے سر سے کاسۂ گل تک چاک ہو جانے کی تعبیر ''سر سے کمر تک مسک جانے'' سے کی گئی ہے۔

یہ پھٹا پڑتا ہے، جوبن مرے دل کی صورت کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ وبر

اس شعر میں کلی کھِل کر پھول بن جانے کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جس میں کلی کی وہ ہیئت جو کمالِ نمو میں ہوتی ہے اس کو ''جوبن کے پھٹا پڑنے'' سے تعبیر کر کے دل سے تشبیہ دی گئی ہے اور ''مسندِ گل'' کی پتیوں کے چاک ہو جانے کے بعد کلی کے درمیان کا وہ حصہ جو ابھرا ہوا ہوتا ہے اس کے کھُل جانے کا جامہ سے ''سینہ وبر کے باہر ہو جانے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الغرض یہ تشبیب کے اشعار ہیں جن میں جنت کی بہاروں کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کے غنچہ کے کھلنے کی ہیئت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے ان اشعار کو حضرت ام المؤمنین کی پاک ذات پر چسپاں کرنے کی جرأت وہی شخص کر سکے گا جن کو سخن فہمی کی ہوا چھو کر بھی نہ گئی ہو، یا پھر وہ درحقیقت مدینہ کے منافقوں کا پیروکار ہوگا جو نامِ امام کے پردے میں ام المؤمنین کی شان میں گستاخی کرنا چاہ رہا ہو۔ کہ یہ بھی دل کا بخار نکالنے کا ایک طریقہ ہے۔ ورنہ کوئی مسلمان تو مسلمان، صنف قصیدہ کے اجزائے ترکیبی سے آشنا اور غنچہ وگل کی داخلی ہیئت و کیفیت سے واقف کار غیر مسلم بھی حضرت سیدہ طاہرہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتِ مقدسہ، نہیں نہیں، صنفِ نازک کے کسی بھی فرد کو، کسی بھی طرح، ان اشعار کا مصداق قرار نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ یہ اشعار گریز سے پہلے تشبیب کے ہیں جن کا مصداق ممدوح نہیں ہوتا ہے۔ نیز انسانی قبا قدیم زمانے کے اس ڈھیلے ڈھالے لباس کو کہتے ہیں جو آج کے جبہ یا اُوَرکوٹ کی طرز پر گلے سے ہوتی تھی، سر سے نہیں۔ جب کہ ان اشعار میں اسے تنگ و چست کہا گیا ہے اور سر سے مسکنا بتایا گیا ہے۔ جب انسانی قبا سر سے ہوتی ہی نہیں تو پھر اس کے سر سے مسکنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟

اعلیٰ حضرت کے دو عربی قصیدے

''قصیدتان رائعتان'' پرایک طائرانہ نظر

تحریر: صاحبزادہ ابوالحسن واحد رضوی ایم اے

''قصیدتان رائعتان'' فاضل بریلوی امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ کے دو عربی قصیدوں کا مجموعہ ہے جسے ہندوستان کے فاضل علامہ محمد احمد المصباحی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ ''المجمع الإسلامی مبارکفور'' (مبارک پور) کے زیر اہتمام ۱۹۸۸ء میں شائع کیا ہے۔ یہ دونوں قصیدے تاریخی نام سے موسوم ہیں۔ دونوں کے کل اشعار کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) ہے۔ یہ دونوں قصیدے حضرت امام شیخ فضل رسول عثمانی قادری حنفی بدایونی کی مدح میں کہے گئے ہیں۔ پہلا قصیدہ نونیہ ہے جس کا تاریخی نام ہے ''مدائح فضل الرسول'' اور دوسرا قصیدہ دالیہ ہے جس کا تاریخی نام ''حمائد فضل الرسول'' ہے۔ خود امام احمد رضا نے ان قصائد کا یوں تعارف کراوایا ہے:

''قصیدتان مشتملتان علی ۳۱۳ شعراً بعدد أصحاب البدر رضی اللہ تعالیٰ عنهم أجمعین فی مدح تاج الفحول الیسف المسلول علی أعداء الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ فهو مولنا المولوی فضل الرسول العثمانی القادری الحنفی البدایونی رحمة اللہ تعالیٰ علیہ ....الفقیر إلی ربه المقر بذنبه أحمد رضا القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ له ذنبه......'' [قصیدتان رائعتان، ص: ۱۲]

فاضل بریلوی کے یہ دونوں قصیدے عربی ادب کا شہکار ہیں۔ ان قصائد میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو کسی بھی جاندار قصیدے کی ہوسکتی ہیں۔ ذیل میں ان قصیدوں کا مختصر تعارف زینت قرطاس کیا جاتا ہے۔

پہلا قصیدہ نونیہ ہے بعنوان: ''مدائح فضل رسول'' [۱۳۰۰ھ]۔ امام احمد رضا نے اس قصیدے میں عرب شعراء کی طرح تشبیب سے آغاز کیا ہے اور قصیدہ کے آخر تک تمام لوازمات کو انتہائی خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ الفاظ و تراکیب کا طمطراق اور زور کلام، فاضل بریلوی کے وسعت مطالعہ اور عربی زبان کے انتہائی فاضل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قصیدہ کسی شہکار سے کم نہیں۔ تشبیب کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں!

رن الحمام علی شُجون البانِ
یا ما أُمیلحَ ذکر بِیض البانِ
تبکی دماً وتقول فی أسجاعها
اللہ یُضحک سنّ من أبکانی
بکت العزیز فهیّجت منّی البکاء
إنّ الحزین لسائل الأجفان
ولقد دری من ذاق ذوق صبابةٍ
أنّ اللُحون مُثیرة الأکنان
هل یا هلال العید عندک خبرة
بشُمیسة فی بدرها قمران

تشبیب کے بعد جب گریز کرتے ہوئے مدح کی طرف آتے ہیں تو الفاظ و تراکیب کا ایک دریا بہتا چلا جاتا ہے۔ مدح کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے!

جبلا رفیعا فائقا شمّا علی
بطلا شجیعا سیّد الشجعان
برجا مَنیعا مانعا لا یُرتقی
حصنا حصینا صین بالإرصان
بحرا محیطا زاخرا متدفقا
برقا بریقا باسم الأسنان

جَودا مجدا مُجدیا جُودا جوا
دا ما جدا مجدا مجید الشّان
نورا منیرا نیّرا نارا علی
عَلیا منائر نیرها نورانی

غرض آخر تک مکمل قصیدہ پڑھ ڈالیئے فصاحت و بلاغت کا ایک ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحرِ عمیق ہے، جس کی ہر موج معارف و معانی کے دُرّ درخشاں کا پتہ دے رہی ہے۔ کہیں کہیں صنعت اشتقاق نے وہ جلوے دکھائے ہیں کہ ہر جا ''جا اینجا است'' کا مصداق دکھائی دیتی ہے۔ دل کش اسلوب بیان اور منفرد طرز تعبیر شاعر کو عرب کے نامور شعراء کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔

دوسرا قصیدہ دالیہ ہے جو چھوٹی بحر پر مشتمل ہے۔ چھوٹی بحر کے باوجود یہ قصیدہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ پورا قصیدہ فصاحت و بلاغت کا خوبصورت نمونہ ہے۔ اس قصیدے کا آغاز تشبیب کی بجائے حمد و نعت سے ہوتا ہے اور حمد و نعت بھی ایک اچھوتے انداز میں کہی گئی ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں!

الحمد للمتوحد
بجلاله المتفرد
وصلاة مولانا علی
خیر الأنام محمد
والآل أمطار الندی
والصحب سحب عدوائد
لا هم قد هجم العدی
من کل شا و أبعد
فی خیلهم ورجالهم
مع کل عاد معتد
هاوین زلة مثبت
باغین ذلة مهتد
لکن عبدک آمن
إذ من دعاک یؤید
لا أختشی من بأسهم
ید ناصری أقوی یدی
یا رب یا ربا یا
کنز الفقیر الفاقد

بک ألتجی بک أدفع
فی نحر کل مهدد
فإلی العظیم توسلی
بکتابه وبأحمد
وبمن أتی بکلامه
وبمن هدی وبمن هدی

چھوٹی بحر کے ان اشعار میں سلاست و روانی دیدنی ہے اور علم و فن کی بوقلمونیاں مستزاد۔ فن شعر میں مہارت اور قادر الکلامی کی انتہاء دیکھنے کو ملتی ہے۔ کہنے کو تو یہ دو قصیدے ہیں اور شاعر نے اپنے ایک ممدوح کی مدح میں کہے ہیں لیکن حقیقت میں سمندر کو کوزے میں سمویا گیا ہے۔ ادبیت پورے طور پر اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ قصیدہ نونیہ کی تشبیب کو کسی بھی عربی قصیدے کی تشبیب کے بالمقابل رکھیں اور پھر جائزہ لیں کہ امام احمد رضا، تشبیب کہنے میں کہاں تک کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ جدت و ندرت کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ کیسے تشبیب در تشبیب کا منظر بنتا نظر آ رہا ہے۔

دوسروں لفظوں میں ادب جاہلی کے تمام جمالیاتی عناصر بھرپور طریقے سے نمایاں ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب امام موصوف تشبیب سے گریز کرتے ہوئے مدح کی طرف آتے ہیں تو فاضل بریلوی کا مدح میں معیار کیا ہے؟ یہ بات بھی خوب اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے۔ وہ ممدوح کی مدح میں افراط و تفریط کے قائل نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے عامل نظر آتے ہیں۔ یوں معنوی طور بھی قصیدہ اپنی معراج پاتا نظر آتا ہے۔

یہ دونوں قصیدے فاضل بریلوی کی عربی ادب میں مہارت، وسعت نظر اور گہرے ذوق وشوق کا پتہ دیتے ہیں۔ آپ کا باقی عربی کلام بھی اسی معیار اور اسی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ ہم مستقبل میں تفصیلی طور پر فاضل بریلوی کے عربی کلام کا تعارفی جائزہ پیش کریں گے، ان شاء اللہ۔ اس موقع پر ہماری اہل قلم سے گزارش ہے کہ وہ امام موصوف کے اردو کلام کی طرح عربی اور فارسی کلام پر بھی تفصیل سے قلم اٹھائیں۔ ان دونوں زبانوں میں فاضل بریلوی کا کلام اس قابل ہے کہ اس کا ترجمہ اور شروحات سپرد قلم کی جائیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے اسلوب کا تنقیدی جائزہ

از: ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی

اسلوب کا ادب کے ساتھ بہت گہرا تعلق اور رشتہ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ آج بھی اسلوب سے ادبی زبان مراد لیتے ہیں اور اسلوب کو اچھی مؤثر اور خوبصورت تحریر کی خصوصیت سمجھتے ہیں۔ لیکن یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ ادب کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں "ادب ایک فن ہے۔" اور کسی بھی فنی تخلیق کا جائزہ لیتے وقت ہمارے سامنے دو سوال آتے ہیں 'کیا' اور 'کیسے'۔ یہاں کیا سے مراد اس فنی تخلیق کا موضوع ہوتا ہے اور کیسے کا مطلب اسلوب ادا۔ فنون لطیفہ میں خواہ مصوری ہو یا بت تراشی، موسیقی ہو یا ادب، ان سبھی میں اسلوب ادا کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ جب ہم کسی تصویر یا مجسمے، کسی نغمے یا ادب پارے کی تعریف کرتے ہیں تو وہ دراصل موضوع کی نہیں بلکہ اسلوب ادا کی ہی تعریف ہوتی ہے جو فن کار نے اپنی تخلیق میں اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر جب خطوط غالب کی تعریف کی جاتی ہے تو اس سے خطوط کے مضامین کی تعریف مراد نہیں ہوتی بلکہ مرزا غالب کے اسلوب نگارش کی توصیف بیان کرنا ہی ناقد کا مقصد ہوتا ہے۔ اس تخصیص سے یہ مقصد مراد ہوتا ہے کہ غالب نے ان خطوط میں جس زبان اور انداز تحریر کو اپنایا ہے وہ بہت ہی دل نشیں اور ادبی ہے پیش کش کے اسی انداز کو ادب کی اصطلاح میں اسلوب کہتے ہیں۔ اسلوب بذات خود مقصد نہیں بلکہ ذریعہ ہے کسی مقصد کے حصول کا اور وہ مقصد ہے ابلاغ خیال۔ اسلوب ادب سے مربوط بھی ہے اور شخصیت کا مظہر بھی۔ ابلاغ خیال کا وسیلہ بھی ہے اور ادب کا اہم تقاضہ بھی۔

اسلوب کی خصوصیات:

بنیادی اعتبار سے سلاست Clarity بلاغت Brevity متانت Urbanity اور سادگی Simplicity اچھے اسلوب کی اہم خصوصیات ہیں۔ اس کے ساتھ ہی لوکس نے اسلوب میں لب ولہجہ کی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے۔ اس کے مطابق شخصیت یا انانیت کا اظہار دراصل لب ولہجہ میں ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ لکھنے والے کی انانیت جتنی بیدار ہوگی اس کے لب ولہجہ میں اتنی ہی تمکنت پیدا ہوجائے گی۔ جیسا کہ ہم اردو کی اہم شخصیات کے اسالیب بیان کو گہری نظر سے دیکھنے پر اندازہ لگاتے ہیں کہ ابوالکلام آزاد اپنی تحریروں میں ہمیشہ ہی کسی اونچی مسند یا سٹیج سے بولتے ہوئے محسوس ہونگے۔ غالب کی تحریروں میں دوستوں کی بے تکلف مجلس نظر آئیگی۔ تو سرسید اپنی نگارشات میں اپنے نظریات کو استدلال کے ذریعہ قاری کے ذہن تک پہنچارہے ہونگے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے بقول:

"کسی تخلیق کار کی انفرادیت کو پہچاننے، پرکھنے یا اس سوال کو طے کرنے میں کہ اس میں انفرادیت ہے بھی کہ نہیں ہمیں اس کے اسلوب کی خصوصیات کو دیکھنا ہوتا ہے"[۱]

یہاں اسلوب کی ان خصوصیات کے حوالے سے اب ہم درج ذیل عنوانات کے تحت مولانا احمد رضا خاں کے اسلوب تحقیق کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ مولانا کے اسلوب پر ایک نظر۔
۲۔ مولانا کے اسلوب پر اہل قلم کی رائے۔
۳۔ مولانا کے اسلوب کے نمونے۔

۴۔ مولانا احمد رضا خاں اور جدید اسلوبیاتی تغیرات

مولانا کے اسلوب پر ایک نظر:

اسلوب پر تخلیق کار کی شخصیت کا بھی زبردست دخل رہتا ہے۔ اور اس کے ماحول، مزاج اور حلقہ رفقا کا بھی اثر اسلوب پر نظر آتا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت ہمہ جہت اور آفاقی حیثیت رکھتی ہے ان کی یہاں فکر وخیال کی بلندی اور تحقیق وتلاش کی بے پناہ قوت پائی جاتی ہے، کیونکہ انہیں صداقت وواقعیت اور سچ سے پیار تھا۔ وہ حقائق کے تلاش میں ہر پر خار وادی اور تپتی ہوئی زمین سے گزر جاتے تھے اور نتیجہ خیز مادوں کا اکتساب کر کے ہی دم لیتے تھے۔ انہوں نے اپنی تصانیف وتخلیقات میں آسان وسہل انداز تحقیق اپنایا ہے۔ زبان تو قدرے دقیق وپیچیدہ ہے مگر ان کے طریقہ استدلال نے اس کو پرلطف بنادیا ہے۔ ان کی تحریروں میں قدیم وجدید علوم وفنون کے موضوعات پائے جاتے ہیں، اس لئے ان کا اسلوب تحریر بھی ہمہ جہت پہلو لئے ہوئے ہے۔ آپ کی تصانیف پر گہرائی کے ساتھ نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے سائل نے جس زبان واسلوب میں سوال کی آپ نے بھی اسی رنگ میں جواب دیا۔ ان کے علمی وتحقیقی کام کو دیکھنے پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی علمی وادبی خدمات کا دائرہ بہت ہی اہم اور وسیع ہے۔ آپ مختلف اصناف ادب کے صاحب طرز اور صاحب اسلوب محقق تھے۔ آپ کے یہاں زبان کی صحت کے ساتھ سلاست، سادگی، پاکیزگی اور صفائی واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ تحریر میں زبان وبیان کی گلکاریاں اور معنی ومفاہیم کے گلستاں مہکتے نظر آتے ہیں۔ زبان نہایت سادہ، شستہ اور بامحاورہ ہے۔ ان کے یہاں روزمرہ کا برمحل اور مناسب استعمال ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود آپ کی تخلیقات علم وعرفان کی عظیم دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ان کی تحریر کو دیکھنے پر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ الفاظ ومعانی کے بادشاہ تھے۔ انہیں زبان وبیان پر زبردست ملکہ حاصل تھا۔ فارسی وعربی میں مہارت تامہ کے ساتھ ہی وہ مقامی زبانوں کا بھی ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ ان کی اردو لکھنؤ کی بامحاورہ ٹکسالی زبان ہے۔ تحریر کی سنجیدگی، لب ولہجہ کی بلند آہنگی، طنطنہ اور زور اس میدان کی مہارت عظمی کی واضح دلیل ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کی نثر میں وہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں جو کسی زبان کو شہکار کے درجہ تک پہنچا سکتی ہے۔ وہ فنی خوبیوں سے بخوبی آگاہ اور بات کرنے کا سلیقہ جانتے تھے۔ بکھری ہوئی باتوں کو موتی کی مانند پروکر الفاظ کو موزوں ومناسب جگہ پر سجاتے تھے۔ ان کی تحریروں و تقریروں میں ان کا دل نشیں انداز اور فکر انگیز خطابات میں جلال وجمال کو دیکھئے جو سادہ بھی ہے اور پرکار بھی۔ ان کے اندر مقصد وموضوع اور غرض وغایت کی گہرائی بھی ہے اور تنوع بھی، مثالیت کا جمال، دردو گداز کی کسک، طنز کی جھلکیاں اور اشاریت وایمائیت سے ان کے یہاں بھی "ادب برائے زندگی" کا رنگ نظر آتا ہے۔ چونکہ فاضل بریلوی کا تعلق اس عہد سے ہے جب تحریر میں عربی کے بکثرت الفاظ اور فارسی کی پرشکوہ ترکیبیں استعمال ہوتی تھیں، اس لئے ان کے یہاں بھی ہندی کے الفاظ کے ساتھ ہی یہ چیزیں بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن آپ کے اندازہ بیان کے حسن اور مضمون کی دل نشینی کی وجہ سے انکی تحریروں میں روانی بھی ہے اور شوکت بھی۔ اس لئے ان کے مضامین میں پرشکوہ ترکیبوں کے ساتھ تسلسل وروانی کی موجیں ٹھاٹیں مار رہی ہیں اور شوکت وعظمت کا پھریرا لہرا رہا ہے۔

مولانا کی تحریروں میں صنائع بدائع کا استعمال بھی بکثرت نظر آتا ہے۔ آپ کے شعری کلام میں تو اس کی بہت عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً صنعت عَرَلُ الشَّفَتَین، صنعت تجنیس، صنعت اقتباس، صنعت تضاد، صنعت تنسیق الصفات کے علاوہ متعدد صفات وصنعتوں کا استعمال ہوا ہے۔ علم بیان بدائع وصنائع کی خوبیاں ان کے کلام میں جابجا دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، ایجاز، تلمیح، مجاز مرسل لف ونشر، حسن تعلیل، مراعاۃ النظیر کے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ادیب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنے عہد کا ترجمان ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے نیز جو کچھ اس پر گزرتی ہے اسی کو وہ اپنی زبان اپنے انداز اور اپنے لب ولہجہ میں بیان کرتا ہے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ اسلوب کے اندر انفرادیت ہوتی ہے۔ یہی انفرادیت مولانا کی تحریر میں بھی نظر آتی ہے۔ آپ کی تصانیف آپ کے عہد کی سچی ترجمان ہیں۔ ان کے اندر آپ کا اسلوب بیان اور طریقہ استدلال صاف نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ کی تحریروں میں آپ کی شخصیت مکمل طور پر نظر آتی ہے۔ یہ بھی سلوب کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر اسلوب کے بیان میں کردیا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے زمانے میں شاعری کا بڑا غلغلہ تھا۔ زبان و بیان کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ خصوصاً داغ دہلوی کی شاعری اور ان کی زبان و بیان کی صفائی وستھرائی نیز شوخئ کلام قبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی۔ اور تمام شعرا داغؔ، میرؔ اور اسیرؔ لکھنوی جیسے اساتذہ فن کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے لیکن ایسے وقت میں بھی مولانا نے کسی کا رنگ قبول نہ کرتے ہوئے خود اپنا ایک اسلوب وضع کیا اور زبان و بیان کی اعلیٰ خوبیوں کی بنا پر وہ اپنے تمام معاصرین پر غالب رہے۔ ان کی زبان کی شستگی، شگفتگی اور سلاست وروانی نے آپ کو اپنے معاصرین پر فوقیت دیدی ہے۔ یہ آپ کا اسلوب نگارش ہی تو ہے جس کی بنا پر آپ کی تحریریں حیات جاودانی حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کا خلوص، جذبہ صادق، والہانہ عشق، عقیدت، تبحر علمی، روحانی بلندی، زبان دانی، اور فصاحت وبلاغت اور تخیل وتفکر نیز انداز بیان یہ سب ہی ان کے اسلوب کے عناصر ترکیبی ہین جن کی وجہ سے ان کے اسلوب کے اندر قوس قزح کے حسین رنگ سمٹ گئے ہیں۔ حضرت امام احمد رضا کی زبان و بیان کی شستگی مرئی اور غیر مرئی دونوں ہی تھیں۔ مرئی اس لئے کہ فنی تحقیقی ذوق نے آپ کو فن کے افکار سے آشنا کیا تھا۔ کیونکہ ان کا زمانہ ترقی وارتقا کے اعتبار سے وہ زمانہ ہے جب بڑے بڑے فن کار اپنی عظمت کا لوہا منوا رہے تھے۔ شاعری میں داغ دہلوی کی فصیح البیانی اور سحر طرازی کا طوطی بول رہا تھا تو نثر میں سرسید اور ان کے افقاء نے دھوم مچا رکھی تھی۔ لیکن زبان کی سلاست بیان کی نیرنگی کے ساتھ ہی مضامین کی عظمت نے بھی مولانا کی نگارشات کو دیگر اہل قلم کی تحریروں پر فوقیت دی ہے۔

آپ کی زبان کی سادگی کو غیر مرئی اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تخلیقات میں مضامین کی آورد نہیں بلکہ آمد ہی آمد ہے۔ بیان میں تصنع کی بجائے خلوص کی کارفرمائی ہے۔ فکر کے سوتے ذہن سے نہیں بلکہ قلب کی گہرائیوں سے پھوٹے ہیں۔ اپنی شعری تخلیقات میں بھی انہوں نے عروس فن کے لب ورخسار کو خالص اردو الفاظ اور حسین بندشوں کے سامانِ آرائش سے سجایا ہے۔ اور اس طرح اپنی کاوشوں میں ایک ماہر فن کی چابک دستی کا پورا پورا ثبوت فراہم کردیا ہے۔ بالالفاظ دیگر آپ کے یہاں فن کے وہ تمام محاسن موجود ہیں جو ایک بہترین صاحب اسلوب میں ہونے لازمی ہیں۔

مولانا کی تخلیقات علم وعرفان اور زبان و بیان کی ایک دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ اور ان کا یہ سارا وصف، یہ تمام خوبیاں کسی استاد کی رہنمائی کی بدولت نہیں بلکہ مبداء فیاض نے خود اپنی جانب سے آپ کو تبحر علمی کی شکل میں مرحمت فرمائی تھی۔ تبحر علمی نے آپ کے اسلوب نگارش کو اتنا پختہ بنادیا تھا کہ مضامین کی بلندی کے ساتھ ہی عبارت کی انشا پردازی میں بھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملا۔ ان کی قادر الکلامی اور زبان و بیان کی قدرت کا عالم یہ تھا کہ جب وہ کسی مفہوم کو تحریر کا جامہ پہنانے کا ارادہ کرتے تو الفاظ معنی کے تناسب سے خود تحریر کا زریں لباس پہن کر اتر آتے۔ اس لئے آپ کے اسلوب کے اندر جامعیت کے ساتھ ہی انفرادیت بھی ہے جو بڑے اہم وخاص صاحبان قلم کو یہ نصیب ہوتا ہے۔

مولانا کے اسلوب پر اہل قلم کی رائے:

مولانا احمد رضا کی قادر الکلامی اور انشاپردازی کا تقریباً ہر وہ

صاحب قلم ہی معترف ہے جس نے آپ کی تخلیقات، تصنیفات، تحقیقات اور دیگر مضامین کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی، سجادہ نشیں آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ رائے پور (کرناٹک) چیف ایڈیٹر، ماہنامہ ''سنی آواز'' ناگپور نے آپ کے اسلوب پر لکھا ہے۔

''اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کی ہزاروں صفحات پر مشتمل نثریات جن میں بکثرت فنون اور ہر فن کے سیکڑوں انواع اور ہر نوع کے لئے ہزاروں الفاظ کا برمحل، برجستہ روانی کے ساتھ استعمال، متعدد فنون اور اصطلاحات کثیرہ کا ہر موقع پر اس کی مناسبت سے صحت کے ساتھ ذکر کرنا جہاں آپ کے اسلوب کی عظیم الشان خوبی ہے وہیں ان فنون کے دیگر ماہرین وتبحرین کو حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔'' ۲

امام احمد رضا نثر میں تو قلم کے امام تھے ہی آپ نے شاعری کو بھی اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ مگر شاعری کی کسی کمتر صنف کو نہیں بلکہ اس کی اعلیٰ ترین صنف یعنی نعت نگاری کو اپنایا۔ انہوں نے جو بھی اشعار کہے ان میں فصاحت وبلاغت، شگفتگی وبرجستگی، رمز وایمائیت، مجاز مرسل، تشبیہات، استعارات وکنایات اور شعری وفنی کمالات کا کھل کر مظاہرہ کیا ہے۔ آپ نے شاعری ونثر دونوں میں ہی محاورات اور عمدہ زبان کا خوب استعمال کیا۔ آپ کی اسی خوبی اور اسلوب نگارش کے اعلیٰ وصف کا اعتراف کرتے ہوئے ممتاز ماہر تعلیم استاذ الاساتذہ اور مشہور محقق وادیب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی فرماتے ہیں۔

''وہ کونسا علم ہے جو انہیں (حضرت مولانا احمد رضا خاں) کو نہیں آتا؟ وہ کونسا فن ہے جس سے وہ واقف نہ تھے؟۔ اسلامی علوم وفنون اور دیگر میدانوں میں اعلیٰ کمال کے ساتھ ہی شعر وادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اور میرا تو ہمیشہ سے ہی یہ خیال ہے کہ اگر ان کے یہاں استعمال کئے ہوئے محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال اور بیان وبدیع کے متعلق تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یکجا کر لئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہوسکتی ہے۔'' ۳

مولانا کے اسلوب نگارش کی انفرادیت اور مضامین کی عمدگی کی وجہ سے ہی تو آپ کو امام شعر وادب کہا گیا ہے۔ مولانا وارث جمال قادری صاحب اپنی تصنیف مسمّٰی بنام ''امام شعر وادب'' کے ص ۵۸ پر آپ کے اسلوب کی تعریف کے طور پر لکھتے ہیں۔

''مولانا کی تخلیقات میں تشبیہات، استعارات، اقتباسات، فصاحت، بلاغت، حلاوت، ملاحت، لطافت، نزاکت، حسن تعلیل، حسن تشبیب، حسن طلب، حسن تضاد، تنسیق الصفات علی الصدر، ندرت تخیل، جدت تمثیل، صنعت طباق وتضاد، صنعت اتصال تربیعی، صنعت مقابلہ، صنعت تجنیس، صنعت مماثل، صنعت مقلوبِ مستوی، تجاہل عارفانہ، مراعات النظیر وغیرہ کا سدا بہار چمن نظر آتا ہے۔ جو ان کے اسلوب نگارش کی عمدہ مثال ہے۔'' ۴

چونکہ تحقیق اور معاملہ کی حقیقت کو اس کی گہرائی تک سمجھنا بھی اسلوب ہی کا ایک وصف ہے اور محقق کے اندر اسلوب کی اس خوبی کا ہونا بھی اشد لازمی ہے۔ آپ کے اس وصف کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں۔

''جدالممتار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا اس انداز سے تحقیق فرماتے ہیں کہ بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ تاریک گوشوں کو منور کردیتے ہیں۔ کبھی ایک اصل کے تحت جزیات جمع کردیتے ہیں، کبھی اصول کی روشنی میں نئے جزیات کا استخراج کرتے ہیں جس سے وسعت فکر ونظر قوت استنباط کا پتہ چلتا ہے۔ لغزشوں اور خطاؤں پر بھی گرفت کرتے ہیں مگر ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ الجھی ہوئی گرہیں بڑی آسانی سے کھول دیتے ہیں۔'' ۵

یہی مصنف مولانا احمد رضا خاں کے اسلوب کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا کو مختلف علمی مباحث کو پھیلانے اور سمیٹنے کی بھی حیرت انگیز قدرت تھی۔ اور یہ بات جبھی پیدا ہوتی ہے جب صاحب قلم کو مختلف علوم وفنون پر پورا پورا قابو ہو۔ ایجاز واختصار، امام احمد رضا کے اسلوب کی وہ خصوصیت ہے جو ان کو معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔ امام احمد رضا کی تصانیف اور حواشی وشروح کا مطالعہ کرنے والا قدم قدم پر دریا کو کوزے میں بند پائے گا'' ۶

مولانا احمد رضا بریلوی کے اسلوب پر ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے اپنے ایک مقالے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا بریلوی کے اسلوب کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ سائل ومستفتی نے آپ سے جس زبان واسلوب میں سوال کیا آپ نے بھی اسی اسلوب وزبان میں جواب دیا ہے۔ چنانچہ ایک بار نواب سلطان احمد خاں صاحب بریلوی نے اردو نظم میں سوال کیا تو آپ نے اس کا نظم اور وہ بھی اسی بحر میں جواب دیا۔

مسئلہ:

عالمانِ شرع سے ہے اس طرح میرا سوال
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال
گر کسی نے ترجمہ سجدے کی آیت کا پڑھا
تب بھی سجدہ کرنا کیا اس شخص پہ واجب ہوا
اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے
پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبک دوشی کی اس کی شکل کیا ہوگی جناب
چاہئے ہے آپ کو دینا جواب بالصواب

الجواب:

ترجمہ بھی اصل سا ہے وجہ سجدہ بالیقیں
فرق یہ ہے فہم معنی شرط اس میں ہے نہیں
آیت سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے
نظم ومعنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہ تو صادق ہوسنا قرآن کو
ورنہ ایک موج ہوا تھی چھوگئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بہ یفتیٰ علیہ الاعتماد
شامی از فیض ونہر واللہ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ میں اس انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر نوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز ادا یا تو بہ وقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ ناجائز ہے یا بیکار ہے
آخر نیکی ہے نیکی ماحی اوزار ہے
قُلتُہٗ اَخذًا مِنَ التَّعلِیلِ فِی اَمرِ الصَّلاۃ
وَھُوَ بَحثٌ ظَاھِرٌ وَالعِلمُ حَقًّا لِلاِلٰہ ۷

مولانا کے اسلوب نگارش پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک اور معروف صاحب قلم مولانا یٰسین اختر مصباحی اس طرح رقم طراز ہیں۔

''فصاحت وبلاغت، دل کشی ورعنائی، جلال وجمال، لطافت ونزاکت، تشبیہات واستعارات، ندرتِ تخیل، جدتِ تمثیل، قوافی کا زور، تسلسلِ بیان، تنوعِ مضامین، والہانہ عقیدت واحترام۔ یہ تمام خوبیاں اپنے پورے کمال کے ساتھ مولانا کے اسلوب میں موجود ہیں۔'' ۸

فاضل بریلوی اعلیٰ پائے کے عالمِ دین اور مجدد کامل ہونے کے ساتھ ہی مایہ ناز صاحب قلم بھی تھے اور ان کے مضامین کے اندر وہ تمام

خوبیاں موجود تھیں جو ایک اچھے صاحب قلم کا اعلیٰ وصف ہوتی ہیں۔ مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی مرحوم آپ کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فاضل بریلوی قدس سرہ کے کلام میں نازک کلامی ہی نہیں بلکہ ایسے ایسے مضامین کو آپ نے قلم بند فرمایا ہے جس سے اردو معلّٰی کا دامن خالی تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے عمدہ اسلوب نگارش نے اردو زبان وادب پر زبردست احسان کیا ہے۔ ان کے یہاں سادگی، بے ساختگی، سلاست وروانی نمایاں خصوصیات ہیں۔ الفاظ کے برمحل استعمال پر آپ کو مکمل قدرت حاصل تھی۔ تشبیہات، استعارات، صنائع وضرب الامثال کا بے تکلف اور مناسب انداز میں استعمال ہے۔ آپ کی تحریریں تصنع اور فنی سقم سے پاک وصاف ہیں۔'' ۹

مذکورہ بالا شہادتوں سے آپ کی نثری خدمات کا ایک عظیم خاکہ ذہن پر ابھرتا ہے۔ اور اردو ادب کی پوری نثری تاریخ پر امام احمد رضا جیسا صاحب اسلوب اہل قلم جو ادب کے ساتھ ہی جملہ علوم وفنون کا ماہر بھی ہو نظر نہیں آتا۔

اس حقیقت کا اعتراف علامہ سید یاست علی قادری مرحوم بانی و صدر اول ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی پاکستان نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''مولانا احمد رضا خاں کی علمی ادبی خدمات کی طرف سے کسی طرح بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک کہنہ مشق ادیب اور بے باک قلم کار تھے۔ ان کی تحریروں میں بلا کی سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ ان کے یہاں متعدد ایسے شہ پارے بھی نظر آتے ہیں جنھیں دیکھ کر آنکھیں چمک جاتی ہیں، دل مسرور ہو جاتا ہے اور طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ ان کا حسین انداز بیان، زبان کی چستگی وٹھہراؤ، برمحل شیریں الفاظ کا دروبست، استعارات کی جودت، طرز ادا میں نفاست، جذبات میں خلوص، ادائیگی بیان میں مہارت، فکر میں گہرائی، اظہار میں بے ساختگی ورفعت، خیالات میں شادابی وطہارت، انہیں عناصر کے امتزاج سے وہ اپنی تحریروں کے چہروں کا غازہ تیار کرتے تھے۔ ان کے یہاں سرعت نگارش کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی نشست میں پورا رسالہ قلم بند کر لیتے۔ نفس موضوع اور بندش الفاظ پر ایسی قدرت کہ ایک دفع کے لکھے ہوئے کو قلم زد کرنے کی نوبت نہ آتی غرض کہ انہیں اسلوب پر زبردست عبور تھا۔ ۱۰

مولانا احمد رضا خاں چونکہ مایہ ناز عالم دین، مجدد کامل اور محقق عادل تھے۔ اس لئے ان کے اسلوب نگارش میں جہاں ایک طرف ادبی ندرت اور فنی بانکپن نظر آتا ہے وہیں تحقیق وتنقید کا اعلیٰ معیار بھی ملتا ہے۔ آپ کے اس وصف کا اعتراف اکثر اہل قلم نے کیا ہے چنانچہ صدرالافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''آپ کا اسلوب نگارش اور انداز بحث بالکل محققانہ ہے۔ منطقی مغالطات اور سفسطوں سے آپ کا کلام بالکل پاک ہوتا ہے۔ تدقیق اس قدر کہ علما کو مطالب تک پہنچنے کے لئے بسا اوقات عرق ریزی اور جانشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ احتمالات مخالف نے کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اول بند کردی جاتی ہیں، جس بحث میں بھی قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرتے اور سفیہانہ سب وشتم تو کسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہوسکتے اور اس کام کا انجام دینا ہر زبان دراز، عدیم العزت والحیاء کو آسان بھی ہے مگر علمی محارب میں ہرزہ سرائی کیا بار پانے کے قابل ہے؟ مگر نہ دیکھا گیا کہ محققانہ طور پر کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جسارت وجرأت ہوئی ہو۔'' ۱۱

اس تمام تفصیل کے باوجود بھی اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا کی زبان میں مشکل الفاظ کے استعمال کے باوجود بھی ان کے اسلوب کی نیرنگی و لطافت کم نہیں ہونے پاتی۔ بلکہ ان کے

اسلوب نگارش کی رنگینی نے اس کے اندر اور بھی چار چاند لگا دئے ہیں۔

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے اپنے ایک اور مضمون میں مولانا کی زبان میں مشکل الفاظ کو تسلیم کرنے کے باوجود اس بات کا بھی کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اس سے آپ کی زبان کے سلاست وروانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔

''روزمرہ، محاورہ اور لب ولہجہ کا یہ ستھرا پن ان کے اسلوب کا خاص جوہر ہے۔ اس کے باوصف سخت اور دشوار زمینوں میں حضرت رضا نے جو مضامین باندھے ہیں وہ ان کی قادر الکلامی پر دال ہیں۔ آپ کی طبیعت مشکل پسند تھی اور یہ مشکل بھی انہیں اتنی سہل تھی گویا کوئی تکلف ہی نہیں۔'' ۱۲

مولانا احمد رضا خاں کی تصانیف چونکہ محض ادب ہی نہیں بلکہ ان کی نوعیت علمی، فنی، تحقیقی ہے، اسی لئے آپ کا اسلوب نگارش محض الفاظ کی جادوگری ہی نہیں بلکہ مدلل اور محقق ہے۔ ڈاکٹر طیب علی رضا انصاری نے بھی اپنے تحقیقی مقالے میں اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''امام احمد رضا کی تصانیف کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو بے شمار ادبی، مذہبی اور سیاسی شہ پارے مل جائیں گے۔ یہ ادبی شہ پارے اردو ادب کے لئے اضافہ ہی نہیں بلکہ اس کا ایک انمول سرمایہ بھی ہے۔ بلاشبہ وہ اردو ادب کے مزاج شناس تھے۔ ہر موقع پر، ہر مقام پر انہوں وہی اسلوب اختیار کیا ہے جو اس کا اقتضا تھا۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے کامل غور فکر کے بعد۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اسلوب میں دلائل کی کثرت ہوتی ہے لیکن ان دلائل کی کثرت نے ان کے اسلوب کی شگفتگی کو مجروح نہ ہونے دیا۔ ان کی تحریروں میں جابجا ایسے الفاظ ومحاورے مل جاتے ہیں جن کو اگر فاضل بریلوی استعمال نہ کرتے تو وہ کبھی کے متروک ہو چکے ہوتے۔'' ۱۳

مولانا کے اسلوب کے نمونے:

فاضل بریلوی کی نثری خدمات بے شمار تصانیف وتالیفات پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں مذہبی مسائل، فتاوی اور ترجمہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہری بات ہے کہ ان موضوعات کی اپنی حدود ہیں اور اپنا ایک مخصوص معیار ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں تخیل کی کارفرمائی اور انشاء پردازی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ادبیت کا ایک حصہ تخلیقی جوہر سے بھی عبارت ہوتا ہے۔ جب کہ فقہ، حدیث، قرآنیات اور علم کلام میں خالص علمی زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ اہل نظر علمی اور ادبی زبان کے فرق سے آشنا ہیں۔ فتاوی کے علاوہ جو کتابیں اور مضامین آپ نے تحریر کئے ان کا ایک فکری نصب العین ہے۔ دراصل ان کی نظر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھی کہ حقایق کی زمین اس قدر سنگلاخ ہوتی ہے کہ باطل نظریات شیشے کی طرح ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اسلوب نگارش کو مزین کرنے کی کوئی شعوری کوشش بھی نہیں کی لیکن اس کے باوجود ان کے جملوں کی ترتیب میں ایک مخصوص آہنگ ملتا ہے جو عربی فارسی الفاظ وتراکیب سے مملو ہونے کے باوجود سماعت کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بلکہ کانوں میں رس گھولتا محسوس ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اقتباس آپ کی تحریر سے ملاحظہ کیجئے۔

''زیر نظر مسئلہ کے متعلق سرائے سخن کے کناروں سے دو چمکتے ہوئے ستارے لائے ہیں۔ ایک کالشمس وضحہا اور دوسرا کالقمر اذا تلہا، جو شخص صحت مند آنکھ اور قابل نور علم دل رکھتا ہے اس کی بصارت و بصیرت کو ان ستاروں کی کاشف ظلمات وتجلیات سے اچھی طرح کامیابیاں مبارک اور مہیا ہوں''۔ ۱۴

انہوں نے ہر جگہ فطری انداز بیان اختیار کیا تا کہ ان کے زبان میں ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی شان باقی رہے۔ لیکن اس احتیاط کے

باوجود ان کا اشہب قلم ادب لطیف کی بہاریں دکھاتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اور بیساختہ مقفی و مسجع جملے ان کے نوک قلم سے نکل پڑتے ہیں۔ اس طرح کی ایک دلکش مثال آپ کی مندرجہ ذیل تحریر میں ملاحظہ کیجئے۔

''نصوص کے دریا میں جھلکتے اور حبِ مصطفی ﷺ کے چاند چمکتے اور تعظیم حضور کے سورج دمکتے اور ایمان کے تارے جھلکتے اور حق کے باغ لہکتے اور تحقیق کے پھول مہکتے اور ہدایت کے بلبل چہکتے اور نجدیت کے کوے بہکتے اور وہابیت کے بوم بلکتے اور مذموم گستاخ پھڑ کتے''۔ ۱۵

مولانا کی ایک اور تصنیف سے اسی طرح کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا۔ بانجھ سے بچہ مانگنا ہے۔ جو بہت کھائے گا، بہت پئے گا، اور بہت سوئے گا وہ قیام لیل تو کیا کریگا خود خیرات و برکت کو بھی کھوئے گا''۔ ۱۶

امام احمد رضا کی تصنیفات ک مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو قدرت نے ایک خامہ زرنگار عطا فرمایا تھا۔ اگر وہ شعوری طور پر انشاء پردازی کے میدان میں قدم رکھتے تو اردو نثر کے عناصر خمسہ (محمد حسین آزاد، شبلی، حالی، سرسید اور ڈپٹی نذیر احمد) پر سبقت لے جاتے مگر اس عاشق رسول ﷺ اور دین کے داعی و مفسر کو اتنی فرصت کہاں کہ اپنے اسلوب نگارش کو نکھارنے کی طرف توجہ کرے۔ یہ میرا دعویٰ نہیں بلکہ میں بڑی دیانت داری اور ذمہ داری سے اس بات کا اظہار کر رہا ہوں کہ نثر میں شاعری کرنا امام احمد رضا کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ درج ذیل اقتباس اس سلسلہ میں ایک ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔

''تجلی جمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت سکون ونشاط وانبساط ہے۔ جب یہ قلب عارف پر واقع ہوتی ہے دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں یا بہار کے مینھ سے درختوں

کی کنجیاں اور تجلی جلال کے آثار سے قہر و گرمی، خوف وتعب جب اس کا گرد ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بدن تک گھلنے لگتا ہے''۔ ۱۷

احمد رضا خاں کی سیکڑوں تصانیف ہیں مگر ان کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو بے شمار نثر پارے مل سکتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ایک ہی کتاب میں بہت سے نثر پارے تلاش کئے جاسکتے ہیں مگر یہاں مختلف کتابوں سے اقتباسات اس لئے نقل کئے جار ہے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ ہر موضوع پر ہی محققانہ انداز تحریر کے ساتھ ہی ادیبانہ اسلوب نگارش بھی رکھتے تھے۔ ان کی سائنسی وعلمی تصانیف دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کا دامن کس قدر وسیع ہے۔ وہ ہر موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں بلا تکان لکھتے چلے جاتے تھے نہ صرف یہ ہی بلکہ لکھتے لکھتے ادبی شہ پارے بھی چھوڑتے چلے جاتے تھے۔ مولانا چونکہ مذہبی پیشوا اور عالم دین تھے اس لئے مسلمانوں کے دیگر فرقوں اور اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروؤں سے بھی آپ کا علمی مناظرہ ومباحثہ رہا۔ اس کے لئے جہاں آپ نے تقریر کا سہارا لیا وہیں تحریر کا دامن بھی تھاما اور نہایت مدلل و مفصل مضامین تصانیف آپ کے قلمِ حقیقت رقم سے نکلے۔ اور اسمیں آپ نے جو انداز تحریر اور اسلوب نگارش اختیار کیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ اپنی ایک تصنیف میں اس طرح رقم طراز ہیں۔

''مسلمانو! وہابیوں کے اس ظلم و جور و تعصب کا ٹھکانہ ہے کہ بیمار پڑیں تو حکیم کے پاس دوڑیں۔ دوا پر گریں۔ کوئی مارے تو تھانے کو جائیں۔ رپٹ لکھوائیں۔ ڈپٹی سارجنٹ سے فریاد کریں۔ کسی نے زمین دبالی یا تمسک کا روپیہ نہ دیا تو منصف بہادر مدد کیجیو۔ جج بہادر خبر لیجیو۔ نالش کریں۔ استغاثہ کریں۔ غرض دنیا بھر سے استعانت کریں۔ اور حصر ایاك نستعین کو اس کے خلاف نہ جانیں۔ ہاں

انبیاء علیہم الصلوۃ والثنا سے استعانت کی اور شرک آیا۔ ان کاموں کے وقت آیت کا حصر کیوں نہیں یاد آتا۔ وہاں تو یہ ہے کہ ہم خاص تجھی سے استعانت کرتے ہیں۔'' ۱۸

اسی طرح آپ عیسائی فرقہ کا رد کرتے ہوئے اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ایک عیسائی نے قرآن مجید پر اعتراض کیا تو آپ نے اپنی کتاب ''الصمصام'' میں عیسائیوں کے فاسد عقائد پر شدید ضرب لگاتے ہوئے اور ان کے نظریات کا رد کرتے ہوئے لکھا۔

''خدارا انصاف۔ وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن، ایک اور تین میں فرق نہ جانیں۔ ایک خدا کو تین مانیں۔ پھر تینوں کو ایک ہی جانیں۔ بے مثل، بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں، اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری، پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں۔۔۔ اللہ اللہ۔ یہ قوم! سراسر لوم۔ یہ لوگ یہ لوگ، جنہیں نہ عقل سے لاگ، جنہیں جنوں کا روگ۔ یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں''۔ ۱۹

مسٹر گاندھی کی تحریک ترک موالات سے فاضل بریلوی قدس سرہ کو سخت اختلاف تھا۔ اسی لئے کہ اس تحریک کو آپ مسلمانان ہند کے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔ فاضل بریلوی چونکہ بیباک ادیب تھے اور ان کا قلم ہر طرح سے مسلمانوں کی رہبری و رہنمائی کے لئے حرکت میں رہتا تھا۔ اس لئے اس موقع پر بھی آپ نے اپنا فرض منصبی سمجھا اور مسلمانوں کو اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اپنی ایک تصنیف میں لکھا۔

''ان پر ثبوت اشد جرائم کے انبار ہوئے تمہاری چھاتی دھڑکی، تمہاری مامتا پھڑکی، گھبرائے، تلملائے، سٹپٹائے جیسے اکلوتے کی پھانسی کو سن کر ماں کو درد آئے، فوراً گرما گرم دھواں دھار ریزولیشن پاس کیا ہے۔ کہ ہے ہے! یہ ہمارے پیارے ہیں، یہ ہماری آنکھوں کے تارے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کے ذبح کیا، جلایا، پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے یہ ہماری ان کی خانگی شکررنجی تھی ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں۔ یہ ہمارے سگے ہیں کوئی سوتیاڈہ نہیں، ماں بیٹے کی لڑائی، دودھ کی ملائی، برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے ان کے درد سے ہمیں غش پہ غش آتا ہے۔ ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا۔ للہ ان کو معافی دی جائے فوراً ان سے درگزر کی جائے۔'' ۲۰

یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ منطق و فلسفہ ایسے علوم ہیں جن کی بحثیں نہایت دقیق اور سخت ہوتی ہیں۔ ان کی اصطلاحیں اور مضامین بھی کافی ادق ہیں۔ اسی وجہ سے ان مضامین کی عبارت و زبان بھی نہایت مشکل ہے۔ لیکن ان مشکل و سخت مضامین کو بھی مولانا نے اپنی تصانیف میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

مولانا نے اپنی ایک اور تصنیف میں جو ترک موالات کے موضوع پر ہے۔ غیر مسلم سے موالات کو غیر مناسب اور غیر شرعی قرار دیا ہے۔ اور اس کے لئے محض زبانی استدلال یا عقلی مباحث کا ہی سہارا نہیں لیا بلکہ شرعی احکام، قرآنی دلائل اور اسلامی تاریخ سے حوالے بھی پیش کئے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھئے کہ سطور ذیل میں ہم آپ کی تحریر کا جو اقتباس پیش کرنے جارہے ہیں اس سے اس بات کا بھی اندازہ لگائیے کہ مولانا کا اسلوب بیان صرف الفاظ کا گورکھ دھندہ ہی نہیں بلکہ دلائل و براہین سے بھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ آپ لکھتے ہیں۔

''اقول! حلف جب دو مساوی گروہوں میں ہو تو فریقین یکساں ہیں اور جب مغلوب و ضعیف گروہ دوسرے کی پناہ لے کر اس کا حلیف بنے تو پوری موافقت کا بار اسی پر ہے۔ اس کی طرف سے صرف قبول پناہ وہی ہے۔ ابن ابی خبیث نے بڑی سطوت پیدا کر لی تھی یہاں

تک کہ اس کے لئے تاج تیار کیا جا چکا تھا قریب تھا کہ اسے بادشاہ بنایا جائے تو یہود بنی قینقاع کا حلف اس کی شوکت سے مستفید ہی ہونے کو تھا ولہٰذا۔ امام نے فرمایا۔ ھی الموافقه من الحالفین ، للمحالفین نہ اختصار کی طرح الموافقه بین المتحالفین۔ پھر در بارہ ادیان حکم یہ ہے کہ نازل سے مجرد ارادہ موافقت نازل کر دیتا ہے اور زد کے لئے صرف ارادہ کافی نہیں ۔ مسلمان اگر معاذ اللہ ارادہ کفر کریگا کافر ہو جائے گا۔ لیکن کافر محض ارادہ موافقت مشرکین سے مشرک ہو سکے گا۔ مشرک نرے ارادے سے کتابی نہ ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ یہودی مشرک ہو گئے ابن ابی خبیث کتابی نہ ہوا۔ یوں حلیفان مشرکین ہند پر امام کا یہ حکم نافذ ہو گا مشرکین ہند مسلمان نہ ہو جائیں گے۔'' ۲۱

مولانا کا قلم چونکہ حق کے دفاع اور باطل کی رد میں چلا کرتا تھا اس لئے آپ کی تصانیف ایسے مسائل سے بھری پڑی ہے جن میں باطل نظریات اور گمراہ کن عقائد کا زبردست رد کیا گیا ہے ۔ مسلمانوں کے اندر آپ کے دور میں ہی ایک زبردست فتنہ پیدا ہو چکا تھا جس میں شریعت وطریقت کو جداگانہ نظریات تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور اس عہد کے جاہل صوفیہ نے طریقت کو شریعت سے مکمل طور پر آزاد کرنے کی سازش رچائی تھی جو سراسر اسلام کے منافی تھی۔ آپ نے اس کا رد کرتے ہوئے ایک رسالے کے اندر لکھا ہے۔

''اگر بفرض غلط شریعت وطریقت دو جدا راہیں مانیں، قطرہ اور دریا کے نسبت جانیں، جس طرح یہ جاہل بکتا ہے، جب بھی علمائے شریعت سے وراثت انبیا کا سلب کرنا جنون محض ہوگا کیا ترکہ مورث سے تھوڑا سا حصہ پانے والا وارث نہیں کہلاتا۔ جسے ملا ان کے علم میں سے تھوڑا ہی ملا ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔ بلکہ اگر یہ شریعت وطریقت کی معاذ اللہ جدائی فرض کر لیں تو انصافاً حدیث مسخر گان شیطان پر الٹی پڑے گی یعنی علمائے ظاہری وارثان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثنا ٹھہریں گے اور علمائے باطن عیاذاً باللہ اس سے محروم۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی بھی ہوتے ہیں اور ولی بھی۔ ان کے علوم نبوت یہ ہے جن کو شریعت کہتے ہیں جن کی طرف وہ عام امت کو دعوت کرتے ہیں اور علوم ولایت وہ ہیں جن کو یہ جاہل طریقت کہتا ہے۔ اور وہ خاص خاص لوگوں کو خفیہ تعلیم ہوتے ہیں ۔ تو علمائے باطن کہ علوم ولایت کے وارث ہوئے اور وارثان اولیا ٹھہرے نا کہ وارثان انبیاء۔ وارثان انبیاء یہی علمائے ظاہر رہے جنہوں نے علوم نبوت پائے ۔ مگر یہ اس جاہل کی اشد جہالت ہے۔ حاشانہ شریعت وطریقت دو راہیں ہیں نہ اولیا کبھی غیر علماء ہو سکتے ہیں۔'' ۲۲

مولانا احمد رضا خاں نے اپنی نظریات اور مفروضوں کو نہایت ہی مدلل ومستند طریقوں سے ثابت کیا ہے۔ یہ بات جہاں آپ کے علمی تبحر کا ثبوت ہے وہیں یہ آپ کے اسلوب بیان کی بھی خوبی کہی جائے گی کہ آپ نے دوران بحث اس قدر قوی اور ثقہ دلائل پیش کئے کہ مخالف کو سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ کچھ ایسے ہی ایک مسئلے کے اندر آپ نے جو اسلوب نگارش اپنایا ہے وہ قابل داد وستائش ہے۔ اس میں انہوں نے علمی دلائل کے ساتھ ہی زبان وبیان کی نیرنگیاں بھی سموئی ہیں۔ مسلمانوں کے اندر ایک متنازعہ مسئلہ ہے وہ یہ کہ محمد ﷺ نور ہیں یا نہیں؟۔ اور نور کا سایہ ہوتا ہے یا نہیں؟۔ آپ نے اس متنازعہ مسئلے کو جس کے آپ خود بھی قائل ہیں اپنے ایک رسالے کے اندر نہایت مدلل طور پر ثابت کیا ہے ۔ اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''ہمارے مدعا پر دلالت واضحہ یہ ہے دلیل شکل اول بدیہی الانتاج دو مقدموں سے مرکب ۔ صغریٰ یہ کہ رسول اکرم ﷺ نور ہیں اور کبریٰ یہ کہ نور کے لئے سایہ نہیں ۔ جو ان دونوں مقدموں کو تسلیم کرے گا نتیجہ یعنی رسول اکرم ﷺ کے لئے سایہ نہ تھا آپ ہی پائے گا

۔مگر دونوں مقدموں میں کوئی مقدمہ ایسا نہیں ہے جس میں مسلمان ذی عقل کو گنجائش گفتگو ہو۔ کبریٰ تو ہر عاقل کے نزدیک بدیہی اور مشاہدہ بصر و شہادت بصیرت سے ثابت۔ سایہ اس جسم کا پڑے گا جو کثیف ہو اور انوار کو اپنے معاورہ سے حاجب، نور کا سایہ پڑے تو تنویر کون کرے۔ اس لئے دیکھو آفتاب کے لئے سایہ نہیں۔ اور صغریٰ یعنی حضور والا کا نور ہونا مسلمان کا تو ایمان ہے۔ حاجب بیان حجت نہیں مگر تبکت معانین کے لئے اس قدر اشارہ ضرور ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتاہ۔
یاایھاالنبی انا ارسلنٰك شاھداو مبشرا و نذیرا و داعیاً الی اللہ باذنہ وسرا جاً منیرا۔'' ۲۳

اب تک ہم نے ان سطور میں مولانا احمد رضا خاں کی تصانیف سے کچھ اقتباسات نقل کئے ہیں جس کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے قارئین پر مولانا کے اسلوب نگارش کی خوبیاں وخامیاں بھی کچھ خوب اچھی طرح سے واضح ہوجائیں۔ آیئے! اب دیکھیں کہ مولانا کے عہد تک اردو نثر کے اندر جو ترقیاں اور اس کے اسلوب کے اندر جو تغیرات ہوئے خود مولانا نے اس کا اثر کہاں تک قبول کیا۔ اور آپ نے ان اصلاحات وتبدیلیوں کو اپنے اسلوب میں کہاں تک جگہ دی۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ بات دکھاسکیں کہ مولانا نے ترقی یافتہ ادب کا کہاں تک ساتھ دیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں اور جدید اسلوبیاتی تغیرات:

مولانا کے عہد حیات میں اردو نثر پوری طرح سے جدید تقاضوں سے ہم کنار ہوچکی تھی۔ اور اس کا اسلوب بھی جدید اور ترقی یافتہ شکل اختیار کرتا جارہا تھا لیکن یہاں مختصر طور پر ہم یہ جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ کہ ان جدید اصلاحات اور ترقی یافتہ تقاضوں کو مولانا نے اپنے اسلونگارش میں کہاں تک ملحوظ رکھا ہے۔

یہ بات تو پوری طرح سے عیاں وآشکار ہے کہ مولانا کوئی خالص ادبی شخصیت نہ تھے اور نہ ہی ان کی تحریریں اردو کی ادبی تاریخ میں کوئی مقام حاصل کرنے کی غرض سے لکھی گئی تھیں۔ بلکہ مولانا تو ایک مذہبی اور علمی قلم کار تھے۔ اور ان کا مقصد اپنی تحریروں میں زبان وبیان کی نیر نگیاں اور اسلوب نگارش کی اعلیٰ مثال قائم کرنا نہ تھا۔ بلکہ وہ تو مذہبی، سیاسی اور علمی اعتبار سے مسلمانوں کی رہنمائی کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ اور ان کی جملہ تصانیف ومضامین انہیں موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس سلسلے میں ایک معروف صاحب قلم نے بھی لکھا ہے۔ جنھوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے آپ پر ریسرچ کرکے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اپنے تحقیقی مقالے میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''امام احمد رضا کی تصنیفات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو قدرت نے ایک خامہ زرنگار عطا فرمایا تھا۔ اگر وہ شعوری طور پر انشا پردازی کے میدان میں قدم رکھتے تو اردو کے عناصر خمسہ پر بھی سبقت لے جاتے۔ مگر اس عاشق رسول اور دین کے داعی ومفسر کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ اپنے اسلوب نگارش کو نکھارنے کی طرف توجہ کرتا۔'' ۲۴

اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا کا اسلوب نگارش تحقیقی ومدلل اور منطقی واستدلالی تھا۔ اسی وجہ سے یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ چونکہ تحقیقی زبان قدرے دقیق وسخت ہی ہوا کرتی ہے اس لئے بھی مولانا کا اسلوب نگارش جدید تقاضوں سے بہت زیادہ ہم آہنگ نہ ہوسکا۔ اس کے باوجود ایک اور حقیقت یہ بھی ہے کہ مولانا کا جن حضرات وشخصیات سے تعلق تھا وہ محض مذہبی رہنما وعلمائے دین ہی تھے۔ آپ کا کسی بھی ادیب وشاعر سے اس طرح تعلق کے شواہد نہیں ملتے جن کا اثر آپ پر ہو۔ بلکہ مذہبی پیشوا، عالم دین، مفتی شرع اور ایک جماعت کے مقتدا ہونے کی وجہ سے وہ خود آپ کا اثر اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔ اور مولانا کی عظیم علمی صلاحیت کے قائل

ومعترف تھے۔ جس کی مثال اس واقعہ سے ملتی ہے جب اردو کے مایہ ناز نعت گو محسن کاکوروی آپ کے سامنے اپنا نعتیہ قصیدہ سنانے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ مگر مولانا کا نعتیہ کلام سننے کے بعد انہیں اعتراف کرنا پڑا تھا۔ ''مولانا آپ کے کلام کے آگے میرا قصیدہ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا''۔ بات دراصل یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے فن کا اعتراف کرنے کا مقصد ہمارے نزدیک یہ نہیں کہ وہ نقص و کوتاہیوں سے یکسر محفوظ ہے۔ اور یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ مولانا کے اسلوب کے اندر زیر بحث کمی ہونے کے باجود ان کی تحریر میں اچھے اسلوب کی جملہ خوبیاں موجود ہیں۔

حواشی

۱۔ مطالعہ اسلوب کا ایک سبق۔ از، شمس الرحمٰن فاروقی۔ مشمولہ، سہ ماہی اردو ادب ۱۹۷۲ء شمارہ ۲۔ ص ۵۔

۲۔ مضمون، اعلیٰحضرت امام احمد رضا اور اردو ادب۔ مشمولہ، یادگار رضا۔ ص ۲۱۔

۳۔ یادگار رضا۔ ص ۱۱۶۔

۴۔ تجلیات امام احمد رضا۔ از، محمد امانت رسول۔ ص ۹۷۔

۵۔ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت ص ۲۲ تا ۲۳۔

۶۔ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت ص ۲۴۔

۷۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری، ایک تحقیقی مطالعہ۔ ص ۱۱۶ تا ۱۵۵۔

۸۔ دبستان رضا۔ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں۔ ص ۲۶

۹۔ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ۔ ص ۴۱۶ تا ۴۱۷۔

۱۰۔ امام احمد رضا کے نثری شہ پارے۔ ص ۷۔

۱۱۔ افاضات صدر الافاضل۔ بحوالہ ماہنامہ، قاری، احمد رضا نمبر ص ۱۸۸۔

۱۲۔ مضمون۔ امام احمد رضا، واصف شاہ ہدیٰ۔ مشمولہ قاری احمد رضا خاں نمبر ص ۴۶۴۔

۱۳۔ امام احمد رضا، حیات اور کارنامے۔ از، طیب علی رضا انصار (تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی) ص ۳۳۵۔

۱۴۔ مجموعہ رسائل، ردمرزائیت۔ امام احمد رضا۔ رضا فاؤنڈیشن جامعہ رضویہ لاہور۔ ص ۱۲۹۔

۱۵۔ خالص الاعتقاد۔ امام احمد رضا۔ سنی رضوی اکیڈمی، موریشس۔ ص ۴۷۔

۱۶۔ امام احمد رضا اور تصوف۔ مرتبہ، مولانا محمد احمد الاعظمی۔ المجمع الاسلامی مبارکپور۔ ص ۸۳۔

۱۷۔ کشف حقائق واسرار دقائق۔ از، امام احمد رضا۔ ص ۴۔

۱۸۔ برکاۃ الامداد۔ ص ۱۸، ۱۹۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء۔

۱۹۔ الصمصام علی مشکک فی آیہ علوم الارحام۔ ص ۹۴، ۹۵، مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی

۲۰۔ الحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنہ۔ ص ۶۶، ۶۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

۲۱۔ ترک موالات۔ از، الشاہ احمد رضا خاں۔ ناشر، رضا اکیڈمی بمبئی۔ ص ۸۴۔

۲۲۔ رسالہ، شریعت وطریقت۔ از، الشاہ احمد رضا خاں۔ ناشر، رضا اکیڈمی بمبئی۔ ص ۱۰۔

۲۳۔ رسالہ، نفی الفی عمن استنار بنورہ کل شئی۔ مشمولہ، مجموعہ رسائل مسئلہ نور اور سایہ۔ ص ۶۲۔

۲۴۔ امام احمد رضا، حیات اور کارنامے۔ طیب علی رضا انصاری (تحقیقی مقالہ برائے پی، ایچ، ڈی)

☆☆☆☆☆

رضویات

۱۔ گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان
۲۔ مصر میں رضویات
۳۔ فروغ رضویات اور طبقۂ خواتین

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں!

از: مولانا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی *

امام اہل سنت حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کی سوانح یا علمی زندگی پر لکھنا اب ایسے ہی ہے جیسے روز روشن میں چراغ جلا کر چلیں۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کا نام گونج رہا ہے اور اپنے بیگانے آپ کی شخصیت سے واقف ہوگئے ہیں۔ آپ کی شخصیت پر اتنا لٹریچر سامنے آگیا ہے کہ شاید ہی کسی عالم دین پر اتنا مواد سامنے آیا ہو۔

ایک زمانہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی کو صرف اہل علم و فضل ہی جانتے تھے۔ متحدہ ہندوستان کے علمائے اہل سنت آپ کو ''امامِ اہل سنت'' اور ''مجدد مائۃ حاضرہ'' کہتے ہیں۔ معاندین اور مخالفین آپ کو ''بریلی کا کافرگر'' لکھتے ہیں مگر فاضل بریلوی سنیوں کے لئے آفتابِ علم و فضل تھے اور مخالفین کے لئے وہ رضا کے نیزے کی مار ہے جو عدو کے سینے میں غار ہے!'' تھے۔ ملک کے عوام کے لیے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی آفتاب اہل سنت ہونے کے باوجود محجوب تھی۔ سنی علماء کرام میں سے خدو خال ایسے ارباب علم و ادب تھے جو آپ سے رابطہ رکھتے تھے۔

آپ کی زندگی میں آپ کی اکثر کتابیں بریلی کے ''حسنی پریس'' سے چھپتیں اور آپ کے شاگردانِ خاص ملک العلماء محمد ظفر الدین رضوی اور سید محمد ایوب علی قادری رحمۃ اللہ علیہما انہیں تقسیم کرتے۔ پنجاب (لاہور) میں آپ کے ایک شاگرد رشید اور خلیفۂ مجاز علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ، ناظم اعلیٰ مرکزی حزب الاحناف، آپ کی بعض کتابیں اپنے اہتمام میں شائع کراتے اور انہیں اپنے شاگرد علماء میں تقسیم کرتے۔ علامہ ابوالبرکات اپنی تدریسی مصروفیات کے پیش نظر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابوں کی طباعت و اشاعت کا کام نہ کر سکے جس کی ضرورت تھی۔ مگر اسی زمانہ میں ایک فقیر منش عالم دین سید محمد معصوم شاہ صاحب گیلانی نوری نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار کے جوار میں ''نوری کتب خانہ'' کی بنیاد رکھی۔ آپ نوشاہی سلسلہ طریقت سے تعلق رکھتے تھے مگر آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا اور اعلیٰ حضرت کی تقریباً ہر کتاب نوری کتب خانہ لاہور سے چھپ کر اہل علم و فضل کو دعوت مطالعہ دینے لگی۔ سید معصوم شاہ گیلانی اگرچہ ایک درویش عالم تھے مگر اعتقادی طور پر اتنے پختہ کار ناشر کی حیثیت سے سامنے آئے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو آپ کا نوری کتب خانہ ہی منبع تصانیف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ثابت ہوتا اور اہل ذوق یہاں سے ہی گوہر مراد تلاش کرتے۔ سید محمد معصوم شاہ گیلانی نے اس زمانے میں جب کہ علمی اور اعتقادی تصانیف سے سنی علمائے کرام بھی ناواقف تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سو سے زیادہ کتابیں شائع کرنے میں اولیت حاصل کی۔ اب کوئی انہیں خریدے یا نہ خریدے کوئی پڑھے یا نہ پڑھے نوری کتب خانہ کتابیں شائع کرتا جاتا تھا۔

پاکستان بنا تو دیوبندی ناشرین نے قرآنی ترجموں کی اشاعت میں اپنے ہم مسلک علماء کے قرآنی تراجم ملک بھر میں پھیلا دیے۔ ان دنوں پاکستان میں تاج کمپنی ہی قرآن پاک کی اشاعت کا صف اول کا ادارہ تھا۔ یہ ادارہ دیوبندی مکتب فکر کی گرفت میں آگیا تھا، چنانچہ اس نے دیوبندی علماء کے تراجم نہایت اہتمام سے شائع کیے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد، رفیق کار صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے مرادآباد سے

* ... مرتبہ محمد عالم مختار حق، ناشر: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

''کنزالایمان'' کے نام سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن مجید شائع کیا۔ پھر دوسرا ایڈیشن اپنے گراں قدر تفسیری حواشی ''خزائن العرفان'' کے ساتھ شائع کیا۔ یہی ایڈیشن آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد عمر نعیمی کی کوششوں سے بیک وقت ''دارالعلوم امجدیہ'' اور ''مکتبۂ رضویہ کراچی'' سے چھپا۔ یہ ابتدائی دور تھا، ناشرین کو اس کی نکاسی میں بڑی دقت پیش آئی۔

لاہور میں پہلی بار مقبول عام پریس اور ''مکتبہ نبویہ'' نے چوب قلم ''کنزالایمان'' معہ ''تفسیر خزائن العرفان'' کے کئی ایڈیشن شائع کیے۔ کچھ عرصہ بعد تاج کمپنی نے نہایت ہی بددلی سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ شائع کرنے کا اہتمام کیا مگر اس نے اس کا نام ''کنزالایمان'' کے بجائے ''رفیع الشان'' ترجمہ رکھا۔ یہ ترجمہ کیا چھپا سنّی حلقوں میں دھوم مچ گئی اور تاج کمپنی کے ناشرین حیران رہ گئے، پہلے سال کے اندر ایک لاکھ قرآن پاک چھپ کر تقسیم ہوئے۔ اب ''کنزالایمان'' کئی ناشرین چھاپنے لگے کئی زبانوں میں چھپنے لگا، کئی ملکوں سے چھپنے لگا، اس کی مقبولیت یہاں تک بڑھی کہ سنی ناشرین کے علاوہ پاکستان میں دیوبندی ناشرین بھی ''کنزالایمان'' کے ایڈیشن چھاپنے لگے۔ ہندوستان میں ایک سکھ ناشر نے تین لاکھ جلدیں چھپوا کر تقسیم کیں۔ آج اس ترجمہ کی سات لاکھ جلدیں صرف ایک شہر لاہور سے چھپ کر ملک میں تقسیم ہو رہی ہیں۔ دنیا میں مختلف زبانوں میں ''کنزالایمان'' کے ترجمے ہو چکے ہیں اس طرح۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان!

۱۹۶۸ء میں لاہور کے ایک سنی، فقیر منش، چشتی، نظامی، طبیب، حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ نے ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیاد رکھی اور اس ادارہ کو امام اہل سنت کے نظریات و افکار کا مرکز بنا دیا۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں نہایت معیاری انداز میں چھپ چھپ کر مفت تقسیم کی اشاعت ہونے لگیں۔ سنی سکالرز اور اہل قلم کی ایک ایسی ٹیم تیار ہوئی جس نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بلند پایہ اور معیاری کتابیں لکھیں اور انہیں ''مرکزی مجلس رضا'' نے شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے یہ کتابیں ایسے ایسے افراد تک پہنچانے کا اہتمام کیا جو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام تک سے ناآشنا تھے۔ ''مرکزی مجلس رضا'' نے ''یوم رضا'' منانے کا اہتمام کیا اور اس میں ملک کے بلند فکر سکالرز کو دعوتِ خطاب دی جاتی۔ پھر ''مقالاتِ یوم رضا'' کو شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کیا جاتا۔

حکیم محمد موسیٰ صاحب کی صدارت میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کی اتنی زبردست اشاعت ہوئی کہ ''نغماتِ رضا سے بوستانِ علم و عرفان گونج اٹھے'' حکیم صاحب نے چند برسوں میں بارہ لاکھ سے زیادہ کتابیں چھاپ کر مفت تقسیم کیں اور سنی سکالرز کی ایک ٹیم تیار کر لی۔ حکیم موسیٰ صاحب امرتسری کی اس تحریک پر سنی اہل قلم، سکالرز اور علماء مشائخ کا ایک قافلہ تیار ہو گیا۔ ان اہل قلم حضرات میں ایک ایسا دانشور سامنے آیا جو آگے جا کر ''ماہر رضویات'' کے لقب سے معروف ہوا۔ وہ تھا ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ کراچی۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مظہری ایک بلند پایہ علمی گھرانے کے فرزند تھے۔ ان کے آباؤ اجداد دہلی کی جامع مسجد فتح پوری کے خطیب اور دہلی کی سنی قیادت کے علمبردار تھے۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری اُن دنوں سندھ کے ایک کالج میں پروفیسر تھے۔ قلم میں نور تھا انداز تحریر شگفتہ تھا۔ ''مرکزی مجلس رضا'' ان کے لیے نہایت ہی موزوں ادارہ تھا اور ''مرکزی مجلس رضا'' کے لیے بھی ان کی شخصیت ایک خوشگوار رفاقت تھی۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری نے بڑی بلند پایہ کتابیں لکھیں اور ''مرکزی مجلس رضا'' نے انہیں بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد پہلے دانشور تھے جنہوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی افکار کو اپنے نوکِ قلم پر لا کر

سیاستدانوں کو حیران کر دیا۔ آپ کی پے در پے تحریریں سامنے آئیں تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک دینی راہنما ہی نہ تھے بلکہ سیاسی قائد بھی تھے۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد اپنی تحریری خدمات کے پیش نظر ''ماہر رضویات'' ایوارڈ کے خصوصی اعزاز کے مالک ہیں۔ آج یہی تحریریں انہیں دنیا بھر کے اہل قلم میں ممتاز کرتی ہیں۔ اس طرح افکار رضویات کے دوسرے ایسے سکالرز آگے بڑھے جنہوں نے آپ کے سائنسی تجربات اور نتائج پر بڑا تحقیقاتی کام کر کے سائنس دانوں کے ایک طبقہ کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف راغب کر دیا ہے اور وہ سوچنے لگے ہیں کہ ایک عالم دین نے سائنسی دنیا میں بے مثال تحقیقات پیش کی ہیں۔

''مرکزی مجلسِ رضا'' کی تحریک نے ملک بھر میں ایک بیداری پیدا کر دی ہے اور اب کئی ادارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں شائع کرنے لگے ہیں۔ کراچی کے ایک درد مند اور مستعد سکالر سید ریاست علی قادری مرحوم نے ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا'' کی بنیاد رکھی اور پھر فائیو سٹار ہوٹلوں میں ''یومِ رضا'' منانے کا اہتمام کیا۔ اس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام ملک کے اعلیٰ طبقہ تک پہنچنے لگا انہوں نے اپنا ایک سالانہ مجلّہ ''معارف رضا'' شائع کرنے کا اہتمام کیا جس میں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بلند پایہ مقالات اور نایاب تحریریں چھپنے لگیں۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کی تحریک نے پاکستان اور پاکستان سے باہر ایسے ماہناموں کو ''فکرِ رضا'' پر مقالات لکھنے پر آمادہ کر لیا جو ہر اشاعت میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات کو شائع کرتے اور عوام تک پہنچاتے۔

گوجرانوالہ سے ''رضائے مصطفیٰ ﷺ'' لاہور سے ''کنزالایمان'' اور ''قول السدید'' ''ادارۂ معارف نعمانیہ'' ''مرکزی مجلسِ امام اعظم'' اور ''بزمِ عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ'' کے علاوہ دیگر اداروں سے ہزاروں رسالے اور کتابیں چھپنے لگیں۔ برطانیہ سے اسلامک ٹائمز (انگریزی)، ہندوستان، بمبئی سے ''فکرِ رضا''، دہلی سے ''کنزالایمان''، بہار سے ''الکوثر''، مبارک پور سے ''اشرفیہ'' پوری تحقیق کے ساتھ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر کام کرنے لگے۔ بہاولپور سے مولانا محمد فیض احمد اویسی نے ''حدائق بخشش'' کی شرح کئی جلدوں میں لکھی۔ ''رضا فاؤنڈیشن لاہور'' نے فتاویٰ رضویہ'' کو از سرِنو (تیس جلدوں میں) مرتب کیا۔ کراچی کے پروفیسر شاہ فرید الحق اور لاہور سے عبدالمجید اولکھ نے ''کنزالایمان'' کے انگریزی تراجم شائع کروائے۔ خود ''مرکزی مجلس رضا'' نے لاکھوں کتابوں کے علاوہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی ترجمان ماہنامہ ''جہانِ رضا'' میں اعلیٰ حضرت پر اتنے اتنے بلند پایہ مقالات شائع کیے کہ ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان

موجودہ دور میں ''فکرِ رضا'' کی اہمیت:

جنوبی ایشا کا یہ خطہ جسے برصغیر پاکستان ہندوستان اور بنگلہ دیش کے جغرافیائی حدود میں تقسیم کر دیا گیا ہے، مسلمانوں کی تہذیب کا ایک مثالی علاقہ رہا ہے۔ اس سرزمین میں اولیائے کرام نے عوام کی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ عوام الناس کو چھوڑ کر مشائخ وقت اور علماء کرام نے وقت کے شہنشاہوں کی ذہنی اور قلبی تربیت کر کے اسلامی تہذیب کو فروغ دیا ہے۔ اس خطہ میں ایسے مسلمان شہنشاہ حکمران رہے ہیں، جنہیں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ امیر بھی تھے اور فقیر بھی۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

اس برصغیر کے بت پرست ہندوؤں نے ایک بار بڑا کامیاب تجربہ کیا اور مغل شہنشاہ اکبر اعظم کو اسلام سے برگشتہ کر کے ہندو مذہب اور معاشرت کے فروغ پر لگا لیا۔ جس کے اثرات برصغیر کے عوام پر مرتب ہوئے اور لوگوں میں اسلامی معاشرت کو مشکوک بنا دیا گیا۔ اسلامی شعائر اور احکام پر پابندیاں لگا دی گئیں اور ''دینِ الٰہی'' کے نعرے کے ساتھ اہل حق کو بڑے مصائب میں مبتلا ہونا پڑا۔

اس دور میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے آگے بڑھ کر ان بے دین قوتوں کا مقابلہ کیا اور ملت اسلامیہ پر ''دینِ الٰہی'' کے جو اثرات مرتب ہو رہے تھے اسے دور کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ آپ کی جدوجہد سیاسی بھی تھی اور روحانی بھی۔ آپ نے امراء مملکت اور علماء حق کی ایک ایسی جماعت تیار کی، جس نے اکبری لادینیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ آپ کے ایک اور معاصر عالمِ دین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علمی میدان میں اصلاح احوال کی کامیاب کوشش کی۔ ان حضرات نے اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ''سرمایۂ ملت کی نگہبانی'' کا کام سرانجام دیا۔ ان بزرگوں کی کامیاب کوششوں سے ہندوستان میں نہ صرف اسلامی شعائر دوبارہ زندہ ہوئے بلکہ اکبر اعظم کے جانشین اسلامی قوانین کے نفاذ میں پیش پیش رہے۔ ملک میں مساجد تعمیر ہونے لگیں۔ دینی مدارس قائم ہوئے اور دین کی تبلیغ اور تعلیم کا اتنا شاندار نظام قائم ہوا کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اس سے استفادہ کرتے رہے۔

مغل اقتدار کے خاتمے کے بعد مسلمانوں پر پھر ایک ایسا وقت آیا کہ دینی اور معاشرتی سرچشمے گدلانے لگے۔ دینی فتنے سر اٹھانے لگے۔ مختلف ادیان کے خیالات مسلمانوں کو متاثر کرنے لگے۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اقتصادی اور علمی طور پر اتنا شاندار کام کیا، جس کی مثال دینی تربیت کے اداروں میں بہت کم ملتی ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے اقتداری طوفانوں کے باوجود اعتقادی اصلاح کا بڑا اہم کام کیا۔ مسلمانوں کے گرتے ہوئے اعتقادی اور روحانی نظام کو سہارا دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں انگریزی اقتدار تجارتی انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ انگریز کی تجارتی حکمت عملی کے پیچھے اسلام دشمنی کے لشکر چلے آرہے تھے، جس نے برصغیر کی اسلامی معاشرت کو بری طرح متاثر کیا۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز اور ان کے رفقاء نے عوام کی راہنمائی میں بھرپور حصہ لیا اور ملک کے شمال مغربی خطوں کو ان فتنوں سے محفوظ کر لیا جو انگریز کی آمد کے ساتھ سر اٹھا رہے تھے۔

انگریزی اقتدار برصغیر کے مختلف خطوں میں اپنے پیر جماتا گیا اور جہاں جہاں اس کا تسلط قائم ہوا، وہاں مسلمانوں کے اقتصادی اور دینی زندگی بری طرح متاثر ہوئی۔ ایک ایسا وقت آیا کہ برصغیر کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر حصے میں دینی فتنے پھیلنے لگے۔ انگریز نے ''انسانی حقوق'' کی آڑ میں ہر کہ ومہ کو اسلام کے خلاف یاوہ گوئی کی اجازت دے دی۔ صرف اجازت ہی نہیں ایسے اعتقادی فتنوں کی پشت پناہی کی، جس نے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ایسے ایسے بدزباں ''راہنما'' سامنے آنے لگے جو نہ صرف اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے، بلکہ نبوت تک کے دعوے لیکر میدان میں اترنے لگے۔ انگریز ایسے ہر فتنہ کی پشت پناہی کرتے جو حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور ناموس پر حملہ آور ہوتا۔ ان حالات میں برصغیر میں بداعتقادی کے ایسے ایسے گروہ سامنے آئے کہ الامان والحفیظ!

بداعتقادی کے ان طوفانوں میں ایک ایسا مردِ مجاہد سامنے آیا، جس نے ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کو للکارا۔ یہ عبقری شخصیت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ابھری۔ اس نے زبان وقلم کی ساری توانائیاں ملت اسلامیہ کی اعتقادی اصلاح کے لیے وقف کر دیں۔ اس نے ہر موضوع پر کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کی فکری اور اعتقادی اصلاح کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ اس نے بگڑے ہوئے عقائد کی ہر شق کی اصلاح کے لیے ایک ایک کتاب لکھی اور تقسیم کی۔ اس نے دینی مسائل کی تشریح کے لیے بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ (العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ) لکھا ہے۔ اس نے عشق رسول ﷺ کی شمع کو روشن کرنے کے لیے ''حدائقِ بخشش'' کی دو جلدیں لکھیں۔ اس نے بداعتقادی کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے علمائے حق کی ایک زبردست تنظیم کی جو ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے نام پر قائم ہوئی۔

اس تنظیم کے جلیل القدر علماء کرام ہی تھے، جنہوں نے دوقومی نظریہ کی روشنی میں تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور برصغیر میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد، خودمختار اور نظریاتی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

آج پاکستان کو بنے پچاس سال (سے زیادہ) ہونے کو ہیں، ملت اسلامیہ کو پھر ایک بار دین کے نام پر دینی فتنوں کا سامنا ہے۔ دین کے نام پر بداعتقادی کی فصل بوئی جارہی ہے۔ ہر کام دین کے نام پر ہو رہا ہے، جسے دینِ حق سے کوئی تعلق نہیں، وہ بھی دین دین پکار رہا ہے۔ یہ صورتِ حال پہلے ادوار کے فتنوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہے۔ پہلے ادوار میں دینِ اسلام کے مقابلہ میں باطل نظریات کو سامنے لایا جاتا تھا۔

آج دین کے نام سے ایسے ایسے نظریات کا پرچار ہو رہا ہے کہ

''جو میں بت کدون میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری''

ہم ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے، جن کی بدولت آج ''دین مصطفیٰ'' ﷺ پر ضربیں لگائی جارہی ہیں۔ یہ صورتِ حال ہمارے سنی علمائے کرام اور مشائخ عظام سے پوشیدہ نہیں۔ انہیں ان حالات کا پورا احساس ہے۔ وہ اس کے نتائج اور عواقب کو بھی جانتے ہیں۔ وہ آئے دن بدلتے ہوئے حالات پر بھی نظریں رکھتے ہیں۔

دوسروں کو چھوڑیے۔ بیگانوں کو نظرانداز کیجیے، غیروں کی بات نہ کیجیے، آج ''فکرِ رضا'' کی اہمیت اور حقانیت کو تسلیم کرنے والے اہل علم وفضل اور اربابِ فکر ونظر جس بے حسی اور جمود کی کیفیت سے دوچار ہیں وہ اگرچہ مایوس کن نہیں مگر قابلِ افسوس ضرور ہیں۔ امام احمد رضا کے نظریات کو برحق ماننے والے، امام احمد رضا خاں بریلوی کو ''مجدد مأتہ حاضرہ'' ماننے والے، امام احمد رضا بریلوی کے نام پر مسجدیں اور مدرسے قائم کرنے والے، امام احمد رضا بریلوی کے ''سلام'' کو اپنی بلند مینار مسجدوں سے پڑھنے والے، جس ذہنی تعطل اور روحانی جمود سے گزر رہے ہیں، وہ قابلِ تعریف نہیں۔ وہ اپنے اپنے حلقہ میں مسرور ہیں، مطمئن ہیں، خوش ہیں، دنیا ومافیہا سے بے خبر کچھ ''حال مست'' ہیں کچھ ''مال مست'' ہیں، انہیں آج کے دینی فتنوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کی کوئی خبر نہیں۔ انہیں اپنی مساجد میں ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھنے کی اجازت ہے۔ وہ خوش ہیں۔ انہیں گیارہویں کی تقریبات منانے کی آزادی ہے وہ مطمئن ہیں، ان پر عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے پر پابندی نہیں، وہ شادماں ہیں۔ انہیں کبھی کبھی ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بلا کر ''فہم قرآن'' اور ''محفل میلاد'' میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ وہ شاد شاد ہیں۔ انہیں ضلع کا ڈپٹی کمشنر ''امن کمیٹی'' اور ''اتحاد بین المسلمین'' کی میٹنگ میں علاقے کے تھانیدار کے ذریعہ بلا کر کر چائے پلا دیتا ہے، وہ ہدیۂ تبرک پیش کر کے گھر آجاتے ہیں۔ علامہ اقبال نے تو یہ شعر کسی اور کے لیے کہا تھا مگر ہم ان بزرگوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ان حضرات کی ذہنی پستی اور تنگ دلی نے انہیں یہاں تک لاکھڑا کیا ہے کہ آج اگر ایسے تلخ حقائق کو سامنے لایا جائے یا غفلت کے ان پردوں کو سرکایا جائے تو ہمارے کئی نازک مزاج معاصر علمائے کرام چڑجاتے ہیں۔ ایسی باتوں کو عامیانہ تنقید قرار دیتے ہیں۔ حرفِ باطل کی طرح نظرانداز کردیتے ہیں اور اپنے خود ساختہ ماحول کو بڑا شاندار ماحول قرار دیتے ہیں۔

اے عندلیب نالاں نغمہ تو در گلوکن
گوشِ شہِ ہست نازک تابِ فغاں نہ دارد!

ہمارے بعض علمائے کرام اور مشائخ عظام وقت کے بادشاہ ہیں۔ ان کے کانوں کے پردے بڑے نازک ہیں۔ تابِ فغاں ندارند!

بایں ہمہ اس برصغیر میں خصوصاً پاکستان میں ایسے علماء کرام کی بھی ایک کھیپ موجود ہے، جنہوں نے ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' کے

تربیت یافتہ عظیم علماء کرام سے تربیت پائی ہے۔ ایسے علماء کرام کی ایک تعداد موجود ہے، جو فکر رضا کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ ایسے علماء کرام کا ایک طبقہ موجود ہے جو ''پیغامِ رضا'' کو لوگوں تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ ایسے جواں مرد علماء کرام موجود ہیں جو بے سروسامانی کے عالم میں اپنے مدارس، اپنی مساجد، اور اپنے اداروں میں ''نغماتِ رضا'' سے قلب وجگر کو گرمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آج بھی ایسے تہی دست علماء کرام بھی موجود ہیں، جو سب کچھ لٹا کر فکرِ رضا کو اپنائے ہوئے ہیں اور ایسے عاشقانِ رسول موجود ہیں جو بداعتقادی کے فتنوں کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں۔ الحمدللہ سینوں میں ایسے مجاہد موجود ہیں جو ''کلکِ'' رضا کے نیزے کی مار سے دشمنان اسلام کے سینے میں غار کر دیتے ہیں۔

ایسے ہی حضرات سے ''خیابان رضویت'' میں بہار ہے۔ ایسے ہی علماء کرام سے گلستانِ رضا مہک رہا ہے۔ ایسے ہی عاشقانِ رسول سے شبستانِ رضا میں شمعیں روشن ہیں۔ ایسے ہی عالمانِ دین سے نظریاتِ رضا کو فروغ حاصل ہے۔ پاکستان کی نصف آبادی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہم گردن اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ماضی شاندار ہے۔ ہمارے علماء کرام نے تحریک پاکستان میں نہ صرف حصہ لیا، بلکہ قربانیاں دیں۔ ہمارے مشائخ نے پاکستان کی تشکیل میں اتنا زبردست کردار ادا کیا کہ آج کوئی مائی کا لال دینی قیادت کے ہزار نعرے لگانے کے باوجود اس کی خاک پا تک نہیں پہنچ سکتا۔ پاکستان بننے اور اس میں نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ہمارے علماء ومشائخ نے ہمیشہ اقتدار سے دورہ کر کام کیا۔ آج علامہ بدایونی، مولانا ابوالحسنات، حضرت خواجہ سیالوی، حضرت علامہ احمد سعید کاظمی علیہم الرحمۃ جیسے متعدد دینی اور سیاسی راہنماؤں کی خدمات کو کون بھلا سکتا ہے۔

ان لوگوں نے اقتدار کے ثمرات حاصل کیے نہیں بلکہ پاکستانی اقتدار پسندوں سے ٹکر لے کر اسلام کی خدمت کی ہے۔ ان کے ہزاروں نہیں، لاکھوں معتقدین نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے قرابان ہوئے۔ حضرت خواجہ سیالوی کے بعد علامہ الشاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار نیازی نے سنیوں کی قیادت کو سنبھالا تو پاکستان بھر کے سنی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے۔ [illegible] احمد نورانی نے چترال سے لیکر کراچی تک، خیبر سے لیکر کھوکھراپار تک ایک ایک سنی کو بیدار کیا۔ ایک ایک عالم دین کو حجرے سے نکالا۔ ایک ایک مدرسہ کو ہلایا۔ گلیاں، کوچے، شہر، قصبات، صحراو بیابان ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی صدائے دلنواز سے گونج اٹھے۔ پاکستان بھر کے علماء ومشائخ اٹھے، مفتی وفقیہ اٹھے، واعظ وخطیب اٹھے۔ غرضیکہ پاکستان کے سنیوں کا بچہ بچہ ایک تسبیح کے دانوں کی طرح پرو دیا گیا۔ پھر یہ دانے، یہ قطرے اور یہ بکھرے ہوئے موتی ایک عظیم قوت بن کر ''ملتان سنی کانفرنس'' اور ''رائے ونڈ میلاد کانفرنس'' کی شکل میں اپنی اجتماعی قوت کا مظہر بن گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملک کی اکثر دینی اور سیاسی جماعتیں مارشل لاء کی پناہ میں تھیں۔ سینوں کی تاریخ میں اتحاد و بیداری کا یہ درخشاں باب ہے، جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

مارشل لاء کے ناخداؤں نے سنیوں کی اس اجتماعی قوت کو دیکھا تو کانپ اٹھے۔ علماء کو قید و بند میں ڈالنے، کوڑے برسانے اور دبانے کی بجائے مارشل لاء کی حکمت عملی نے علماء کرام کو اپنانے کا گر استعمال کیا۔ غیر سنی ٹولے تو مارشل کے خیموں میں پہلے ہی آرام فرما تھے مگر سنیوں کو زیر دام لانے کے لیے اسلام آباد کی نوازشوں کے دروازے کھول دیے گئے اور وہ میٹھا نغمہ الاپا گیا کہ ہمارے بعض علماء کرام ایک ایک کر کے اسلام آباد پہنچ کر ''عزت و وقار'' کی کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ محروم اقتدار خواب سے بیدار ہوئے ہی تھے کہ حکمران کی ساحری نے انعام واکرام کی میٹھی گولیاں دے کر انہیں سلا دیا۔ سنیوں کے باوقار علماء اعلیٰ اقتدار میں تو جگہ نہ پا سکے مگر بعض انعامات، نوازشات، مناصب اور آداب شاہی کے شکار ہو گئے اور یوں یہ عظیم الشان ملت

ٹکڑے ٹکڑے ہوکر رہ گئی اور سنّیوں کی اس عظیم اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ جو علمائے کرام نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے جیل میں چکیاں پیستے رہے تھے، جو علماء کرام نانِ جویں کھا کر باطل قوتوں کو للکارتے رہے تھے، جن علماء کرام نے تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ میں اپنے بچوں تک کو قربان کر دیا تھا، جن علماء کرام نے سب کچھ لٹا کر منزل مقصود پالی تھی، ان میں سے بعض فوجی حکمتِ عملی کی نذر ہو کر رہ گئے۔

سنّیوں کی قوت بکھر گئی، ملتان اور رائے ونڈ کے اجتماعات ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئے اور بڑے قدآور علماء کرام سرنگوں ہو گئے!

فتادم ز تاج و فتادم ز تخت!

یہ ایک المیہ ہے یہ ایک سانحہ تھا یہ ایک حادثہ تھا۔ یہ ایک واقعہ تھا جس سے سنّیوں کی اجتماعی قوت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ آج اس سانحہ کو بیان کرتے دل بیٹھ جاتا ہے۔ آج اس المیہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے قلم رک جاتا ہے۔ آج اس واقعہ کو دہراتے ہوئے ندامت آتی ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں، غلط کہہ رہے ہیں، الزام تراشی کر رہے ہیں، دل آزاری کر رہے ہیں۔ ہم تو کبھی ایسے نہیں تھے۔ ہم تو یوں نہیں تھے، ہم تو اس طرح کے نہیں تھے!

موجودہ پاکستان میں سنّی قیادت ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے، تحریکوں میں بٹ گئی ہے، جماعتوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ پارٹیوں میں بکھر گئی ہے۔ قیادت کے جھگڑوں میں الجھ گئی ہے، راہوں میں آ گئی ہے، سڑکوں میں کھڑی ہوگئی ہے، صحراؤں میں پھیل گئی ہے، بیابانوں میں سرگرداں ہوگئی ہے۔ ہر ایک ٹکڑی اعلیٰ حضرت بریلوی کا نام لیتی ہے۔ ہر ایک جماعت ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کا سلام پڑھتی ہے۔ ہر ایک قیادت فاضل بریلوی کے نظریات کی حامی ہے۔ ہر ایک تحریک امام احمد رضا کی تحریروں کو پڑھتی ہے۔ مگر کہاں ہے اعلیٰ حضرت کا خلیفۂ مجاز علامہ ابوالبرکات؟ کہاں ہے اعلیٰ حضرت کا شاگرد رشید شیخ الحدیث سردار احمد؟ کہاں ہے علامہ سید احمد سعید کاظمی؟ کہاں ہے امیر ملت علی پوری؟ کہاں ہے صدر الافاضل مراد آبادی؟ اور کہاں ہے امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

موجودہ پریشان کن حالات اور مایوس کن تجزیہ کے باوجود آج پاکستان میں ''فکر رضا'' کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے سینکڑوں نہیں، ہزاروں مراکز کام کر رہے ہیں۔ ہزاروں مساجد ''فکرِ رضا'' کی درسگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ سیکڑوں مدارس ''نظریاتِ رضا'' کی تربیت گاہیں ہیں۔ سیکڑوں انجمنیں ''تعلیماتِ رضا'' کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ ہزاروں واعظ ''مقامِ رضا'' کو پیش کرنے میں سرگرم ہیں۔ ہزاروں نعت خواں ''کلامِ رضا'' سے دلوں کو عشق مصطفیٰ کی حلاوت سے سرشار کر رہے ہیں۔ ہزاروں ناشرانِ قرآن ''کنزالایمان'' کی اشاعت میں صبح و شام مصروف ہیں۔ ہزاروں دانشور ''احوال و مقاماتِ رضا'' پر کام کر رہے ہیں۔ ہزاروں اہلِ قلم ''فکرِ رضا'' کو پھیلا رہے ہیں ''فکرِ رضا'' کا یہ ایمان افروز ماحول ایسا ہے جو بحمد اللہ کسی دوسرے عالمِ دین کی تعلیمات و نظریات کی اشاعت کے لیے میسر نہیں آیا۔ اس مقام پر ہم جس قدر مسرت کا اظہار کریں کم ہے۔ جس قدر فخر کریں کم ہے۔ جس قدر ناز کریں کم ہے۔ جس قدر اللہ کا شکر کریں کم ہے۔ جس قدر فخر کریں کم ہے۔ جس قدر ناز کریں کم ہے۔ جس قدر اللہ کا شکر کریں کم ہے۔ عشق رسول کی ضیاؤں کا جس قدر احسان مانیں کم ہے۔

جھوم جھوم اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان!

ہمارے خیال میں یہ بکھرے ہوئے پھول، یہ علیحدہ علیحدہ باغات، یہ تنہا تنہا خیابان، یہ علیحدہ راہوں پر چلنے والے قافلے، الگ منزلوں پر جانے والے کارواں، یہ جدا جدا انجمنیں، یہ جداگانہ محفلیں، یہ جداگانہ مجلسیں اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم کم از کم ''فکرِ رضا'' پر متحد ہیں۔ اگر ان پر پھولوں کی پتیوں کو یکجا کرلیا جائے تو سنیت کے

ہار بن جاتے ہیں۔ اگر پھولوں کو متحد کرلیا جائے تو سنیت کے گلدستے بن جاتے ہیں۔ اگر ان باغوں کی دیواروں کو قریب کرلیا جائے تو ''گلستان رضویت'' مہک اٹھتے ہیں۔ اگر ان ذروں کو یکجا کرلیا جائے تو سنیت کے آفتاب چمکنے لگیں گے۔ اگر ان ستاروں کو ملا دیا جائے تو آسمان رضویت کے آفتاب و ماہتاب درخشاں دکھائی دیں گے۔

ہمارا ناقص تجزیہ یہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں کوئی ایسی علمی یا روحانی شخصیت موجود نہیں جو ان تمام متفرق انجمنوں، مرکزوں، کانفرنسوں، مجلسوں اور بزموں کو ایک مرکز پر لے آئے۔ ہماری خواہشات اور آرزوئیں ابھی تک اتنی پختہ نہیں ہوئیں کہ سنی متحد ہو کر ''فکرِ رضا'' کو مرکزی حیثیت دے سکیں۔ ہمارے ذہنوں کی ابھی تک اتنی آبیاری نہیں ہوئی کہ ''فکرِ رضا'' کی مرکزیت کو منظم کرنے کے لیے اپنی انا کو چھوڑ سکیں، ایک مرکز پر رہ کر عالم اسلام میں بڑھتی ہوئی اعتقادی ناہمواری کو درست کر سکیں۔ اندریں حالات اگر سرِ دست ہماری چند تجاویز کو اپنا لیا جائے تو ''فکرِ رضا'' کی مرکزیت کی طرف یہ پہلا قدم ہو سکتا ہے۔

۱۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نظریات کو جہاں جہاں پھیلایا جارہا ہے، اسے غنیمت جان کر جوں کا توں جاری رکھا جائے۔ تاکہ ہر شخص اپنے حالات میں رہ کر کام کرتا جائے۔

۲۔ فاضل بریلوی کی تصانیف کو شائع کرنے کا جہاں جہاں کام ہو رہا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ بلکہ ان سے مالی تعاون کیا جائے۔

۳۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا جہاں جہاں نام لیا (اور ان کے کارناموں کو نشر کیا) جارہا ہے، ان کی امداد کی جائے۔

۴۔ اعلیٰ حضرت کے نظریات کی اشاعت میں جس قدر رسائل چھپ رہے ہیں، ان کی خریداری بڑھانے اور ان کا حلقۂ مطالعہ پھیلانے میں مدد کی جائے۔

۵۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر جتنی لائبریریاں قائم ہوئی ہیں، انہیں مرتب کیا جائے اور حتی الوسع انہیں کتابیں مہیا کی جائیں۔

۶۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر جتنی مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، ان کا نظام بہترین انداز میں ہوتا کہ اعلیٰ حضرت کے وقار کی جھلک نظر آئے۔

۷۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر جس قدر مجالس، محافل یا بزم بنی ہیں، ان سے بھرپور تعاون کیا جائے۔

۸۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر چلنے والے اداروں کے لیے مخیر سنی حضرات سے مالی تعاون حاصل کیا جائے۔

۹۔ ہمارے واعظ اور دوسرے علماء کرام جہاں جائیں، وہاں کے مقامی رضوی اداروں کا اچھے الفاظ میں تعارف کرائیں۔

۱۰۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن (کنز الایمان) یا دوسری کتابیں شائع کرنے والے ناشرین کی حوصلہ افزائی کی جائے اور بدعقیدہ علماء کے تراجم اور کتابیں خریدنے سے عام سینوں کو روک دیا جائے۔

۱۱۔ جہاں جہاں ''یومِ رضا'' یا ''عرسِ امام احمد رضا'' منائے جاتے ہیں وہاں تمام سنی بھرپور شرکت کر کے منتظمین کی حوصلہ افزائی کریں۔

۱۲۔ ''فکرِ رضا'' سے ناآشنا حضرات کو مناظرانہ انداز میں نہ دبایا جائے بلکہ محبت سے انہیں لٹریچر مہیا کیا جائے۔

اس انداز سے ہم ایسے علیحدہ علیحدہ کام کرنے والوں کو اپنے اپنے ماحول اور حالات کے مطابق کام کرنے کا موقع دے کر ایک اجتماعی قوت بنا سکتے ہیں اور ''فکرِ رضا'' کو مختلف انداز میں پھیلا سکتے ہیں۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن!

اللہ کرے ہمارے سنی حضرات میں حساس افراد ان تجاویز یا ان سے بہتر تجاویز پر عمل پیرا ہو کر ''فکرِ رضا'' کو عوام تک پہنچانے کے کام کا آغاز کردیں۔

☆☆☆☆☆

مصر میں رضویات

از: الدکتور حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ *

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت مصر کے دینی اور علمی حلقوں کی معروف شخصیت بن گئی ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں سرزمین قاہرہ پر کئی علمی تخلیقات منظر عام پر آچکی ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے بارے میں منظر عام پر آنے والی علمی تخلیقات اگر چہ چند سال پہلے شروع ہوئی ہیں، لیکن یہ سب کتب ہمہ جہت ہیں۔ ہم نے ان کاوشوں کو یونیورسٹیوں کے نصاب اور مراسلات کی شکل میں دیکھا ہے، میں اردو دان قارئین کے سامنے ایک فہرست پیش کرتا ہوں تاکہ ان کے سامنے واضح ہو کہ مصر میں اہل علم نے رضویات کا کتنا اہتمام کیا ہے۔

اول: یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقالات:

(۱) ''امام احمد رضا اور فقہ حنفی میں ان کا اثر''

(از مشتاق احمد شاہ، پاکستانی، مقالہ ایم فل)

(۲) ''مولانا احمد رضا خان بریلوی ہندی بحیثیت عربی شاعر''

(از ممتاز احمد سدیدی، پاکستانی، مقالہ ایم فل)

دوم: علمی کتب:

(۱) بساتین الغفوان

(ترتیب وتدوین پروفیسر حازم محمد محفوظ)

(۲) الدراسات الرضویه فی مصر العربیه

''مصر میں رضویات'' (پروفیسر حازم محمد محفوظ)

(۳) امام احمدرضا خان والعالم العربی

''امام احمد رضا خان اور عالم عرب'' (پروفیسر حازم محمد محفوظ)

(۴) بساتین الغفران کے مقدمے کا ترجمہ

(تحریر پروفیسر حازم، ترجمہ حمزہ شرف قادری)

(۵) الامام احمدرضا خان فی الصحافة المصرية

''امام احمد رضا خان مصری صحافت میں''

(حازم محفوظ و نبیلہ اسحاق چودھری)

(۶) اقامة القيامة على طاعن القيام النبی تهامه

''نبی ﷺ کے لئے قیام پر طعن کرنے والے پر قیامت''

(از: امام احمد رضا خان، عربی ترجمہ، ممتاز احمد سدیدی)

(۷) المنظومة السلامية فی مدح خير البرية

''سلام رضا کا عربی ترجمہ مع تعارف امام احمد رضا بریلوی، اردو سے عربی ترجمہ، حازم محمد محفوظ، شرح و عربی نظم'' (ڈاکٹر حسین مجیب المصری، مرحوم)

سوم: زیر تکمیل:

(۱) الامام احمدرضا بين نقاد الأ دب فی مصر الأ زهر

''امام احمد رضا مصری ادباء اور ناقدین کی نظر میں''

ترتیب وتدوین حازم محمد محفوظ

(۳) ''اقبال اور احمد رضا'' (حازم محمد محفوظ)

(۴) امام احمد رضا خان اور عربی زبان (نبیلہ اسحاق چودھری)

چہارم: علمی مقالات:

(۱) مدرسه بریلی الاسلامیه الفکریة

''بریلی کا اسلامی مکتب فکر'' (پروفیسر حازم محمد محفوظ)

(۲) احمدرضا خان مصباح هندی بلسان عربی

''احمد رضا خان ہندی چراغ، بزبان عربی''

☆ استاذ: جامعۃ الازہر شریف، قاہرہ، مصر

(ڈاکٹر رزق مرسی ابو العباس)

(۳) مولانا احمدرضا خان و اللغة العربية

"مولانا احمدرضا خان اور عربی زبان" (ڈاکٹر حسین مجیب المصری، المرحوم)

(۴) وجه الحاجة إلى دراسة مولانا احمدرضا خان

"رضویات کی ضرورت واہمیت" (پروفیسر ڈاکٹر حسین مجیب المصری، المرحوم)

(۵) شيخ العلماء الا مام محمد احمد رضا خان

(پروفیسر ڈاکٹر محمد المنعم خفاجی)

(۶) القاب مولانا الإمام احمدرضا خان عند علماء العرب

"علماء عرب کے ہاں امام احمد رضا کے القاب" (حازم محمد محفوظ)

(۷) اردو نعت گوئی کے امام، امام احمد رضا خان بریلوی

(پروفیسر ڈاکٹر نجیب الدین جمال)

(۸) الصوفی الکبیر الإ مام احمدرضا خان قادری

"عظیم صوفی امام احمد رضا خان" (ممتاز احمد سدیدی)

(۹) الامام الفقيه أحمد رضا خان البريلوى

"فقہ کے امام رضا خان حنفی بریلوی" (علامہ محمودہ جیرۃ اللہ)

(۱۰) موقف اقبال واحمد رضا خان من اقامة دولة باكستان

"مملکتِ پاکستان کے قیام کے بارے میں علامہ اقبال اور مولانا احمد رضا خان کا مؤقف" (ثناء اللہ)

(۱۱) مصر فی ادب احمد رضا خان

"مصر تخلیقات احمد رضا میں" (پروفیسر حازم محمد محفوظ)

(۱۲) المفكر الاسلامی الصوفی الكبير والداعيه والاديب العالمی

مولانا احمد رضا البريلوى الهندى عند صفوة من مفكرى العرب المعاصرين

مفکر اسلام، عظیم صوفی ومبلغ عالم اسلام کے ادیب حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ہندی کا مقام معاصرین مفکرین عرب کی نظر میں (شعبان ۱۴۲۶/ ۲۰۰۵ء)(ترتیب وپیش کش ڈاکٹر حازم محمد احمد، عبد الرحیم المحفوظ)

پنجم: قصائد:

(۱) احمد رضا عرب وعجم کے قطب (محمد احمد محفوظ)

(۲) مولانا احمد رضا خان کی خدمت میں

(پروفیسر ڈاکٹر حسین مجیب المصری، المرحوم)

(۳) مولانا احمد رضا خان کی یاد میں

(پروفیسر ڈاکٹر حسین مجیب المصری، المرحوم)

ششم: جامعة الازهر کے سلیبس میں:

(۱) مولانا احمد رضا خان اور ان کا مشہور عالم نعتیہ سلام

ہفتم: اخباری مضامین:

(۱) احمدرضا خان البريلوى الهندى شيخ مشائخ التصوف الا سلامي واعظم شعراء المديح النبوى (على صاحبها الصلوٰة والسلام)

"نعت رسول کے عظیم شاعر اور مشائخ طریقت کے سرتاج احمد رضا خان" (پروفیسر حازم محمد محفوظ)

(۲) مولانا احمدرضا كان كماعرفته

"مولانا احمد رضا خان میری نظر میں" (ڈاکٹر حسین مجیب مصری، مرحوم)

(۳) حقيقة الا مام احمدرضا

(امام احمد رضا خان اور ان کا حقیقی مقام) (پروفیسر حازم محمد محفوظ)

(۴) الامام احمدرضا خان علم اسلامی کبیر

"امام احمد رضا خان عظیم اسلامی رہنما" (جناب محمد احمد محفوظ)

(۵) امام العرب والعجم مولانا احمدرضا خان البريلوى

"عرب وعجم کے امام مولانا احمد رضا خان"

(پروفیسر نبیلہ اسحاق چودھری)

ہشتم: مراسلات:

(۱) امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۹ء کے لئے ایک پیغام

(پروفیسر ڈاکٹر حسین مجیب المصری، المرحوم)

(۲) امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۹ء کے لئے ایک پیغام

(پروفیسر حازم محمد محفوظ)

☆☆☆☆☆

فروغ رضویات اور طبقۂ خواتین

از: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف

مجدد اسلام۔ اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز پر لکھنے لکھانے اور ان کی حیات و شخصیت اور کارناموں پر تحریری و تحقیقی امور کی انجام دہی میں طبقۂ خواتین کا بھی اپنا ایک حصہ ہے، ایک کردار ہے۔ رسائل و جرائد کی چھان پھٹک کے بعد اس سلسلے میں جن خواتین کے اسماء سامنے آئے ہیں ان کا ایک جائزہ پیش ہے:

۱۔ مخدومہ محترمہ س۔ف۔ بیگم رضویہ (بریلی شریف):

وہ پہلی خاتون نظر آئی ہیں جن کا مضمون ''اعلیٰ حضرت بچپن'' ماہنامہ نوری کرن (بریلی شریف) بابت شمارہ ماہ جولائی ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔ نثر سادہ میں لکھا گیا یہ مضمون بہرحال قابل قدر ہے۔ ایک تو کسی خاتون کا پہلا مضمون ہونے کی وجہ سے، دوسرے یہ کہ اس مضمون میں اعلیٰ حضرت کے بچپن کا بہت ہی صداقت پسندانہ تذکرہ کیا گیا ہے اور دراصل یہ تذکرہ صرف کتابوں سے پڑھکر نہیں بلکہ اپنے گھر کے بزرگوں سے سُن کر کیا گیا ہے اسلئے کہ مخدومہ محترمہ کا تعلق خانوادۂ رضویہ ہی سے ہے۔

۲۔ محترمہ پاشا بیگم صاحبہ:

آپ کا مقالہ بعنوان ''اعلیٰ حضرت کی مذہبی اور سیاسی خدمات'' ماہنامہ عرفات (لاہور) بابت شمارہ ماہِ فروری ۱۹۷۰ء (اعلیٰ حضرت نمبر) میں شائع ہوا۔

آپ ہی کا ایک اور مضمون ''نعت گوئی اور اعلیٰ حضرت'' ترجمان اہلسنت، کراچی بابت شمارہ ماہ فروری ۱۹۷۶ء میں بنام پاشا بیگم پیرزادی شائع ہوا۔ (حوالہ: آر۔بی۔ مظہری: امام احمد رضا دنیائے صحافت میں ص ۳۵، ۳۸، ۴۲)۔

۳۔ ڈاکٹر باربرا مٹکاف۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی (امریکہ):

آپکی تالیف (Religious Leadership in India) (ہندوستان میں مذہبی قیادت) ۱۹۷۴ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ زیرنظر کتاب میں ڈاکٹر صاحبہ نے علمائے ہند کا تذکرہ کیا ہے اور سب سے زیادہ طویل تذکرہ امام احمد رضا کا ہے۔ آپنے امام احمد رضا کی ریاضی میں مہارت اور علیگڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کا امام احمد رضا کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے ریاضی کے لاینحل مسئلہ کو حل کرانے کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ جس مسئلہ کے لئے وہ جرمنی کا سفر کرنیوالے تھے۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر لکھتی ہیں:

''وہ (امام احمد رضا) خلوت کو پسند کیا کرتے تھے اور جب وہ باہر آتے تھے تو لوگ ان کو ہاتھ لگانے کے لئے لپکتے تھے۔ کوئی ان کا ہاتھ چومتا تھا تو کوئی پیر۔ امام احمد رضا نے ایک سرپرست کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کیا، ان کا کردار اہل دیوبند کے کردار سے مختلف رہا۔'' (انگریزی سے ترجمہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: امام احمد رضا اور عالمی جامعات ص ۴۹)

۴۔ خدیجہ نشاط اشرفی:

محترمہ ''خدیجہ نشاط اشرفی'' کا مقالہ بعنوان ''امام احمد رضا کی دینی خدمات'' ماہنامہ المیزان، ممبئی بابت شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۷۶ء (امام احمد رضا نمبر) میں شائع ہوا۔ آپنے اس مقالے میں امام احمد رضا کی دینی خدمات بالخصوص بدمذاہب کے رد اور ان کی دینی رہبری سے

مسلمانان اہل سنت کے تحفظ کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدوس سرہٗ سے وابستگی ہی ایمان کی سلامتی کی ضمانت اور مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی غلامی کا ثبوت ہے۔'' (المیز ان۔ امام احمد رضا نمبر ۲۸۲، ۲۸۳)

۵۔ محترمہ آر۔ بی۔ مظہری (صدیقی):

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد قبلہ کے بقول حیدر آباد سندھ کی ایک فاضلہ'' آر۔ بی۔ مظہری (صدیقی)'' نے امام احمد رضا سے متعلق مختلف فضلاء کے تاثرات پر ایک طویل مقالہ مرتب کیا تھا جو ہفت روزہ افق (کراچی) کے مشہور شماروں میں شائع ہوا۔ (آر۔ بی۔ مظہری: امام احمد رضا دنیائے صحافت میں ص ۳۲)

آر۔ بی۔ مظہری (حیدرآباد سندھ، پاکستان) نے ''امام احمد رضا کے حالات اور ادبی خدمات'' پر ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی نگرانی میں سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (پاکستان) سے ۱۹۸۱ء میں ایم۔فل کیا۔

آر۔ بی۔ مظہری نے امام احمد رضا پر ایک بہت ہی معلوماتی مقالہ بعنوان ''امام احمد رضا دنیائے صحافت میں'' مرتب کیا جسے مرکزی مجلس رضا، لاہور نے ۱۹۸۳ء میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ فاضلہ نے امام احمد رضا پر ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۸۳ء تک مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ رسالہ کے شروع میں چند اخبارات و رسائل کے تراشوں کے عکوس (مع مضمون) بھی شامل کئے ہیں۔ اس مقال کی بابت مظہری صاحبہ خود تحریر کرتیں ہیں:

''امام احمد رضا پر کتابی دنیا میں بہت کچھ کام ہو چکا ہے اور بہت کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارا موضوع صحافتی دنیا کے علمی ذخیرے سے متعارف کراتا ہے اسلئے رسالوں اور اخباروں میں امام احمد رضا پر جو مقالات شائع ہو چکے ہیں (خصوصاً پاکستان میں) انکی تفصیلات اس مقالے میں پیش کی جارہی ہے۔ اخبارات اپنی اپنی صوابدید کے مطابق نئے نئے عنوانات قائم کرتے ہیں چنانچہ کبھی ایک ہی مضمون کے ایک سے زیادہ عنوانات بن جاتے ہیں اور اصل عنوان کا پتہ نہیں چلتا اسلئے اخبارات کے طویل عنوانات کو مختصر کر کے لکھا ہے البتہ رسالوں کے عنوانات کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے''۔ (امام احمد رضا دنیائے صحافت میں ص ۷)

زیر نظر رسالے میں مظہری صاحبہ نے ۲۹/ اخبارات و رسائل میں شائع ۱۴۳/ مضامین و مقالات کے حوالے پیش کئے ہیں۔

۶۔ ڈاکٹر مسز اوشا سانیال (امریکہ):

آپ نے امام احمد رضا پر ریسرچ روک کر کے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنیوالی پہلی لیڈی اسکالر ہیں۔ آپکی تھیسس کا عنوان تھا: (Devotional Islam and Politics in British India. Ahmad Rada Barelvi and his movement 1870.1920) یعنی: ''برطانوی ھندوستان میں حقیقی (سُنی) اسلام اور سیاست۔ امام احمد رضا بریلوی اور ان کی تحریک ۱۸۷۰ء۔ ۱۹۲۰ء'' ڈاکٹر اوشا سانیال کا یہ پی ایچ۔ ڈی مقالہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوا ہے۔

زیر نظر مقالہ نو ابواب پر مشتمل ہے۔ جائزہ نگاروں نے اس کتاب کے مطالعہ سے جو تاثر پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ زیر نظر مقالہ معتبر بھی ہے اور غیر معتبر بھی۔ مثلاً: وہ لکھتیں ہیں کہ: ''مولانا احمد رضا کو تعلیم پھیلانے میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی البتہ فتویٰ نویسی اور تصنیفی کاموں میں ان کی دلچسپی زیادہ تھی''۔

اس میں آدھی بات غلط ہے اور آدھی سچ۔ امام احمد رضا نے فروغ علم پر بڑا زور دیا ہے، اپنا تعلیمی نظریہ بھی پیش فرمایا ہے اور اسی مقصد کے لئے انھوں نے دارالعلوم منظر اسلام'' کی بناء بھی رکھی تھی۔

ایک جگہ مسز اوشا نے امام احمد رضا کو گوشہ نشین لکھا ہے جو قطعاً غلط

ہے۔ امام احمد رضا نے بہت سے اسفار بھی کئے ہیں۔ البتہ مسز زاوشا نے امام احمد رضا کے عشق رسول کو خوب اُجاگر کیا ہے نیز علوم عقلیہ میں (ریاضی و سائنس میں بالخصوص) ان کی مہارت کا حوالہ دیتے ہوئے اہل علم و قلم کو اس جانب بھی قلم اٹھانے اور تحقیق کرنے کی بات کہی ہے۔

اس مقالہ پر کوئی تبصرہ مقصود نہیں ہے صرف اتنا عرض ہے کہ کچھ منفی پہلوؤں اور تضاد بیانی کے باوجود یہ مقالہ لائق مطالعہ ہے اور برِّ صغیر کے انگریزی داں صاحبان نیز دنیائے مغرب میں موثر ہونے والی کتاب ہے اور رضویات کے باب میں ایک اہم اضافہ ہے۔

۷۔ ڈاکٹر قمر جہاں بیگم: (بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس)

آپ کی نگرانی اور رہنمائی میں ڈاکٹر طیب رضا نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے ''امام احمد رضا خاں حیات اور کارنامے'' کے عنوان پر ۱۹۹۳ء میں تھیسس لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

محترمہ قمر جہان بیگم نے اپنے ریسرچ اسکالر ڈاکٹر طیب رضا کی کس طرح رہنمائی کی اسکا علم یا تو ڈاکٹر طیب صاحب ہی سے ہو سکتا ہے یا مقالہ دیکھ کر۔ راقم کو انکا مقالہ دیکھنے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ بر حال ڈاکٹر قمر جہاں صاحبہ کا نام امام احمد رضا پر ریسرچ کرانے والی نگراں یا گائیڈ کی حیثیت سے ضرور لیا جائے گا۔

۸۔ ڈاکٹر رفعت جمال صاحبہ۔

صدر شعبۂ اردو۔ بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس:

آپ کی نگرانی میں ڈاکٹر غلام یحییٰ مصباحی نے ۱۹۹۳ء اپنی تھیسس (The sis) ''علمائے اہل سنت کی علمی و ادبی خدمات''، مکمل کر کے پی ایچ، ڈی، کی ڈگری حاصل کی۔ اس the sis میں امام احمد رضا کا بھی تذکرہ ہے۔ علاوہ ازیں انھیں محترمہ کی نگرانی میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایک اسکالر شفیق اجمل ''بیسویں صدی میں امام احمد رضا اور علمائے اہلسنت کی ادبی و دینی خدمات'' پر ریسرچ کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر رفعت جمال صاحبہ کا ایک وقیع مقالہ بعنوان ''اردو نثر نگاری کے ارتقاء میں امام احمد رضا خاں کا حصہ'' معارف رضا، جولائی ۲۰۰۵ء۔ کراچی (پاکستان) میں شائع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر رفعت جمال صاحبہ کا شمار امام احمد رضا پر تحریری کام کرنے اور تحقیقی امور انجام دینے والی نگراں۔ دونوں حیثیات سے کیا جائے گا۔

۹۔ ڈاکٹر جہاں آرا بیگم۔ مسیو ر یونیورسٹی (بھارت):

آپکی نگرانی میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری نے مسیور یونیورسٹی سے اپنی۔ پی، ایچ، ڈی۔ تھیسس بعنوان ''امام احمد رضا کا تصور عشق''، مکمل کر کے ۲۰۰۲ء میں پی، ایچ، ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔

۱۰۔ ڈاکٹر مسز تنظیم الفردوس (پاکستان):

آپ نے جامعہ کراچی (پاکستان) سے پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب کی نگرانی میں اپنی تھیسس بعنوان ''مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری''، مکمل کی اور ۲۰۰۴ء میں آپ کو پی، ایچ، ڈی۔ کی ڈگری تفویض کی گئی۔

۱۱۔ محترمہ خالدہ پروین۔ فیصل آباد (پاکستان):

آپ ''امام احمد رضا کے افکار و تعلیمی نظریات'' کے عنوان سے ایم۔ ایڈ سطح پر گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، فیصل آباد (پاکستان) سے مقالہ لکھ رہی ہیں۔

۱۲۔ حامدہ بیگم، پیلی بھیت (بھارت):

روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی (بھارت) سے ڈاکٹر حامد علی خاں

صاحب کی نگرانی میں "اردو نثر نگار اور مولانا احمد رضا خاں" کے عنوان پر پی، ایچ، ڈی۔ کر رہی ہیں۔ ان کے مقالہ کا عنوان اور خاکہ (Synopsis) راقم عزیزی کا ترتیب کیا ہوا ہے۔ ابتداء میں راقم نے انھیں کئی ابواب میں رہنمائی کی۔ اب ان کی تھیسس کس مرحلے میں ہے راقم کو علم نہیں۔

۱۳۔ برطانوی نو مسلمہ امینہ براکا:

آپ رضا اکیڈمی، اسٹاکپورٹ (برطانیہ) کے جرنل (انگریزی) اسلامک ٹائمز کی مدیرہ ہیں۔ رضا اکیڈمی، برطانیہ کے بانی و چیئرمین الحاج محمد الیاس صاحب کشمیری کی تحریک اور فرمائش پر آپنے امام احمد رضا کی سوانح پر انگریزی میں ایک کتاب "A tribute to shakh-al-Islam Imam Ahmad Raza" ترتیب دی جو ۲۰۰۵ء میں رضا اکیڈمی، اسٹاکپورٹ (برطانیہ) سے شائع ہوئی۔ راقم عزیزی نے اس کتاب کا اردو ترجمہ بنام "شیخ الاسلام امام احمد رضا کو خراجِ عقیدت" کیا اور یہ ترجمہ ۲۰۰۵ء ہی میں شائع ہوا۔ ☆

مندرجہ بالا خواتین رائٹروں اور اسکالروں میں دو غیر مسلمہ (ایک انگریز نسل کی امریکن، ایک بھارتی ہندو جو امریکی شہری ہیں) اور ایک برطانوی نو مسلمہ۔ بقیہ گیارہ خواتین ہند و پاک کی ہیں۔

کتابیات

۱۔ آر۔ بی۔ مظہری: امام احمد رضا دنیائے صحافت میں۔

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: امام احمد رضا اور عالمی جامعات۔

۳۔ ماہنامہ المیزان (امام احمد رضا نمبر) ممبئی ۱۹۷۶ء۔

۴۔ Dr. Mrs. Usha Samyal: Devotional Islam and Politics in British India. Ahmad Riza Barelwi and his Movement 1870.1920

۵۔ کتابچہ۔ تاجدار بریلی کانفرنس، لاہور۔

۶۔ Amina Baraka: An atribute to Shaikh-al-Islam Imam Ahmad Raza.

☆ مندرجہ ذیل خواتین بھی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ اور علماء اہلِ سنّت کے حوالے سے مختلف عالمی جامعات میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی تھیسس لکھ رہی ہیں:

(۱) آنسہ شبنم خاتون صاحبہ:

پروفیسر ڈاکٹر ابو حاتم استاذ شعبۂ عربی کی نگرانی میں بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس (انڈیا) سے "مولانا احمد رضا خان کی عربی زبان وادب کی خدمات" پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی تھیسس لکھ رہی ہیں۔ ان کے رجسٹریشن کی تاریخ اپریل ۲۰۰۵ء ہے۔

(۲) آنسہ رضوانہ سحر صاحبہ: (رجسٹریشن ۲۰۰۰ء)

"علامہ وصی احمد سورتی علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات" پر پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین نوری، رئیس کلیۂ علوم اسلامیہ (جامعہ کراچی) کی نگرانی میں جامعہ کراچی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی تھیسس لکھ رہی ہیں۔

(۳) آنسہ آمنہ بیگم صاحبہ: (رجسٹریشن ۲۰۰۶)

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین نوری، رئیس کلیۂ علومِ اسلامی جامعہ کراچی، کی نگرانی میں اسی جامعہ سے "علمِ فقہ کے فروغ میں مولانا ابوالبرکات احمد قادری، لاہوری کی خدمات" کے حوالے سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی تھیسس تحریر کر رہی ہیں۔

(۴) آنسہ نغمہ اختر صاحبہ: (رجسٹریشن ۲۰۰۶ء)

جامعہ کراچی ہی سے پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین نوری کی نگرانی میں "مولانا امجد علی اعظمی کی علمی، دینی، فقہی خدمات کا تحقیقی جائزہ" کے عنوان سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہی ہیں۔

(وجاہت)

☆☆☆☆☆

تعلیمی نظریات

۱۔ امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات

۲۔ امام احمد رضا کے طریقۂ تدریس کی امتیازی خصوصیات

۳۔ اشاریۂ مقالات برائے تعلیمی افکار ونظریات رضا

امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات

از: ڈاکٹر طیب علی رضا انصاری*

امام احمد رضا بریلوی چودھویں صدی کے مجدّد اور مفکّر و مدبّر تھے، جن پر ہندو پاک اور دیگر بلا داسلامیہ کے علماء جتنا فخر کریں کم ہے۔ (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ)

آج سے تقریباً سو سال قبل کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ حکومت کا زوال، انگریزوں کا تسلط، لیڈروں کا ابن الوقتی کردار، ملّتِ اسلامیہ کے بنیادی اعتقاد اور اجتماعی مفاد کے خلاف سازشوں کا جال، عظمتِ مصطفےٰ کے مقدس مقام پر ناپاک حملوں کی سازشوں اور اولیاء امت سے مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی مذموم کوششوں اور خود مسلمانوں کی جہالت و بے حسی وغیرہ یہی وہ حالات تھے، جن میں امام احمد رضا پوری مجدّدانہ شان و شوکت اور حکیمانہ تدبر و فراست کے ساتھ میدانِ عمل میں تشریف لائے، اساس ایمان عشق رسول کو مسلمانوں کے دل دماغ سے محو کردینے والی ہرنام ونہاد اصلاحی تحریک، تنظیم، تحریر اور تقریر کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کی فلاح و کامرانی کو صرف غلامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ قرار دیا۔

انگریزوں نے اپنے اقتدار کو استحکام بخشا تو عیسائیت کی تبلیغ اور اپنی تصانیف کی ترویج واشاعت کو ضروری سمجھا۔ علامہ فضلِ حق خیر آبادی تحریر فرماتے ہیں:

"انھوں (انگریزوں) نے بچوں اور نافہموں کی تعلیم اور زبان ودین کی تلقین کے لیے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کیے، پچھلے زمانہ کے علوم ومعارف و مدارس ومکاتب مٹانے کی پوری کوشش کی" [۱]

اس بات کی تصدیق لارڈ میکالے کے ان الفاظ سے کی جاسکتی ہے:

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو، یہ ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے، زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو" [۲]

امام احمد رضا نے جب حالات کا جائزہ لیا تو اس پروگرام کے مضمرات کو ان کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا اور دیگر شعبہائے زندگی کی طرح تعلیم وتربیت کے شعبہ میں بھی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظام تعلیم کے تحت فارغ ہونے والے ماہرین تعلیم کے مذموم عزائم کو طشت از بام کیا، ان کے مرتبہ نصابِ تعلیم اور طرزِ تعلیم کو مسترد کرتے ہوئے احکام قرآن وحدیث اور ارشاداتِ اکابرینِ امت پر مبنی نصابِ تعلیم، طرزِ تعلیم اور ذرائع تعلیم کی نہج مقرر فرمائی۔ قوم اپنے مذہب سے دور اور دینوی ترقی میں دوسرے سے بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ جسم تو پہلے ہی غلام بن چکا تھا، اب دل کو بھی غلام بنانے کا پروگرام طے پارہے تھے، اس ضمن میں آپ کے ارشادات رہتی دنیا تک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام احمد رضا نے تعلیم کا جو نظریہ قوم کو دیا اس میں قوم کے بیش تر مسائل کا حل ہے، دینی اور دنیاوی مقاصد پورے ہوتے ہیں، ساتھ ہی اس میں قلب کی طہارت، طمانیت اور ملّی بقا واحیاء کا سامان موجود ہے اور موجودہ بے راہ روتعلیم کے مضرت رساں اثرات سے بچنے کی تراکیب ہیں۔ آپ کے مقررہ تعلیمی نظریہ کو سامنے رکھ کر اگر طالب علم کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے تو تعلیم یافتہ نوجوان صحیح معنوں میں مسلمان ہوگا اور رفتار زمانہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔

امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات اتنے مفید اور جامع ہیں کہ زمانے کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پھر کمال تو یہ ہے کہ رفتار زمانہ نے ان کی افادیت اور جامعیت پر مہر تصدیق ثبت

☆ استاذ جامعہ فاروقیہ رضویہ، بنارس، یوپی، انڈیا۔

کردی ہے۔

ابتدائی تعلیم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ تربیت کر کے اس کو یہودی یا نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بچپن میں ذہن کی تربیت ہی بچے کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ابتدائی عمر میں بچے کو وہ تعلیم دی جائے جس سے وہ صحیح معنوں میں مسلمان بن سکے۔ ۳

امام احمد رضا بریلوی کا نظریہ ابتدائی تعلیم کے بارے میں نہایت واضح اور روشن ہے:

''زبان کھلتے ہی اللہ اللہ، پھر کلمہ لا الٰہ الا اللہ سکھائے، جب تمیز آئے آداب سکھائے، کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں، باپ، استاد اور دختر کو شوہر کی بھی اطاعت کے طرق و آداب بتائے، قرآن مجید پڑھائے، استاد نیک صالح، متقی، صحیح العقیدہ سن رسیدہ کے سپرد کرے اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔ بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے، عقائد اسلام و سنت سکھائے کہ لوحِ سادہ فطرتِ اسلامی و قبولِ حق پر مخلوق ہے، اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم ان کے دل میں ڈالے کہ اصل ایمان و عین ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب و اولیاء و علماء کی محبت و عظمت تعلیم کرے کہ اصلِ سنت و زیورِ ایمان بلکہ باعثِ بقائے ایمان ہے۔ سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کر دے، علمِ دین خصوصاً وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل، توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامتِ صدر و لسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل، حرص و طمع، حبِ دنیا، حبِ جاہ، ریا، عُجب، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ برائیوں کے رزائل پڑھائے۔ پڑھانے سکھانے میں رفق و نرمی ملحوظ رکھے موقع پر چشم نمائی تنبیہ کرے مگر ہرگز کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لیے سببِ اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے، مارے تو منہ پر نہ مارے، اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے، کوڑا قمچی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے۔ زمانۂ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت نشاط پر باقی رہے۔ مگر زِنہار زِنہار بُری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یارِ بد مارِ بد سے بدتر ہے'' ۴

نصاب تعلیم:

اس عنوان کے تحت نصاب کی دو حیثیتوں کا تعین مقصود ہے۔

(۱) ذریعۂ تعلیم میں کتاب کا حصہ

(۲) تعلیم میں کیسی کتاب کا ہونا لازمی ہے

امام احمد رضا بریلوی کے نزدیک کتاب تعلیم کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی ذرائع تعلیم ہیں مثلاً وعظ، تبلیغ وارشاد وغیرہ کسی نے سوال کیا کہ کتب بینی ہی سے علم حاصل ہوتا ہے؟ جواب میں فرمایا:

''یہی کافی نہیں ہوتا بلکہ علم افواہ رجال سے بھی حاصل ہوتا ہے'' ۵

تعلیم میں کون سی کتاب معتبر ہوگی؟۔۔۔۔ اس سوال کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے۔ ''کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر میں کر دیتا ہے کہ چھاپے کی اصل وہ نسخہ ہے جو کسی المماری سے ملا، اس سے نقل کر کے کاپی ہوئی سیدھی صاف باتوں میں، کسی کتاب سے ظنی طور پر کہ کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو، استناد اور بات ہے اور ایسے امر میں جیسے مسند نے کلمہ کفر بنایا اور اس سے توہین شانِ رسالت کے جواز پر سند لایا، اس پر اعتماد اور بات ہے۔ علماء کے نزدیک ادنیٰ درجہ ثبوت یہ ہے کہ ناقل کے لیے مصنف تک سند مسلسل متصل بذریعہ ثقات ہو'' ۶

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے۔ عربی نصاب میں ڈاکٹر نکلس کی کتاب ''تاریخ عربی ادب'' اور بی۔اے۔ کے اسلامی تاریخ کے کورس میں جرمنی کے پروفیسر ڈاکٹر وائلز کی ''ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز'' داخل تھیں۔ ان کتابوں میں حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نہایت دل آزاری کے کلمات استعمال کیئے گئے تھے، مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا، احتجاج کرنے والوں میں امام احمد رضا کے خلیفہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سرِ فہرست ہیں۔ انہوں نے اپنے رسالہ ''السواد الاعظم'' میں ایک طویل احتجاجی نوٹ لکھا: جس میں تحریر فرمایا ''اگر یہ سچ ہے تو جن لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ان کتابوں کا ترجمہ کیا، یا ان کو یونیورسٹی کے نصاب میں داخل کرنے کی سفارش کی وہ اسلام کے بدترین دشمن اور ناپاک دل انسان ہیں اور تمام دنیا کی لعنت ونفرت کے مستحق۔ نیز گورنمنٹ سے پرزور مطالبہ کیا جائے کہ وہ ان کتابوں کی اشاعت کو ایکدم روک دے اور اس کے تمام نسخوں کو ضبط کر لے اور یونیورسٹی کے نصاب سے خارج کر دے۔ جب تک ایسا نہ ہو مسلمان یونیورسٹی سے قطع تعلق کر دیں'' ۷

فاضل بریلوی کی تعلیمات کے مطابق پہلے ابتدائی تعلیم اور بنیادی ضروریات دینیہ کی تعلیم کے بعد ہی دیگر مضامین کی تعلیم دی جائے اور ان میں بھی افادیت کو پیش نظر رکھا جائے غیر مفید علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے تو فارغ ہونے والے نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کی روح باقی رہے، ان کی عمر عزیز کا کوئی لمحہ غیر مفید علوم کی تحصیل میں ضائع نہ ہو اور قومی پیمانے پر نا قابل تلافی نقصان سے بچ جائیں۔

امام احمد رضا ایک عظیم ماہر تعلیم:

فاضلِ بریلوی ایک عظیم ماہر تعلیم ہیں۔ اسی لیے ۱۵ رتا ۱۷ ر شوال ۱۳۱۱ھ/۲۲ رتا ۲۴ ر اپریل ۱۸۹۳ء کو ندوۃ العلماء کے جلسۂ تاسیس میں شرکت فرما کر اصلاح نصاب پر ایک مفید مقالہ پڑھا تھا۔ وہ نصاب کمیٹی کے اہم رکن تھے ! لیکن بعد میں بعض وجوہ کی بنا پر الگ ہو گئے ۱۹۰۴ء کو بریلی میں ایک عظیم دار العلوم کی بنیاد رکھی۔ آپ نے بکثرت طلبہ کو پڑھایا۔ تعلیم و تدریس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح باخبر تھے۔ خود آپ کے آباء واجداد روحانی اور علمی امور میں مرجع خلائق تھے۔

مشہور بزرگ مورخ مولوی عبد العزیز خاں بریلوی، اسلامی مدارس اور اس سے متعلق دوسرے مضامین میں بریلی کی علمی عظمت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''بریلی میں علوم اسلامی کے عروج کا زمانہ حافظ الملک عہد سے شروع ہوتا ہے جب کہ روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار علماء مساجد و مدارس میں درس دیتے تھے'' ۸

امام احمد رضا کے اپنے دور کے عظیم المرتبت علماء سے گہرے علمی روابط تھے، اکثر آپ کے یہاں علمی مجالس کا انعقاد ہوتا۔ ان علماء کے یہاں مدارس کے سالانہ امتحان میں شریک ہو کر علمی مذاکرات فرماتے۔ بعض مدارس میں ممتحن ہو کر تشریف لے جاتے، طلباء کی علمی استعداد کے ساتھ ساتھ ان کے مسائل سے براہ راست واقفیت حاصل کرتے، جامعات وکلیات کے نظماء آپ سے اکثر علمی امور پر مشورہ لیتے۔

امام احمد رضا نے اپنی پوری زندگی، علمی و عملی مسائل کے حل کرنے میں گذار دی، وہ ایک معلم، مفکر اور مجدد تھے۔ ہندوستان کے دورِ آخر میں ایسی ہمہ گیر شخصیت شاذ ہی نظر آتی ہے۔

نظریۂ تعلیم:

امام احمد رضا بریلوی نے تعلیم سے متعلق جن نظریات کا اظہار کیا ہے، ان میں سے اکثر کو آیات یا احادیث یا کلمات علماء سے موئید کیا ہے۔ آپ کا کمالِ علمی اور پھر بے نفسی ملاحظہ ہو کہ کسی بات کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اکابر علماء کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ حوالہ جات درحقیقت آپ ہی کے پسندیدہ نظریات ہیں۔ تمام علوم خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ان کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کی عظمت وعزت ہے اور ایک بہتر معاشرے کی تعمیر و تشکیل ہے۔ امام احمد رضا کے نزدیک تمام علوم کی تعلیم اسی غرض سے ہونی چاہئے، قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر سے تومدین فہمی کا مفہوم ظاہر ہے۔ اسی طرح طبعیات اور ارضیات سے پانی اور مٹی کی ماہیت و کیفیت اور احوال معلوم کیے جائیں، تاکہ بدن، لباس، جائے سجدہ کی طہارت کے مسائل فقہیہ

معلوم ہوسکیں۔

علمِ ریاضی سے تقسیمِ میراث اور پانی کی قلت و کثرت کے مسائل حل ہوسکیں۔ علمِ توقیت کو نماز، روزہ، حج وغیرہ کے اوقات متعین کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ علم مناظرہ ومرایا سے رویتِ ہلال اور علمِ کیمیا سے اشیاء کی قلب ماہیت وغیرہ کی پہچان کی جائے۔

امام احمد رضا کی تصانیف وتالیفات کی ایک ایک سطر ان کے نظریۂ تعلیم کو سمجھنے میں معاون ہے فرماتے ہیں:

"علم ہیئت، ہندسہ، زیج، لوگارثمات، اور فنون ریاضی میں میری مشغولیت حصولِ مہارت کے لیے نہیں ہوتی بلکہ محض تفریح طبع کے طور پر ہوا کرتی ہیں۔ ہاں بعض دفعہ روزہ اور نماز کے اوقات کی تجدید کے لیے اور مسلمانوں کے فائدہ کی خاطر نظام الاوقات مرتب کرنے کے لیے فنون مذکور کی جانب بالقصد متوجہ ہوتا ہوں" (ترجمہ از عربی عبارت)

امام احمد رضا کے نزدیک وہ کون سا علم ہے جس سے خدمتِ دین نہیں لی جاسکتی خود فرماتے ہیں:

"اسی طرح بہت سے اجزاء حکمت، مثلاً ریاضی، ہندسہ وحساب، جبر ومقابلہ، سیاحت ومرایا ومناظرہ، علمِ مثلث کروی، ومثلثِ مسطح وسیاستِ مدن وتدبیرِ منزل ومکائد حروب وفراست وطب وتشریح وبیطرہ وبیزرہ علم زیجات واسطرلاب وآلاتِ رصدیہ ومواقیت ومعادن، نباتات وحیوانات وکائنات، الجو وجغرافیہ وغیرہ بھی شریعت مطہرہ سے مضارت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلا واسطہ اور بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں بکارآمد ہیں" [9]

امام احمد رضا کی وضاحت کی موجودگی میں کوئی ایسا علم نہیں جس کو دین کا خادم نہ بنایا جاسکتا ہو۔ معلوم نہیں کہ علوم کی دینی ودنیوی خانوں میں تقسیم کب ہوئی۔ دینی ودنیوی تعلیم کی تقسیم کی موجودگی میں یہ تصور کتنا عجیب اور بعید معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی علوم کی تحصیل اگر حسن نیت کے ساتھ کی جائے تو وہی تعلیم دینی بن جائے۔ حسنِ نیت سے بے شمار احکام بدل جاتے ہیں۔

امام احمد رضا نے مسلمانوں کی معاشی اور علمی ترقی کے لیے ہدایت فرمائی اور ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں تدبیر فلاح ونجات واصلاح" کتاب لکھ کر چار نکاتی پروگرام پیش کیا، جس میں مسلمانوں کو ہدایت کی "علم دین کی ترویج واشاعت کریں" [10]

امام احمد رضا کے نزدیک تمام اصناف علوم کی تعلیم کا مقصد، دین فہمی اور خدارسی اور رسول شناسی میں معاونت نہیں تو بیکار اور تضیع اوقات ہے۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا کا موقف یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔ تعلیم کا محور دین اسلام ہونا چاہیے کیونکہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کا دین کیا ہے؟

افادیت تعلیم:

علوم اپنے اصناف واقسام کی کثرت کے باعث اس قدر کثیر ہیں کہ عام آدمی جس کی زندگی مختصر ہے تمام علوم کو بلکہ کسی علم کی ایک شاخ میں تکمیل کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اسلیے ضروری ہے وہ علم نافع کی تحصیل کرے۔ ہاں اگر وقت ساتھ دے تو دوسرے علوم پڑھ سکتا ہے۔ امام احمد رضا کے نزدیک وہ علوم جو صرف دنیوی مقاصد میں مفید ہوں ان کی تعلیم بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ غیر شرعی تصورات سے پاک ہوں، اس سلسلے میں علوم قدیمہ یا جدیدہ کی کوئی تمیز نہیں۔ جواز اور عدم جواز کا معیار وہی افادیت ہے۔ امام احمد رضا نے علوم نافع اور مفیدہ کے لیے ایک معیار مقرر فرمایا، ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"علم نافع وہ جس کے ساتھ فقاہت ہو" [11]

امام احمد رضا نے فقاہت کو معیار افادیت مقرر فرما کر سمندر کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ امام احمد رضا کے نظریۂ افادیت تعلیم کو سمجھنے کے لیے درج ذیل نگارشات ملاحظہ فرمائیں:

(ا) کسی نے سوال کیا طلب العلم فریضۃ علی کل مسلمہ، میں کون سا علم مراد ہے؟ تمام علوم مراد ہیں یا مخصوص۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''فقیر غفر اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کرسکتا ہے کہ مصداق فضائل (علم) صرف علوم دینیہ ہیں، وبس۔ ان کے سوا کوئی علم، شرع کے نزدیک علم، نہ آیات واحادیث میں مراد اگرچہ عرفِ ناس میں یا باعتبار لغت اُسے علم کہا کریں۔ ہاں آلات ومسائل کے لیے حکم مقصود کا ہوتا ہے، مگر اسی وقت تک کہ وہ علم بقدر تو سّل سیکھے جائیں۔ اسی طور پر وہ بھی موردفضائل ہیں۔ جیسے نماز کے لیے گھر سے جانے والوں کو حدیث میں فرمایا کہ وہ نماز میں ہیں جب تک نماز کا انتظار کریں، نہ یہ کہ انہیں مقصود قرار دے لیں اور مقصد اصلی سے کام نہ رکھے'' ۱۲

(ب) منطق وفلسفہ اور دیگر علوم قدیمہ کی تعلیم کے جواز وعدم جواز کی بحث میں فرماتے ہیں:

''نفس منطق کہ ایک علم عالی وخادم اعلی الاعالی ہے، اس کے اصل سائل یعنی مباحث خمس وقول شارح وتقاسیم قضایا وتناقض وعکوس و وضاعات خمس کی تعلیم میں اصلاً کوئی حرج شرعی نہیں نہ یہ مسائل شرح و مطہرہ سے کچھ مخالفت رکھیں'' ۱۳

بعض علماء نے منطق وفلسفہ وغیرہ علوم عقلیہ کی تعلیم تعلّم سے منع فرمایا، خود امام احمد رضا نے بھی بعض مقامات پر اس کی تصریح کی ہے:

''فلسفہ تو حرام اور مضر اسلام ہے اس میں منہمک رہنے والا لقب جاہل، اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے'' ۱۴

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بعض علوم کی تعلیم ناروا ہے حالانکہ بعض عبارات آئمہ کرام اور خود امام احمد رضا سے پتہ چلتا ہے کہ فلسفہ ومنطق کی تعلیم نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ علوم بقیہ علوم کے لیے بمنزلہ معیار العلوم ہیں۔ اس عقدہ کو امام احمد رضا نے مدلل بحث کے بعد حل کیا ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں انگریزوں کے تسلط سے اسلامی و دینی تعلیم میں انحطاط آگیا تھا، انگریزوں نے اپنے مفاد کے خاطر انگریزی زبان کی تعلیم اس لیے رائج کی یہاں کے لوگ انگریزی تعلیم اپنالیں اس میں یہاں تک کامیابی ہوئی کہ آج غیر ملکی تسلط کے باوجود مغربی تہذیب کو نو جوانوں اور بوڑھوں نے سینے سے لگا رکھا ہے۔ اس ابتدائی دور میں دردمند حضرات نے انگریزی تعلیم کی مخالفت کی۔ لیکن اس کے باوجود فاضل بریلوی دیگر علوم وفنون اور ادب کی طرح انگریزی زبان کی تدریس وتعلیم کے مجوز و قائل ہیں'' اگر اسے اغراض دینیہ کے لیے حاصل کیا جائے تو باعث ثواب ہے'' مولانا کریم رضا نے گنج گیا (بھارت) کے استفسار میں جو آپ نے شرائط پیش کیں انکی موجودگی میں انگریزی تو کیا دنیا کی تمام علوم وفنون کی تحصیل جائز ہے مگر اس بارے میں امام احمد رضا کی خاص عبارت پیش کرتے ہیں:

''وہی مسلمان اگر بہ نیت ردِّ نصاریٰ انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لئے صرف زبان سیکھنے یا حساب، اقلیدس، جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو کر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہو جائے، ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے'' ۱۵

خلاصہ کلام یہ ہے کہ افادیت کی خاطر تمام علوم، خواہ قدیمہ ہوں یا جدیدہ عقلی ہوں یا نقلی کی امام احمد رضا بریلوی کے نزدیک جائز ہے۔

نظریۂ تعلیم نسواں:

امام احمد رضا بریلوی عورتوں کی تعلیم کے نہ صرف حامی ہیں بلکہ ان کے نزدیک عورتوں کی تعلیم لازمی ہے۔ مگر موجودہ بے راہ روتعلیم کے سخت مخالف ہیں، ان کے نزدیک عورتوں کو بنیادی مذہبی تعلیم دی جائے۔ طہارت، عبادت، اور مذہبی معاملات کی تعلیم دی جائے، مگر تعلیم کا ماحول نہایت پاکیزہ اور مستور ہونا چاہئے۔ ان کی تعلیم کے لیے اعلیٰ کردار کی حامل استانیوں کا انتخاب کیا جائے اور امور خانہ داری کی ترتیب دی جائے اور عورتوں سے متعلقہ مخصوص مسائل کی تعلیم دی جائے۔ چونکہ امام احمد رضا ایک فقیہ ہیں، اسلیے وہ عورتوں کے پردہ کے سختی سے پابندی کے قائل ہیں۔ اس حیثیت سے مخلوط تعلیم کا نظریہ ان کے ہاں ممنوع ہے، عورتوں کی تعلیم کے بارے میں آپ کے نظریات

قابل مطالعہ ہیں۔ باپ پر جو فرائض اولاد کی تعلیم سے متعلق ہے، ان کی توضیح کے درمیان لڑکیوں کی مفید تعلیم وتربیت کا حکم دیا۔ ''اسے سینا، پرونا، کاتنا، کھانا پکانا سکھائے سورۂ نور کی تعلیم دے، لکھنا ہرگز نہ سکھائے کہ احتمال فتنہ ہے'' ۱۶

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خلف امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی نہایت ضروری ہے اسلیے درسیات کے علاوہ سوزن کاری اور امور خانہ داری کی تعلیم تا بحد امکان لازمی ہے، پردہ کا خاص اہتمام کرنا چاہئے'' ۱۷

طالبات کی تعلیم کے لیے ان عورت اساتذہ کا تقرر کیا جائے جو کردار کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی حامل ہوں، اساتذہ کی صحبت وتربیت سے کسے انکار ہے، جس قوم کی صحبت وتربیت میسر آئے گی، وہی اثرات طلباء وطالبات میں پیدا ہونگے اسلیے ضروری ہے کہ متقی اساتذہ کا انتخاب کیا جائے۔

امام احمد رضا خود فرماتے ہیں:

''اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے'' ۱۸

اگر کوئی ایسا مرحلہ آجائے کہ استانی دستیاب نہ ہوں، مرد اساتذہ سے تعلیم دلوانی پڑے تو اس صورت میں فرض ہے کہ طالبات پردے میں رہیں، سرسید احمد خاں کو بجا طور پر جدید تعلیم کا محرک وداعی سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود لڑکیوں کے لئے جدید تعلیم کو نقصان دہ سمجھتے ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان طالبات قدیم طرز کی اسلامی تعلیم چھوڑ کر نئی مغرب زدہ تعلیم میں مشغول ہوں، ۱۸۸۴ء میں گورداس پور کے مقام پر انہوں نے خواتین پنجاب کے اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے میری بہنو! میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پرواہ نہیں ہوں میں دل میں ان کی ترقی تعلیم کا خواہاں ہوں، مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے اس طریقۂ تعلیم سے ہے جس کے اختیار کرنے پر اس زمانہ کے کوتاہ اندیش قائل ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقۂ تعلیم اختیار کرنے کی کوشش کرو وہی طریقۂ تعلیم تمہارے لیے دین ودنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا'' ۱۹

سرسید احمد خاں سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار ڈاکٹر اقبال نے بھی اپنے اشعار میں کیا ہے۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈھ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدنظر
وضعِ مشرقی کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

امام احمد رضا عورتوں کی تعلیم کی فرضیت کے قائل ہونے کے باوجود کتابت زناں کے مخالف ہیں، اس کے لئے وہ احادیث صحیحہ اور مختلف تجربہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں، اگرچہ کتابت زناں کا مسئلہ علماء میں مختلف فیہ ہے مگر آپ کا موقف یہ ہے کہ:

''عورتوں کو لکھنا لکھانا شرعاً ممنوع وسنت نصاریٰ و فتح باب ہزاراں فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے، جس کے مفاسدہ شدیدہ پر تجارب جدیدہ شاہد عدل ہیں، متعدد حدیثیں اس سے ممانعت میں وارد ہیں جن میں بعض کی سند عند التحقیق خود قوی ہے اور اصل متن حدیث کے معروف ومحفوظ ہونے کا امام بیہقی نے اعادہ فرمایا اور پھر تعدد طرق دوسری قوت ہے اور عمل امت وقبول علماء تیسری قوت اور محل احتیاط وسد فتنہ چوتھی قوت تو حدیث اقل حسن ہے اور ممانعت میں اس کا نص صریح ہونا خود روشن ہے'' ۲۰

غیر ملکی امداد اور تعلیم:

تعلیم کو عام اور آسان بنانے کے لیے اور ہر شخص کو حصول تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لیے بعض اوقات اپنے مالی اسباب ووسائل ناکافی ہوجاتے ہیں ایسی صورت میں بغرض تعلیم غیر ملکی مالی امداد لینا

پڑتی ہے، امام احمد رضا کے نزدیک غیر مسلموں کی ایسی امداد قبول کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) امداد مخالف شرع کاموں کے لیے نہ ہو۔

(۲) مخالف شرع کاموں کی ترغیب کے لیے نہ ہو۔

(۳) امداد کو کسی قومی مفاد پر ترجیح نہ دی جائے۔

ہندوستان میں انگریزی دورِ حکومت میں مسلمان اپنی تعلیم کے لیے غیر مسلم حکومت (انگریزوں) سے امداد لیتے رہے، بہت سے مدارس اسی امداد پر چلتے تھے، اس نظریہ کے شروط جواز کو آپ نے یوں بیان کیا:

''تعلیم دین کے لیے گورنمنٹ (انگریزوں) سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالف شرع سے مشروط ہو، نہ اس کی طرف منجر ہو تو یہ نفع بے غائلہ ہے، جس کی تحریم میں شرع مطہر سے اصلا کوئی دلیل نہیں'' ۲۱

ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا:

''جو مدارس ہر طرح سے خالص اسلامی ہو۔۔۔۔ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے، ایسے مدارس کے لیے گورنمنٹ اگر اپنے پاس سے امداد کرتی، لینا جائز تھا، نہ کہ جب وہ امداد رعایا کہ مال ہی سے ہے'' ۲۲

الحاصل ''حضرت رضا بریلوی ایک ماہر تعلیم بھی تھے اسی لئے ندوۃ العلماء کی نصاب کمیٹی کے وہ ایک اہم رکن تھے بعد میں بعض وجوہ کی بنا پر علیحدہ ہوگئے۔ وہ خود دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف (۱۹۰۴ء) کے بانی بھی تھے۔ اور بکثرت طلباء کو انہوں نے پڑھایا تھا، تعلیم و تعلم کے نشیب و فراز سے اچھی طرح باخبر تھے۔ انہوں نے تعلیم و تدریس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے مقصدیت، اولیت، صداقت، افادیت اللّٰہیت، جمیت، محبت، سکینت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔۔۔۔ملت کی ترقی اور نشو و نما کے لئے تعلیم بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم تشکیل و ترتیب دیتے وقت یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ ترقی اور نشو و نما کی نہج کیا ہونی چاہیے۔ نہج کا تعین قومی مزاج، قومی نظریات اور قومی ضرورت کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں فاضل بریلوی کا موقف یہ ہے۔

۱۔ اسلام کی تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے اور تعلیم کا محور دین اسلام ہونا چاہیے کیوں کہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کیا ہے اور دین اسلام کیا ہے؟

۲۔ مقصدیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ تعلیم کا بنیادی مقصد خدارسی اور رسول شناسی ہونا چاہیے تا کہ ایک عالمگیر فکر ابھر کر سامنے آئے۔ سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیاء کی معرفت سے زیادہ خالق اشیاء کی معرفت ضروری ہے۔

۳۔ اولیت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتدائی سطح پر رسول اکرم ﷺ کی محبت و عظمت کا نقش طالب علم کے دل پر بٹھایا جائے کہ اس وقت بتایا ہوا پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کے ساتھ واصحاب اور اولیاء علماء کی محبت و عظمت دل میں پیدا کی جائے۔

۴۔ اولیت کے بعد حضرت رضا بریلوی صداقت پر زور دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پڑھایا جائے وہ حقائق پر مبنی ہو، جھوٹی باتیں انسان کی فطرت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ جس طرح جسم کیلئے صحیح غذا ضروری ہے۔ اسی طرح ذہن اور دماغ کیلئے بھی صحیح غذا ضروری ہے۔ صحت فکر اسی سے وابستہ ہے۔

۵۔ صداقت کے بعد انہوں نے افادیت پر زور دیا ہے۔ ان کے خیال میں صرف انہیں علمو کی تعلیم دی جائے جو دین و دنیا میں کام آئیں۔ غیر ضروری اور غیر مفید علوم و فنون کو نصاب سے خارج کر دیا جائے اس سے افراد کی توانائی، مال اور عمر تینوں ضائع ہوتے ہیں جو ایک بڑا قومی نقصان ہے۔

۶۔ افادیت کے بعد وہ للّٰہیت پر زور دیتے ہیں اور اساتذہ کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں کہ ان کے دل میں اخلاص و محبت ہو اور قومی تعمیر کی لگن ہو وہ علم کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ طلبہ کے لئے ایک

اعلیٰ نمونہ ہوں۔

۷۔ للّٰہیت کے بعد وہ حمیت وغیرت پر زور دیتے ہیں طلباء میں خود داری اور خودشناسی کا جوہر پیدا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ دستِ سوال دراز کرنے کے عادی نہ ہوجائیں اور اپنا یہ جوہر کھوکر معاشرے کے لئے ایک بوجھ اور اسلام کے لئے ایک داغ نہ بن جائیں۔

۸۔ حمیت کے بعد حضرت رضا بریلوی حرمت پر زور دیتے ہیں یعنی طالب علم کے دل میں تعلیم اور متعلقات تعلیم کا احترام پیدا کیا جائے۔

۹۔ حرمت کے بعد وہ صحبت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یعنی طالب علم کو بری صحبت سے بچایا جائے۔ کہ یہی عمر بننے اور بگڑنے کی ہوتی ہے۔۔۔۔ وہ مفید کھیل اور سیر وتفریح کو بھی ضرور قرار دیتے ہیں۔ تاکہ طالب علم کی طبیعت میں نشاط وانبساط باقی رہے اور وہ مسلسل تحصیلِ علم سے اکتانہ جائے۔

۱۰۔ آخر میں حضرت رضا بریلوی سکنیت پر زور دیتے ہیں۔ یعنی تعلیمی ادارے کا موحول پرسکون اور باوقار ہونا چاہیے تاکہ طالب علم کے دل میں وحشت اور انتشار فکر نہ پیدا ہو۔'' ۲۳

حواشی و حوالہ جات

ا۔ الثورۃ الہندیہ، علامہ فضل حق خیرآبادی، مکتبہ قادریہ لاہور، ص ۲۵۵۔
۲۔ باغی ہندوستان، (مقدمہ) عبدالشاہد خاں شیروانی، المجمع الاسلامی مبارکپور، ص ۱۶۱۔
۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، رپورٹ آل انڈیا سنی کانفرنس، منعقدہ بنارس ۲۷ر اپریل ۱۹۴۶ء۔
۴۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم، امام احمد رضا، ص ۴۶۔۴۷۔
۵۔ الملفوظ حصہ اول، مفتی مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں، ص ۹۔
۶۔ حجت العوارعن مخدوم بہار، امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ص ۵
۷۔ سالانہ رپورٹ، ندوۃ العلماء، مطبوعہ کانپور ۱۳۱۲ھ بحوالہ تذکرہ محدث صورتی، ص ۱۰۶
۸۔ تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی، مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی، مہران اکیڈمی کراچی، ص ۳۵۵۔
۹۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم، امام احمد رضا، مطبوعہ بیسلپور پیلی بھیت، ص ۸۱۔۸۳۔
۱۰۔ اخبار دبدبۂ سکندری، رامپور جلد ۴۹ نمبر ۱۷، ۱۳۳۱ھ۔
۱۱۔ الملفوظ، جلد اول، مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷
۱۲۔ الملفوظ، جلد اول، مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷
۱۳۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم، امام احمد رضا خاں، مطبوعہ پیلی بھیت، ص ۱۶۔
۱۴۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم، امام احمد رضا خاں، مطبوعہ پیلی بھیت ص ۱۷۔
۱۵۔ ایضاً، ص ۹۹۔
۱۶۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم، امام احمد رضا، ص ۴۷۔
۱۷۔ خطبہ صدارت آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ مرادآباد ۱۳۲۵ھ رشمولہ خطبات آل انڈیا کانفرنس، ص ۱۴۸۔
۱۸۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم، امام احمد رضا، ص ۴۶۔
۱۹۔ حیات جاوید، مولانا الطاف حسین حالی، مطبوعہ دہلی، ۱۹۳۹ء۔ ص ۳۱۶، ۳۱۷۔
۲۰۔ فتاویٰ رضویہ جلد دہم، امام احمد رضا، ص ۱۵۴۔۱۵۸۔
۲۱۔ الحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، امام احمد رضا، ص ۹۷۔
۲۲۔ ایضاً، ص ۹۲۔
۲۳۔ ''امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے افکار ونظریات۔ انفرادی مطالعہ'' ام، ایڈ مقالہ مصنفہ منور سلطانہ بنتِ قاضی محمد اقبال جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملیر کراچی، ۲۰۰۵۔۲۰۰۶ء، غیر مطبوعہ'' ص ۷۵، ۷۶۔

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا خان کے طریقۂ تدریس کی امتیازی خصوصیات

از: عظیم اللہ جندران *(ایم اے اُردو۔ایم۔ایڈ)

تدریس کا مفہوم:

بقول گوہر (۱۹۹۸ء):

''طریقۂ تدریس سے مراد ایک ایسا منصوبۂ عمل ہے جس سے مخصوص تعلیمی نتیجہ حاصل کرنا مقصود ہو'' ص (۵۲)

جندران (۲۰۰۰ء) کے مطابق:

''امام احمد رضا خاں اِسلامی مفکرِ تعلیم ہیں ان کے طریقۂ تدریس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر مضمون کی اِس انداز سے تدریس پر زور دیتے ہیں کہ خواہ لسانیات کی تدریس ہو یا تہذیب وادب کی، نیچرل سائنسز ہوں یا سوشل سائنسز ان سب کی تدریس سے اللہ تعالیٰ عزوجل کی معرفت اور اسلام کی تفہیم نصیب ہونی چاہیے۔ مثلاً: انگریزی زبان کی تدریس* کے متعلق فرماتے ہیں ''اگر استاد رد نصاری کے تحت اِس کی تعلیم وتدریس کرے تو یہ اللہ عزوجل کے نزدیک موجب اجر وثواب ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے کسی قوم کی زبان سیکھنے سے آدمی اس کے شر سے محفوظ رہتا ہے تعلموا الغۃ قوم تامنوا شرھم۔ امام صاحب جیومیٹری لاگرتھم کی تدریس کے حوالے سے بھی تفہیم دین کو سب سے اعلیٰ ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اساتذہ اِس کی تدریس اِس انداز سے کریں کہ طلباء کو قبلہ کی سمت کا تعین کرنے میں رہنمائی ملے'' ص (۷۰)

امام احمد رضا کا طریقۂ تدریس اِسلامی مقاصدِ تعلیم کے تحت تشکیل پاتا ہے۔ اِن کے طریقۂ تدریس میں تعلیم برائے معرفتِ خدا عزوجل اور تفہیم دین کا اصول کارفرما ہے۔

المختصر آپ کا طریقۂ تدریس مسلم مفکر کی حیثیت سے قرآن سنت سے ماخوذ ہے۔ تدریس کے جن طریقوں کی، جن اصولوں کی اور جن قوانین کی آپ نے نشاندہی کی انہیں درج ذیل عنوانات کے تحت دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱) حکمت وبصیرت اور نرمی کا درس دینا:

امام احمد رضا خاں وعظ ونصیحت کے دوران حکمت وبصیرت اور نرمی کا درس دیتے ہیں کیونکہ نرمی کے بہت فوائد ہیں۔ چنانچہ اِس بابت امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء) احادیثِ مبارکہ سے مثال پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''ایک جوان حاضر خدمتِ اقدس ہوا اور آکر بے دھڑک عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے زنا حلال فرمادیجئے۔ نبی ﷺ سے براہِ راست یہ درخواست؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس کو قتل کرنا چاہا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اسے قریب بلایا یہاں تک کہ اس کے زانو زانوائے اقدس سے مل گئے۔ پھر فرمایا کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے۔ عرض کی نہ۔ فرمایا تیری بہن سے، عرض کی نہ۔ فرمایا تیری بیٹی سے، عرض کی نہ۔ فرمایا تیری پھوپھی سے عرض کی نہ۔ فرمایا تیری بیٹی سے عرض کی نہ۔ فرمایا تیری خالہ سے عرض کی نہ۔ فرمایا تو جس سے زنا کرے گا وہ بھی تو کسی کی ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ ہوگی۔ جب اپنے لیے پسند نہیں کرتا اوروں کے لیے کیوں پسند کرتا ہے؟ پھر دست اقدس اس کے سینے پر ملا اور دعا کی الٰہی عزوجل اس کے دل سے زنا کی

☆ پرنسپل گورنمنٹ ہائی اسکول دھنی کلاں (منڈی بہاؤالدین) براستہ قادر آباد

محبت نکال دے۔ وہ شخص فرماتے ہیں اس وقت سے زنا سے زیادہ کوئی چیز مجھے دشمن نہ تھی۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) سے ارشاد فرمایا کہ اس وقت اگر تم قتل کر دیتے تو جہنم میں جاتا۔ میری تمہاری مثل ایسی ہے جیسے کسی کا ناقہ بھاگ گیا۔ لوگ اس کے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑتے ہیں وہ بھڑکتا اور زیادہ بھاگتا ہے۔ اس کے مالک نے کہا تم رہنے دو تمہیں اس کی ترکیب نہیں آتی پھر سبز گھاس کا مٹھا ہاتھ میں لیا اور اسے دکھایا اور چمکارتا ہوا اس کے پاس آگیا یہاں تک کہ بٹھا کر اس پر سوار ہولیا'' ۔ص (۴۷۳،۴۷۴،۴۷)

تدریس کے دوران نرمی اور حکمت کا شعور ہمیں قرآنِ مجید نے عطا کیا ہے پروفیسر عبدالغفار گوہر (۱۹۹۸ء) اسلامی طریقِ تدریس کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں!

''قرآن فرماتا ہے...... اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ بلا اور ان سے احسن طریقے سے بحث کر (النحل ۱۲۵)

مذکورہ حقیقت سے یہ اصولِ تدریس اخذ ہوتا ہے، کہ استاد کو چاہیے طلبا کو نرمی کے ساتھ نصیحت کرے۔ وعظ و نصیحت میں نرمی کے بہت فوائد ہیں جبکہ سختی سے لوگ متنفر ہوجاتے ہیں غلطیوں سے درگذر کرنا، طلبا کی حوصلہ افزائی کرنا، اور اپنے امور میں ان سے مشورۂ شرکت، تاکہ انہیں احساس ہو کہ ہماری کوئی حیثیت ہے، کے بہت اچھے نتائج ہیں۔ اسی طرح مسلم مفکرین امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابنِ خلدون بھی تدریس میں بچے کی شخصیت کے احترام کے قائل ہیں اور دونوں، ماہرین محبت و شفقت اور نرمی کی تعلیم دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۲) مظاہراتی طریقہ تدریس کا استعمال:
(عملی مثالوں سے وضاحت)

قرآنِ پاک میں ربّ العزت نے کئی جگہوں پر اس طریقۂ تدریس کو اپنایا اور اپنی مخلوق کو اس ضمن میں دعوتِ فکر دی ہے۔ دیکھیے! فرعون کی لاش کو عملی مظاہرہ کے لیے اللہ عزوجل نے قیامت تک کیلئے عجائب گھر میں محفوظ فرما دیا ہے تاکہ لوگ دیکھیں اور درسِ عبرت حاصل کریں۔ اسی طرح:

امام احمد رضا خاں بھی دورانِ تدریس عملی مثالوں کا بھرپورا استعمال کرتے ہیں۔ جس سے مسائل سمجھنے والا بڑے واضح اور حقیقی انداز میں جان لیتا ہے۔

رضوی (۱۹۳۸) بیان کرتے ہیں:

''(احمد رضا خاں) کسی مسجد میں نماز پڑھ کر وظیفہ میں مشغول تھے کہ ایک صاحب نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے، اور حضور اعلیٰحضرت کے قریب ہی نماز پڑھنے لگے۔ جب قیام کیا تو دیوارِ مسجد کو تاکتے رہے جب رکوع میں گئے تو ٹھوڑی اوپر اٹھا کر دیوارِ مسجد کی طرف دیکھتے رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت تک اعلیٰ حضرت بھی وظیفہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے پاس بُلا کر انہیں مسئلہ بتایا کہ نماز پڑھنے کے دوران کس حالت میں کہاں نگاہ ہونی چاہیے اور فرمایا بحالتِ رکوع پاؤں کی انگلیوں پر نگاہ ہونی چاہیے۔ یہ سن کر وہ قابو سے باہر ہوگئے اور کہنے لگے واہ! صاحب مولانا بڑے بنتے ہیں اور میرا منہ قبلہ سے پھیرے دیتے ہیں۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ ہونا ضروری ہے۔ یہ سنکر امام صاحب ان کی سمجھ کے مطابق کلام فرماتے ہیں۔ تو سجدہ میں کیا کیجئے گا؟ پیشانی زمین پر لگانے کے بدلے ٹھوڑی زمین پر لگائیے گا۔ یہ چھبتا ہوا فقرہ سُن کر وہ بالکل خاموش ہوگئے اور اُنکی سمجھ میں بات آگئی کہ قبلہ رو ہونے کے یہ معنی ہیں کہ قیام کے وقت، نہ کہ اول تا آخر قبلہ کی طرف منہ کر کے تاکا کرے'' ص (۲۱۸)

جبیں (۱۹۹۸) کے مطابق:

''جب کوئی کام عملاً کر کے دکھایا جائے تو مظاہرہ کہلاتا ہے اور تعلیمی عمل میں جب کوئی کام کر کے دکھایا جائے تو مظاہراتی طریقہ تدریس کہلاتا ہے''

اسی طرح ہمارے پیارے اور محترم نبی محمد ﷺ بھی پوری زندگی عملیت پر زور دیتے رہے ایک بار فرمایا:

''ایک مومن دوسرے مومن کیلئے دیوار کی مانند ہے جس کے بعض حصے بعض کو مضبوط کرتے ہیں'' پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر دکھایا۔ (بخاری کتاب الصّلوٰۃ)

مندرجہ بالا ارشادات، فرمودات اور امثال کا بغور جائزہ لینے کے بعد محقق اِس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ امام احمد رضا خاں کے نزدیک مظاہراتی طریقِ تدریس کے بہت سے فوائد ہیں۔ عملی انداز میں مثال کو پیش کرنے سے مسائل کو سمجھنے والا بڑے واضح اور حقیقی انداز میں جان لیتا ہے۔

لہٰذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ امام صاحب کے اِس طریق تدریس کو اپنایا جائے اور متعلمین کے ذہنوں میں یہ تحریک پیدا کی جائے کہ زندگی ''عمل'' سے بنتی ہے تا کہ وہ عملی زندگی میں قدم رکھیں اور سنہری کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکیں۔

(۳) دقیق مطالعہ کے بعد رائے قائم کرنا:

عصرِ حاضر میں تدریس میں تحقیقی رجحان کی اشد ضرورت ہے۔ امام احمد رضا خاں تدریس میں تحقیق کی ضرورت اور اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ اور رائے کو مکمل جائزہ کے بعد دینے کی تلقین کی ہے ۱۸۸۵ء میں آپکے پاس انگلستان سے برآمدہ ''شکر'' کے استعمال کے بارے استفتاء آیا کیہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں۔ اِس بابت

امام احمد رضا خاں (۱۸۸۵) جواب میں شکر کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''فقیر غفر لہٗ اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ نے آج تک اِس شکر کی صورت دیکھی، نہ کبھی منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد مگر بایں ہمہ ہرگز منگانے کی ممانعت نہیں مانتا۔ نہ جو مسلمان استعمال کریں انہیں آثم جانتا ہے۔ نہ تو رع واحتیاط کا نام بدنام کر کے مومنین پر طعن کر ... نہ اپنے نفسِ مہین رذیل کے لیے اِن پر ترفع وتعلّی روا رکھے'' ص (۱۲۲)

امام احمد رضا خاں کی اس احتیاط پر مبنی رائے کی بناء پر علامہ اقبال فرماتے ہیں:

''مولانا (امام احمد رضا خاں) ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اِس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے ہیں۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی'' ص (۱۵) بحوالہ مقالات یوم رضا حصہ ۳، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور۔

مذکورہ اقتباس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ امام احمد رضا خاں بالغ النظر مجدد کی طرح عوام کی ضروریات، مزاجِ ضروریات، زمانہ وحالات و دیگر عوامل کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تحقیق اور غور وفکر کے بعد کوئی فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے محقق کو بھی امام صاحب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تحقیق میں غور وفکر کے بعد ہی کوئی فیصلہ صادر کرنا چاہیے اور محقق کو اپنی تحقیق صرف نیشنل سطح تک محدود نہیں رکھنی چاہیے بلکہ محقق کی ریسرچ کا دائرہ بین الاقوامی سطح تک ہونا چاہیے۔

(۴) ابتدائی کتب کو اچھی طرح یاد کرایا جائے:

علی واحد کے تجربہ کے مطابق: (۱۹۹۹ء)

''امام صاحب فرماتے ہیں تدریس کے سلسلہ میں سب سے پہلے ابتدائی کتب اچھی طرح یاد کرائی جائیں تا کہ ان کے اصول از بر ہو جائیں۔ اسباق میں ان کا اجراء بھی ساتھ ساتھ کرایا جانا چاہیے۔ اِس کے بعد ہر فن کی مشکل سے مشکل تر کتاب کی طرف تدریجاً طلباء کو (لایا اور) پڑھایا جائے اور اِس طرح طلباء میں کتاب کو حل کرنے کا ملکہ پیدا کرنے کے لیے طلباء کو پابند کیا جائے'' ص (۶۸)

(۵) لیکچر میتھڈ:

امام احمد رضا خاں (س ن) فرماتے ہیں:

''عالمِ دین کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا، بندگانِ خدا کو دینی نصیحتیں کرنا جسے وعظ ولیکچر کہتے ہیں۔ ضروری اعلیٰ فرائضِ دین سے ہے'' ص (۲۳۳)

مندرجہ بالا مختصر اقتباس اِس بات کی دلیل پیش کرتا ہے کہ امام احمد رضا طریقۂ تدریس کے ضمن میں لیکچر میتھڈ (تقریری طریق

تدریس) کے حق میں ہیں۔امام احمد رضا خاں ایک مسلم مفکر تھے آپ کی حیاتِ طیبہ کا عرصہ ۲ حصوں میں منقسم ہے۔ابتدائی ادوار درس و تدریس اور زیادہ عرصہ تصنیف و تالیف میں گذرا ہے۔آپ مدرسہ منظرِ اسلام کے بانی تھے اور ابتدائی ایام میں آپ بحیثیت معلم اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں آپ کے خطبات کا ایک ایک لفظ موتیوں سے تولنے کے برابر ہوتا۔

زیرِ نظر موضوع کی مزید ترجمانی کیلئے رب العزت کا فرمان نقل کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے ارشاد ہے:

اے لوگو! اپنے پروردگار کو پوجو جس نے تمہیں اور اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیز گاری ملے۔(البقرہ ۲: ۲۱)

پتہ چلا کہ قرآن کا اسلوب بھی تحریری نہیں تقریری ہے۔

مندرجہ تصریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام احمد رضا خاں کا طریقِ تدریس قرآنِ پاک سے ماخوذ ہے۔ربُّ العزت نے کئی مقام پر اپنے بندوں سے خطاب فرمایا ہے۔یعنی لیکچر میتھڈ کا استعمال کئی مقامات پر ہوا ہے۔اگر آج معلم اپنے لیکچرز کو لایعنی باتوں اور افراط و تفریط سے مبرّا کرلے، علم و حکمت سے معمور کرلے اور مقصدیت سے ان کا دامن بھر لے تو اس طریقہ تدریس کے بہت بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

(۲) اِستقرائی طریقہ تدریس / سوال جواب کا طریقہ:

(Inductive Method From Specific To Generalization)

انفرادی مثالوں سے کثیر تعداد میں استفادہ کرتے ہوئے جب کوئی کلیہ اخذ کیا جائے تو اسے استقرائی علم کا نام دیا جاتا ہے۔سوالات بچے کو سوچنے پر مجبور کردیتے ہیں اور اسطرح ان کی عملی شرکت ہوتی ہے۔

امام احمد رضا خاں تدریس کے دوران سوال و جواب کا انداز اپناتے تھے۔آپکی کتب احکام شریعت اور ملفوظات سوالات جوابات پر مشتمل ہیں جو طریقِ سوالاً جواباً کی بہترین مثال ہیں۔اِس سلسلے میں: جندران (۲۰۰۰ء) کا بیان ملاحظہ ہو:

''امام احمد رضا خاں کی خدمت میں ایک آریہ نے سوال پیش کیا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا۔ایک دم کیوں نہ آیا جبکہ وہ خدا کا کلام ہے۔خدا تو قادرِ مطلق ہے کہ ایک ساتھ اتار دیتا آپ نے جواباً فرمایا:

''جو شے عین ضرورت کے وقت دستیاب ہوتی ہے اس کی وقعت دِل میں زیادہ ہوتی ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ عزّ وجل نے اپنے کلام کو بتدریج نازل فرمایا۔پھر فرمایا انسان بچہ کی صورت میں آتا ہے۔پھر جوان ہوتا ہے پھر بوڑھا۔اللہ تو قادرِ مطلق ہے بوڑھا ہی کیوں نہ پیدا فرمایا۔پھر فرمایا انسان کھیتی کرتا ہے پہلے پودا نکلتا ہے۔پھر کچھ عرصہ بعد اِس میں بالی آتی ہے اِس کے بعد دانہ برآمد ہوتا ہے۔وہ تو قادر تھا ایک دم کیوں نہ غلّہ پیدا فرمایا''ص (۷۳)

مندرجہ بالا معروضات پر غور کرنے کے بعد یہ پوزیشن سامنے آتی ہے کہ امام صاحب کا دورانِ تدریس سوال و جواب کا انداز اپنانا مستحسن قدم ہے کیونکہ تمام سوالات کسی نہ کسی پہلو سے دماغ کو تحریک دیتے ہیں۔لہٰذا معلم کا فرض ہے کہ تنگ نظری سے اجتناب کرے وسعت نظری اختیار کرتے ہوئے طلباء کو سوال و جواب کی اجازت مرحمت فرمائے اور یہ حقیقت ہے کہ سوال سے متعلم کی توجہ مبذول ہوتی ہے اور وہ جواب کے متعلق سوچنا شروع کردیتا ہے۔اور پھر جب استاد متعلقہ جواب بتاتا ہے تو وہ طالب علم کے ذہن نشین ہوجاتا ہے۔

نوٹ: پیشِ نظر موضوع کے متعلق احتیاطی تدابیر کے تحت قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے فضول سوالات اور کثرت سوال سے گریز کیا جائے لہٰذا سوالات معقول ہونے چاہیں چاہے استاد کی طرف سے ہوں یا شاگرد کی طرف سے۔(گویا بہت زیادہ سوال و جواب تدریسی عمل کی راہ میں رکاوٹ ہیں)

(۷) اِستخراجی طریقہ تدریس:

(Deductive Method from Generalization to specific)

امام احمد رضا خاں تدریس وتبلیغ میں استقرائی طریقہ کے ساتھ ساتھ استخراجی طریقہ بھی استعمال کرتے ہیں۔

مفہوم:

جبیں (۱۹۹۸ء) کے الفاظ:

''استخراجی طریقہ تدریس استقرائی طریقے کے الٹ ہے۔ اس میں کلیہ، قاعدہ قانون، فارمولا، اصول پہلے بتادیا جاتا ہے۔ پھر اس کی تصدیق کے لیے کسی عمل کو دہرایا جاتا ہے'' ص (۳۰)

امام احمد رضا خاں کے نزدیک یہ طریقہ تدریس بہت کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ دیکھیے اس بابت رضوی (۲۰۰۰ء) کی رپورٹ: (امام صاحب کا جواب وحدت الوجود سے متعلق)

''خود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لیے ہے اس کے سوا جتنے موجودات ہیں سب اسی کے ظل پرتو ہیں۔ تو حقیقتاً وجود ایک ہی ٹھہرا......... مثلاً روشنی بالذات آفتاب وچراغ میں ہے۔ زمین اور مکان اپنی ذات میں بےنور ہیں مگر بالعرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان کی روشنی انہیں کی روشنی ہے۔ ان کی روشنی ان سے اٹھالی جائے وہ بھی تاریک محض رہ جائیں......... جو شخص آئینہ خانہ میں جائے وہ ہر طرف اپنے آپ کو ہی دیکھے گا اس لیے کہ یہی اصل ہے۔ اور جتنی صورتیں ہیں سب اسی کی ظل ہیں۔ مگر یہ صورتیں اس کی صفات ذات کے ساتھ متصف نہ ہوں گی یعنی سننے والی، دیکھنے والی وغیرہ وغیرہ نہ ہوں گی۔ اس لیے کہ یہ صورتیں صرف اس کی سطح ظاہر کی ظل ہیں۔ ذات کی نہیں اور سمع وبصر ذات کی صفتیں ہیں سطح ظاہر کی نہیں۔ لہٰذا جو اثر ذات کا ہے وہ ان ظلال میں پیدا نہ ہوگا، بخلاف حضرت انسان کے کہ نہ ذات باری تعالیٰ ہے لہٰذا یہ ظلِ صفات سے بھی حسبِ استعداد بہرہ در ہے''۔ ص (۲۳۳۔۲۳۴)

(۸) اختلاف رائے کا شائستہ انداز:

گلشنِ عالم کا ہر پھول نرالا ہے۔ اس کارگاہِ حیات میں ربّ العزت نے مختلف افراد کو تخلیق کیا ہے۔ ان کی سوچ مختلف ہے اختلاف رائے فطری امر ہے۔ ہر شخص کا حق ہے اس ضمن میں امام احمد رضا خاں اختلاف برائے اختلاف کے قائل نہ تھے بلکہ اللہ عزوجل نے یہ وصفِ خاص امام احمد رضا خاں کی فکرِ دور رس اور نگاہ دور بین کو فیاضی وفراوانی سے عطا فرمایا تھا کہ آپ کسی سے اختلاف کرتے تو آپ کے اختلات کا انداز نہایت شائستہ ہوتا۔ اس ضمن میں نوری (۱۹۹۹ء) رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا خاں فقہائے سلف سے اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن آپ کا یہ اختلاف اُمّت کے حق میں رحمت ہوتا ہے۔ اختلاف برائے اختلاف نہیں ہوتا آپ دوسرے فقہائے کرام کے ساتھ نہایت ادب سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی جس راہ کو پیش فرماتے ہیں وہ براہین ودلائل سے مزّین ہوتی ہے۔ اور اس میں نہایت وزن ہوتا ہے۔ آپ کی نگاہِ دوررس اپنے قول اور اپنی رائے کی تائید میں متقدمین میں سے اس کا جزیہ مواد تلاش کرلیتی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں''۔ ص (۷۵)

اِس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد رضا خاں اختلاف برائے اختلاف کے قائل نہ تھے۔ دورانِ تدریس اختلافِ رائے کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ استاد اور شاگرد کے درمیان اختلافِ رائے ہوسکتا ہے۔ ہیڈ ماسٹر سے ساتھی اساتذہ کا اختلاف ہوسکتا ہے۔

لہٰذا قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اتنے بڑے فقیہہ! معلم کو طلباء سے، ساتھی اساتذہ سے، ہیڈ ماسٹر سے اختلافِ رائے کی اجازت مرحمت فرمارہے ہیں تو عصرِ حاضر کے معلم کو بھی اختلافِ رائے سے انحراف نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کی اجازت دینی چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اختلافِ رائے کو احسن انداز میں پیش کیا جائے۔

(۹) امام احمد رضا خاں کا درس ادب:

ارشادِ مقدس ہے

اَلدِّینُ کُلُّہٗ اَدَبٌ ۝

''دین ادب ہے''

ادب کامیابی کا پہلا قرینہ ہے۔ باآدب بانصیب، بےادب بے نصیب۔ اکیسویں صدی کے مفکر، امام اسلام، امام احمد رضا خاں اپنے تعلیمی نظریات میں درس ادب دیتے نظر آتے ہیں۔ آپ کا اوراوڑھنا بچھونا ادب ہی تھا۔ بچپن سے لیکر وصال تک ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ تدریس کے دوران مسلسل ادب کا درس دیتے ہیں۔ چند اقتباسات درج ذیل عنوانات کے تحت ملاحظہ ہوں۔

بمطابق اویسی (۱۹۹۹ء):

آداب الٰہی جل جلالہٗ:

ترجمہ تسمیہ:

''اللہ کے نام سے شروع جونہایت مہربان رحم والا'' اِس میں سبق دیا گیا ہے کہ ابتداء اللہ عزوجل ہی کے نام سے اور یہی مقصود انسان ہے۔

اعداد تسمیہ:

بسم اللہ شریف کے اعداد ۷۸٦ ہیں اور عام طور پر لوگ پہلے ۷ پھر ۸ پھر ٦ لکھتے ہیں لیکن امام احمد رضا خاں پہلے ٦ پھر ۸ پھر ۷ لکھتے ہیں گویا اعداد کو بھی دائیں طرف سے شروع فرماتے تاکہ بسم اللہ شریف کو الٹا لکھنے کی گستاخی کا ارتکاب نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کو میاں نہ کہو:

امام احمد رضا خاں ربُّ العزت کے اسمِ مقدس کے ساتھ لفظ ''میاں'' کا استعمال ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ''میاں'' کا لفظ خاوند کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بزرگ اور بوڑھے کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے نام کے ساتھ جل شانہٗ کریم، ربُّ العزت ودیگر صفاتی نام کا استعمال کرنا چاہیے۔

سیّد عالم ﷺ کے اسم گرامی کا احترام وآداب حدیث پاک:

امام احمد رضا خاں درس ادب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی قدر کی کتابت میں بھی درود وسلام کا وہی اہتمام ہونا چاہیے۔ جو زبان سے ادائیگی میں ہوتا ہے ﷺ کی جگہ ''صلعم'' لکھنا سخت ناجائز ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ کوئی 'ص' لکھتا ہے کوئی صلعم۔ ایک ذرہ سیاہی یا انگلی بھر کاغذ یا ایک سکینڈ وقت بچانے کے لیے کیسی کیسی عظیم برکات سے ہم دور رہ جاتے ہیں۔ اور محرومی و بے یقینی کا ڈانڈا پکڑ لیتے ہیں۔ اس سے اجتناب برتنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل لکھنا چاہیے۔

- o امام احمد رضا درسِ حدیث بحالتِ قیام دیا کرتے۔
- o احادیث کریمہ بغیر وضو نہ چھوتے نہ پڑھاتے۔
- o حدیث کی ترجمانی اور درس کے دوران کوئی درمیان سے بات کاٹتا تو سخت ناراض ہوتے یہاں تک کہ جوش سے چہرہ سرخ ہوجاتا۔
- o حدیث پڑھاتے وقت دوسرے پاؤں کو زانو پر رکھ کر بیٹھ جانے کو ناپسند فرماتے کہ یہ بت پرستی کا طریقہ ہے۔

آداب مدینہ پاک:

امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقعہ ہے اوجانے والے

مدینہ پاک کی گلیوں کا ادب:

(بقول امام احمد رضا خاں)

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

امام احمد رضا مدینہ کی گلیوں میں جس انداز سے پہنچتے ہیں وہ ان کے عشقِ مدینہ کے کمال کا مظہر ہے۔ کوئے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے پیشِ نظر قدموں کی بجائے وہ سر وچشم بچھائے چلے جاتے ہیں۔

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم وسر کی ہے
اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاکِ پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضعِ سر کی ہے

وارُوں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جانِ نو
یہ راہ جانفزا مرے مولیٰ کے در کی ہے
(۱۴۷۔۱۵۳)

مقامِ افسوس ہے!

آج کل اخلاقی قدروں کو پامال کیا جارہا ہے شعائرِ اسلام کی تعظیم کا جذبہ گھٹتا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں معلم امام احمد رضا خاں کے نظریۂ ادب سے ''ادب'' کی اہمیت وضرورت جان کر طلباء کو نظریۂ ادب سے متعارف کراسکتا ہے۔ کیونکہ باادب ہمیشہ بانصیب ہوتا ہے اور بےادب بےنصیب!

(۱۰) سائنسی اندازِ فکر

(Scientific way of Thinking)

جندران (۲۰۰۰) کے مطابق:

بفضل تعالیٰ امام احمد رضا خاں کی شخصیت منطقی، فلسفی اور سائنسی صلاحیتوں کے ساتھ معروضی اندازِ فکر سے بہرہ ورتھی۔ ان کا اندازِ فکر سائنٹفک تھا۔ اِس ضمن میں اگر آپکی تصنیفات اور تالیفات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں واضح طور پر یہ مراحل نظر آئیں گے۔

(۱) مسئلہ کا صحیح طور پر احساس (۲) مسئلہ کی توضیح وتشریح (۳) معلومات کی فراہمی (۴) معلومات کی تعبیر (۵) عارضی حل (۶) یا قیاسیات کی ترتیب (۷) تعلیمات کا انطباق۔ اِن ساتوں مراحل میں سے کوئی بھی مرحلہ ہو آپ ہر مقام پر سائیٹفک انداز اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً مسائل کے احساس کے بعد اگر توضیح، تجزیہ کی سطح ہو تو آپ سیر حاصل بحث کے بعد تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ترکِ سوالات پر بحث ہوئی تو آپ نے اِس کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا۔

(۱) موالات کیا ہے؟
(۲) موالات کی کتنی قسمیں ہیں؟
(۳) کیا نان کوآپریشن کو ترکِ موالات کہہ سکتے ہیں؟
(۵) تحریکِ ترکِ موالات کے کیا اسباب وعلل تھے؟
(۶) اِس تحریک کی کیا حیثیت ہے؟

آپ سے ایک بار آبِ مطلق کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے اِس کا بحث کے بعد یوں تحقیقی جواب دیا۔

(۱) آبِ مطلق کیا ہے؟
(۲) آبِ مطلق کا مصداق کون کون سا پانی ہے؟
(۳) پانی کا رنگ کیسا ہے؟
(۵) اِس بارے میں کیا نظریات ہیں؟
(۶) آبی رنگ کس کو کہتے ہیں؟
(۷) پانی کے کتنے اوصاف ہیں؟
ص (۷۳)

آپ کے سائنسی اندازِ فکر پر پروفیسر قلندر ۲۰۰۱ء استاد بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی کا تبصرہ معنی خیز ہے فرماتے ہیں:

''تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان میں امام احمد رضا خاں بریلوی دینی پلیٹ فارم پر غالباً واحد شخصیت نمودار ہوئے جنہوں نے ترے تخصص (Specialisation) کی روش سے ہٹ کر علوم وفنون کے بارے میں وہی انسائیکلوپیڈیائی (موسوعاتی) انٹرڈسپلیزی اپرھولسٹک رویہ اپنایا جو مشرق کے قدیم سائنس دانوں، فلسفیوں، علما وفقہا اور مورخین کا وطیرہ ومعمول رہا''

(۱۱) اخلاقی اقدار کی تعلیم

اِمام احمد رضا خاں معلم کے لیے اخلاقیات کی تعلیم کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اِس ضمن میں خود امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء) فرماتے ہیں:

''بچے کو توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیاء سلامت صدر ولسان وغیرہ ہا خوبیوں کے فضائل ۔۔۔۔ حرص وطمع، حبِ دنیا، حبِ جاہ، ریا، عُجب، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، کینہ وغیرہ ہا برائیوں کے رذائل پڑھائے'' ص (۷۴)

مندرجہ بالا اقتباس پر محقق اپنا تبصرہ بدیں انداز پیش کرتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں آج کل طالبِ علم مسلسل ایک دباؤ میں ہے۔ ایک بے

یقینی کی کیفیت میں ہے اِس کے اندر منفی رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ ان منفی رجحانات کے ازالہ کیلئے امام صاحب نے دوران تدریس اساتذہ کو تاکید کی ہے کہ وہ طلبا کو توکل، قناعت و اخلاص جیسی اسلامی سماجی اقدار کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ وہ کسی غیر اخلاقی عادت کا شکار نہ ہوں۔

(۱۲) حوالوں کی کثرت (وسعتِ مطالعہ)

امام احمد رضا خاں معلم کے لیے وسعتِ مطالعہ کو لازم ٹھہراتے ہیں۔ تاکہ وہ زیادہ حوالوں سے اپنے سبق کو مدین کر سکے۔ امام احمد رضا خاں کو ربُّ العزت نے اِمتیازی وصف یہ عنایت فرمایا تھا کہ آپ کی قوتِ حافظہ حیرت انگیز اور محیر العقول تھی۔ کتاب کو جسے ایک بار پڑھ لیا مدتوں اس کے الفاظ یاد رہتے تھے۔ علالت اور وطن سے دوری کے باوجود استفتاً آپ کے پاس آتے تو آپ بغیر کتب کے ان کے جواب ارشاد فرماتے تھے چنانچہ اِسی قسم کے ایک استفتاً کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

بقول قادری (۲۰۰۳ء):

''فقیر ۲۹ شعبان سے بوجہ علالت رمضان شریف کرنے اور شدتِ گرما گذارنے پہاڑوں پر آیا ہوں۔ وطن سے مہجور، اپنی کتب سے دور لہذا زیادہ شرح وسط سے معذور مگر حکم مسئلہ بفضلہٖ تعالیٰ میسور'' ص (۱۸) تبصرہ: باوجود علالت کے آپ نے فقہ کے ۳۱ رحوالے پیش کیے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ربُّ العزت نے انہیں کس قدر علمیّت سے نوازا تھا اور کس قدر ان کی وسعتِ مطالعہ تھی۔

موصوف مصنف امام صاحب کے کثرتِ حوالہ اور آپکے استحصارِ علمی کی مثالوں کے ضمن میں ایک مثال پیش کرتا ہے:

''علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آپکی شاہکار عربی تصنیف ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ'' ہے۔ یہ کتاب آپ نے بحالتِ بخار، دینی کتب سے دور، سفرِ حج میں مکہ شریف میں لکھی۔ صرف آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں لکھی گئی یہ کتاب ۱۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ (بموجب نسخہ مطبوعہ موسہ رضا (۲۰۰۱، لاہور) جس میں ۱۷ آیات قرآنی، ۲۷ر احادیثِ مبارکہ، ۴۰ رکتب تفسیر وحدیث وسیر مغازی اور فتاویٰ سے سینکڑوں اقوال نقل فرمائے'' (ایضاً)

(۱۳) اصولِ تحقیق فکرِ رضا کی روشنی میں

تدریس کے دوران معلّم کو مسئلہ کی جذئیات پر عبور حاصل ہونا چاہیے۔ امام احمد رضا خاں علوم عقلیہ ونقلیہ کی جذئیات واصول پر کامل عبور رکھتے تھے۔ درس وتدریس کے دوران آپ جذئیات کی ایسی تحقیق وتدقیق پیش کرتے ہیں کہ سامعین کو متحیر کر دیتے ہیں چنانچہ لکھنوی (س ن) لکھتے ہیں:

"یندر نظیرۂ فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته"

فقہ حنفی اور اس کے جذئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اِس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے گی۔ ص (۴۱)

زیرِ نظر موضوع پر امام صاحب کی نگارشات سے بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں لیکن طوالت کے ڈر سے یہاں اختصار سے صرف ۲ مثالیں رقم کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

قادری (۲۰۰۳) کا تجزیہ:

''اِس سوال پر کہ کس پانی سے وضو جائز ہے اور کس سے نہیں؟''

آپ نے اِس کے جواب اور مسئلہ کی تفہیم کے لیے ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا: جس میں آپ نے وہ پانی جس سے وضو جائز ہے۔ اِس کی ۱۶۰ ر اقسام بیان کیں اور وہ پانی جس سے وضو نا جائز ہے اس کی ایک سو چھالیس قسمیں بیان کیں۔ اِسی طرح پانی کے استعمال سے عجز کی ۱۷۵ رصورتیں بیان کیں۔ اور اِس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بعنوان ''سمع الندا فیما یورث العجز عن الما'' رکھا۔ اسی طرح دوسری مثال:

جس میں امام ممدوح نے بیش بہا تحقیقات میں جدید سائنسی اور ریاضیاتی علوم پر اپنی کمال مہارت کے نمونے پیش فرمائے ہیں۔

جنسِ ارض سے وہ اشیاء جن سے تیمم جائز ہے ان کی ۱۸۱ قسمیں بیان کیں۔ ۷۴ تو وہ منصوصات ہیں جو دیگر کتب فقہ سے یکجا کیں اور ۱۰۷ ر اپنی مذیدات۔ اِسی طرح وہ اشیاء جن سے تیمم جائز نہیں ان کی

۱۰۳ قسمیں بیان کیں ۵۸ منصوصات اور ۷۲ زیادات۔ امام احمد رضا خاں نے ان سائل کے بیان کے دوران پانی کے جو کیمیکل تجزیے بیان کیے ہیں اور زمین و چٹانوں، معدنیات سمندر کے اندر پائے جانے والے پتھروں کا جس طرح سے تفصلاً ذکر کیا ہے جدید سائنس بھی اس تحقیق پر حیران ہے" ص (۱۴،۱۵)

مندرجہ بالا تجزیے پر تبصرہ کے بعد اِس سے اصولِ تدریس یہ نکلتا ہے کہ معلم جس مضمون میں بھی سپیشلائزیشن (پی ایچ ڈی، یا اعلیٰ و تحقیقی کام) کررہا ہے اس کی ریسرچ گہرائی تک کرے اور اس کی جذئیات تک معلم متعلّم کو عبور حاصل ہو۔ یعنی اپنے مضمون پر اس قدر عبور ہوا پنے علاوہ دوسرے بھی اس کا اعتراف کریں۔ مذکورہ سطور اس بات کے شاہد ہیں کہ امام صاحب کو فقہ پر اس قدر عبور تھا کہ دوسرے مکتبۂ فکر کے لوگ بھی ان کی فقہات اور علمی بصیرت کو مانتے ہیں۔

(۱۴) مخاطب کی استعداد علمی اور سطح فہم کا ادراک:

امام احمد رضا خاں کے طریقہ تدریس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ مخاطب کی استعداد علمی اور سطح فہم (I.Q.Frequency) کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ اس بابت امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء) ایک مقام پر خود فرماتے ہیں:

"قابلیت سے باہر علم سکھانا فتنہ میں ڈالنا ہے اور نا قابل کو مباحث ومجادل بنانا دین کو معاذ اللہ ذِلّت کیلئے پیش کرنا ہے اس سلسلہ میں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے:

"جب نا اہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو" ص (۵۹۴)

مذکورہ اقتباس کا جائزہ لینے کے بعد یہ پوزیشن سامنے آتی ہے۔ متعلم کی تعلیمی استعداد کے مطابق علم دینا چاہیئے بحمد للہ امام صاحب کا طریقہ تدریس اِس بات پر شاہد ہے کہ آپ نے مخاطب کی علمی استعداد کے مطابق گفتگو فرمائی اور جس زبان اور صنفِ سخن میں مستفتی نے سوال کیا اسی زبان اور اسی سخن میں اس کو جواب دیا گیا۔ اور، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں آپ کے فتاویٰ موجود ہیں۔ ایک فتویٰ انگریزی میں بھی ہے۔ حتیٰ کہ منظوم استفتاء کے جواب منظوم دیے گئے۔

(۱۵) کتب کے علاوہ دیگر ذرائع سے استفادہ:

(Use of Educational Means Other Than Text Book)

امام احمد رضا خاں کے نزدیک کتاب تعلیم کا ایک ذریعہ ہے اِس کے علاوہ بھی ذرائع تعلیم ہیں مثلاً وعظ، خطبہ، تبلیغ وارشاد وغیرہ کسی نے عرض کیا کہ کتب بینی سے ہی علم حاصل ہوتا ہے؟

جواباً امام احمد رضا خاں (س ن) فرماتے ہیں:

"یہی کافی نہیں بلکہ علم افواہِ رجال سے بھی حاصل ہوتا ہے" ص (۹)

خطبہ، تبلیغ وارشاد اور افواہ رجال کو جدید اصطلاح میں سیمینار اخصوصی لیکچرز، کے طور پر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ معروف محقق خالد (۱۹۹۷ء) جدید طریقہ ہائے تدریس کی ضرورت افادیت کے پیش نظر تجاویز کے تحت رقم طراز ہیں:

"مدارس میں ماہرینِ تعلیم کے لیکچرز کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور اکثر و بیشتر سیمینار کروائے جائیں اور ورکشاپس کا بھی اہتمام کیا جائے۔" ص (۴۲۳)

امام صاحب کی اس سوچ کے تناظر میں آج کی انٹرنیٹ، سی ڈی اور میڈیا کی تعلیم کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱۶) اصلاح معاشرہ کا درس:

تعلیم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں تربیت کا عنصر شامل نہ ہو گویا تعلیم وتربیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسلامی معاشرے کی اصلاح کا عملی تصور امام احمد رضا خاں کے ہاں جو ملتا ہے وہ کسی اور ہم عصر مصلح کے ہاں کم ہی ملتا ہے۔ زیدی (۲۰۰۰ء) کے مطابق:

"امام احمد رضا خاں نے اِسلامی معاشرہ کی تشکیلِ نو کیلئے انگریزوں اور ہندوؤں کے رسم ورواج کو سختی سے رد کیا۔ اور مسلمانوں کو دینی شعائر پر رہنے کی تلقین کی" ص (۵۷)

انگلستان کے ایک مشہور مستشرق پروفیسر ایچ اے کب

(۱۹۶۲ء) نے اپنی کتاب ''اسلامک کلچر'' میں لکھا ہے:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت وتوانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی'' ص (۲۶۵)

انہی صوفیاء میں سے ایک قابلِ ذکر ہستی امام احمد رضا خاں کی تھی۔ جنھوں نے معاشرے میں پھیلے ہوئے منکرات وبدعات کی زبردست مخالفت کی اور خرافات کی بیخ کنی فرمائی۔ اصلاح معاشرہ کے ضمن میں امام احمد رضا خاں کی چیدہ چیدہ اصطلاحات کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

جندران (۲۰۰۰ء) کے بقول:

(۱) آپ نے عورتوں کے مزارات پر جانے کے متعلق فرمایا کہ انہیں سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔

(۲) مزار پر فاتحہ کی تعلیم دیتے ہوئے آپ نے فرمایا مزار کو ہاتھ نہ لگایا جائے نہ بوسہ دیا جائے۔ اور طواف بالا تفاق ناجائز اور سجدہ حرام۔ (غیر خدا کو سجدہ حرام ہے)

(۳) آدابِ زیارت روضۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو خلاف ادب ہے۔ دیوار کریم کو ہاتھ لگانا چمٹنا، زمین چومنا نامناسب عمل ہیں۔

(۴) قبر پر چراغ جلانا اسراف ہے۔

(۵) صالحین کی قبروں پر ایک چادر پھٹ جائے تو دوسری ڈال دو نہ کہ یہ لامتناہی سلسلہ شروع کردیا جائے یہ اسراف ہے، بہتر ہے کہ اس کی رقم غرباء پر تقسیم کردی جائے۔

(۶) فاتحہ کی چیز کو سامنے رکھ کر ہی فاتحہ پڑھنا آپ بہتر سمجھتے ہیں اگر چہ ایصال ثواب پھر بھی ہوجائے گا۔

(۷) میت کا کھانا صرف فقراء کیلئے ہے۔

(۸) سوئم، چہلم، برسی کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے کہ متعین دنوں ہی میں ثواب زیادہ ملتا ہے۔

(۹) بچوں کے سر پر اولیا کے نام کی چوٹی رکھنا بے اصل وبدعت ہے

(۱۰) شریعت اور طریقت کی الگ الگ تقسیم کا رد فرماتے ہیں اور شریعت کے سوا سب راہیں باطل قرار دیتے ہیں۔

(۱۱) نکاح کے متعلق یہ غلط مشہور ہے کہ محرم وصفر میں نکاح کرنا منع ہے نکاح کسی بھی مہینہ میں کیا جاسکتا ہے۔

(۱۲) موسیقی کے ساتھ قوالیوں سے آپ روکتے ہیں۔

(۱۳) انجام کار دستگاری کے واسطے آپ صرف نبی کو مرشد ماننا کافی خیال فرماتے ہیں۔

(۱۴) گھروں میں تصویریں لگانے کو سختی سے منع فرماتے ہیں۔

(۱۵) عورتوں کے بے محابا گھومنے پھرنے، نامحرم مردوں کے سامنے آنے سے روکنے کے لیے آپ نے رسالہ مروج النجاء الخروج النساء تصنیف فرمایا:

''فرماتے ہیں'' پیر سے پردہ واجب ہے جبکہ محرم نہ ہو''
ص (۴۶،۴۵)

حقیقت تو یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں نے نہ صرف ان بدعات کے خلاف زبانی وعظ وپرچار کیا بلکہ قبیحات کے زیادہ تر موضوعات پر آپ نے الگ الگ جامع اور مدلل رسائل بھی تحریر فرمائے۔

اِس سلسلے میں جو نیجو رئیس کلیہ فنون سندھ یونیورسٹی (۱۹۹۴ء) نے اپنا تجزیہ بدیں صورت پیش کیا ہے:

''امام احمد رضا خاں نے اہل بدعت وضلالت، قادیانیت، دہریت کا رد فرمایا۔ جو کافر تھے، انہیں کافر بتایا۔ جن کے کفر پر تمام عرب وعجم پکار اٹھا، بڑے بڑے مفتیان لرزاٹھے، پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ مجدد وقت خاموش رہتا، آپ نے باطل کی نقاب کشائی فرمائی'' ص (۲۹)

المختصر امام احمد رضا خاں نے نہ صرف مسلم معاشرے کی اصلاح کے لیے ملک گیر مہم چلائی بلکہ آپ کا فکر وعمل تحریکِ پاکستان کی بنیاد بنا۔

جس میں مسلم معاشرہ کو حقیقی بنیاد ملنا تھی۔ تو آپ کے اس ناصحانہ اور مصلحانہ انداز سے دورِ حاضر کے معلم کو سبق حاصل کرنا چاہیے اور تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ طلبا کی اصلاح اور تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے کیونکہ تعلیم اسی وقت ہی کارگر ثابت ہوسکتی ہے جب اس میں تربیت (اصلاح) کا عنصر شامل ہوگا، دعا ہے رب العزت ہمیں معاشرہ کے ہر شعبہ میں اسلام کی عمل داری کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

(۱۷) نظریہ سزا:

امام احمد رضا خاں ناگزیر صورتوں کے سوا سزا کے خلاف ہیں۔ بار بار سزا دینے اور بے رحمانہ انداز اختیار کرنے سے آپ منع فرماتے ہیں دیکھئے اس بابت امام صاحب (۱۹۸۸ء) کا بیان:

''پڑھانے سکھانے میں رفق ونرمی ملحوظ رکھے (استاد)۔ موقع پر چشم نمائی تنبیہہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لیے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے۔ اکثر اوقات تہدید وتخویف پر قانع رہے۔ کوڑا قمچی اس کے پیشِ نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے'' ص (۷۳)

اس اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا خاں سزا سے پرہیز کی تلقین فرماتے ہیں کیونکہ اس سے بچے میں ڈھٹائی اور جذبۂ نفرت وانتقام پیدا ہوتا ہے۔ تدریسی عمل میں سزاء کے مسئلے پر موصوف امام صاحب کی ایک تعلیمی خدمت یہ بھی ہے کہ انھوں نے سزاء کے سلسلے میں مدارج کا تعین اور تلقین کی ہے کہ اوّل نرمی اختیار کرے پھر چشم نمائی سے تنبیہ کرے۔ ناگزیر صورتوں میں بھی منہ پر نہ مارے۔ اگر طالب علم بار بار اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو اسے ۳ چھڑیاں سزا دے۔ دورانِ تدریس سزا کے ضمن میں امام صاحب کا نظریہ تعلیم عقل ودانش کی حامل شخصیت امام غزالی سے تقریباً مماثلث رکھتا ہے۔

(۱۸) علماء واساتذہ کا جہلا سے بحث وتکرار سے گریز کرنا:

تعلیم کو مفید اور معیاری بنانے کے لیے ضروری ہے کہ غیر متعلقہ امور میں نہ پڑا جائے امام احمد رضا خاں جہلا سے بحث ومباحثہ کرنے سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ایک بیان میں امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں:

بقول جندران (۲۰۰۰ء):

''جاہلوں کے منہ لگنا ہم نہیں چاہتے۔ نہ کہ وہ حضرات جو جاہل بھی ہوں اور کذاب بھی۔ اور فقیر بے حجاب بھی اور معاند متعصب مآب بھی۔ ایسوں کے لیے یہ مناسب ہے کہ ''ذرھم فی طغیانھم یعمھون'' انہیں چھوڑ دو اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں'' ان تمام مسائل کے روشن بیان ہمارے فتاویٰ میں موجود ہیں مگر متعصب ماند کو علم دینا بے سود اور کذاب وافتراء کا علاج مقصود سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی کی ایسی بے ہودہ باتیں پیش نہ کرے'' ص (۷۴)

اھم نکات:

امام احمد رضا خاں کے طریقۂ تدریس کو بغور جائزہ لینے کے بعد یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

(۱) امام احمد رضا خاں مختلف اوقات میں استقرائی طریقہ تدریس۔ استخراجی طریقہ تدرس استقرائی طریقہ تدریس، لیکچر میتھڈ، مظاہراتی طریقہ تدریس، استعمال کرنے کے حق میں ہیں۔

(۲) ابتدائی کتب کو اچھی طرح یاد کرایا جائے تاکہ متعلمین کو عبور حاصل ہوجائے۔

(۳) دوران تدریس معلم نرمی اور حکمت سے تعلیم دے۔ بے رحمانہ انداز اختیار نہ کرے

(۴) کتاب کے علاوہ دیگر ذرائع تعلیم سے استفادہ کیا جائے۔

(۵) امام صاحب فرماتے ہیں متعلم کو اس کی استعداد سے باہر علم نہ دیا جائے:

(۶) اسلامی اقدار کا احترام سکھایا جائے۔

(۷) دقیق مطالعہ کے بعد کوئی رائے قائم کی جائے۔

(۸) معلم کو مسئلہ کی جزئیات پر عبور حاصل ہونا چاہیے۔

(۹) امام صاحب کے دل میں ایک درد تھا جب تک زندہ رہے اسی

طرح حق گوئی کا درس دیتے رہے۔ معلم حق گوئی اختیار کرے۔

(۱۰) ادب چونکہ کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے لہٰذا بچوں کو مختلف آداب سے متعارف کرایا جائے۔

(۱۱) کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی جب تک اس میں ''اِصلاح معاشرہ'' نہ ہو۔ اس بابت امام احمد رضا خاں جب تک زندہ رہے۔ اصلاحِ معاشرہ کا درس دیتے رہے۔ علما و اساتذہ بھی اپنی تدریس میں اس امر کو پیش نظر رکھیں۔

حوالہ جات

امام احمد رضا خاں (۱۹۸۸ء)، فتاوی رضویہ جلد دہم، کراچی: ادارہ تصنیفات امام احمد رضا (صفحہ: ۴۷۳۔۴۷۴)، (۵۹۴،۷۳)

امام احمد رضا خاں (۱۸۸۵ء)، الاحلی من الشکر بطلبۃ سکر روسر مشمولہ فتاوی رضویہ (قدیم) لاہور: مرکزی مجلس رضا صفحہ (۱۲۲)

امام احمد رضا خاں (س ن) فتاویٰ رضویہ جلد دہم، کراچی: رضا اکیڈمی (صفحہ: ۲۳۳،۹)

اویسی، محمد فیض احمد (۱۹۹۹ء) امام احمد رضا خاں کا درسِ ادب، ماہنامہ معارف رضا ۱۹۹۹ء شمارہ ۱۹، کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (صفحہ: ۱۴۷۔۱۶۹)

جندران، سلیم اللہ (۲۰۰۰ء)، امام احمد رضا خاں کا طریقۂ تدریس، سہ ماہی تعلیمی زاویے لاہور ۲۰۰۰ء ماہ جولائی، جلد نمبر ۱۱، شمارہ نمبر ۲، لاہور: پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن (صفحہ: ۷۰،۷۳)

جبیں، فرحت (۱۹۹۸ء)، قرآنِ پاک کی روشنی میں طریقۂ تدریس ماہنانہ افکارِ معلم ۱۹۹۸ء اکتوبر، جلا ۱۱، شمارہ ۱۰، لاہور صفحہ (۲۶،۳۰)۔

☆ ماہنامہ معارف رضا کراچی ۲۰۰۰ء، مئی و جون، کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، (صفحہ: ۴۵۔۴۶)۔

☆ خالد، ابراہیم (۱۹۹۷ء) تربیت اساتذہ، اسلام آباد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن جونیجو، عبدالجبار (۱۹۹۴ء)، مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۴ء کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، (صفحہ: ۲۹)

رضوی، ظفر الدین (۱۹۳۸ء)، حیاتِ اعلیٰ حضرت، کراچی: مکتبہ رضویہ (صفحات: ۲۱۸،۲۳۳،۲۳۴)

زیدی، ظفر حسین (۲۰۰۰ء)، مولانا امام احمد رضا خاں کی تعلیمات ماہنامہ معارف رضا کراچی، مئی و جون ۲۰۰۰ء، کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (صفحہ: ۵۷)

علی، ذوالفقار وغلام احمد (۱۹۹۹ء)، امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات کا جائزہ (غیر مطبوعہ مقالہ ایم ایڈ) جامعہ پنجاب لاہور: ادارہ تعلیم و تحقیق (صفحہ: ۶۸)۔

قلندر، جمیل (۲۰۰۱ء)، امام احمد رضا خاں ایک موسوعاتی سائنس دان، ماہنامہ معارف رضا ۲۰۰۱ء کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (صفحہ: ۸۵)

قادری، وجاہت رسول (۲۰۰۳ء)، امام احمد رضا خاں کا اسلوب تحریر ماہنامہ نوائے اساتذہ لاہور، ستمبر اکتوبر ۲۰۰۳ء، خصوصی نمبر امام احمد رضا ایجوکیشن کانفرنس، جلد ۱۴، شمارہ ۵؍۰، لاہور: القمر آرٹ پبلی کیشنز: ص (۱۱۔۱۵)

گوہر، عبدالغفار (۱۹۹۸)، تعلیمات، لاہور: مجید بک ڈپو (صفحہ: ۵۲)

لکھنوی، عبدالحکیم (س ن) نزہت الخواطر، جلد ۸ مطبوعہ حیدرآباد (ہند) صفحہ (۴۱)

نوری، جلال الدین (۱۹۹۹ء)، معارف رضا لاہور ۱۹۹۹ء، شمارہ ۱۹، کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (صفحہ: ۷۵)

☆☆☆☆☆

اشاریہ مقالات برائے تعلیمی افکار ونظریاتِ رضا

(معارف رضا میں شائع شدہ)

مرتب: ندیم احمد قادری نورانی

نمبر	مضمون	مضمون نگار	شمارہ (معارفِ رضا)
۱۔	مقاصدِ تعلیم امام احمد رضا کی نظر میں	سلیم اللہ جندران	سالنامہ (جولائی) ۱۹۹۹ء، ص: ۱۳۶ تا ۱۴۶۔
۲۔	اسلامی فلسفۂ تعلیم کا بنیادی موضوع	محمد سلیم اللہ جندران	سالنامہ (جولائی تا ستمبر) ۲۰۰۱ء، ص: ۳۷ تا ۵۲۔
۳۔	امام احمد رضا کا نظریۂ تعلیم	پروفیسر عبدالغفار گوہر	سالنامہ (جولائی تا ستمبر) ۲۰۰۱ء، ص: ۲۰۸ تا ۲۱۰۔
۴۔	تعلیمی مقاصد	سید علیم الدین ازہری	نومبر ۲۰۰۱ء، ص: ۸ تا ۱۱۔
۵۔	منصبِ تعلیم اور تعلیماتِ رضا	پروفیسر انوار احمد زئی	مئی ۲۰۰۲ء، ص: ۹ تا ۱۴۔
۶۔	تعلیم نسواں اور صحابیات رضی اللہ عنہن	مفتی انتظام اللہ شہابی	جنوری ۲۰۰۳ء، ص: ۳۳ تا ۳۴۔
۸۔	اسلامی نظامِ تعلیم۔ تشکیل کیسے ممکن؟	علامہ نور محمد چشتی	فروری ۲۰۰۳ء، ص: ۳۲ تا ۳۴۔
۹۔	امام احمد رضا کے حوالے سے تدریس	ڈاکٹر حسین مجیب مصری	مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۳۴ تا ۳۵۔
۱۰۔	مثالی معاشرے کے قیام میں تعلیم کا کردار	محمد ذوالفقار جانثار	جولائی ۲۰۰۳ء، ص: ۳۰ تا ۳۲۔
۱۱۔	صدرالشریعہ کے تعلیمی نظریات	مولانا غلام مصطفیٰ رضوی	اگست ۲۰۰۳ء، ص: ۳۰ تا ۳۲۔
۱۲۔	فاضلِ بریلوی کے تعلیمی نظریات	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص: ۳۲، سالنامہ (جولائی تا ستمبر) ۲۰۰۱ء، ص: ۳۱۔
۱۳۔	امام احمد رضا کا طریقۂ تدریس	سلیم اللہ جندران	سالنامہ (اپریل تا جون) ۲۰۰۴ء، ص: ۱۲۷ تا ۱۳۳۔
۱۴۔	مولانا احمد رضا خان اور احترام استاد	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	ستمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۲۱ تا ۲۲۔
۱۵۔	فکرِ رضا کی روشنی میں معلم ومتعلم مطلوب	عظیم اللہ جندران	سالنامہ (مارچ تا اپریل) ۲۰۰۵ء، ص: ۱۲۷ تا ۲۷۹۔
۱۶۔	مولانا احمد رضا خان بریلوی کا تصورِ تعلیم	غلام مصطفیٰ رضوی	سالنامہ (فروری تا اپریل) ۲۰۰۶ء، ص: ۱۰۱ تا ۱۱۰۔
۱۷۔	محدثِ بریلوی اور تعلیم وتعلم	غلام مصطفیٰ رضوی	جنوری ۲۰۰۷ء، ص: ۲۰ تا ۲۵۔

صحافت

۱۔ امام احمد رضا اور صحافت

۲۔ ''تحفۂ حنفیہ'': تعارف و جائزہ، بہار میں مذہبی صحافت کا آغاز

۳۔ ''جہان رضا'' کے اداریوں کے گلہائے صد رنگ

امام احمد رضا اور صحافت

از: ڈاکٹر محمد انور خاں

علمی اور تدریسی میدان کے علاوہ فاضل بریلوی اور خلفاء نے صحافتی میدان میں قابل ذکر خدمات انجام دیں۔ خود فاضل بریلوی کی ادارت میں ماہنامہ ''الرضا'' بریلی سے جاری ہوا جس کے متعلق مولانا محمد شبلی نعمانی (مصنف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) لکھتے ہیں:

مولانا صاحب کی زیر سرپرستی ایک ماہوار رسالہ ''الرضا'' بریلی سے نکلتا ہے جس کی چند قسطیں بغور وخوص دیکھی ہیں، اس میں بلند پایہ کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ (الندوہ، اکتوبر ۱۹۱۴ص ۱۷ بحوالہ انوار الصوفیہ (قصور) جنوری وفروری ۱۹۷۶ء ص ۳۳)

خلفاء میں جن حضرات نے میدان صحافت میں قدم رکھا ان میں سے چند کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے ۱۳۱۵ھ میں ''مخزن تحقیق'' جاری کیا جو بعد میں ''تحفۂ حنفیہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

۲۔ مولانا شاہ احمد مختار میرٹھی نے افریقہ سے ایک گجراتی اخبار ''الاسلام'' کے نام سے جاری کیا گیا۔

۳۔ مولانا احمد حسین امروہوی (م ۱۳۲۱ھ، ۱۹۴۲ء) نے ۱۸۹۴ء میں امروہہ میں پہلا پریس قائم کیا اور ایک رسالہ ''گلدستہ نسیم چمن'' جاری کیا۔

۴۔ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے مراد آباد سے ''السواد الاعظم'' جاری کیا۔ جس نے ملک کی سیاسی اور دینی فضاء پر بہت اچھا اثر مرتب کیا۔ موصوف ہی کے تلمیذ رشید مفتی محمد حسین نعیمی مرحوم نے لاہور سے ماہانہ ''عرفات'' اجراء کیا جو ابتک جاری ہے اور دوسرے شاگرد رشید علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیرہ سے ماہنامہ ''ضیائے حرم'' نکالا۔ یہ رسالہ بھی تا حال پابندی سے نکل رہا ہے۔ کراچی کا ماہنامہ ''ترجمان اہلسنت'' پہلے پہل غالباً علامہ مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ کی کوشش سے جاری ہوا تھا۔

۵۔ مولانا محمد شریف کوٹلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۷۰ھ، ۱۹۵۱ء) نے امرتسر سے ہفتہ روزہ ''الفقیہ'' جاری کیا، آپ ہی کے صاحبزادے مولانا ابوالنور محمد بشیر سیال کوٹی نے کوٹلی لوہاراں سے ماہنامہ ''ماہ طیبہ'' جاری کیا جو غالباً بند ہوگیا ہے۔

۶۔ علامہ سید احمد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور سے ماہنامہ ''رضوان'' جاری کیا۔

۷۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے علامہ شاہ احمد نورانی نے کراچی سے اخبار ''المدینہ'' جاری کیا موصوف نے ایک انگریزی ماہنامہ "The Message International" بھی جاری کیا تھا اور آپ ہی کی کوشش سے بریڈفوڈ (انگلستان) میں ''ورلڈ اسلامک مشن'' کا صدر دفتر قائم ہوا۔ جہاں سے الدعوۃ الاسلامیہ نکل رہا ہے مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کے فرزند نسبتی ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری علیہ الرحمۃ نے المرکز الاسلامی، کراچی سے ماہنامہ "The Minart" جاری کیا۔

مندرجہ بالا اخبارات و رسائل کے علاوہ پاکستان کے مختلف شہروں سے بہت سے رسائل نکل رہے ہیں جو فاضل بریلوی کے خلفاء اور تلامذہ کے زیر اثر ہیں۔

مثلاً

۱۔ ماہنامہ الحسن (پشاور)
۲۔ ماہنامہ تاج (کراچی)
۳۔ ماہنامہ نور اسلام (شرقپور)

۴۔ ماہنامہ فیض رضا (فیصل آباد)
۵۔ ماہنامہ سلسبیل (لاہور)
۶۔ ہفت روزہ مبصر (فیصل آباد)
۷۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)
۸۔ پندرہ روزہ سواداعظم (لاہور)
۹۔ ماہنامہ انوارالصوفیہ (قصور)
۱۰۔ ہفت روزہ الہام (بہاولپور)
۱۱۔ ماہنامہ مہر وماہ (لاہور)
۱۲۔ ماہنامہ سلطان العارفین (گکھڑ منڈی۔گوجرانوالہ)
۱۳۔ ماہنامہ نعت (لاہور)
۱۴۔ ماہنامہ معارف رضا، کراچی۔
۱۵۔ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور۔
۱۶۔ کنزالایمان، لاہور۔
۱۷۔ اہلسنت، گجرانوالہ۔
۱۸۔ امیر اہلسنت، لاہور۔
۱۹۔ کاروانِ قمر، کراچی۔
۲۰۔ ماہنامہ، الاشرفیہ، کراچی۔
۲۱۔ ماہنامہ، مصلح الدین، کراچی۔
۲۲۔ ضیاءالاسلام، لاہور۔
۲۳۔ احکام القرآن، کھاریاں۔
۲۴۔ عقیدت، حیدرآباد۔
۲۵۔ سبیل الرشاد۔
۲۶۔ ارمغان حمد، کراچی۔
۲۷۔ السعید، ملتان۔
۲۸۔ النعیم، کراچی۔
۲۹۔ رفیق العلم (سالنامہ) کراچی۔
۳۰۔ فقہ اسلامی، کراچی۔
۳۱۔ صراط، (سندھی/اردو) کراچی۔
۳۲۔ المظہر، کراچی۔
۳۳۔ ماہنامہ جلالیہ، بھکی شریف۔

ہندوستان اور انگلستان میں بھی اہلسنت کے اخبارات ورسائل نکل رہے ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں:

۱۔ ماہنامہ استقامت (کانپور)
۲۔ ماہنامہ نوری کرن (بریلی)
۳۔ ماہنامہ پاسبان (الہ آباد)
۴۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت (بریلی)
۵۔ ماہنامہ المیزان (بمبئی)
۶۔ ماہنامہ اشرفیہ (مبارکپور اعظم گڑھ)
۷۔ ماہنامہ مولوی (دہلی)
۸۔ ماہنامہ سلطان الہند (اجمیر شریف)
۹۔ پندرہ روزہ حنفی (سری نگر کشمیر)
۱۰۔ ماہنامہ سنی دینا (بریلی)
۱۱۔ ماہنامہ حجاز جدید (نئی دہلی)
۱۲۔ ماہنامہ حجاز (لندن)
۱۳۔ ماہنامہ اسلامک ٹائمز (اسٹاک ریورٹ)
۱۴۔ ماہنامہ قاری (دہلی)
۱۵۔ فیض الرسول (براؤں شریف) (۱۵۳)
۱۶۔ ماہنامہ افکارِ رضا، ممبئی۔
۱۷۔ ماہنامہ جام نور، دھلی۔
۱۸۔ ماہنامہ ماہِ نور، دھلی۔
۱۹۔ ماہنامہ الکوثر، سہسرام۔
۲۰۔ ماہنامہ کنزالایمان، دھلی۔

مدارس عربیہ کے قیام اور اخبارات ورسائل کے اجراء کے علاوہ فاضل بریلوی کے خلفاء نے تصنیفی میدان میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' (مصنفہ محمد صادق قصوری) میں تقریباً ۱۶۸ تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں بیشتر تصانیف وہ ہیں جو انجمن ترقی اردو (کراچی) کی قاموس الکتب میں شامل نہیں اس لئے یہ تفصیلات قاموس کیلئے ایک اہم ذخیرہ ہیں۔ مزید تلاش وجستجو کی جائے تو یہ تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال امام احمد رضا کے یوم وصال پر برصغیر کے تمام معروف اردو اخبارات وجرائد امام احمد رضا پر اسپیشل ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔

تحفۂ حنفیہ: تعارف وجائزہ

بہار میں مذہبی صحافت کا آغاز

ڈاکٹر امجد رضا امجد *

بیا کہ من زخم پیر روم آوردم
مئے سخن کہ جواں تر زبادۂ عنبی ست

۱۹ویں صدی بین المذاہب صحافتی جنگ کی صدی تھی اور ہندوستان میں رہنے والے تمام مذاہب کے افراد نے مذہبی صحافت کی جنگ لڑی ہے۔ چنانچہ ایک سروے کے مطابق اس صدی میں:

ہندومت کے	۲۸
مسلمانوں کے (بہ شمول شیعہ)	۲۵
عیسائیوں کے	۱۰
سکھوں کے	۷
اور قادیانیوں کو جوڑ لیں تو	۲
	۷۲

کل ۷۲ مذہبی اخبارات شائع ہوئے (۱۹ویں صدی میں اردو صحافت)۔ ان اعداد وشمار سے انگریزوں کے دور اقتدار میں مذاہب کے درمیان پائی جانے والی کشمکش اور فرقوں کے درمیان پیدا شدہ مناقشے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حق وباطل کی اس صحافتی معرکہ آرائی میں حقیقی اسلام تین کے مقابلے میں تنہا تھا اور اس پر عیسائیت، ہندومت اور شیعیت کے سہ طرفہ حملے ہورہے تھے۔ بیسویں صدی کے آتے آتے اسلام کی ترجمانی کے نام نہاد دعوے دار کئی گمراہ فرقے مثلاً وہابیت، قادیانیت، نیچریت اور ندویت بنام صلح کلیت وجود میں آگئے اور اہلِ سنت وجماعت کو ان سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ الفقیہ (امرت سر)، دبدبۂ سکندری (رام پور)، تحفۂ حنفیہ (پٹنہ)، السوادالاعظم (مراد آباد)، یادگار رضا (بریلی)، الرضا (بریلی) وغیرہ اسی دورِ پُر آشوب کے ایمان افروز اخبارات ورسائل ہیں، جن سے اسلام کی تبلیغ، مسلک کے تحفظ، عیسائیت کی تردید، فرقہ ہائے ضالہ کے ابطال اور بدعات کے استیصال کا کام لیا گیا۔ ان کی ظاہری حیثیت اخبارات ورسائل کی ضرور تھی۔ لیکن اصلاً یہ وہ ایمانی مشعل تھے جو کفر والحاد کی تاریک وادیوں میں توحید ورسالت کی روشنی بکھیر رہے تھے۔

بہار میں مذہبی صحافت کا آغاز:

بہار میں اردو صحافت کا آغاز تو ۱۸۵۳ء میں شہر آرہ سے نکلنے والے اخبار ''نورالانوار'' سے ہوا۔ جس کے مالک سید محمد ہاشم بلگرامی اور مدیر سید خورشید احمد تھے (اردو صحافت بہار میں، ص: ۶۴)۔ مذہبی صحافت کی بنیاد کب پڑی، یہ گوشہ اب تک تحقیق طلب ہے۔ سید احمد قادری نے بھی اگر چہ حال ہی میں شائع ہونے والی اپنی کتاب ''بہار میں اردو صحافت'' میں بہار سے شائع ہونے والے ۴۳۸ اخبارات ورسائل کی فہرست دی ہے۔ مگر انھوں نے بھی خصوصاً ان اخبارات ورسائل کے مذاق ومزاج کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، جب کہ تحقیقی عمل کے دوران یہ کام انجام دینا کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس عہد میں گیا شہر سے شائع ہونے والے اخبار ''الپنچ'' میں اہلِ سنت کے عقائد ونظریات اور معمولات پر تنقیدیں ضرور شائع ہوتی تھیں۔ مگر اس اخبار کا مزاج وموضوع طنز وظرافت تھا، مذہب نہیں۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق ''تحفۂ حنفیہ'' ہی ایک ایسا رسالہ نظر آتا ہے جس سے بہار میں مذہبی صحافت کا آغاز ہوا۔

☆ مدرسہ ماہی رفاقت، پٹنہ، بہار۔

تحفۂ حنفیہ پٹنہ کا اجرا:

تحفۂ حنفیہ پٹنہ ۱۳۱۵ھ میں جاری ہوا۔ اس کا تاریخی نام ''مخزن التحقیق'' ہے۔ اس کے مالک و مہتمم مشہور محقق قاضی عبدالودود کے والد حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی تھے جو خانقاہ معظم بہار شریف کے صاحب سجادہ سید شاہ امین احمد فردوسی سے مرید تھے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے خلافت حاصل تھی۔ بڑے متدین، پارسا اور مسلک اہلِ سنت کے جاں باز مجاہد تھے۔ جب ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں ندوۃ العلما کی بنیاد پڑی اور رفتہ رفتہ وہ جادۂ حق سے منحرف ہونے لگا تو قاضی صاحب نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی جلالت اور ندوہ کے خلاف عملی جدو جہد کا شہرہ سن کر ان کی بارگاہ میں ۱۹/ ذوقعدہ ۱۳۱۳ھ کو یہ خط روانہ کیا:

''ناصر ملت مصطفویہ، حامیِ مذہب حنفیہ، جناب مولانا الاجل مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی مدظلہ العالی! تسلیم۔ محض غائبانہ اخوت اسلامی وحمایت مذہب حنفیہ کی جہت سے یہ خط لکھ رہا ہوں اور مولانا عبدالقادر بدایونی کو بھی لکھ رہا ہوں جلسۂ ندوہ سے سخت بیزار ہوں اور شاید حضور بھی اس کے مخالف ہیں۔ لہٰذا موافقت فی المخالفت و حمایت مذہب کی جہت سے ایک اخبار تردید مذہب باطل ومخالفتِ ندوہ میں نکالنے والا ہوں، آپ سرپرستی کریں۔ مذہب حنفیہ کو حق سمجھتا ہوں اور اس ندوہ کو باطل۔ آپ لوگ آمادہ ہوں تو ''ندوۂ حنفیہ'' پٹنہ میں قائم کروں۔'' (مکتوبات علماء وکلام اہل صفا)

قاضی صاحب نے ان دونوں بزرگوں کی حوصلہ افزائی وسرپرستی میں جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ میں پٹنہ سے ماہنامہ ''تحفۂ حنفیہ'' جاری فرمایا۔ تین سال آٹھ ماہ یعنی جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ سے ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ تک اس کی ادارت کتنے افراد نے کی یہ گوشہ ابھی مخفی ہے۔ شعبان ورمضان ۱۳۱۵ھ کے شمارے میں ایک نام مولانا حکیم محمد یوسف حسن قادری عظیم آبادی کا مدیر کی حیثیت سے ملتا ہے۔ پھر محرم ۱۳۱۹ھ سے مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی اس کے باضابطہ اور مستقل مدیر مقرر ہوئے اور انھوں نے ''تحفہ'' کی آخری عمر ۱۳۲۷ھ تک یہ ذمہ داری نبھائی۔

تحفۂ حنفیہ کی فائلیں خدا بخش لائبریر میں:

مجھے تلاش کے باوجود تحفۂ حنفیہ کی مکمل فائل کا سراغ نہ مل سکا۔ خدابخش لائبریری پٹنہ میں اس کا بڑا ذخیرہ ہے مگر مکمل فائل نہیں۔ یہاں ۱۳۱۵ھ سے لے کر ۱۳۲۷ھ تک کے کل ۷۷رہی شمارے ہیں جن میں صرف ۱۳۱۹/ ۱۳۲۰/ اور ۱۳۲۳ھ کی فائلیں مکمل ہیں۔ بعض شمارے فہرست میں مندرج ہونے کے باوجود دستیاب نہیں اور بعض اتنے خستہ ہیں کہ ہاتھ لگاتے ہی اس کے اوراق تارتار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے جن اکابر علماء ومشائخ کے یہاں تحفہ پہنچتا تھا وہاں ان کی فائلیں محفوظ ہونی چاہئیں۔ اگر تلاش کر کے ساری فائلیں اکٹھی کر لی جائیں تو سلسلے وار اس عہد کی علمی، ملی اور شخصی تاریخ مدون ہو سکتی ہے۔

تحفہ میں شائع ہونے والی کتابوں کی مجموعی تعداد تقریباً ۵۰/ ہے اور مصنف کی تعداد ۱۷/ سے متجاوز ہے۔ ظاہر ہے جس رسالہ کو ان جید علماء مشائخ کا قلمی تعاون حاصل ہو اس کے معیار کی بلندی پر کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ قارئین تحفہ اپنے مکتوبات ومنظومات کے ذریعہ تحفہ کے تئیں اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ یہاں موقع نہیں کہ اس کی تفصیل پیش کی جائے۔ اس لیے برما سے آئے ہوئے منظوم فارسی خط کے چند اشعار ملاحظہ کریں جو مولانا سیف اللہ کی نام سے شائع ہیں۔

رسیدہ عجب تحفۂ دل نواز — شدم از ورودش بسے سرفراز
زہے نامۂ نوسعادت نمائے — زہے نسخۂ میمنت انتہائے
براوجِ فصاحت جہاں تابِ خور — زبحرِ بلاغت گراں مایہ دُر
نضارت دہِ چہرۂ ارتجا — بصارت دہِ دیدۂ ارتقا
مضامین دلچسپ را مخزن است — چراغِ حقائق از و روشن است
زتحقیقِ ہر گونہ علم وفن — بتدقیقِ صدنوع درِ سخن
تجلی خورشیدِ اسلام ازو — ترقی وتائیدِ اسلام ازو
نمود است انوارِ سنت درو — عیاں محوِ آثارِ بدعت درو

امام احمد رضا اور تحفۂ حنفیہ:

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحقیق عشق رسول ﷺ، تحفظ مسلکِ اہل سنت اور عقائدِ باطلہ کی اصلاح وتردید کی جو بنیاد ڈالی تھی پٹنہ نے اس کو مستحکم کرنے میں اہم رول ادا کیا اور ان کے پیغامات کو موثر ترین بنا کر خاص ماحول اور وسیع جغرافیائی علمی خطے میں متعارف کرایا۔ عظیم آباد جیسے اہلِ علم وفکر کے مرکز کا امام احمد رضا کے افکار ونظریات کو حق سمجھ کر قبول کرنا اور اسے علمی ماحول میں متعارف کرانا یقیناً اہمیت کا حامل ہے۔

قاضی صاحب قبلہ نظریاتِ رضا کی تشہیر وتبلیغ میں پیش پیش تھے اور ان کے ساتھ عظیم آباد کے ایسے علماء ومشائخ کی ایک جماعت تھی جن کی انفرادی علمی ومذہبی حیثیت مسلم ہے۔ ماہنامہ تحفۂ حنفیہ امام احمد رضا کے نظریات اور قاضی صاحب کے پاکیزہ جذبات کا ترجمان تھا۔ اس ماہنامہ کے علاوہ مجلسِ اہلِ سنت پٹنہ، مدرسۂ حنفیہ پٹنہ اور مطبعِ حنفیہ پٹنہ نے بھی امام احمد رضا کے مشن کو استحکام بخشنے اور اسے عوام تک پہنچانے میں کلیدی رول ادا کیا۔

تحفۂ حنفیہ سے امام احمد رضا کا رابطہ بہت گہرا رہا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تحفہ آپ کے تعاون اور سرپرستی کے وعدے پر جاری کیا گیا تھا۔ اس لیے اس دور میں غالباً سب سے زیادہ تحریریں تحفہ ہی میں شائع ہوئیں۔ اگر تمام شماروں کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا سے متعلق مشمولات کا جائزہ لیا جائے تو ایک طویل فہرست سامنے آسکتی ہے۔ تحفہ میں آپ کی شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد ڈیڑھ درجن سے زائد ہے۔ ان میں سے تقریباً ہر کتاب کے سرورق پر متعلق عہد کے مطابق موضوع سے متعلق چند سطری عبارت اور القابات کے ساتھ مصنف کا نام درج ہے جو اعلیٰ حضرت سے قاضی صاحب کی عقیدت ومحبت کو آئینہ کرتا ہے۔ نمونے کے طور پر صرف ایک کتاب ''وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید'' کے سرورق پر مکتوب عبارت ملاحظہ کریں جو تحفہ کے ماہ صفر ۱۳۱۷ھ میں شامل ہے۔ اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو ۱۳۱۷ھ ہی سے مجدد کہا جارہا ہے۔ اگرچہ اس کا اعلان مدرسہ حنفیہ پٹنہ کے منعقدہ ہفت روزہ اجلاس ۱۳۱۸ھ میں کیا گیا عبارت ملاحظہ کریں:

''تصنیف رصیف، تالیف منیف محقق، مدقق، حضرت عالمِ اہلِ سنت، ناظمِ ملت، مجددِ مآۃ حاضرہ، مؤیدِ ملتِ طاہرہ، مولانا الحاج عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان محمدی حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی مدظلہ العالی،

حسب فرمائش:

حامی ملتِ بیضا مولانا کریم رضا بیتھوی، فیض القوی۔

باہتمام۔ خاک پائے عبدالوحید سنی حنفی قادری فردوسی، منتظم تحفۂ حنفیہ، مطبعِ حنفیہ، محلہ لودی کٹرہ پٹنہ۔''

اس کے علاوہ آپ کی پٹنہ آمد کی تفصیلات، آپ کی شان میں پڑھا گیا قصیدہ، آپ کے سفرِ حجاز پر مضمون، آپ کی کتابوں کی تصدیقات، المعتمد المستند پر تبصرے اور اس کا اشتہار نیز آپ کی منظومات کی اشاعت، یہ سارے احوال تحفہ میں محفوظ ہیں، جن پر تفصیلی مضامین لکھنے کی ضرورت ہے۔

تحفۂ حنفیہ کے موضوعات:

تحفۂ حنفیہ کلی طور پر ایک مذہبی رسالہ تھا اس میں سیاسی اور ادبی مضامین نہیں ہوتے تھے، ہاں کبھی کبھی انگریزی تعلیم وتہذیب پر تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے۔ تحفہ کے مشمولات میں موضوعات کے اعتبار سے بہت تنوع نظر آتا ہے، مگر اس تنوع میں بھی وہ اپنے مقصد یعنی مذہب کی سچی خدمت، مذہب اہلِ سنت کی حفاظت، بدمذہبوں کی تذلیل وسرکوبی (دربارِ حق وہدایت) سے قریب نظر آتا ہے۔ تحفہ کے خاص موضوعات میں ردِ ندوہ، ردِ غیر مقلدین، ردِ قادیانیت، ردِ نیچریت، ردِ فرنگیت، ردِ شیعیت، اشاعت فتویٰ، اشاعت کتب (قسط وار) نعت ومناقب، معاصر اخبارات پر ضروری تنقید، تبصرے، خطوط، اشتہار کتب، سیرت وسوانح، ملی خبریں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں موضوع سے متعلق ایک اقتباس نقل کردیا جائے جس سے تحفہ کے مقاصد اور اس کے موضوعات پر روشنی پڑتی ہے۔ محرم ۱۳۲۴ھ کے ص: ۳۴ پر ہے:

''جس نے اسکے مضامین پر سرسری نظر ڈالی ہوگی وہ اس اسرار کو بہ خوبی سمجھ گیا ہوگا کہ اس کا موضوع اور علت نمائی، تائید مذہب اہلِ

سنت، وتردید کفر و بدعت ہے۔ اہلِ اسلام کو خواب سے بیدار کرتا اور مذہب حق کی طرف بلاتا ہے۔ جو کوئی مذہب اہل سنت پر حملہ آور ہوتا ہے اس کی اچھی طرح گوشمالی کرتا ہے۔ نئے نئے فتنے جو دین میں پیدا ہوتے ہیں ان کا استیصال کرتا ہے۔ نہ اس نے نیچریوں کی طرح رفتارِ زمانہ کو سیکھا، نہ ندویوں کی طرح مصلحتِ زمانہ کا سبق لیا، نہ رافضیوں کی طرح کسی وقت تقیہ کیا، نہ وہابیوں کی طرح آسانی کو برتا۔ یہ بلا رورعایت اپنے فرض منصبی کو ادا کر رہا ہے۔ چند ہی سال میں اس نے انوار اسلامی سے ہندوستان و دیگر ممالک کو منور کر دیا ہے۔ تحقیقات علمی اس کا حصہ ہے۔ بڑے بڑے علما و فضلا کا کلام ہدایت نظام درج ہوتا ہے۔ یہ وہ تحفہ ہے کہ اہلِ علم و ورع اس کو حرزِ جاں بناتے اور اس پر جان و مال قربان کرتے ہیں۔"

تحفہ کے مقالہ نگار و مصنفین:

تحفۂ حنفیہ اپنے وقت کا مستند اور مقبول ترین رسالہ تھا جس کی شرکت ملک سے بیرون ملک تک تھی۔ محرم ۱۳۲۱ھ اور صفر ۱۳۲۶ھ میں شائع اشتہار اور فارسی نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ تحفۂ حنفیہ بہار کے علاوہ ممبئی، گجرات، کاٹھیاوار، مدراس، پنجاب، آسام، بندیل کھنڈ، اور بیرون ملک، برما، افریقہ اور مکہ معظمہ تک جاتا تھا اور اس کے خریدار و معاونین میں ملک و بیرون ملک کے بڑے بڑے علماء و مشائخ تھے۔

تحفہ کی مقبولیت اور بیرون ملک اس کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ علمی اعتبار سے تحفہ بہت ہی معیاری رسالہ تھا۔ اس کے موضوعات میں تنوع اور اس کی زبان سہل و شستہ تھی۔ اسے ملک کے اکابر علماء مشائخ کی سرپرستی اور ان کا قلمی تعاون حاصل تھا۔ بالخصوص امام احمد رضا بریلوی کی کتابیں، فتاویٰ اور نعتیں مسلسل شائع ہو رہی تھیں۔ ان کے علاوہ تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا شاہ عبدالصمد سہسوانی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مفتی عمرالدین ہزاروی، مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا عبدالواحد رام پوری، مولانا یونس علوی کی کتابیں یا مضامین شائع ہوتے تھے، جب کہ بہار کے علماء و مشائخ میں شاہ امین احمد فردوسی، شاہ بدر الدین پھلواری، شاہ اکبر دانا پوری، شاہ محسن دانا پوری، مولانا عبدالرحمٰن مجبی، مولانا ظفر الدین بہاری اور قاضی عبدالوحید فردوسی، مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی کی کتابیں اور مضامین و منظومات بھی تسلسل کے ساتھ شائع ہوتی تھیں۔

تحفہ کے اثرات و خدمات کا اجمالی جائزہ:

تحفہ حنفیہ کی اشاعت سے ملت اسلامیہ کو عروج و تحفظ حاصل ہوا اور عوام و خواص نے اس شمعِ علم و عرفان سے روشنی حاصل کی۔ علماء و مشائخ نے اس کی حق گوئی، بے باکی اور اصلاحی جدوجہد دیکھ کر اسے اپنا تعاون دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۳۱۸ھ میں جب پٹنہ میں قاضی صاحب نے ردِ ندوہ کے موضوع پر مدرسہ حنفیہ کا ہفت روزہ اجلاس منعقد کیا تو اس میں بہار کی تقریباً تمام خانقاہوں کے ذمہ داران اور سجادگان نے شرکت کی، اپنا تعاون دیا اور ندوہ سے اپنی فکری علاحدگی کا برملا اظہار کیا۔ ان میں یہ نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں: جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی، شاہ بدر الدین پھلواری، شاہ اکبر دانا پوری، شاہ عزیز الدین قمری، شاہ محی الدین پھلواری، شاہ محسن دانا پوری، مولانا کریم رضا بیتھوی، شاہ شہود الحق اصدقی، مولانا غلام مظفر بلخی، مولانا ولی احمد بہاری، شاہ درگاہی صاحب فتوحہ، شاہ حیدالدین فردوسی، شاہ فضل حسین فردوسی، شاہ امجد حسین تکیہ شریف، شاہ وحیدالحق شی پورہ، شاہ تفیر الحق پٹنہ، مولانا شاہ غلام مظفر حسین فتوحہ وغیرہ۔

اگر تحفہ کے علمی، سماجی اور ملی اثرات کا جائزہ لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تحفہ کی معیاری صحافت نے:

☆ مقصدی صحافت نگاری کی روشن طرح ڈالی۔
☆ بہار کی مذہبی صحافت کا رخ جو مبہم تھا، اسے تحفہ نے مثبت جہت عطا کی۔
☆ تحفہ نے مغربی شمالی ہند کی مذہبی صحافت کے مقابلہ میں مشرقی ہند کا نام روشن کیا۔
☆ تحفہ نے صحافت کے ذریعہ فتاویٰ کی اشاعت کو مقبول بنایا۔
☆ تحفہ نے ملک اور بیرون ملک میں فکرِ رضا کی اشاعت کے لیے ایک تحریری سائبان مہیا کیا۔
☆ مذہبی خبروں کی اشاعت کو ایک خاص جہت سے آشنا کیا۔
☆ اور تحفہ کے ذریعہ ملک میں مذہبی اشاعت کے لیے پریس کی اہمیت واضح ہوئی۔

تحفہ کے تعلق سے یہ چند کلمات صرف اس بات کا اشاریہ ہیں کہ اس کے اندر عہد قدیم کے بے شمار علمی، ملی اور شخصی جواہر پارے ہیں جن کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

''جہان رضا'' کے اداریوں کے

گلہائے صدرنگ *

از: پروفیسر محمد اکرم رضا

روزنامہ ہو یا ہفت روزہ اخبار، ادبی مجلہ ہو یا باقاعدہ اشاعت رکھنے والا ماہنامہ، جس طرف بھی دیکھیے اداریہ محض جذبات نگاری نہیں بلکہ ادبی اور اشاعتی ضرورت بن کر سامنے آتا ہے۔ اداریے کے ذریعہ مدیر اور قاری کے فکری رشتے کا آغاز ہوتا ہے۔ قارئین معلوم نہیں کہاں کہاں کے ہوتے ہیں مگر اداریہ کی وساطت سے ایڈیٹر اپنا مافی الضمیر غیر محسوس طریقے سے تمام پڑھنے والوں تک پہنچا دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ تعلق اس قدر مضبوط، ہمہ گیر اور پائیدار ہو جاتا ہے کہ ہر قاری ایڈیٹر کے قلم کی ادبی اور صحافتی فکر افروزیوں کو اپنی دھڑکنوں میں محسوس کرنے لگتا ہے۔

تاریخ ادب و صحافت شاہد ہے کہ بعض اخبارات اور رسائل محض اپنے مدیران کے قلم کی جولانیوں کے سبب سے ہی فروخت ہوتے رہے ہیں۔ یعنی ان جرائد کے مدیران اس قدر علم پرور ادب نواز اور حقائق آشنا ہوتے تھے کہ ان کے قاری ان کی تحریروں اور نظریات سے والہانہ عقیدت رکھنے لگتے تھے۔ یہی عقیدت انہیں ہر شمارے کے لیے محوِ جستجو رکھتی تھی۔ انگریزی اخبارات و رسائل میں اس نوعیت کی مثالیں اپنی جگہ مگر پاک و ہند میں بھی ادبی اور صحافتی لحاظ سے ایسے بلند قامت مدیر دکھائی دیتے ہیں جن کے اداریوں کے جملے ہی نہیں کئی کئی پیراگراف قارئین کو حفظ ہو جاتے تھے۔ مدیریوں تو مکمل طور پر رسالے یا اخبار کی اشاعتی بلندی یا پستی کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا مگر اداریے کی پر لطف، حقائق آفرین، زبان و بیان کی رعنائیوں سے آراستہ تحریر بطور خاص مدیر کا کمال سمجھی جاتی تھی۔ اداریے کو ایک نظر دیکھتے ہی جہاں قلم کی چاشنی اپنی لطافت لٹاتی تھی وہاں رسالے میں شائع شدہ مواد کا جمالی تعارف بھی قارئین کے ذوق نظر کی بالیدگی کی علامت بنتا تھا۔

اس تناظر میں جب ہم ماہنامہ ''جہان رضا'' کے مدیر شہیر معروف ادیب اور محقق پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے اداریوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اداریے کی جامعیت اور مدیر کی فکری بلند پروازی کے امتزاج سے ترتیب پانے والا خوشگوار تاثر بے اختیار قلب و نظر کو اپنی جانب متوجہ کرنے لگتا ہے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی علم و فضیلت کے لحاظ سے معروف شخصیت ہیں۔ ایک بلند پایہ مصنف، مایہ ناز مترجم، قابل فخر مقالہ نگار اور باصلاحیت مدیر شہیر کی حیثیت سے مدتوں سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ باوقار ملازمت کا زمانہ ہو یا ریٹائرمنٹ کے بعد کی مصروفیات کا زمانہ انہوں نے ہر گام پر احساس دلایا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں نقیب ملّتِ اَحناف ہیں ان کی مصروف زندگی کی تمام تر توانائیاں مسلک اہل سنت و جماعت کے لیے وقف ہیں۔ ''مکتبہ نبویہ'' کے مہتمم کی حیثیت سے آپ نے جو ے خانۂ ادب آباد کیا ہے اس سے بے شمار اہل ذوق فیض یاب ہو رہے ہیں۔ علماء ادباء، مفکرین، شارحین، نقاد حضرات غرضیکہ جو آتا ہے اپنی داستان شوق سناتا ہے۔ اور ان کے سحاب لطف و کرم کی رم جھم کا حقدار بن کر مستقل طور پر ان کی محبتوں کا امین بن جاتا ہے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے والد گرامی حضرت مولانا انور پیر فاروقی رحمۃ اللہ علیہ علامہ اقبال کے عقیدت مندوں میں سے تھے آپ نے اپنے بیٹے کا نام اقبال اسی عقیدت کی روشنی میں رکھا۔ علامہ اقبال

☆ ماخوذ: از ''فکرِ فاروقی''، مرتبہ: محمد عالم مختار حق، ناشر: مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

۱۹۳۸ء میں فوت ہوئے تو مولانا انور پیر فاروقی گجرات سے چل کر لاہور آئے۔ اور شاعرِ مشرق کے مزار پر حاضری دی اس حاضری کے وقت اپنے بیٹے اقبال کو ساتھ لائے تھے پھر لاہور میں ہی دینی تعلیم کے لیے فاضل اجل حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی مؤلفِ ''تفسیرِ نبوی'' کی درسگاہ میں داخل کرایا۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے اسی درسگاہ سے دینی علوم کے بحرِ زخار سے حصہ پایا اور لاہور سے ہی درس نظامی کی تکمیل کی۔ جامعہ عباسیہ بہاول پور سے ۱۹۴۴ء میں عالم کی ڈگری پا کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل ومولوی فاضل کیا۔ پنجاب یونیورسٹی اور ینٹل کالج سے ہی ایم اے فارسی کیا، گورنمنٹ لاء کالج سے ایل ایل بی کیا، وکالت کا پیشہ اختیار کرنے بجائے علمی مجالس سے استفادہ کرتے رہے۔ پنجاب گورنمنٹ کے ایک محکمہ لیبر ویلفیئر میں (Compensation Commissioner) رہے۔ ۱۹۸۸ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کا ساری زندگی علمائے اہل سنت اور مشائخ عظام سے علمی اور روحانی تعلق رہا وہ اکثر علماء کرام کی مجالس کی جان ہوتے تھے اور مشائخ کے زاویوں کی کنج نشینی کا شرف حاصل کرتے رہے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی تمام مسلمہ حیثیات اپنی جگہ، ان کے علمی وعملی جوہر اس وقت کھلے جب انہوں نے مجدّدِ اہل سنت الشاہ احمد رضا محدث بریلوی کی محبت سے سرشار ہو کر ''مرکزی مجلس رضا'' کے ہراول دستے میں فعال کارکن کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی، حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے والہانہ جذبۂ ایمانی نے ان کے ذوقِ جستجو کو تیز تر کر دیا۔ پھر کیا تھا، ان کے لیے سنّیت اور رضویت کا گلشنِ جان نواز بہارِ دوام کا امین بن گیا۔ یہ خادم بھی تھے اور راہنما بھی۔ جب ''جہانِ رضا'' کی ادارت سنبھالی تو ان کا قلم جو پہلے ہی حقائق اور صداقتوں کی کہکشاں لٹانے کا عادی تھا اور زیادہ برق رفتاری سے منزلِ حق کی طرف جادہ پیمائی کرنے لگا۔

''جہانِ رضا'' ۱۹۹۱ء میں مطلع صحافت پر طلوع ہوا تو مدیر کی حیثیت سے انہوں نے بطور خاص اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مضامین شائع کرنا شروع کیے۔ اس سلسلے کو اتنی وسعت اور ہمہ گیری عطا کی کہ آج ''جہانِ رضا'' پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان سمیت دنیا بھر میں عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا تارا بن چکا ہے۔ نظم ونثر کا انتخاب اور اشاعت اپنی جگہ، اس ادبی صحیفے کو مقبولیت کی سند عطا کرنے میں بہت بڑا ہاتھ ان کے دل نشین ''اداریوں'' کا بھی ہے۔ وہ اداریے جو حق وصداقت کی آواز ہیں، جو ادب وصحافت کے لیے وجہ ناز ہیں، وہ اداریے کہ جنہیں پڑھ کر جہاں اہلِ شوق فرطِ مسرت سے ان کا استقبال کرتے ہیں وہاں منافقت اور ریاکاری کے طلسم کو چاک چاک کرنے کا سبب بھی بنتے ہیں۔

اقبال احمد فاروقی سامر درویش ہر قسم کی ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز ہو کر صحرائے رضویت کے حدی خواں کا کردار ادا کرتا ہے اس جذبے کے ساتھ کہ۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی حکم اذاں کی تعمیل میں، خواب گراں میں کھوئے ہوئے علماء ومشائخ کو بیدار کرنے کا مسلسل اہتمام کیے جا رہے ہیں۔ بعض اوقات علماء ومشائخ کے مصلحت آمیز خواب گراں کو دیکھ کر انہیں درد اور سوز کی کیفیات سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر حکمِ اذاں کی تعمیل ان کے قلم کو بوجھل، اعصاب کو شل اور علمی جذبوں کو مضمحل نہیں ہونے دیتی، بگڑنے والوں کا بگڑنا اپنی جگہ مگر یہ عصر حاضر کی تاریکیوں میں شمع حقائق جگمگانے کے عمل سے کبھی دستبردار نہیں ہوتے ان کا عزمِ مصمم ان کے اداریوں میں علمی ونظری بانکپن بن کر جھلکتا ہے کہ۔

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اقبال احمد فاروقی حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے جس حد درجہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں وہ کبھی بھی کسی مصلحت کا شکار نہیں ہونے پائے۔ آپ ان تمام معرکہ آرائیوں اور حقائق افروزیوں سے بخوبی آگاہ ہیں جن کی بدولت اعلیٰ حضرت کا وجود مہرِ عالمتاب بن کر زمانے کو منور کرتا ہے۔ جب تک محب اپنے محبوب کے حسنِ کمال کی ظاہری تابانیوں اور باطنی محاسن سے بخوبی آگاہ نہ ہو اس وقت تک وہ کمالِ عقیدت کا حسن دکھلا نہیں سکتا، محبوب صفات وکمالات کے لحاظ سے جس قدر دلآویز اور ہمہ گیر ہوگا، محبِ صادق کا جذبہ بھی اسی قدر والہانہ ہوگا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیّت سے آگہی ہی ان کے اداریوں کی بلند فکری، مقبولیت، اور دل پذیری کا سبب بنی ہے۔ ''جہان رضا'' کا نام بذات خود فاضل بریلوی کے کمالات فقہی وعلمی سے عبارت ہے اس لیے ایک ذمہ دار مدیر کی حیثیت سے حضرت اقبال فاروقی نے اعلیٰ حضرت کے فکری، فقہی، نظری، علمی اور روحانی کمالات کے اظہار سے کما حقہ انصاف کیا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ معاندین اعلیٰ حضرت کی بھی خوب خوب خبر لی ہے۔ ایک مدیر کی حیثیت سے انہوں نے معروف محققین اور مقالہ نگاروں کا بھرپور تعاون حاصل کیا ہے۔ جب کہ اداریہ نویس کی حیثیت سے تلخ ترین حقائق کو بھی انشائے لطیف کا حسن بخش کر قبولیت عام کا روپ بخشنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

فاضل مدیر، عربی اردو اور فارسی سمیت کئی زبانوں کی ادبی چاشنی سے فکر وقلم کو ہر دلعزیزی کی صورت عطا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ برجستہ فقرات، برمحل تشبیہات و استعارات، مقصد آفرین اشعار، عبارت آرائی کے لوازمات اور خوبصورت ادبی تراکیب کی بدولت ان کے اداریے کمال درجے کی مضمون آفرینی کے مظہر معلوم ہوتے ہیں بعض مقامات پر کمال درجے کی بلاغت کا احساس ہوتا ہے، انشائے لطیف کی رم جھم برستی محسوس ہوتی ہے۔ ان کا انداز نیا نہیں بلکہ مستقل طور پر ان کے قلم کا اعزاز بنا ہوا ہے۔ ہم ''جہان رضا'' کے دوسرے شمارے کے اداریہ سے چند سطور درج کر رہے ہیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' کے آغاز نو کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی خوش کن آوازوں نے ہمیں تازہ جذبہ بخشا ہمارے دلوں کو ایک نیا ولولہ عطا کر دیا اور ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ مرکزی مجلس رضا کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا خلوص کتنا پاکیزہ تھا کہ چار سال کی خاموشی کے بعد بھی وادی رضویت میں ایک ہی صدا سے بہار آگئی سارا چمن مہک اٹھا، سارے ستارے جگمگانے لگے۔ سارے دل دھڑ کنے لگے اور سارے نغمے گونج اٹھے۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان

''جن لوگوں نے ہماری کوششوں کو سراہا ہے، ہم ان کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں، جن اراکین نے ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا ہے ہم کس قلم سے ان کا شکریہ بجا لائیں، جن معاونین نے ہماری اپیل پر لبیک کہا ہے۔ ہم کن الفاظ میں انہیں ہدیۂ تحسین پیش کریں۔ جن بزرگوں نے مرکزی مجلس رضا کے دفتر میں بذات خود تشریف لاکر ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھا ہے۔ ان کے قدموں میں ہم نے آنکھیں بچھائیں، اگر ان سب حضرات کے الفاظ، خطوط، بیانات، مقالات اور جذبات جمع کیے جائیں تو ایک دفتر بھر جائے۔

تیرے آنے سے گلستان میں بہاریں آگئیں''

(جلد ا، جون ۱۹۹۱ء شمارہ ۲)

اقبال احمد فاروقی کی تمام زندگی حق وصداقت کی وادیوں میں سفر کرتے گزری ہے۔ حق وصداقت کے حوالے سے ان کی وفاداری

بھی مسلمہ ہے اور استواری بھی کیونکہ یہی جزو ایمان ہے۔ ان کے مضامین اور کتب اپنی جگہ، انہوں نے ''جہانِ رضا'' کے اداریوں میں ہر گام پر صداقتوں کے ستارے بکھیرے ہیں جن کی روشنی ابدی بھی ہے اور لافانی بھی، ان کی محبت کسی مصلحت کی پابند نہیں، ان کا خلوص کسی مخصوص فضا کی پیداوار نہیں، یہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کا جینا اور مرنا حق کے لیے ہوتا ہے، زمانہ ادھر سے ادھر ہو جائے مگر ان کی محبت اور خلوص کی مہک حق وصداقت کے گلشن سے پھوٹتی ہے اور ان کے اداریوں میں اپنی بہار دکھاتی ہے۔

''جہانِ رضا'' کے اداریوں میں کئی عشروں کی معلومات، نکتہ آفرینی، صداقت شعاری، ملت اسلامیہ کے اقبال وادبار کی داستان، ملّت احناف کی خدماتِ جلیلہ کے تذکرہ شوق سمیت کیا کچھ نظر نہیں آتا؟ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وقت کے قاضی نے حالات کی نبضوں سے صداقت کشید کر کے عصر حاضر تک پہنچانے کا عہد کر رکھا ہو، وقت کے قاضی کی صدائے صد رنگ، علامہ اقبال احمد فاروقی کے قلم سے پھوٹتی ہوئی ''جہانِ رضا'' کے اداریوں میں اپنا جلوہ دکھاتی ہوئی قارئین کے افکار کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ ہر اداریہ احساس دلاتا ہے کہ ''جہان رضا'' کا مدیر خلوص فکر کے ساتھ یہ تہیہ کیے ہوئے ہے کہ۔

''دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے''

اقبال احمد فاروقی نے کیا کچھ نہیں دیکھا، پاکستان کا ظہور میں آنا علماء ومشائخِ اہل سنت کی قیام پاکستان کے لیے سعی بے بہا، قیام پاکستان کے بعد علماء ومشائخ کی غفلت کیشی، جہادِ زندگی کا پرچم لہرانے والوں کا حجروں میں عافیت تلاش کرنا، اپنوں کی غفلت شعاری اور اغیار کی ستم کاری، وقفے وقفے سے علماء ومشائخ کی بیداری اور پھر وادیِ غفلت میں گراں خوابی، سیاستِ دوراں کی نیرنگی اور ان لوگوں کا منزل بکنا رہنا جو شریک سفر نہیں تھے، سیاسی اور مذہبی راہبروں کی طالع آزمائی، عظیم ماضی رکھنے والے بزرگانِ ملّت احناف کی وقت کے تقاضوں سے بے خبری، غرضیکہ ''جہان رضا'' میں ایک جہانِ حیرت آباد جلوہ گر ہے کہ جس کی طلسم کاریوں میں ایک مرتبہ کھو جایئے تو واپس آنے کو جی نہ چاہے۔ یہ اس بات سے بے نیاز ہیں کہ انہیں کوئی چاہتا ہے یا ان کی خدمات سے اغماض برتتا ہے۔ یہ تو اس مسافرِ شوق کی طرح ہیں جو دین اور سیاست کے امتزاج سے عبارت اپنے قلم کو حقائق کے صحرائے پرخار میں مسلسل آبلہ پائی کا جنون خیز انداز بخش رہا ہے۔

ہم نے اقبال احمد فاروقی کی جملہ ادبی علمی اور نظریاتی خدمات سے جان بوجھ کر پہلو تہی کرتے ہوئے اپنی تحریر کو فقط ان کے اداریوں تک محدود رکھا ہے۔ یوں سمجھیے کہ ہم ایک وسیع گلشن سے قطع نظر کرتے ہوئے چند گلہائے فکر نواز کو ہی محورِ قلم بنائے ہوئے ہیں اور یہاں پر بھی یہ حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ ان چند پھولوں میں سے ہر پھول اپنی عنبر فشاں مہک کی بدولت ایک نیا گلستاں آباد کیے ہوئے ہے، اس خوشگوار انکشاف کی بدولت قاری کا ذہن جزو سے کل کی طرف پرواز کرتے ہوئے ان کی دیگر ادبی وفکری اور قلمی وفقہی خدمات کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ علم وحکمت اور فکر ودانش کی تجلیاتِ نور سے اکتسابِ فیض کے بغیر ''اداریوں'' کو اس قدر ہمہ گیری، جاذبیت دلکشی اور دل نوازی عطا نہیں کی جا سکتی۔ عکس سے شخصیت کا احساس ہونا ہی کمال آگہی ہے اور اقبال احمد فاروقی کے اداریوں کی فکر انگیزی کا خوگر خود بخود ان کی بھرپور شخصیت کے کمالات کو جاننے کا تمنائی بن جاتا ہے۔

لفظوں سے کھیلنا ایک ہنر ہے مگر یہ ہنر اس وقت تک نصیب نہیں ہوتا جب تک الفاظ خونِ دل سے کشید نہ کیے گئے ہوں۔ کاغذی پھول عارضی طور پر تو ناظر کی بصارت کو متوجہ کر سکتے ہیں مگر یہ لحاتی حسن فوراً اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ جب کہ حقیقی پھولوں کی نظر نوازی فقط بصارت ہی نہیں بلکہ بصیرت کو بھی جمال آشنا کر دیتی ہے۔ فاروقی صاحب نے اپنے اداریوں میں لفظوں کی جو سحر کاری دکھائی ہے اس کا تاثر کسی طور پر

بھی عارضی سطحی یا لمحاتی نہیں بلکہ یہ تو حقیقی پھولوں کی خوشبوئے جان نواز لیے ہوئے ہے۔ وہ خوشبوئے جاں نواز جو فقط محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت عطا ہوتی ہے۔ جب (بحمد اللہ) "جہان رضا" کے مدیر کے دل و جان محبتِ رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آباد ہیں تو نوکِ قلم سے بقائے دوام کے گلاب کیوں نہ مہکیں۔

ہمیں اقبال احمد فاروقی کی علمی و فکری کاوشوں سے ایک طویل عرصہ سے آشنائی کا شرف حاصل ہے اور ہم نے جوابِ آں غزل کے طور پر ان سے زبردستی اپنی شناسائی کی تمنا یا کوشش کبھی نہیں کی اور یہی امر ہماری اس تحریر کو بے لاگ بنانے کا سبب بنا ہوا ہے۔ یہ علیحدہ امر ہے کہ ان کی محبت سمیٹنے کے جو چند لمحات میسر آتے ہیں وہ اپنی لطافت آمیزی کو برسوں کی غیر محسوس آشنائی پر محیط کردیتے ہیں۔ ایک سادہ لباس اور ظاہری وضع قطع میں درویش منش انسان "مکتبہ نبویہ" کی کتابوں کے حصار میں گم ہو تو کوئی بھی راہ نوردان کے ظاہری سراپا سے کوئی تاثر لیے بغیر آگے گزر جاتا ہے۔ مگر جونہی وہ راہرو چند لمحے گزارنے کے لیے اس درویش منش کی مجلس میں بیٹھ جاتا ہے تو کتابوں کے علم کدے میں محصور اس سادہ وضع انسان کے چند جملے ہی اس راہ رو کو اپنا اسیر بنا لیتے ہیں۔ اور پھر جو یہاں چند لمحے گزارنے یا کتاب آشنائی کے لئے آیا تھا، یا وقت گزرنے کے تاثر سے بے نیاز ہو کر ہمیشہ کے لیے اس مردِ درویش کی گفتگو اور اس کے ذوقِ جستجو میں گم ہو جاتا ہے اور پھر جانے والا جہاں بھی جائے اس تاثر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کہ۔

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

"مکتبہ نبویہ" کا مردِ درویش یہی اقبال احمد فاروقی اپنے اداریوں میں ایک طویل عرصہ کی ادب پیمائی کے حسن کو اپنے قارئین تک پہنچا رہا ہے۔ انہوں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ان کے اداریے کسی طور پر بھی رسمی نظر نہ آئیں بلکہ ان کی بدولت قارئین کو حقائق سے آشنائی ہو۔ اس ضمن میں وہ ادبی ہنر آزمائی سے اس طور کام لیتے ہیں کہ بعض اوقات تلخ ترین حقائق کی "گوشین" کو ادب وانشاء کی چاشنی میں سمو کر اپنے مخاطب کے دل میں اتار دیتے ہیں کہ اسے ایک لحہ کے لیے بھی تلخ کامی کا احساس نہیں ہوتا۔ یہی تو وہ خوبی ہے جس نے مردِ درویش اقبال احمد فاروقی کے اداریوں کو اپنوں اور بیگانوں کی توجہ کا مرکز بنا رکھا ہے۔

مرزا غالب کے خطوط کئی حوالوں سے یادگار حیثیت رکھتے ہیں ان کی ایک اہم خصوصیت ان کا تاریخی تاثر ہے۔ غالب حکومت انگلشیہ کے عتاب کے دور میں اپنے خطوط کے ذریعہ جملوں میں ملفوف ایسے بے شمار حقائق عوام تک پہنچا گئے جنہیں وہ عام زبان میں بیان کرنے سے قاصر تھے۔ اسی طرح فاروقی صاحب کے اداریے تاریخی حقائق کے امانت دار ہیں۔ قاری پہلی نظر میں انہیں سطحی انداز سے پڑھتا ہے مگر جونہی ان اداریوں کے جمالِ ادب سے جھانکتی ہوئی حقیقت اس پر آشکارا ہوتی ہے تو وہ اس تحریر کو از سرِ نو پڑھتا ہے اور جہاں اس اداریے کے ادبی محاسن سے حظ اندوز ہوتا ہے۔ وہاں ان اداریوں کے بین السطور سے جلوہ ریز ہونے والے حقائق سے بھی بخوبی آگاہ ہونے لگتا ہے۔ فاروقی صاحب بھی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ وہ تمام تاریخی حقائق جو ان کی یادوں کا حصہ اور گزرے ہوئے وقت کا ورثہ ہیں انہیں کمالِ دیانتداری اور فکری خلوص کے ساتھ قارئین تک پہنچائیں۔ اس لحاظ سے ان اداریوں کا زیرِ نظر مجموعہ جب مکمل شکل میں قارئین تک پہنچے گا تو انہیں اپنے ماضی کے بے شمار دریچے کھلتے ہوئے محسوس ہوں گے۔

پیرزادہ اقبال احمد رفاروقی دوقومی نظریہ کے پرستار اور اسلامی تشخص کے علمبردار ہیں انہیں اس نظریہ سے محبت کا سبق حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہما الرحمۃ سے عطا ہوا ہے۔ وطن عزیز پاکستان دوقومی نظریہ کی عملی پہچان ہے۔ اس لیے ہمارے

اسلاف نے اس کے حصول کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ فاروقی صاحب اپنے اسلاف کے جذبۂ ایثار سے آگاہ ہیں اس لیے وہ مئے خواب میں سرمست سجادہ نشینوں کو جھنجھوڑتے اور انہیں عظیم اسلاف کی جدوجہد سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا قلم نام نہاد حجرہ نشینوں کی دستاروں کے پیچ کھولتا ہے، ایسے حجرہ نشین جو شاہینی پرواز کو فراموش کر کے زاغ وزغن کے بزدلانہ ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں۔ دو قومی نظریہ پر ضرب لگے تو پھر ان کا قلم عصائے موسوی بن جاتا ہے، وہ وقت کے فرعونوں کو بھی فاروقی للکار کے تیور دکھا جاتے ہیں۔ ہر خوف اور داد و دہش سے بے نیاز شاعرِ مشرق کے لفظوں میں۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

فاروقی صاحب فکر احمد رضا کے نقیب ہیں۔ اس ضمن میں وہ اپنے اداریوں میں ان تمام محققین، مصنفین اور قلم کاروں کی جی بھر کر حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو فاضل بریلوی پر تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ ان کا قلم شعلۂ وشبنم کی تاثیر لیے ہوئے ہے۔ شعلے کی تابش اغیار کے لیے اور شبنم کی دلآویزی فکر رضا کو مشعل راہ بنانے والے احباب فکر وفن کے لیے۔ ان کے اداریوں کا مطالعہ اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ انہوں نے طویل ادبی ادارتی مسافت میں کبھی اپنی راست فکری سے دستبردار ہونا قبول نہیں کیا۔ عالمِ اسلام کی عظیم شخصیت حضرت شاہ احمد نورانی سے ان کی محبت والہانہ پن لیے ہوئے تھی۔ حضرت نورانی ہمیشہ اقتدار سے کوسوں دور رہے مگر ہر دور کے نمرودان کی بانگ خلیل اللّٰہی سے لرزتے تھے۔ ان کی یہی ادا حضرت فاروقی کو بھا گئی۔ ہمیشہ حق گوئی کے اس قافلے کے ساتھ چلے، قلم کے اسلحے اور حسنِ زبان وبیان کے اثاثے کے ساتھ، الشاہ احمد نورانی کے جانشینوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کے قلم کا بانکپن دیکھیے۔

"الشاہ احمد نورانی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آج علمائے اہل سنت کا بکھرا ہوا کارواں سیاست کے صحراؤں میں بھٹک رہا ہے۔ اپنا گھر اجڑ گیا تو بیگانوں نے بھی انہیں پاس نہ بیٹھنے دیا۔ جب پتے درخت سے جھڑ جاتے ہیں تو خس وخاشاک کے ڈھیروں میں جا گرتے ہیں۔ جب اچھے گھروں کے لاڈلے اپنے گھر سے روٹھ کر نکل جاتے ہیں تو وہ مزاروں کے لنگروں کی روٹیوں پر گزارا کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے قافلے سے جدا ہو جاتے ہیں، وہ غول بیابانوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آج ان علماء کو سیاسی بھیڑیوں نے چیر پھاڑ دیا ہے۔ جو کبھی جمعیت العلماء پاکستان کا لشکر تھا" (مارچ ۲۰۰۵ء شمارہ ۱۲۴)

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے جب خیابانِ سیاست میں قدم رکھا تو انہیں قائدِ اہل سنت الشاہ احمد نورانی کی قیادت ملی۔ قائدِ اہل سنت نے آپ کی ایسی تربیت کی اور وہ استقامت کی راہوں پر ایسے چلے کہ ساری زندگی ان کے پائے استقلال کو لغزش نہ آئی وہ قائد اہل سنت کے قریبی اور اعتمادی ساتھیوں میں سے تھے۔ ۱۹۸۹ء میں لیبیا کے سربراہ کرنل قذافی کی دعوت پر جمعیت العلماء پاکستان کا چالیس رکنی وفد طرابلس گیا تو اس وفد کا امیر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو مقرر کیا گیا۔ یہ قائد اہل سنت کے اعتماد کی مثال تھی کہ آپ تین ماہ تک طرابلس کے "گرین ہاؤس" میں جمعیت العلماء پاکستان کی ترجمانی کرتے رہے۔ آپ کو اردو، عربی اور انگریزی زبان پر جو دسترس تھی اس کی روشنی میں لیبیا کی انقلابی قیادت اور مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے اعیان مملکت کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا اور پاکستان کے علاوہ تمام عالم اسلام میں نظام مصطفیٰ کے قیام کی اہمیت کو واضح کرتے رہے۔

علامہ فاروقی شاعر نہیں مگر حد درجہ کے شعر شناس ہیں۔ چالیس برس سے زائد عرصہ سے ادب وانشاء اور شاعری میں بھرپور زندگی گزارنے والا یہ فقیر (محمد اکرام رضا) بلا خوف تردید کہہ سکتا ہے کہ فاروقی صاحب نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ان کے مضامین اور کتب سے قطع نظر ان کے اداریوں کا مطالعہ کیجیے

درجنوں نثری شہپارے شعری حسن لٹاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض ثقہ حضرات کو یہ کہتے ہوئے پایا ہم تو ''جہانِ رضا'' کو فاروقی صاحب کے اداریوں کی خاطر پڑھتے ہیں۔ اگرچہ فاروقی صاحب کو دیگر مضمون نگاروں کی حق تلفی کے خوف سے یہ خراجِ تحسین پسند نہیں آئے گا۔ مگر تعریف تو تعریف ہوتی ہے۔ جو عہدِ حال کے افق پر جگمگاتی اور ماضی کا حصہ بننے سے پہلے مستقبل پر اپنے نقوش مرتب کر جاتی ہے۔ اور پھر ان اداریوں میں اقبال احمد فاروقی جا بجا اشعار ایسے سجاتے ہیں کہ ان کی تعریف کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ شاعرانہ نثر لکھتے ہوئے شعر کو اس طرح پیوستہ کرتے ہیں کہ بے اختیار یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ یہ شعر اسی تحریر اور مخصوص ادبی فضا کے لیے تخلیق ہوا تھا۔

جہانِ رضا کے ان اداریوں کی اشاعت کی بدولت فاروقی صاحب نے جہاں علمی اور صحافتی ادب کو ایک بڑا سرمایہ دیا ہے وہاں ان کے حوالے سے کتنی فکر آفریں داستانیں بھی سنا ڈالی ہیں۔ انہیں نے ان کی بدولت محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نظریاتی سرفرازی، حب الوطنی، ملتِ احناف کی بیداری، اصحاب ذوق کی ادبی جگمگاہٹ، حکومتی اور دینی رہنماؤں کی علم آفرینی کے کتنے ہی دروازے کھول دیے ہیں۔ آپ کسی بھی دروازہ سے داخل ہوں تو آپ کو ''جہانِ رضا'' کی بدولت معلومات وحکمت وموعظت کا ایک جہاں آباد نظر آئے گا۔ فاضل اداریہ نگار نے ان اداریوں میں حقائق اور صداقتوں کا علم لہراتے ہوئے کہیں بھی عبارت کو بوجھل نہیں ہونے دیا۔ سچ پوچھیے تو ان کے اداریئے نثرِ لطیف اور انشاء پردازی کے نمونے ہیں۔ یہی انشائے لطیف تلخ حقائق اور سچائیوں کو قارئین کی فہم وبصیرت کی زینت بنانے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ پہلے یہ اداریئے الگ الگ وجود رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی ہر اکائی غیر معمولی لطف دیتی تھی لیکن اب جب کہ تمام اداریے کتابی صورت میں شائع ہو رہے ہیں۔ تو بعض مقامات پر مضامین ومفاہیم اور اشعار کی تکرار قارئین کو کھٹکے گی۔ مگر یہ اداراتی مجبوری ہے۔ کئی مرتبہ ایک جیسی صورتِ حال کئی مہینوں پر محیط ہوتی ہے یا ایک جیسی قیامت خیز گھڑی لوٹ لوٹ کر آتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ بلند فکر قارئین اس لحاتی تکرار سے بھی حظ اندوز ہوتے ہیں کہ حسن کی بار بار جلوہ گری زیادہ شدت کے ساتھ احساسات کی دنیا پر نقش ہو جاتی ہے۔

ہم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں کہ ان اداریوں کی صورت میں انہوں نے ہمارے ماضی اور حال کو یکجا کر دیا ہے تاکہ ہم ان کی روشنی میں تابناک مستقبل کی بنیاد رکھ سکیں۔ میری یہ تحریر یقیناً فاروقی صاحب سے مانوس قارئین کے لیے مصنف اور کتاب کے درمیان یکجائی کے لیے اہم ذریعہ ثابت ہوگی اس تحریر کے ذریعہ قارئین سے فاروقی صاحب کا تعارف کروایا ہے کیونکہ ان کا حقیقی تعارف تو اداریوں کے اس مجموعے میں انشائے لطیف کے شہپارے کروائیں گے۔ میں نے ان اداریوں کے علمی اور فکری محاسن کے پہلو بہ پہلو ان کے ادبی مقام وحیثیت کی جستجو کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ذوقِ جستجو آنے والے دور کے مورخ کے لیے فاروقی صاحب کے ادبی قد وقامت کے تعین کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کرے گا۔ ہماری دعا ہے کہ رب کریم ان کے علم وفکر کو مزید بالیدگی، قلم کو مزید شوکتِ تحریر اور ذہن رسا کو مزید حقیقت کشائی عطا کرے۔ تاکہ مکتبہ نبویہ کے ایوانِ علم وادب میں شمع روشن کی طرح جلوہ گر یہ مردِ درویش اسی جذبۂ تحقیق وتحریر کے ساتھ مطلع وقت کو مدتوں ایمان افروز تابشیں بخشتے ہوئے گلستانِ رضویت کے پھولوں کی آبیاری کرتا رہے۔

آمین بحرمة سید المرسلین علیه الصلوة والتسلیم

☆☆☆☆☆

شخصیات

۱۔ علامہ جلال الدین قادری رضوی۔ فکر رضا کا ایک عظیم مبلغ
۲۔ فکرِ رضا کے پیکرِ اتم مجاہدِ ملّت علامہ حبیب الرحمٰن عباسی
۳۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے تعلیمی نظریات
۴۔ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ اور علماء گوجر خاں

علامہ جلال الدین قادری رضوی
فکرِ رضا کا ایک عظیم مبلغ

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

دنیا کے تمام غیر مسلم یہ سن کر حیرت واستعجاب میں انگشت بدنداں ہوجائیں گے کہ معلم کائنات اَعْلَم جملہ کائنات، سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی کا پہلا نزول محض علم کی برتری وضرورت کا اعلان تھا۔ اور اس ایک اعلان میں وہ سارے اعلانات پوشیدہ تھے جو بعد میں قرآنِ عظیم کا منشور برائے عالمِ انسانیت بنے۔

یہ اعلان ہر لحاظ سے برحق اور درست تھا۔ اسلئے کہ علم نہ ہوتو دین کا کوئی معاملہ کماحقہٗ استوار ہوسکتا ہے نہ دنیا کا۔ اسلام کی روشنی نے غار حراء سے فاران کی چوٹی پر ظاہر ہوتے ہی نہایت پرزور انداز میں یہ اعلان کردیا کہ علم کا اظہار کاہنوں اور ساحروں کے منتروں، کانا پھونسی، اسرار ورموز اور اشاروں اور کنایوں میں نہیں بلکہ برملا ہونا چاہئے تاکہ اس کی تحصیل ہر آدمی کے امکان میں ہو۔ سب کے لئے مباح ہو۔

پڑھنا پڑھانا ہر انسان کا مسلّم حق ہے، امیر کا بھی غریب کا بھی، سیّد کا بھی شیخ کا بھی، خیاط کا بھی دباغ کا بھی، کاشتکار کا بھی زمیندار کا بھی عربی کا بھی عجمی کا بھی، عالم کے فرزند کا بھی، ہماشما کا بھی۔

نبی الامی الحبیب العالی القدر العظیم الجاہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے جو پہلا لفظ دنیا نے سماعت کیا، اور بظاہر کیسی حیرت انگیز بات ہے، وہ "اقراء" تھا۔ حالانکہ اس اولین وحی الٰہی کے مخاطب ایک ایسی ذات گرامی ہے، جسے اپنے وغیر سب جانتے تھے کہ وہ "امی" لقب ہیں اور تعلیم وتعلّم، پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے کے لئے دنیا کے کسی استاد کے منت کش نہیں رہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ایسا امی کس لئے منّت کش استاد ہو
کیا کفات اس کو "اقرا۔ ربُّکَ الاَ کْرَم" نہیں

اقرأ کا یہ مطالبہ اسلئے ہوا کہ محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھانے اور سکھانے والا "رب الاکرم" ہے اسلئے یہ معجزہ ہے اور دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے آگے عاجزِ محض ہے اور آپ کے ذریعہ جو وحی الٰہی دنیا کے رشد وہدایت کے لئے آرہی ہے، وہ "الکتاب" یعنی ایک خاص کتاب ہوگی جو لکھی جائے گی، جس کے ایک ایک لفظ کی تشریح وتفسیر کے لئے ہزاروں کتابیں لکھی جائیں گی اور دنیا میں جتنی زبانیں بولی جائیں گی اتنی زبانوں میں یہ تفسیریں لکھیں جائیں گی۔ اور یہ "قرآن" ہوگی یعنی پڑھی اور پڑھائی جائے گی بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے اور پڑھائی جانے والی کتاب ہوگی۔ اگرچہ یہ سنی اور سنائی بھی جائے گی لیکن محض زبانوں سے کہی اور کانوں سے سنی جاتی ہو، ایسی بات نہ ہوگی۔ غور طلب بات یہاں یہی ہے کہ "اقرأ" کا مطالبہ اسلئے ہوا کہ تحریر وکتابت کی اہمیت دنیا پر روشن ہوجائے اور علم کو سینوں سے نکالکر کتابوں کی امانت میں دینے کی راہ کھل جائے۔ ذرا آیت کریمہ کی ترتیب جمیل تو ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o
اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ o
اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○

یہ ہے اسلام کا اولین اعلان اور یہ اعلان تاریخ انسانی کا سب سے اہم، سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن واقعہ ہے جس نے ظلمتکدۂ جہل میں ایک منارۂ نور قائم کردیا۔ یہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے لئے سب سے زیادہ فخر کی بات ہے ۔اس آیت کریمہ کی منطقی ترتیب جمیل بھی عجیب وغریب ہے۔ جو ترتیب وار یوں ہے۔

۱۔ انسان ایک وجود ہے۔یعنی عدم سے وجود میں آیا پہلے موجود نہ تھا پھر موجود ہوا۔اسلئے "الذی خلق" کہہ کر سب سے پہلے نعمتِ تخلیق کا ذکر کیا گیا۔لیکن "نعمتِ تخلیق" عظیم ہونے کے باوجود بھی انسان اس کا تنہا حصہ دار نہیں بلکہ تمام مخلوقِ خدا اس نعمت میں انسان کی شریک اور حصہ دار ہے۔

۲۔ وہ نعمت جس سے صرف انسان سرفراز ہوا ہے اور جس میں کسی دیگر مخلوق کی شراکت نہیں، وہ علم ہے، یہی نعمت عظمیٰ ومنّتِ کبریٰ ہے جس سے صرف انسان مشرف کیا گیا ہے۔اور ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی اعلان کردیا یہ کاہنوں اور ساحروں سرگوشیوں اور مکرودجل والا علم نہیں ہے بلکہ یہ وہ علم ہے جو ضبط تحریر میں لاکر دنیا کے سامنے سورج کی روشنی میں رکھا جاسکتا ہے کہ جس کا ایک ایک لفظ دنیا کے لئے چیلنج ہے کہ وہ اسے پرکھے اور دیکھے کہ وہ اصلی سونا ہے یا کھوٹا ملمع کیا ہوا پیتل۔

قرآن کریم نے یہی نہیں کیا کہ حقیقی علم کو مصنوعی وفرضی علم سے اور علم نافع کو بے کار و بے سروپا علم سے علیحدہ کردیا بلکہ نعمتِ علم حقیقی کی حقیقت بھی دکھادی کہ یہ نعمت، نعمتِ تخلیق سے کہیں زیادہ برتر وافضل اور مفید ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ کیا ارشاد ہورہا ہے۔"اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق" نعمت تخلیق عام ہے جس میں انسان اور دیگر مخلوقات برابر کی شریک ہیں اسلئے اس نعمت کو محض "رب" کی طرف منسوب کیا۔لیکن اس کے فوراً ہی بعد کلمۂ خطاب کو دہرا کر "اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم" فرمایا گیا۔اس مکرر "اِقرأ" میں نعمت علم کو نہ "رب" کی طرف منسوب کیا گیا نہ ربّ کریم کی طرف بلکہ "ربّ الاکرم" سے اسے نسبت دی تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ "علمِ حقیقی" کی نعمت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جو از حد کرم والے پروردگار کا احسان وکرم ہے، اسلئے یہ سب سے بڑا کرم ہے۔

اگر دیکھا جائے تو واقعی ظلوم وجہول انسان پر اس سے بڑا کرم اور احسان کیا ہوسکتا ہے کہ علم ومعرفت کا آفتاب نصف النہار پر درخشاں ہوگیا۔جس کے نور کی نہ کوئی حد ہے اور نہ وہ کبھی ختم ہونے والا ہے۔

۳۔ "رب اکرم" فرماکر علمِ نورانی کی عظمت واہمیت پوری طرح واضح کرنے کے بعد یہ بھی تصریح کردی کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اور اس کے واسطے سے قلم وتحریر کے ذریعہ انسان کے علم کو جو وسعت اور فراوانی عطا کی گئی ہے اس کی کوئی حد وشمار نہیں اور نہ اس کا اندازہ کرنا کسی انسانی عقل وفہم یا اس کے ایجاد کردہ کسی آلہ کے بس کی بات ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

"علم الانسان مالم یعلم"

۴۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ ہی ہے فضل واکرام والا اور زمانے کا صاحبِ امروز ہے جو علم وتقویٰ میں سب سے زیادہ ہو۔اور یہی لوگ مرد ہیں جو اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے گوہر نکال لاتے ہیں۔ پھر یہی "صاحبِ امروز" زمانے کا راکب بن کر ہفت کشور کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں۔تو جب قرآنی علم سے فیضیاب ہونے والے کا یہ مقام ہے تو جو صاحبِ قرآن ہیں ان کے علم کی وسعت اور مقام ومرتبہ کی رفعت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی بنیاد پر معلّم کائنات، اعلم ہر دوسرا، سید الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے "العلم نور" فرمایا، یعنی جو شے اس نور کے دائرے میں آگئی وہ منور و منکشف ہوگئی اور جس سے یہ مرتسم ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی۔

تمہید طویل ہوگئی مگراب اپنے مدعا کی طرف آتا ہوں۔ غارِ حراء سے علم کے نور کی جو روشنی چمکی تو اس کے سفر کی مختصر روئداد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں کچھ یوں ہے:

سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوئے۔ ان سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم روشن ہوئے۔ ان سے تابعین اور پھر تبع تابعین اور ان سے ہمارے ائمۂ کرام درجہ بدرجہ، یہاں تک عبدالمصطفیٰ احمد رضا صاحبِ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ روشن ہوئے پھر احمد رضا جب صاحبِ امروز اور زمانے کے امام بنے تو انہوں نے اپنے چاہنے والوں سے فرمایا کہ ''اب میں چاہتا ہوں کہ تم ہم سے روشن ہو کر اس روشنیٔ علم کے امین اور قاسم بن جاؤ''۔ تو وہ روشنی کئی روشن ہاتھوں سے پہنچتی ہوئی کھاریاں کے جس مقدس گھر میں اتری وہاں سے الحمدللہ حضرت علامہ جلال الدین قادری مدظلہ العالیٰ کی صورت میں علمِ نورانی کا نیا سورج اپنے مکمل آب وتاب اور جاہ وجلال کے ساتھ طلوع ہوا اور ارد گرد کے تمام علاقوں کو منور و مستنیر کرتا چلا گیا۔ آج الحمدللہ انہی کے نورِ علم سے ویرانے بستیاں بن کر جگمگا رہے ہیں۔ انہی کے تلامذہ، صاحبزادگان اور متوسلین کے روشن چہرے ایک تازہ بستی آباد کر کے اس کے در و دیوار کو علم کے انہی چراغوں سے منور کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو بارگاہِ نبوی سے امام احمد رضا محدث بریلوی نور اللہ قدسرہٗ کو عطا ہوئے تھے اور جو روشنی کا سفر طے کر کے متعدد واسطوں سے علامہ جلال الدین حفظہ الباری کے دست مبارک میں پہنچے ہیں۔ اور یہ وہ چراغ ہے جو چراغِ مصطفوی سے کسبِ نور کرتا ہے اور جو جہل و کذب اور مکر و دجل کی پھونکوں سے ان شاء اللہ کبھی بھی بجھایا نہ جا سکے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علمِ نورانی کے اس چراغ کی لو کو تیز سے تیز تر رکھے اور شرارِ بولہبی کی فتنہ سامانیوں سے اسے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین بجاہ، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت علامہ جلال الدین قادری رضوی دامت برکاتہم عالیہ کی ذاتِ گرامی اس دورِ قحط الرجال میں اہل سنت وجماعت کا ایک بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ ان کا شمار فکرِ رضا کے عظیم مبلغوں میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے (آمین)۔ حضرت العلام نے ورثہ میں درویش طبیعت پائی ہے۔ کھاریاں کے اس دور دراز علاقہ میں بیٹھ کر وسائل کی کمیابی کے باوجود تبلیغِ دین و مسلک اور تحقیق و تصنیف اور فکرِ رضا کی نشر و اشاعت کا جو نہایت اہم کام سرانجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور قابلِ تقلید ہے۔ آپ کے اگر تمام علمی کارناموں کو بیان کیا جائے تو اس کے لئے طویل وقت کی ضرورت ہوگی پھر بھی اس کے بیان کا کما حقہٗ حق ادا نہ ہو سکے گا البتہ صرف دو اہم خدمات کا ذکر کر کے بات کو سمیٹوں گا۔ ابن عیینہ کا مقولہ ہے:

''عالم وہ ہے جو ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے''

(یعنی عالم کی زبان و قلم سے جو بات نکلتی ہے وہ تحقیق کے بعد نکلتی۔)

(ص۱۵۹، جامع البیان العلم وفضلہ، علامہ ابن عبدالبر اندلسی)

تحقیق اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تحقیق کی اصل ''حق'' (یعنی ثابت ہونا) ہے اور اسی سے ''تحقق''، یعنی کسی خبر کا پایۂ ثبوت تک پہنچنا ہے۔ گویا تحقیق نام ہے مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ سچائی کی دریافت، تصدیق یا انکشاف کا۔ اسی کو ''احقاقِ حق'' بھی کہا جاتا ہے۔ اہل علم و تحقیق سچائی کے امین، متقی اور دیانتدار ہوتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یا ایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ وقُولُوا قولاً سدیدا

اے ایمان والو اللہ سے ڈروں اور سیدھی بات کرو

اس گفتگوں کا خلاصہ یہ ہے کہ علم ''رب اکرم'' جل مجدہٗ کی عظیم نعمت اور ''فوق ذی کلِ علمٍ علیم، اعلمِ عالمیان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہے اور تحقیق اسی علم کے ابلاغ کی ایک سنجیدہ کاوش اور انفس و آفاق کو نورِ حقیقت و معرفت سے منور کرنے کی ایک صالح کوشش۔

اس تمہید سے بتانا مقصود یہ ہے کہ محقق کا صاحب علم ہونے کے ساتھ صاحب نظر اور صاحب تقویٰ ہونا بھی ضروری ہے۔

جب ہم دور حاضر کے علماء پر نظر ڈالتے ہیں تو علامہ جلال الدین قادری حفظہُ اللہ الباری اس حوالے سے ایک امتیازی شان کے حامل نظر آتے ہیں۔ راقم کے خیال میں علامہ ابن عبدالبر اندلسی علیہ الرحمۃ کا یہ قول کہ:

''جید عالم وہ ہے جو اپنی بہترین مسموعات لکھتا ہے، اپنی بہترین مکتوبات حفظ کرتا ہے اور اپنی بہترین محفوظات روایت کرتا ہے'' ہمارے ممدوح کی شخصیت پر پورا اترتا ہے۔

علامہ جلال الدین قادری صاحب کی تحقیقات اور علمی نگارشات کے دو موضوع نہایت اہم ہیں۔

اول۔ تاریخ نگاری

دوم۔ تفسیر و تشریحاتِ آیاتِ قرآنی۔

ا۔ پاکستان کا قیام سوادِ اعظم (اہلسنت و جماعت) کا رہین منت ہے۔ اور یہ یوں بھی بدیہی بات ہے، اسلئے کہ برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش میں مسلم آبادی کا تقریباً نوے فیصد اہلسنت و جماعت ہے۔ ظاہر ہے اتنی بڑی آبادی کے عملی تعاون کے بغیر مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کا قیام ممکن ہی نہ تھا۔ بلکہ تاریخی حقائق و شواہد تو اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ ''تصورِ پاکستان'' کا معاملہ ہو یا ''تحریکِ پاکستان'' کا از ابتداء تا انتہا، علماء اہل سنت کے افکار عالیہ اور مساعیٔ جمیلہ کا مرہونِ منت ہے۔ اہل سنت کے رہنما ہر دور میں اہل اللہ اور علماء حق رہے ہیں اور ان کی افتادِ طبع اور مزاج یہ رہا ہے کہ وہ ہر کام محض اللہ جلّ مجدہٗ اور اس کے رسولِ مکرم و محتشم ﷺ کی محبت اور خوشنودی میں کرتے ہیں۔ وہ ذاتی اغراض و مقاصد اور نمود و نمائش سے ہمیشہ نفور و گریزاں رہے ہیں۔ غالباً اسی لئے ان کا ذکر کتب تاریخ میں بہت کم دیکھنے میں آتا ہے اگرچہ کتب سیر میں ضرور ملتا ہے۔

یہی کچھ حصولِ پاکستان، قیامِ پاکستان اور استحکامِ پاکستان کی تحریکوں میں ہوا۔ ان مقدس حضرات کی سادہ مزاجی، خلوص وللّٰہیت، دنیاوی جاہ و جلال اور شہرت پسندی سے نفور اور بے نیازی، ان کو پردۂ خفا میں لے گئی اور میدان خالی پاکر تاریخ گڑھنے والوں نے دستارِ فضیلت ان علماء و زعماء کے سر باندھ دی جو تمام عمر متحدہ قومیت کے نعرہ پر دھمال مچاتے رہے اور حال وقال کے ساتھ جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھتے اور بت پرستوں کے امام مسٹر گاندھی کے چرنوں پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے رہے۔

عمرے کے بآیات واحادیث گذشت
رفتی و نثارِ بت پرستے کردی

(معاذ اللہ)

حق وانصاف اور تاریخ نویسی کے آداب (دیانتداری اور تحقیق) کا تقاضا تو یہ تھا تحریک و تعمیر پاکستان کے ان محسنوں کی خدمات عالیہ کا تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا کہ جنھوں نے ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء کے کٹھن اور صبر آزما دور میں برسہابرس کی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد تحصیل و تکمیلِ پاکستان کی راہ ہموار کی مگر اس کے بدلے میں کچھ نہ چاہا۔ لیکن اس خرابی میں غیروں سے زیادہ اپنوں کا عمل دخل ہے۔ بہت معذرت کے ساتھ، ہمارے اہل علم و قلم اور محقق حضرات نے تاریخ نویسی سے اغماز برتا، میدان صاف پاکر اغیار کے قبضہ گروپ نے عمارت سازی شروع کردی اور جب تاریخ کے ہر موڑ پر انہوں نے بلند و بالا عمارات بنالیں تو ہم حیران و پریشان ہیں کہ یہ کیا ہوگیا؟

منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے!

تاریخ نگاری کی اس ضرورت کو شدت سے جن صاحب قلم اور صاحبِ درد حضرات نے محسوس کیا ان میں تین نام بہت نمایاں ہیں۔

ا۔ حکیم الامت حکیم موسیٰ امرتسری مرحوم مغفور۔

۲۔ ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ۔

۳۔ محقق عصر اور مورخ اہل سنن علامہ مولانا جلال الدین قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ۔

۴۔ اور بطور ادارہ جس ادارے نے نمایاں کام کیا ہے وہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی ہے۔

محقق عصر حضرت علامہ جلال الدین قادری رضوی صاحب ایک صاحب طرز مصنف ہیں ان کی تقریباً ۵۰ کے قریب مطبوعہ رغیر مطبوعہ کتب کی جو فہرست فقیر کو نظر سے گذری ہے ان میں سے تقریباً ۱۱ر مطبوعہ اور ۲رغیر مطبوعہ کتب کا تعلق غیر منقسم ھندوستان کی سیاسی تحریکوں ،تحریکِ پاکستان اور اس کے ضمن میں مخالف وموافق تاریخی پس منظر سے ہے۔حضرت العلام نے ان کتب میں جو تاریخی مواد پیش کیا ہے اس کو برصغیر کے مکمل سیاسی پس منظر سے علیحدہ کر کے سمجھنا ذرا مشکل تھا اسلئے انہوں نے نہایت سیاق سباق اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ کانگریس اور نیشنلسٹ علماء کے نظریۂ متحدہ قومیت اور اس کے اجزائے ترکیبی پر پس منظر میں جگہ جگہ مختصر مگر سیرَ حاصل بحث کی ہے اور اس کے ذیل میں تحریکِ خلافت، تحریکِ ترک موالات، تحریکِ ہجرت، ترکِ گاؤکشی، آل انڈیا سنّی کانفرنس، جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی، جمعیۃ العلماء، جماعت انصار الاسلام، تحریکِ مسجد شہید گنج، ساردا ایکٹ، جنگِ طرابلس اور بلقان کا حادثہ، فتنۂ ارتداد، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، اسلامیہ کالج لاہور دیگر اسلامی کالجوں اور اسکولوں کے خلاف گاندھی اور اس کے ہمنواء کانگریسی علماء کی سازشیوں اور تحریکِ پاکستان کا ذکر مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ کیا ہے۔ پھر اس ضمن میں نیشنلسٹ علماء مثلاً مولوی ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حکیم اجمل خاں دھلوی، مفتی محمد کفایت اللہ دیوبندی، اسیر مالٹا مفتی محمود الحسن دیوبندی، مولوی حسین احمد مدنی وغیرہ کی سرگرمیوں اور کردار پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور اس دور کے اخبار وجرائد کھنگال کر عجیب وغریب انکشفات کئے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد مصنوعی محقق اور تاریخ نگاروں کی تحریروں کا تانا بانا تارِ عنکبوت ثابت ہوتا ہے اور تحریک آزادیِ ھند اور تحریکِ پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے والے اصل محسن اور محرک رہنماء، علماء حق کے روشن چہرے تاریخ کی اسکرین پر صاف نظر آنے لگتے ہیں: جن میں سے چند کے اسماء گرامی:

۱۔ علامہ فضل حق خیرآبادی۔
۲۔ مولانا نارضا علی خاں بریلوی۔
۳۔ امام احمد رضا محدث بریلوی۔
۴۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی۔
۵۔ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی۔
۶۔ صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی۔
۷۔ محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد قادری رضوی۔
۸۔ مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی۔
۹۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔
۱۰۔ مولانا محمد عمر نعیمی۔
۱۱۔ صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی۔
۱۲۔ مولانا ابوالحسنات محمد قادری۔
۱۳۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری۔
۱۴۔ مولانا دیدار احمد الوری۔
۱۵۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی۔
۱۶۔ مولانا عارف اللہ میرٹھی۔
۱۷۔ مولانا قمرالدین سیالوی۔
۱۸۔ مولانا سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری۔
۱۹۔ مولانا زین الحسنات پیر مانکی شریف۔
۲۰۔ مولانا عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف۔

۲۱۔ مولانا سید سلیمان اشرف وغیرھم، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان تمام تصانیف میں حضرت العلام کا انداز فکر محققانہ ہے۔ حقائق کو بے لاگ پیش کرنے کا ملکہ انہیں حاصل ہے۔ وہ حقائق کی بنیاد پر رائے قائم کرتے ہیں اور یہی چیز ایک محقق کے شایانِ شان ہے۔

علامہ کے بیان کردہ حقائق سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پاکستان کا مفصل خاکہ سب سے پہلے معروف عالمِ اہلِ سنت اور جو امام احمد رضا محدث بریلوی کے مخلصین میں سے تھے، مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی علیہا رحمۃ نے پیش کیا۔ لہٰذا "مصورِ پاکستان" علامہ اقبال نہیں بلکہ موصوف ٹھہرتے ہیں۔ البتہ علامہ اقبال نے آپ ہی سے استفادہ کرتے ہوئے ۱۹۳۰ء میں سیاسی پلیٹ فارم سے اس نظریہ کو آگے بڑھایا۔ لیکن مولانا عبدالقدیر بدایونی علیہ الرحمۃ کے پیش کردہ نظریہ کے پس منظر میں سب سے پہلے ۱۹۲۵ء میں صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ (آل انڈیا سنّی کانفرنس) کے بنیاد رکھ کر مسلمانوں کی سیاسی شیرازہ بندی کا آغاز کیا۔

ضرورت اب اس امر کی ہے کہ علامہ موصوف اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اور بعض دیگر جدید اہل قلم کی اس موضوع پر لکھی گئی نگارشات کو سکول کالج اور جامعات کے نصاب کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر نئے سرے سے ایڈٹ کر کے شائع کیا جائے انہیں مراکزِ تعلیم کی لائبریریوں میں داخل کیا جائے اور نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ موضوع پر اگر کتاب نصابی ضروریات کے مطابق موجود ہوگی تو اس کا داخل نصاب کرانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اب ہمارے نوجوان محقق اور قلم کار خصوصاً جنہوں نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ یا علمائے اہل سنت کے کارناموں کے حوالے سے پی۔ ایچ ڈی کی ہے وہ سامنے آئیں اور موجود مواد و مآخذ اور وسائل سے نصابی کتب کی تالیف اور ایڈیٹنگ کا کام ایک ٹیم ورک اور تقسیم کار اسکیم کے تحت جلد از جلد شروع کردیں۔ اس ضمن میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی سے جو بھی خدمات ہوسکتی ہیں وہ تعاون کے لئے تیار ہے۔

۲۔ جہاں تک حضرت علامہ جلال الدین قادری مدظلہٗ العالی کی تفسیرِ آیاتِ احکام القرآن کا کارنامہ ہے (فقیر ہیچمدان سچی بات یہ ہے کہ خود کو اس پر تبصرہ کرنے کا اہل نہیں پاتا۔) جید علماء کرام زیادہ بہتر روشنی اسکی اہمیت اور خصوصیات پر ڈال سکتے ہیں، البتہ احقر نے آج سے پانچ سال قبل جب حضرت نے احکام القرآن کی پہلی جلد بھیجی تھی تو اس کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ ناچیز جو عربی کی شد بد ایک مبتدی سے بھی کم رکھتا ہے۔ اور علوم فقہ وحدیث سے نابلد ہے اس کتاب میں لکھے ہوئے ہر جملہ کو نہایت آسانی سے سمجھ گیا۔ چونکہ الحمد للہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مطالعہ کا ذوق عطا فرمایا ہے، کتب فقہ اور حدیث مطالعہ کرتا رہتا ہوں لیکن اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اسقدر آسان اردو میں فقہی باب پر مشتمل تفسیر احکام القرآن میری نظر سے نہیں گذری۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مبتدی سے لیکر اساتذۂ فن اور عالم جلیل تک ہر قاری کے ذوقِ مطالعہ کے مطابق وافر مواد اس کتاب میں موجود ہے، کسی بھی مرحلہ پر قاری نہ الجھن محسوس کرتا ہے نہ ذوق مطالعہ پر کوئی جملہ یا ترتیب، یا دلائل کا نظم وضبط، یا پیرایۂ بیان، یا اسلوبِ نگارش گراں گذرتا ہے۔ فقہی اصطلاحات اور ادق پیراء بیان کو اسقدر آسان اور روز مرہ میں تبدیل کر کے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کی دلچسپی ہر آیت کریمہ اور باب کے مطالعہ کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے اور وہ کتاب کو ختم کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا۔ لہٰذا یہ کتاب طلبہ، اساتذہ، محقق فن، علماء اور فقہاء سب کے لئے برابر کی مفید ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ مآخذ ومراجع کا ایک ایسا ذخیرہ اس کے اندر جمع کردیا گیا ہے کہ جس نے فقہ کے کسی بھی موضوع پر تحقیق کرنے والے کا کام آسان بنادیا ہے۔ اب تو فقہ وحدیث اور دیگر اسلامی فنون

		جلد اول	چار جلدوں کا میزان
ا۔ تعداد منتخب آیات جن سے احکام کا استخراج ہوا	=	۵۶	۳۰۱
۲۔ تعداد احکام مستخرجہ شرعیہ	=	۱۱۸۴	۳۷۶۳
۳۔ تعداد آیات مقدسہ مؤیدہ احکامِ مستخرجہ مذکور	=	۳۵۹	۹۹۸
۴۔ تعداد احادیث طیبہ مؤیدہ احکامِ مستخرجہ مذکورہ	=	۳۳۵	۹۵۷
۵۔ احکام کو زینت دینے والے حوالہ جات کی تعداد	=	۶۸۷۹	۲۶۰۷۴

کے حوالے سے اسقدر سیڈیز آ گئی ہیں کہ ایک محقق کے لئے حوالہ تلاش کرنا آسان ہوگیا ہے۔ لیکن حضرت مصنف نے کھاریاں کے ایک دور دراز علاقہ کے ایک دیہات میں بیٹھ کر ہر موضوع پر کثیر کتب جمع کیں اور پھر ان کا مطالعہ کیا اور حوالہ تلاش و جستجو کے بعد تحریر کیا، یہ بلاشبہ ان کے بلند ذوق مطالعہ اور محقق مزاج ہونے کی دلیل ہے۔

صرف سورۂ بقرہ کی آیات الاحکام جو کل ۵۶ ہیں، یعنی احکام القرآن کی پہلی جلد کا ایک تجزیہ ملاحظہ ہو تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مصنف ممدوح نے اس پیرانہ سالی میں تفسیر وفقہ کے حوالے سے تحقیق وتدقیق میں کسقدر عظیم کاوش فرمائی ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے کیسا عظیم علمی خزانہ عطا فرمایا ہے۔

فقیر کے پاس ابتک صرف ۴ جلدیں احکام القرآن کی آئی ہیں ان چاروں جلد میں مجموعی طور پر ابتک کل ۳۷۶۳ ر احکام مستخرجہ بیان کئے گئے ہیں جبکہ اس کے لئے ۲۶۰۷۴ حوالہ جات پیش کئے جا چکے ہیں۔

اس سے حضرت العلام کے وسیع الاطلاع ہونے اور فقہ، اصولِ فقہ حدیث، اصولِ حدیث، لغات، صرف ونحو اور دیگر علوم قرآن پر کمال دسترس رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ جس طرح حضرت کی زیرِ نظر تصنیف اردو کے فقہی اور تفسیری لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ ہے اسی طرح حضرت کی ذات گرامی بھی اس دور قحط الرّجال میں ایک عظیم سرمایہ ہے۔

احکام القرآن ایک ایسی تصنیف ہے جسے مدارس اور جامعات کے نصاب میں شامل کرنا چاہئے۔ ہم عوام وخواص اہل سنت کا فرض ہے کہ اللہ رب العزت کے اس انعام کی جو حضرت العلام کی ذات مقدسہ کی صورت میں ہمیں عطا ہوا ہے، اس کی قدر کریں اور ان کی ذات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کے ساتھ حضرت کی تصنیفات وتالیفات کی نشر واشاعت کی مساعی جمیلہ میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حتی المقدور معاونت کریں۔

حافظ شیرازی کا ایک شعر نذرِ قارئین ہے۔

ہنگام تنگ دستی درعیش کوش ومستی
کایں کیمیائے ہستی قارون کند گدارا

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا شیخ الحدیث والتفسیر جلال الدین قادری رضوی نوری دامت برکاتہم العالیہ کو صحت وعافیۃ کے ساتھ طویل عمر عطا فرمادے اور اس دار العلوم کو جس کی بنیاد انہوں نے تقویٰ پر رکھی ہے، اکناف عالم کے لئے روشنی کا ایک منار بنادے۔ (آمین بجاہ، سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

وصلّی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وّاله وصحبه وازواجهِ وعترتهِ واولیاء امته وعلماء ملتهِ اجمعین وبارك وسلم۔

فکر رضا کے پیکرِ اتم

مجاہد ملّت......... علامہ حبیب الرحمٰن عباسی علیہ الرحمۃ

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

حضرت علامہ مولانا محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری علیہ الرحمۃ ۸؍ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں دھام نگر صوبہ اڑیسہ بھارت میں پیدا ہوئے اور ۶؍ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ/۱۳ مارچ ۱۹۸۱ء کو بمبئی میں انتقال فرمایا، ۱۶؍ مارچ کو اپنے شہر دھام نگر میں آسودۂ خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

آپ اپنے علاقہ کے رئیس زادے تھے لیکن آپ نے سلطانی میں درویشی کی۔ اپنے علم وفضل، تبلیغ اسلام، اصلاح وفلاح ملّتِ اسلامیہ کے لئے مجاہدانہ کاوشوں، جس کی پاداش میں ان کی متاعِ حیات کے قیمتی ایام زیادہ تر پابند سلاسل اور قید وبند کی حالت میں بسر ہوئے، اور درویشانہ طرز زندگی کی بدولت آپ "سنوسیِ ھند" "مجاہد ملّت" اور "مجاہدِ اعظم اسلام" کے خطاب سے نوازے گئے۔

آپ "حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں" کے رمز سے واقف حق آگاہ مردِ مومن تھے۔ آپ کی حیاتِ مستعار کے کارناموں کا جائزہ لینے کے بعد ہر صاحب انصاف اور صاحب نظر شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی سوزِ دروں اور جذب شوق، عشقِ صادق اور فی سبیل اللہ جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ دوسرے الفاظ میں وہ علامہ اقبال کے اس مصرعہ "نہیں ہے بندۂ مومن کے لئے جہاں میں فراغ" کی مکمل تفسیر تھے۔ بات بڑھ جائے گی اور تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن اسقدر اشارہ کرنا کافی ہوگا کہ حضرت مجاہد ملّت نے اپنے عقیدۂ وایمان پر کامل یقین، عشقِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پیکر اتم اور اسوۂ حسنہ کے آئینۂ مجسم ہونے کی بناء پر نہ صرف اڑیسہ، بنگال وبہار بلکہ پورے ہندوستان میں ہلچل مچادی اور ہزاروں ہزار خواص اور لاکھوں عوام کے دلوں کی دنیا بدل دی اور انہیں غلامیِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کی راہ دکھا کر دردِ عشق رسول ﷺ سے لذت آشنا کردیا۔

کسی انسان کے مقام کا اندازہ تین باتوں سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ اس کا حسب نسب کیا ہے؟
۲۔ کس ماحول میں اس کے لیے پرورش وپرداخت ہوئی ہے؟ اور
۳۔ کن اساتذہ سے اس نے تعلیم وتربیت حاصل کی ہے؟

جو ذات سید عالم نورِ مجسم صلّی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسلِ پاک کا شہزادہ ہو، جس نے اپنے اب وجد کے ورثۃ العلمی کے گہوارے میں پرورش پائی ہو، جس نے اپنے وقت کے اعاظم علماء، مشائخ، مدرسین کرام اور اساتذۂ ذوی الاحترام مثلاً حضرت علامہ مولانا نجم الدین داناپوری تلمیذِ رشید شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہما الرحمۃ، صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی اور صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ، نائب اعلیٰ حضرت حجت الاسلام علامہ مولانا محمد حامد رضا خاں قادری، اشرف زماں، شبیہ غوثِ اعظم سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہم الرحمۃ سے علوم ظاہری وباطنی میں کسب فیض اور کمال حاصل کیا ہو تو اس کے مقامِ ارفع واعلیٰ کا اندازہ لگانا ہر کہہ ومہ کا کام نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ سیدی

مجاہدِ اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے ہم درس کیسے کیسے مشاہیر علماء اہلسنت میں جن کے متعلق استاذ الاساتذۂ صدر المدرسین، قاضی القضاۃِ الھند، صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہٗ العزیز یہ فرمارہے ہیں ''مجھے اپنی پوری زندگی میں یہ ایسی جماعت ملی ہے جو حقیقتاً علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کرچکی ہے''۔

گویا یہ جماعت قدسیہ اور حضرت مجاہدِ ملّت علیہم الرحمۃ اپنے عصر کے ''زبدۃ العلماء'' تھے۔ کسی بھی بڑی شخصیت کے کئی کارنامے ایسے ہوتے ہیں جوان کے اپنے دور کی پیداوار ہوتے ہیں، اسلئے کسی بھی شخصیت کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے اس دور کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھنا لازمی ہوتا ہے۔ جب ہم ۱۹۴۷ء (تقسیم ھند) کے بعد کے بھارت کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو مذہبی، سیاسی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی حوالے سے مسلمانانِ بھارت کے حالات افراط وتفریط، کس مپرسی، بے چارگی کے نظر آتے ہیں۔ ان حالات میں مجاہدِ ملّت نے مسلمانوں کو حقوق کے حصول کی خاطر جو کردار ادا کیا ہے وہ عزم وعزیمت، پامردی واستقلال اور جرأت وجوانمردی کی اپنی مثال آپ ہے جس کی نظیر نہ اپنوں میں نظر آتی ہے نہ غیروں میں ماسوائے شاہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری قادری رضوی قدس سرہٗ السامی۔ اس ضمن میں اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر یعنی مسلمانانِ ہند میں دینی، ملّی سیاسی اور تعلیمی شعور اجاگر کرنے کے لیے آپ نے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' (۱۹۴۸ء) میں الہ آباد میں قائم کی۔ بعد میں تمام ملک میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔ اس کے اغراض ومقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے عقائد واعمال اور تنظیم واتحاد کی اصلاح۔

۲۔ ہر زبان جس میں اسلامیات کا عظیم الشان ذخیرہ ہے اس کی بقا کی تدبیر کرنا و جامع پروگرام بنانا۔

۳۔ ترقی مدارس، تمام مدارس اسلامیہ کو منظم کرنا اور ان کے نصاب میں یکسانیت پیدا کرنا۔

۴۔ مساجد، مقابر، خانقاہوں اور عام مسلمانوں کے قبرستانوں کا ہر طرح تحفظ کرنا اور ان کی ترقی کے لئے جدوجہد کرنا۔

۵۔ اشاعت وتبلیغ، مقاصد کا پرچار اور ہر جگہ انجمن کی شاخوں کو قائم کرنا۔

مسلمانوں کی فلاح وبہبود کی خاطر اور یہود وہنود اور عیسائیوں کی سازشوں کو جو وہ مسلمانوں کے دلوں سے عظمت ومحبت رسول ﷺ نکالنے کے لئے لٹریچر اور میڈیا کے ذریعہ کررہے تھے، اس کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے ونیز ہندوستان میں مسلمانوں کی جان، مال، عزت وآبرو کی حفاظت، فرقہ وارانہ فساد کے خاتمے۔ اور ہندو اکثریتی علاقوں میں گھرے ہوئے مظلوم مسلمانوں کی مدد، مساجد ومقابر کی حفاظت، مسلمانوں خصوصاً نوجوان مسلمانوں میں عسکری انداز میں تنظیم پیدا کرنے اور ان کی اخلاقی برائیوں کو دور کرنے اور ان کے دلوں میں برائیوں سے پرہیز اور نیکی کرنے اور پھیلانے کی ترغیب کے لئے ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں الہ آباد میں ''کل ہند تحریک خاکسارانِ حق'' جماعت کی آپ نے بنیاد رکھی (واضح ہو کہ اس کا تقسیم ہند کے قبل کی خاکسار تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا)۔ ملک کے طول وعرض میں آپ نے سوادِ اعظم کو منظم کرنے، ان کی تکالیف دور کرنے کے لئے سفر کئے۔ غرض کہ آپ نے اپنی پوری زندگی انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے گذاردی۔ جن سنگھی ذہنیت کے ہندوستان کے حکمرانوں نے آپ کے راستوں میں روڑے اٹکائے۔ آپ پر جبر وظلم کیا گیا۔ متعدد بار پابہ جولاں کیا گیا۔ بغاوت کے مقدمات قائم کئے گئے۔ جھوٹے مقدموں میں گرفتار کیا گیا۔ تقریباً آٹھ بار پسِ دیوارِ زنداں محبوس کیا گیا۔ ایک ریاست کے شاہزادے کو پیرانہ سالی میں چکّی پیسنے اور رسیاں بٹنے کی مشقت میں مبتلا کیا گیا لیکن اس نے کسی بھی موقع پر نہ تو اپنے اصولوں کا سودا کیا، نہ اپنے مقاصد کو ترک کیا نہ پائے استقلال میں ہی کوئی لغزش آئی۔ سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں سرشار اور ان کے تصور میں گم ہو کر جادۂ راہِ حق پر اپنی آخری سانس تک گامزن رہ کر دینا والوں کو پیغامِ عمل دے گیا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا دعویٰ

کرنے والوں کے لئے ایک مثال قائم کر گیا۔ کہ:

نہاں اندر دو حرفے سرّ کار است
مقامِ عشق منبر نیست داراست
براہیماں زِنمروداں نہ ترسند
کہ عودِ خام را آتش عیاراست

(اقبال، ارمغانِ حجاز)

بعض شواہد اور قرآئن کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی مومنا فراست اور مدبرانہ سیاست کے ذریعہ اندرونی اور بیرونی مخالفتوں اور سازشوں کا دانشمندی سے سامنا کرتے ہوئے، ہندوستان بالخصوص مسلمانانِ ہند کی سیاست کو جس رخ پر لے جانا چاہتے تھے، وہ اگر چند برس اور حیات رہ جاتے تو کچھ اور ہوتی۔

شریعت بہت سے معاملات میں اپنے عامل کو رخصت عطا فرماتی ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھالے اور کسی عمل کو وقتی طور پر ترک کردے خصوصاً جب جان جانے کا خطرہ ہو۔ لیکن حَبرِ امّت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فرزند نے وہاں بھی رخصت کی راہ اختیار نہ کی اور عزیمت پر عمل کیا جہاں یہ یقین تھا کہ عزیمت پر عمل گردن زدنی پر منتج ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء جب آپ پانچویں بار حج کو تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے قاضی القضاۃ اور مسجد نبوی شریف کے خطیب وامام شیخ عبدالعزیز بن صالح کو خبر ملی کہ آپ نجدی امام کے پیچھے نہ صرف یہ کہ نماز نہیں پڑھتے ہیں بلکہ اپنی جماعت بھی علیٰحدہ کراتے ہیں تو اس نے ان کو گرفتار کرلیا اور آپ سے پوچھا کہ مسجد نبوی کے امام کے پیچھے آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ آپ نے بلا خوف وجھجک فرمایا کہ ہم اہلسنت وجماعت حضور اکرم ﷺ کا وسیلہ مانتے ہیں اور تم اسے شرک کہتے ہو۔ تو ہماری نماز تمہارے پیچھے نہیں ہوتی کہ تمارے فتوے سے دنیا کے کروروں مسلمان مشرک ٹھہرے ہیں تو اس طرح تم خود کافر ہوگئے۔ اس پر وہ بہت غضبناک ہوگیا اور کہا کہ تمہیں خوف نہیں آتا ہم تمہیں قید بھی کرسکتے ہیں، بلکہ تمہاری گردن بھی اڑا سکتے ہیں آپ نے فرمایا فقیر حق بات کہنے سے نہیں ڈرتا، رہا مدینہ منورہ کی قید تو اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے، کہ یہ رسمِ سجّاد ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے اور رہی شہادت تو یہ تو فقیر کے لئے بہت بڑا اعزاز ہوگا، زندگی بھر تو ہم نے اسی کی دعا مانگی ہے۔ چنانچہ وہابی قاضی نے آپ کو پابند سلاسل کرکے قید کردیا اور وہاں آپ کو سخت ایذیت دینے کے بعد بغیر حج کی ادائیگی ملک بدر کرکے ہندوستان بھیجدیا۔ جب سیدی مجاہد اعظم نور اللہ مرقدہٗ کو ہتھکڑیاں پہنائی گئیں تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ نے ہتھکڑیوں کو چومتے ہوئے فرمایا:

''اے حبیب الرحمٰن تو اس لائق کہاں تھا کہ تجھے مدینہ منورہ کے کنگن پہنائے جاتے اور سید سجّاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ادا ہوتی یہ تو سب آقاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے''۔

آنکہ ہے محوِ تجلیٔ وصل سے دل شاد ہے
قید میں بھی طبع بے خود ہر طرح آزاد ہے
بیڑیاں مجھ کو پہننے میں کوئی ذلّت نہیں
باپ دادا کا طریقہ سنتِ سجّاد ہے

(حضرت فاخر بیخود علیہ الرحمۃ)

راہِ عشق میں استقامت، عزم وعزیمت، اعلاء کلمۃ الحق، ظالم وجابر حکمرانوں کے روبرو اظہارِ حق گوئی وبے باکی اور عقیدۂ وایمان کے اظہار میں گستاخ فرقوں کے سرداروں یا بدعقیدہ حکمرانوں کے گماشتوں کے پیش رُو بلا جھجک اور بلا خوف سیدھی اور سچی بات کرنا سیدی مجاہد ملت علیہ الرحمۃ کے کردار کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی ان کی شخصیت کے کئی تابناک پہلو ہیں جن کی معنویت زمانے کی پابند نہیں ہوتی بہ حیثیت ایک انسان کے وہ ایک اعلیٰ ظرف، وسیع المشرب، دیانت دار، مخلص اور انسانیت دوست ورحم دل شخصیت کے حامل تھے جس کا ثبوت ان کی زندگی کے متعدد واقعات سے دیا جاسکتا ہے، ان کی انسانیت دوستی کے ثبوت کے لئے یہاں صرف ایک

واقعہ بیان کرنا کافی ہوگا جو ماہنامہ اشرفیہ کے مجاہد ملت نمبر میں شائع ہوا تھا۔

سیدی مجاہدِ ملت قدس سرہ السامی کی شان یہ تھی کہ وہ جس دارالعلوم میں پڑھاتے تھے وہاں سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے، بلکہ وہاں کے اکثر یتیم اور غریب لڑکوں کی تعلیم اور کھانے پینے کے اخراجات اپنی جیب خاص سے ادا کرتے تھے۔ جن دنوں حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمۃ دارالعلوم نعیمیہ مراد آباد میں پڑھایا کرتے تھے عبدالرب نامی ایک ۸ سالہ یتیم طالب علم آپ سے بہت مانوس ہوگیا تھا۔ حضرت اس کے تعلیمی اخراجات خود اٹھاتے تھے اور اس کے بعض دوسرے ہم سبق طلباء کی بھی مدد فرماتے تھے لیکن اس طرح کہ کسی اور کو اس کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ اس بچے کی والدہ اکثر دارالعلوم اس سے ملنے آتی تھیں۔ ایک دن حضرت نے عبدالرب سے پوچھا کہ تمہارا ان خاتون سے کیا رشتہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میری والدہ ہیں اور میرے والد کے انتقال کے بعد والد کے گھر والوں نے ہم سب کو گھر سے نکال دیا تھا اور زمینوں پر بھی قبضہ کرلیا میرے علاوہ میری تین بہنیں بھی ہیں۔ میری والدہ ماجدہ ایک کمرے کے ایک ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں ہم سب کے ساتھ رہتی ہیں اور چکّی وغیرہ پیس کر گھر کے خرچ چلا رہی ہیں اور یہ کہ سخت عسرت اور تنگی میں زندگی بسر ہو رہی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم مجھے اپنے گھر لے چلو۔ بچہ بڑا گھبرایا کہ میرے گھر میں تو حضرت جیسے عظیم عالم اور جو اپنے وقت کا رئیس اعظم بھی ہو، ان کے بٹھانے کے لئے چارپائی بھی نہیں ہے۔ ایک ٹوٹی چارپائی ہے حضرت اس پر کیسے تشریف فرما ہوں گے۔ بچہ نے جا کر اپنی والدہ کو اطلاع دی وہ بھی پریشان ہوئیں کہ حضرت کو کہاں بٹھایا جائیگا اور ان کی خاطر مدارات کیسے کی جائے گی؟ بہرحال حضرت مجاہد ملت دوسرے دن تشریف لے گئے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے قبل گاؤں کے تمام لوگوں میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ آج مجاہد ملت ایک غریب بیوہ کی کٹیا میں تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک جمع غفیر ان کی زیارت کے لئے وہاں جمع ہوگیا۔ وہاں کے کچھ متمول لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت شاید کہیں اور جانے کے لئے اس راہ سے گذر رہے ہوں گے، طالب علم نے ضد کی ہوگی تو شاید کچھ دیر کے لئے اس کے دروازے پر رک کر آگے بڑھ جائیں گے۔ ان میں سے ایک صاحب حضرت کو جانتے تھے انہوں نے اپنے گھر میں حضرت کے بیٹھنے اور ناشتہ کا انتظام یہ سوچ کر پہلے ہی سے کرلیا تھا کہ وہ دروازے پر طالب علم کی والدہ سے ملوا کر انہیں اپنے گھر لے آئیں گے تاکہ وہ آرام سے بیٹھ سکیں اور کچھ چائے پانی بھی تناول فرمالیں۔ پھر جہاں آگے جانا ہے چلے جائیں۔ مراد آباد کے ایک جج صاحب جو حضرت کے معتقدین میں سے تھے، انہوں نے ایک خوبصورت تانگہ حضرت کی سواری کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا۔ وہ اسی تانگہ پر اس گاؤں میں طالب علم کے گھر پہنچے طالب علم کی والدہ نے ایک ٹوٹی سی چارپائی پر حضرت کو بیٹھنے کو کہا۔ اس دوران گاؤں کے بہت سے افراد مجاہد ملت کی زیارت کے لئے اس جھونپڑی کے گرد جمع ہوگئے ان میں وہ صاحب بھی تھے جنہوں نے اپنے گھر پر حضرت کی نشست اور ناشتہ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد انہوں نے حضرت مجاہد اعظم سے درخواست کی کہ وہ ان کے گھر چل کر بیٹھیں کہ وہاں آرام سے تشریف فرما ہوسکیں گے اور یہ کہ وہاں پر کچھ خورد و نوش کا بھی اہتمام ہے۔ ان کی گفتگو سن کر مجاہد ملت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ فقیر اس خاتون کا مہمان ہے لہٰذا یہیں بیٹھے گا اور جو کچھ یہ کھلائیں گی وہ کھائے گا اور اس وقت آپ کے گھر ہرگز نہ جائے گا۔ ہاں جب آپ دعوت دیں گے تو پھر آپ کے گھر آئے گا۔

غریب پروری اور حسنِ خلق کا یہ نظارا دیکھ کر لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور حضرت کا جواب سن کر بہت سی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں۔ حضرت نے پھر طالب علم کے مرحوم والد کے گھر والوں کو وہیں بلوایا اور ان کو سخت الفاظ میں تنبیہ کی کہ ان بیوہ خاتون اور ان کے یتیم بچوں کا جو مکان ہے وہ فوراً خالی کر کے ان کو واپس کیا جائے اور شریعت کے اعتبار سے زمینوں میں ان کا جو حصہ بنتا ہے وہ انہیں دیا جائے۔ چنانچہ اس بیوہ عورت کو جلد اس کا گھر واپس مل گیا اور آدھی زمین بھی لیکن حضرت مجاہد

ملت جو رحم دلی اور سخاوت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اس خاتون کو ہر ماہ گھر کے اخراجات کے لئے پیسہ دیتے رہے اور ان کو منع کر دیا کہ وہ ہرگز کسی اور کے گھر میں چکی پیسنے کے لیئے نہیں جائیں گی۔ یہ رقم مذکورہ خاتون کو اس وقت تک ملتی رہی جب تک زمینوں سے فصل کٹ کر انہیں رقم نہ مل گئی۔

لکھنے کو تو مجاہد ملت قدس سرہٗ کے بہت سے واقعات اور مناقب لکھے اور گنائے جاسکتے ہیں لیکن ان کی عظمت کا راز اسی میں تھا کہ وہ ایک عظیم انسان تھے کیوں کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ محسنِ انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے آئینۂ کامل تھے۔ وہ انسانیت کی ان صفات عالیہ سے متصف تھے جن کی بناء پر قرآنِ کریم نے انسان کو "احسن التقویم" کے تاج زرنگار سے مزین کیا، خلیفۃ اللہ فی الارض کے فرمان سے وہ مشرف ہوا اور خدا کی ساری مخلوق میں ممتاز ہوا۔ حضرت مجاہد اعظم علیہ الرحمۃ کے اخلاق و کردار ایسے اعلیٰ تھے کہ جن کو دیکھ بجا طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی کا نمونہ نظر آتا تھا۔ درویشوں کے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے درویشی میں سلطانی کی۔ لیکن اس رئیس اعظم اڑیسہ کے کردار و گفتار اور اخلاق عالیہ کو دیکھ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس نے سلطانی میں درویشی کی۔ ان کی اس درویشی پر ان کا لباس، وضع قطع، بود و باش، چال چلن، رہن سہن، دوست احباب، تلمیذ و مرید، اپنے و پرائے سب شاہد عادل، دوست دشمن سب گواہ۔

ان کی ملنساری، بندہ نوازی، اور خوش مزاجی، ان کا انکسار اور خود داری، حق پرستی و حق گوئی، لوگوں کے لئے کام آنے کا جذبۂ بے اختیار، پرائی آگ میں کود پڑنے کا شوق والہانہ، غریبوں کی دستگیری، بیواؤں کی مدد، طالب علموں کی اعانت، تنگ دستوں پر سخاوت کی بارش، غرض وہ اخلاق عالیہ فاضلہ جن کا واسطہ دیکر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رحمت عالم ﷺ سے فرمایا تھا کہ "یارسول اللہ ﷺ آپ لوگوں کے کام آتے ہیں، ضرورتمندوں کی دستگیری کرتے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ آپ کو تنہا نہ چھوڑے گا"، ان صفات کی اس دور میں جھلک دیکھنی ہو تو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غلام حبیب الرحمٰن میں دیکھیں جس کی آنکھیں اپنے آقا و مولیٰ اور اللہ رب الاکرم کے حبیب معظم ﷺ کے تذکرے پر اشکبار ہو جاتی تھیں۔

کتنے مسلمان اور غیر مسلم احباب نے گواہی دی کہ ان کے آڑے وقتوں میں مولانا حبیب الرحمٰن عباسی قادری قدس اللہ سرہٗ العزیز نے کس طرح ان کی مدد کی۔ بہتوں کی اسطرح مدد کی کہ مدد پانے والوں کو پتہ ہی نہ چل سکا ان کا گمنام محسن کون ہے! ان کے نہایت قریب رہنے والے رفقاء و تلامذہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ مجاہد ملت اسم بامسمیٰ تھے۔ ان کی حیات اقبال کے "مردِ مومن" کا عملی پیکر تھی، امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے مسلک عشقِ رسول ﷺ کا نمونہ تھی۔ وہ محدث بریلوی کی شخصیت اور ان کے دلنواز اور پرسوز پیام کے عاشق تھے۔ ان کی فکر و نظر کا ایک سرچشمۂ شیریں عبدالمصطفیٰ احمد رضا تھا۔ انہوں نے امام کی تحریرات اور ان کے پیام و کلام کی روح کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کا قال ان کا حال بن گیا تھا، لیکن خود احمد رضا کے روحانی فکری اور تخلیقی سرچشمے کیا تھے؟ یہ سر چشمے تھے: قرآن مجید کی ابدی تعلیمات سے بے پناہ شغف، رحمۃ للعالمین ﷺ سے شدید محبت، انسانیت اور ملت کے لئے دردمندی اور تڑپ! مختصراً یہی عرض کیا جاسکتا ہے۔

خزینۂ دلِ حافظ زِ گوہرا سرار
بہ یمنِ عشقِ تو سرمایۂ جہانی داد
(حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ)

فقیر کو حضرت مجاہدِ ملت علیہ الرحمۃ کی زیارت کا دوبار شرف حاصل ہوا۔ پہلی بار ۱۹۶۳ء (غالباً نومبر)/ رجب ۱۳۸۴ھ میں اجمیر شریف میں جب راقم عرس خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ میں مشرقی پاکستان سے حاضر ہوا تھا۔ وہاں شاہجہانی مسجد میں آپ کی زیارت کے ساتھ آپ کی تقریر سننے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ کیا لہجہ میں گھن گرج تھی کہ رن کانپ رہا تھا! جواہر لال نہرو اس وقت وزیر اعظم تھے۔ عباسی قادری شیر مسلمانانِ ہند پر کانگریسی حکومت کے ظلم و ستم، ان کے ساتھ ناروا سلوک اور ناانصافیوں پر ہندوستانی وزیر اعظم کو للکار رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ایوان حکومت لرز رہا ہے۔ تقریر سننے کے بعد لوگوں کا تاثر یہ تھا کہ شاید حضرت مجاہد ملت اب جلد گرفتار ہو جائیں گے۔ چونکہ

انہوں نے بہت سخت الفاظ میں حکومت پر تنقید فرمائی تھی۔

تقریر کے اختتام پر راقم نے حضرت سے اپنے جدِّ کریم حضرت سیف المسلول علامہ سید ہدایت رسول قادری علیہ الرحمۃ کی معرفت اپنا تعارف کرایا۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ بڑے احترام اور تپاک سے ملے، گلے لگایا، فقیر نے دست بوسی کی۔ تہمد کرتا، سر پر عمامہ، کندھے پر ایک چادر ہاتھ میں عصاء، یہ آپ کا لباسِ درویشانہ تھے۔ چہرہ نورانی تھا، ریش مبارک گھنی نہیں تھی۔ پھر مزار شریف پر حاضری کے بعد حضور مفتی اعظم سید مرشدی/علیہ الرحمۃ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا تو وہاں بھی آپ سے ملاقات رہی۔ حضرت مفتی اعظم آپ کا بڑا احترام اور اعزاز فرما رہے تھے۔ لیکن حضرت مجاہد ملّت علیہ الرحمۃ نے بھی مفتی اعظم کے احترام میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ جب راقم کو لوگوں نے بتایا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صوبہ اڑیسہ کے رئیس اعظم اور ایک چھوٹی موٹی اسٹیٹ کے نواب ہیں تو حیران رہ گیا کہ بایں شان وشوکت یہ درویشی وسادگی۔ اللہ اکبر!

اس پہلی ملاقات میں آپ کی شخصیت کے گہرے نقوش فقیر کے قلب پر پڑے۔ یہ احقر کی خوش نصیبی تھی کہ اسی ملاقات کی دوسری شب تہجد کے وقت یہ گناہگار حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ سے ان کی قیام گاہ پر شرفِ بیعت سے متصف ہوا۔ فالحمدللہ علی ذالک۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ اجمیر شریف میں وکیل جاورہ سید احمد علی مرحوم کے گھر قیام پزیر تھے۔ اور ھندوستان بھر کے علماء جو عرس خواجہ علیہ الرحمۃ میں آئے ہوئے تھے۔ حضور مفتی اعظم سے ملاقات کے لئے یہاں پر جمع ہوئے تھے۔ یہ سیدی مرشدی حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ سے بھی فقیر کی پہلی ملاقات تھی۔ کیا حسنِ صورت تھا اور کیا حسنِ خُلق تھا! گفتگو ایسی دھیمی اور میٹھی کہ لبوں سے پھول جھڑ رہے ہوں! ان شاء اللہ زندگی رہی تو پھر کسی موقع پر اس پر گفتگو ہوگی فی الحال حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھ لیں:

سِرِ پیوند تو تنہا نہ دلِ حافظ راست
کیست آن کس سِرِ پیوندِ تو در خاطر نیست

دوسری بار اس فقیر گنہگار کو سیدی مرشدی کی زیارت تقریباً ۱۷ ار برس بعد ۱۹۸۰ء میں ہوئی جب فقیر عرس رضوی میں شرکت کے لئے بریلی شریف حاضر ہوا تھا اس وقت راقم کے ساتھ محترم حاجی حنیف طیب صاحب اور ادارہ کے ساتھی اور برادرِ طریقت حاجی عبد اللطیف قادری صاحب بھی تھے۔

حضرت مجاہد اعظم کی دوسری بار زیارت اسی عرس رضوی کے موقع پر ہوئی تھی۔ ۱۹۶۳ء کے بعد اب جو دیکھا تو حضرت مجاہد ملّت بہت لاغر نظر آئے۔ وہیں آپ کی زبانی نجدی وہابی ظلم وستم کی آپ بیتی سنی جو ۱۹۷۹ء میں سفرِ حج آپ پر بیتی تھی اور حضرت اس تمام داستان کو اس طرح مزے لے لے کر سنا رہے تھے گویا شہر رسول مکرم ﷺ میں یہ ان کے لئے ایک بڑا اعزاز واکرام تھا اور فرمایا کہ ''فقیر گنہگار کہاں اس قابل تھا کہ خانوادۂ نبوت کے ایک امام عالی مقام سیّد سجّاد (صلی اللہ علی جدہ الکریم وعلیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم) کی رسم کو ادا کر سکے لیکن یہ آقاؤ مولیٰ ﷺ کا فضل واحسان تھا کہ اسے اس اعزاز کے قابل سمجھا گیا''۔

آپ کی گفتگو سن کر اندازہ ہوا کہ آپ مدینہ طیبہ کی تعظیم کے معاملے میں سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طریقت کے امین اور حسنین کریمین، اہلبیت وآل اطہار کی محبت میں فنائیت کے معاملے میں سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروکار ہیں۔ غرض کہ مجاہد ملّت قدس سرہٗ السامی کی ذات مبارکہ سلف صالحین کی خوبیوں کا عطر مجموعہ تھی اور ان کی ہر خوبی کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ لہٰذا قلم یہیں رکر جاتا ہے اور عرض کرتا ہے:

بیاں ہو کس قلم سے تذکرہ ان کی جلالت کا
تعارف آپ ہی خود ہیں وہ اپنے حسن سیرت کا

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس عاصی کو بھی حضرت مجاہدِ ملّت علیہ الرحمۃ سے بالواسطہ تلمذ کا شرف حاصل ہے وہ اس طرح کہ راقم کے استاذِ گرامی، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا نصر اللہ خاں افغانی حفظ اللہ الباری حضرت مجاہد ملّت کے شاگردِ خاص تھے تو یوں صرف ایک واسطے سے حضرت کا بھی تلمیذ ہوا، فالحمد اللہ علی ذالک۔

صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے تعلیمی نظریات

از: حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی (ایم۔اے ایجوکیشن، اسلامیات)

برصغیر میں مسلمانوں سے حکومت چھن جانے کے بعد آہستہ آہستہ ان کے علمی وفکری اداروں میں زوال آتا چلا گیا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے قدیم نظام تعلیم کے بالکل برعکس ایک نئے اندازِ تعلیم کی طرح ڈالی۔ مزید ستم یہ کیا کہ سرکاری ملازمتیں صرف اُن کیلئے مخصوص کردیں جو جدید مغربی اندازِ تعلیم سے استفادہ کرچکے ہوں۔ ابتداء میں تو مسلمانوں نے اس تبدیلی کے خلاف زبردست احتجاج کیا لیکن رفتہ رفتہ اپنی معاشی بہتری کیلئے قدیم مدارس کو چھوڑ کر مغربی تعلیمی اداروں کا رخ کیا۔ ان حالات میں خطرہ یہ تھا کہ کہیں تفسیر واصولِ تفسیر، حدیث واصولِ حدیث، فقہ واصولِ فقہ جیسے گراں قدر اسلامی علوم کا کئی سوسالہ قابلِ رشک علمی اثاثہ ضائع نہ ہوجائے۔ پیش آمدہ خطرے کو بھانپتے ہوئے حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (م ۱۹۴۸ء/ ۱۳۶۷ھ) نے دینی علوم کی حفاظت کا پرچم بلند کیا۔ حضرت صدرالشریعہ اگرچہ بیک وقت ایک جید عالمِ دین، کہنہ مشق مدرس، بالغ نظر مفتی، عظیم فقیہ، بہترین مصنف، اعلیٰ پائے کے محدث، کامیاب مناظر، بافیض شیخ طریقت ماہر طبیب اور شیریں بیاں خطیب تھے۔ چاہتے تو دنیاوی دولت جمع کرنے کیلئے کوئی کاروبار یا صرف دین کی خدمت کیلئے کوئی اور شعبہ اختیار کرلیتے۔ لیکن انھوں نے دین کی تعلیم وتدریس کے شعبے میں قحط الرجال کو دیکھتے ہوئے اپنے شیخ طریقت، امام اہل سنت، مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے حکم پر خود کو علم دین کی خدمت کیلئے ہمہ تن وقف کردیا۔ آپ کے عظیم استاذ، محدثِ کبیر حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی بھی تمنا یہی تھی کہ ان کا قابلِ فخر تلمیذ ارشد، علومِ دینیہ کی تعلیم وتدریس کیلئے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کردے۔ چنانچہ جب اپنے بزرگوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے حضرت صدرالشریعہ نے تدریس کے شعبے میں قدم رکھا تو دنیا جانتی ہے کہ انھوں نے اس میدان کو فتح کرلیا۔ اپنے عظیم مقصد یعنی دینی علوم کی حفاظت کیلئے انھوں نے ماہر مدرسین کی ایک جماعت تیار کردی جن میں محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد اور حافظِ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مبارکپوری بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سرِفہرست ہیں۔ چونکہ علمِ دین کی ترویج وتشہیر اور تحفظ کیلئے حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ جہادی جذبات رکھتے تھے اسلئے انھوں نے وتالیف کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ اس کام کیلئے انھوں نے ماہِ رمضان کو مخصوص کردیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں دینی مدارس میں تعطیلات ہوتی ہیں۔ وہ چھٹیوں میں کتابیں تحریر کرتے تھے جبکہ بقیہ مہینوں میں پوری یکسوئی کے ساتھ تدریس فرماتے تھے جوان کا اولین مقصد تھا۔ تحریر کیلئے اتنا مختصر وقت وقف کرنے کے باوجود انھوں نے قوم کو سات معرکۃ الآراء کتب کا تحفہ عطا فرمایا۔ جن میں سے صرف ایک کتاب بہارِ شریعت دیکھ لی جائے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اتنے آسان انداز میں اردو زبان میں زندگی سے لے کر موت تک کے مسائل کو تحریر کردینا کسی کرامت سے کم نہیں۔ سترہ حصوں پر مشتمل اس عظیم کتاب کو فقہ حنفی کا انسائکلو پیڈیا کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ (۱)

آپ کی انھی عظیم خدمات پر خوش ہوکر امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے آپ کو نہ صرف چاروں سلاسل میں خلافت دے کر اور اپنا عمامہ باندھ کر خلیفۂ مطلق بنایا بلکہ دینی علوم میں مہارت وعبقریت کے پیشِ نظر صدرالشریعہ کا خطاب عطا فرمایا، قاضی شرع کے

مصنف پر فائز فرمایا، دارالعلوم منظر اسلام کا صدر المدرسین بنایا، اپنے خلفاء کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کا ذکر یوں محبت سے فرمایا:

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ کہتے یہ ہیں (۲)

صدر الشریعہ ایک عظیم ماہر تعلیم:

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی ایک عظیم ماہر تعلیم تھے۔ اسی مہارت کے پیش نظر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اسلامیات کا نصاب مرتب کرنے کیلئے آپ کو دعوت دی (۳) دینی مدارس کے تمام درجات کیلئے آپ نے ایک نصاب تعلیم تحریر فرمایا جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے صدر الشریعہ نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ اعلیٰ جماعتوں کے اساتذہ ابتدائی جماعتوں کے طلبہ کو پڑھانے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ وجہ یہ نہیں کہ وہ پڑھانے پر قادر نہیں یا ان کتابوں کے ماہر نہیں بلکہ انھیں ابتدائی طلبہ کی ذھنی سطح کے مطابق سمجھانے میں مشکل پیش آتی ہے۔ لیکن حضرت صدر الشریعہ اعلیٰ جماعتوں اور ادنیٰ جماعتوں کے طلبہ کی ذہنی سطح، ان کی نفسیات سے بخوبی آگاہ و باخبر تھے۔ دلیل آپ کا تحریر کردہ وہ قاعدہ ہے جو ابتدائی جماعتوں کے طلبہ کو اردو سکھانے کیلئے تحریر فرمایا تھا۔ اس ابتدائی کتاب کو اسلامی قاعدہ کا نام دیا گیا۔ اس کی یہ خصوصیت تھی کہ تصویریں تو اس میں تھیں لیکن جاندار کی تصویر کوئی نہیں تھی اور اسے پڑھنے والا بہت جلد اردو پر قادر ہو جاتا تھا۔ (۴)

تعلیمی نظریات:

حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی کی تدریس کا دور اپنہ چالیس سے زائد برسوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس تدریسی تجربے کا نچوڑ انھوں نے اپنے تعلیمی نظریات کی صورت میں اپنی کتاب میں تحریر فرمایا۔ یاد رہے یہ تعلیمی نظریات جہاں دینی مدارس کے نظام تعلیم کیلئے رہنما ہیں وہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کیلئے بھی مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے تعلیمی نظریات کا ایک مختصر انتخاب درج ذیل ہے:

علم کے فضائل:

مغربی مفکرین تعلیم نے حصول علم کیلئے ذہنی آمادگی کو بہت اہمیت دی ہے۔ یعنی علم حاصل کرنے کیلئے طلبہ ذہنی طور پر تیار ہوں۔ ان میں سیکھنے کا ذوق وشوق ہو، جستجو کا جذبہ بیدار ہو۔ اس موضوع پر "Motivation" کے عنوان کے تحت انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مولانا امجد علی اعظمی، مسلمان طلبہ کے علمی ذوق وشوق کو ابھارنے کیلئے قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے فضائلِ علم کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں جابجا یہ ارشادات نقل کیے ہیں۔ جن میں سے چند پیشِ خدمت ہیں:

آیاتِ قرآنی:

۱۔ اللہ تمہارے ایمان والوں کے، اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا۔ (۱۱:۵۸)

۲۔ تم فرماؤ کیا جاننے والے اور انجان برابر ہیں، نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (۹:۳۹)

۳۔ کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کرے اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائے، اس اُمید پر کہ وہ بچیں (۱۲۲:۹) (۵)

احادیث نبوی:

۱۔ ایک فقیہ (عالم) ہزار عابد سے زیادہ شیطان پر سخت ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

۲۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر، اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمان و زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور یہاں تک کہ مچھلی، اس کی بھلائی کے خواہاں ہیں جو لوگوں کو اچھی چیز کی تعلیم

دیتا ہے۔(ترمذی)

۳۔ جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کا فقیہ بناتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔(بخاری مسلم)(۶)

قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے فضائل علم نقل کرنے کے بعد مولانا امجد علی اعظمی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ فضائل اُن علوم کے ہیں جو قرآن وحدیث سے حاصل ہوں کہ یہی وہ علم ہے جس سے دنیا وآخرت دونوں سنورتی ہیں اور یہی علم ذریعہ نجات ہے اور اسی کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔(۷)

طلبِ علم کی نیت:

یادر ہے یہ ثواب بھی اسی وقت حاصل ہوگا جب نیت درست ہوگی۔ نیت کی اہمیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے حضرت صدر الشریعہ لکھتے ہیں: طلب علم اگر اچھی نیت سے ہوتو ہر عملِ خیر سے یہ بہتر ہے کیونکہ اس کا نفع سب سے زیادہ ہے مگر یہ ضروری ہے کہ فرائض کی انجام دہی میں خلل ونقصان نہ ہو۔ اچھی نیت کا مطلب یہ ہے کہ رضائے الٰہی اور آخرت کیلئے علم سیکھے، طلبِ دنیا وطلبِ جاہ نہ ہو اور طالب کا مقصد یہ ہو کہ میں اپنے سے جہالت دور کروں اور مخلوق کو نفع پہنچاؤں یا پڑھنے سے مقصود علم کا احیاء ہے مثلاً لوگوں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے میں بھی نہ پڑھوں تو علم مٹ جائے گا یہ نیتیں بھی اچھی ہیں اور اگر تصحیح نیت پر قادر نہ ہو جب بھی نہ پڑھنے سے پڑھنا اچھا ہے۔(۸)

ابتدائی تعلیم:

بچے کی تعلیم کب شروع کرائی جائے۔ اس بارے میں فرماتے ہیں: اس کیلئے شرعاً کوئی میعاد وقت مقرر نہیں ہاں بعض بزرگانِ دین کی ابتدائی تعلیم چار برس، چار ماہ، چار یوم کی عمر میں ہوئی عموماً تبرکاً لوگ اتنی عمر میں شروع کراتے ہیں مگر اس کا مطلب نہیں کہ کہ اس سے قبل یا بعد میں حرج ہے۔(۹)

نصاب میں اولیت:

آج کل بعض جدید بزعم خود روشن خیال دانشور قرآن حکیم سے تعلیم شروع کرنے کے مخالف ہیں اور یہود ونصاریٰ کو خوش کرنے کیلئے پاکستان کے نصاب کو تبدیل کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ اس سوچ کے مخالف تھے چنانچہ فرماتے ہیں: سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں، اور دین کی ضروری باتیں سکھائیں۔ روزہ ونماز وطہارت اور بیع واجارہ ودیگر معاملات کے مسائل جن کی روزمرہ حاجت پڑتی ہے اور ناواقفی سے خلافِ شرع عمل کرانے کے جرم میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی تعلیم ہو۔(۱۰)

اختلافی مسائل سے اجتناب:

بچوں کو اختلافی مسائل پڑھانے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بچوں کو مسائل میں اختلاف بتانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو شروع ہی سے مذبذب کر دیا جائے اور مذہب حق پر جمنے نہ دیا جائے۔ ایسے رسائل جو اس قسم کے بیانات پر مشتمل ہوں، ہرگز بچوں کو نہ پڑھائے جائیں۔(۱۱)

ایک اور جگہ بدمذھبوں کی کتابیں پڑھانے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ایسے لوگوں کی کتابیں بچوں کو پڑھانا ناجائز ہے، اگرچہ ان کتابوں میں ان کی گمراہی کی باتیں نہ ہوں۔ مگر مصنف کی عزت دل میں پیدا ہوگی اور ان کی باتیں قبول کرنے کا مادہ پیدا ہوگا۔(۱۲)

کچھ عرصہ پہلے تک درسِ نظامی کی کتب پر بدمذہبوں کے حواشی، تشریحات، طلبہ پڑھنے پر مجبور تھے۔ شاید یہ حضرت صدر الشریعہ کی پرخلوص تحریک کا اثر ہے کہ اہل سنت میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ درسی کتابوں پر علمائے اہل سنت کے حواشی شائع کیے جا رہے ہیں۔ یا جن کتابوں پر اہل سنت کے علماء کے حواشی تھے اور بدمذہب اپنے نام سے

شائع کر رہے تھے۔ انہیں اصل مصنفین کے ناموں کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس البرکات کا کردار لائقِ تقلید ہے۔

انگریزی تعلیم:

قرآن وحدیث کی تعلیم کو فوقیت دینے، اور اسی کے فضائل بیان کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت صدر الشریعہ انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ وہ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے انگریزی تعلیم کو جائز قرار دیتے تھے۔ چنانچہ بلوچستان کے مولانا قادر بخش کے فارسی زبان میں استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر خلاف شریعت امور کی تعلیم نہ ہو تو انگریزی تعلیم میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۱۳)

عیسائی اساتذہ سے نہ پڑھیں:

آج کل ہمارے یہاں عیسائیوں سے پڑھنے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔ عیسائی اپنے مذھبی ناموں سے سکول بناتے ہیں مثلاً کیتھڈرل، کریسنٹ سکول، فورمین کرسچن کالج وغیرہ اور مسلمان ان میں اپنے بچے اور بچیوں کو داخل کرواتے ہوئے ذرا نہیں گھبراتے۔ ان اسکولوں میں باقاعدہ اتوار کی سروس ہوتی ہے۔ ان سے مسلمان بچوں اور بچیوں پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں! مسلمان لڑکیوں کے پاس عیسائی عورتوں کا آنا اور ان کا امتحان لینا اخلاق خراب ہونے کا سبب ہے اور انھیں دیکھ کر لڑکیاں آزادی پسند ہوجائیں گی۔ اور یہ فتنہ کا دروازہ ہے۔ ایسے مدرسہ میں مسلمان اپنی لڑکیوں کو نہ بھیجیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واما ینسینّك الشیطٰن فَلَا تقعد بعد الذکریٰ مَعَ القوم الظّٰلمین ۔ اور جو کہیں شیطان تجھے بھلاوے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ(۱۴)

نظریۂ شعر و ادب:

اشعار کے بارے میں حضرت مولانا امجد علی اعظمی کا نظریہ ہے کہ "اشعار اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی، اگر اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف کے اشعار ہوں تو اچھے ہیں اور اگر لغو و باطل پر مشتمل ہوں تو بُرے ہیں۔ اشعار کے پڑھنے سے اگر یہ مقصود ہے کہ ان کے ذریعے سے تفسیر وحدیث میں مدد ملے یعنی عرب کے محاورات اور اسلوب کلام پر مطلع ہو جیسا کہ شعرائے جاہلیت کے کلام سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔(۱۵)

معلم کی ذمہ داریاں:

اسلامی نظام تعلیم میں معلم کو بڑا مقام حاصل ہے۔ شاگرد کی شخصیت، اس کی تربیت سے بنتی ہے۔ اقبال اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روحِ انسانی

لیکن ظاہر ہے رتبہ جتنا بلند ہوگا۔ ذمہ داریاں بھی اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔ ان فرائض کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں: معلم اگر ثواب لینا چاہتا ہے تو پانچ باتیں اس پر لازم ہیں:

(۱) تعلیم پر اُجرت لینا شرط نہ کرے اگر کوئی خود کچھ دیدے تو لے لے ورنہ کچھ نہ کہے
(۲) (دورانِ تدریس) باوضو رہے۔
(۳) خیر خواہانہ تعلیم دے، توجہ کے ساتھ پڑھائے۔
(۴) لڑکوں میں جھگڑا ہو تو عدل وانصاف سے کام لے یہ نہ ہو کہ مالداروں کے بچوں کی طرف زیادہ توجہ کرے اور غریبوں کے بچوں کی طرف کم۔
(۵) بچوں کو زیادہ نہ مارے، مارنے میں حد سے تجاوز کرے گا تو قیامت کے روز حساب دینا پڑے گا۔(۱۶)

جسمانی سزا کی حدود وقیود:

جسمانی سزا کے حوالے سے آج کل ہمارے مدارس اور کالجوں یونیورسٹیوں میں افراط وتفریط سے کام لیا جارہا ہے۔ شریعت کی اس معاملے میں کیا ہدایات ہیں؟ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

اساتذہ بچوں کو نہ پڑھنے یا شرارت کرنے پر سزائیں دے سکتے ہیں مگر وہ کلیہ ان کے پیش نظر ہونا چاہیے کہ اپنا بچہ ہوتا تو اس بھی اتنی ہی سزا دیتے بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے بچہ کی تربیت وتعلیم کا جتنا خیال ہوتا ہے دوسرے کا اتنا خیال نہیں ہوتا تو اگر اس کام پر اپنے بچہ کو نہ مارا، یا کم مارا اور دوسرے بچہ کو زیادہ مارا تو معلوم ہوا کہ یہ مارنا محض غصہ اتارنے کیلئے ہے، سدھارنا مقصود نہیں، ورنہ اپنے بچہ کے سدھارنے کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔(۱۷)

مزید فرماتے ہیں: یتیم بچہ کو (استاد) اس چیز پر مار سکتا ہے جس پر اپنے بچہ کو مارتا ہے۔ کیونکہ اگر یتیم بچہ کو مطلق العنان چھوڑ دیا جائے تو علم وادب سے بالکل کورارہ جائے گا اور عموماً بچے بغیر تنبیہ قابو میں نہیں آتے اور جب تک انہیں خوف نہ ہو کہنا نہیں مانتے۔ مگر مارنے کا مقصد صحیح ہونا ضروری ہے ایسے ہی موقع پر فرمایا گیا ہے:

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (۲۲:۲)

اللہ کو معلوم ہے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح (۱۸)

معلم کا احترام:

اسلامی نظامِ تعلیم میں اساتذہ کے ادب واحترام کی بے حد تاکید کی گئی ہے۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی اثرات کی وجہ سے آج کے طلبہ اساتذہ کا ادب واحترام بالکل نہیں کرتے۔ بعض تو اپنا ملازم سمجھتے ہیں۔ اسی روش کی جانب بڑی خوب صورتی سے شاعر مشرق نے یوں اشارہ کیا:

تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض
جی چاہتا تھا کہ ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی طلبہ کو بڑے پُرزور انداز میں اساتذہ کے احترام کی تاکید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) شاگرد استاذ کا ادب کرے، اسکے حقوق کی محافظت کرے۔
(۲) مال سے اس کی خدمت کرے۔
(۳) استاد سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس میں پیروی نہ کرے۔
(۴) استاذ کا حق ماں باپ اور دوسرے لوگوں سے زیادہ جانے۔
(۵) اس کے ساتھ تواضع سے پیش آئے۔
(۶) جب استاذ کے مکان پر جائے تو دروازہ پر دستک نہ دے بلکہ اس کے برآمد ہونے کا انتظار کرے۔(۱۹)

علم کا احترام:

حضرت صدر الشریعہ ادب کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عالم ومتعلم کو علم کی توقیر کرنی چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ زمین پر کتابیں رکھے۔ پاخانہ پیشاب کے بعد کتابیں چھونا چاہے تو وضو کر لینا مستحب ہے۔ وضو نہ کرے تو ہاتھ ہی دھولے، اب کتابیں چھوئے۔(۲۰)

معلم ومتعلم کے مشترکہ آداب:

معلم اور متعلم دونوں کو چاہیئے کہ وہ حضرت صدر الشریعہ کے بیاں کردہ مندرجہ ذیل آداب سے خود کو آراستہ کریں:

(۱) عالم ومتعلم کو چاہیئے کہ لوگوں سے میل جول کم رکھیں۔
(۲) فضول باتوں میں نہ پڑیں۔
(۳) پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ برابر جاری رکھیں۔
(۴) دینی مسائل میں مذاکرہ کرتے رہیں۔
(۵) کتب بینی کرتے رہیں۔

(۶) کسی سے جھگڑا ہو جائے تو نرمی اور انصاف سے کام لیں ۔ جاہل اور اس میں اس وقت بھی فرق ہونا چاہیے۔

(۷) عیش پسندی میں نہ پڑیں۔(۲۱)

ناغہ کرنے سے برکت جاری رہتی ہے:

حضرت صدرالشریعہ تعلیم و تدریس کا اس قدر ذوق و شوق رکھتے تھے کہ وقت سے پہلے مدرسہ پہنچتے اور چھٹی ہونے کے بعد تک درس جاری رکھتے ۔ طبیعت کتنی ہی خراب ہوتی کبھی درس کا ناغہ گوارانہ کرتے۔ طلبہ آپ کی طبیعت کی ناسازی دیکھ کر نہ پڑھانے کی درخواست کرتے مگر آپ اسے قبول نہ فرماتے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ ناغہ کرنے سے برکت اٹھ جاتی ہے"۔ حال یہ تھا کہ جمعہ (تعطیل) کے دن بھی صبح گیارہ بجے تک گھر پر درس دیا کرتے تھے۔(۲۲)

سبحان اللہ، معلم اور متعلم کے حقوق و فرائض اور پھر خود اس پر عمل کا کیسا روشن بیان ہے۔ کہاں ہیں بزعم خود روشن خیال دانشور؟ جو جان ڈیوئی، پستالوزی، روسو اور فرائیڈ کے افکار کو ہی تعلیمی نظریات کی جان قرار دیتے ہیں۔ وہ آئیں اور دیکھیں ہمارے ممدوح نے تعلیمی نظام کے تمام مراحل اور ارکان کا کتنا نفیس اور متوازن نقشہ پیش کیا ہے۔ پاکستان کا تعلیمی نظام اسی دن راہ راست پر آئے گا جب اسے مغربی مفکرین کی ہرزہ سرائیوں سے آزاد کر کے امام غزالی، علامہ زرنوجی، امام احمد رضا بریلوی اور مولانا امجد علی اعظمی کے افکار کی روشنی میں سنوارا جائے گا۔

وما علینا الا البلاغ

حوالہ جات و حواشی

(۱) محمد عطاء الرحمٰن قادری، سیرتِ صدرالشریعہ، ملخصاً، مکتبہ اعلیٰ حضرت، ۲۰۰۲ء۔

(۲) احمد رضا خاں، امام، اعلیٰ حضرت، الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد، ص ۷۹ نوری کتب خانہ، لاہور۔

(۳) مبارک حسین مصباحی، مولانا، ماہنامہ اشرفیہ، ص ۲۶، اپریل ۲۰۰۱ء۔

(۴) آل مصطفیٰ مصباحی، مفتی، سوانح صدرالشریعہ، ص ۷۳۔

(۵) امجد علی اعظمی، مولانا، بہار شریعت، حصہ ۱۶، ص ۱۳۹۔

(۶) ایضاً، ص ۱۴۔

(۷) ایضاً، ص ۱۳۹۔

(۸) ایضاً، ص ۱۴۳۔

(۹) امجد علی اعظمی، مولانا، فتاویٰ امجدیہ، جلد چہارم، ص ۱۳۶۔

(۱۰) ارشاد احمد رضوی، مولانا، صدرالشریعہ کا باطنی سفر، شمولہ ماہنامہ اشرفیہ، صدرالشریعہ نمبر ص: ۱۶۸، مبارک پور۔

(۱۱) امجد علی اعظمی، مولانا، فتاویٰ امجدیہ، جلد چہارم، ص ۲۱۵۔

(۱۲) ایضاً، ص ۱۰۹۔

(۱۳) ایضاً، ص ۱۰۔

(۱۴) ایضاً، ص ۲۷۱۔

(۱۵) امجد علی اعظمی مولانا، بہار شریعت، حصہ ۱۶، ص ۱۱۳۔

(۱۶) ایضاً، ص ۱۹۳۔

(۱۷) ایضاً، ص ۱۹۱۔

(۱۸) ایضاً، ص ۱۹۱۔

(۱۹) ایضاً، ص ۱۹۳۔

(۲۰) ایضاً، ص ۱۹۳۔

(۲۱) ایضاً، ص ۱۹۳۔

(۲۲) محمد عطاء الرحمٰن قادری، سیرتِ صدالشریعہ، ص ۵۹، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور۔

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ
اور
علماءِ گوجر خان

حسن نواز شاہ*

[۱]

مولانا ظفر علی خان (۷ا جنوری ۱۸۷۴ء۔ ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء) نے لکھا تھا۔

یہی ہے شانِ ایمانِ مسلمانانِ گوجر خاں
کہ ہے ایک ایک ان میں بوذر وسلمانِ گوجر خاں
کفن بردوش ہو کر گھر سے نیلی پوش جب نکلے
میں سمجھا بدر کا میدان ہے میدانِ گوجر خاں
اطاعت ربِ اکبر کی رضا جوئی پیغمبر کی
اب سے بڑھ کے کیا ہوگا سروسامانِ گوجر خاں
کٹانا راہِ حق میں سر سکھایا اپنے بچوں کو
رہے گا مدتوں ملت پہ احسانِ گوجر خاں[۱]

لاہور سے اسلام آباد آتے ہوئے ضلع جہلم کی تحصیل سوہاوہ سے تھوڑا آگے ضلع راولپنڈی کی معروف تحصیل گوجر خان کی حد شروع ہو جاتی ہے، کچھ کلومیٹر مزید سفر کیا جائے تو جرنیلی سڑک پہ ہی گوجر خان شہر واقع ہے۔ تحصیلِ مذکور جہاں پوٹھوہار کا مرکز ہے وہیں اپنے قدیم تاریخی پس منظر کی وجہ سے ماضی میں کئی حوالوں سے معروف رہی ہے۔ وجہ تسمیہ دیہات پرگنہ دان گلی وپھر ہالہ میں مذکور ہے کہ

"گوجر خان دراصل وراثتِ گوجران مقرر است۔ خانا نامی گوجر درعہد ملک گل محمد خان گکھڑ در ۸۳۹ھ بنیاد دیہہ نہاد برنام بانی گوجر خان مشہور گردید۔ بعدہٗ قومِ چوہان درعمل داری سلطان ہاتھی خان گکھڑ دران موضع بوراثت داری آباد شدند وازین معنی نام موضع چوہان گوجر خان شد۔ بعدہٗ تاش بیگ خان فیروزال را دیہہ مسطور از سرکارِ سلطان مراد قلی خان گکھڑ درجہ وراثت عطا گشت۔ آن وقت در موضع قوم گوجر خیلے بدست بود۔ ہیچ ادب فیروزالان نہ کردند، ازیں سبب فیروزالان حسبِ اجازت گکھڑان گوجران را از دیہہ مذکور بدر کردند، قومِ چوہان و گکھڑان و برہمن بوراثت داری در آنجا آباد ند۔"[۲]

برٹش رول سے قبل گوجر خان کی کوئی قابلِ ذکر اہمیت نہیں تھی البتہ ۳۰ مارچ ۱۸۴۹ء کو وائسرائے ہند لارڈ ڈلہوزی کے پنجاب کے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی سے الحاق کے اعلان کے بعد کمپنی نے ۱۸۴۹ء کے اواخر میں راولپنڈی کو ضلع کا درجہ دیا اور اس کی چھ تحصیلیں مقرر کیں جن میں ایک گوجر خان بھی تھی۔[۳]

جغرافیائی حدود ورقبہ:

موجودہ گوجر خان شہر مشرقی طول بلد پر ۷۳ ڈگری اور ۲۲ منٹ جبکہ شمالی عرض بلد پر ۳۳ ڈگری اور ۱۶ منٹ پر واقع ہے اور سطح سمندر سے ۱۷۰۰ فٹ بلند ہے۔ گوجر خان کے شمال مشرقی علاقہ میں تحصیل کلر سیداں اور شمال اور شمال مغرب میں تحصیل راولپنڈی، جنوب

☆ ۳۳۵۔ ماڈل ٹاؤن ہمک، اسلام آباد۔ suhraward@hotmail.com

اور جنوب مشرقی علاقہ میں تحصیل سوہاوہ اور جنوب مغرب میں ضلع چکوال کی حدود ہیں جب کہ مشرق میں دریائے جہلم کے پار آزاد کشمیر کا علاقہ ہے۔ تحصیل گوجر خان کا کل رقبہ ۵۶۷ مربع میل ہے۔[۴]

[۲]

تحصیل گوجر خان میں مذہبی رویوں کی تشکیل میں گمنام اکابرین کے کردار اور کاوشوں پر ابھی تک باضابطہ کوئی قابلِ قدر کوشش نہیں ہوئی۔ تحصیل بھر میں چپے چپے پہ خانقاہوں کا وجود اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ خطہ صوفیاء کرام کی خصوصی توجہات کا حامل رہا ہے، اس کیساتھ ساتھ علماء ربانیین کا کردار بھی اتنا مؤثر ہے کہ یقیناً اس سے پہلو تہی ممکن نہیں۔ قبل اس کے کہ میں اپنے موضوع کی طرف آؤں مختصراً تحصیل کے مغربی سمت سے تعلق رکھنے والے چند علماء ربانیین کے احوال و آثار کا جائزہ لیتا چلوں۔ یہ طے ہے کہ مندرجہ ذیل فہرست بالکل مکمل نہیں، اس میں بالضرور کئی اہم نام رہ گئے ہوں گے مگر اس کے باوجود میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اولیں کوشش دیگر حضرات کا حوصلہ ضرور بڑھائے گی اور اس سلسلہ کو بڑھانے میں ضرور معاون ثابت ہوگی۔

قاضی محمد عمر الدین نقشبندی:

ان کا تعلق موضع لودے کی اعوان برادری سے تھا۔ یہ خواجہ نور محمد چوراہی (۱۱۷۹۔۱۲۸۶ھ)[۵] سے بیعت وخلافت سے سرفراز تھے۔ خواجہ محمد نامدار ملقب بہ ہادی تھیالوی (م ۱۲۵۶ھ)[۶] موضع کروال ضلع ہزارہ سے علومِ متداولہ کی تحصیل کے لئے ان کے پاس موضع لودے آئے اور تحصیلِ علوم کی۔ آپ کا مزار موضع لودے میں ہے۔[۷]

قاضی اللہ دتہ:

انیسویں صدی میں نڑالی کے نامور اور جید عالم وصوفی تھے، علاقہ بھر میں علوم قرآنی کی تدریس میں آپ کو استناد کا درجہ حاصل تھا۔ ۲۷ رجب ۱۲۸۱ھ کو انہوں نے قرآنِ پاک کا فارسی ترجمہ مکمل کیا۔ انہی کا مکتوبہ مترجم قرآن ان کے اخلاف کے پاس اب بھی محفوظ ہے۔ ۱۸۹۰ء کے بعد کسی سال ان کا وصال ہوا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد اور متبنٰی میاں رکن الدین دئیوالویؒ نے فریضۂ تدریس کو چند سال انجام دیا۔ بعد ازاں وہ اپنے گاؤں دئیوال (تحصیل سوہاوہ) تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔[۸]

حافظ اللہ جوایا:

حافظ اللہ جوایا بھیرہ (ضلع سرگودھا) سے آکر ڈھوک بدہال میں مقیم ہوئے اور ایک مدرسہ قائم کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے قاضی فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کارِ تدریس کو آگے بڑھایا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے قاضی رسول احمد (۱۸۸۵۔ ۲۷ نومبر ۱۹۶۳ء) کہ جن کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۸۵۹۔۱۹۳۷ء)[۹] سے تھی نے فریضۂ تدریس کی روایت کو نبھایا۔[۱۰]

مولانا احمد الدین واعظ:

دھرابی ضلع چکوال میں جناب محمد شاہباز خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ چاولی کرسال (تحصیل تلہ گنگ) اور دندہ شاہ بلاول (ضلع اٹک) کے مدارس میں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے لیکن جلد ہی بوجوہ میدانِ خطابت میں قدم رکھا اور پھر تا عمر اسی دشت کی سیاحی کی۔ آپ کے مواعظ فرقہ ہائے باطلہ کے رد پر مشتمل ہوتے تھے۔ آپ کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تھی۔ ۱۹۰۷ء میں طاعون کی مرض سے وفات ہوئی۔ دھرابی میں ہی مدفون ہیں۔[۱۱] ۱۳۰۵ھ میں موضع ٹھاکرہ موہڑہ (داخلی نڑالی تحصیل گوجر خان) میں اہلِ تشیع سے مناظرہ کے

لئے تشریف لائے اور پھر اہلِ دیہہ کی خواہش اور اصرار پہ مسلسل آٹھ برس موضع مذکورہ میں مقیم رہے۔[۱۲] ردِ شیعیت میں ایک تصنیف مجمع الاوصاف فی تردیدِ اھل البدع و الاعتساف نہایت معروف ہے جو موضع ٹھاکرہ میں ہی تصنیف ہوئی۔[۱۳]

قاضی محمد زمان مستالوی:

موضع مستالہ کی اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔اپنے زمانے کے نہایت ہی معروف و مستند عالم، پنجابی شاعر اور کاتب تھے۔ان کے مجموعہ ہائے کلام کے قلمی نسخے کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد میں ہیں۔نیز ان کے مکتوبہ کافی نسخہ ہائے خطی بھی کتب خانہ مذکورہ میں موجود ہیں۔[۱۴] ۱۶ فروری ۱۸۹۵ء کو ان کا وصال ہوا مستالہ میں ہی دفن ہوئے۔ [۱۵] ان کے صاحبزادے قاضی فضل احمد مستالوی (۱۸۵۴ـ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء) بھی معروف عالم تھے۔

قاضی محمد زمان گوڑھوی:

موضع گوڑھا کی قریشی برادری میں پیدا ہوئے۔علوم درسی کی تحصیل مولانا شیخ
شیخ احمد الدین اڈیالوی (م ۳۰ جنوری ۱۹۰۶ء) سے حاصل کی۔ان کی نسبتِ بیعت سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری (۱۳۵۴ـ۱۳۲۶ھ) [۱۶] سے تھی۔اندازاً ۱۹۱۲ء میں اس عالمِ خاک وباد کو خیر آباد کہا اور گوڑھا میں ہی مدفون ہوئے۔موصوف پنجابی زبان کے شاعر بھی تھے۔[۱۷]

قاضی عبدالحکیم قریشی:

یہ موضع کینٹ پیر بخش میں قاضی سید علی قریشی کے ہاں پیدا ہوئے۔علومِ دینی کی تحصیل والدِ گرامی اور دیگر اساتذہ سے کی۔اپنے عہد کے نہایت معتبر علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بلند پایہ کاتب بھی تھے ان کے مکتوبہ کچھ قلمی نسخے ان کے اخلاف کے پاس اب بھی موجود ہیں۔۲ ستمبر ۱۹۱۸ء/۲۵ ذیقعد ۱۳۳۶ھ کو آپ کا وصال ہوا۔کینٹ پیر بخش کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔[۱۸]

مولانا غلام رسول قطبالوی:

۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی (م ۱۹۰۸ء) نے ایک اشتہار "اشتہار دعوت مع ضمیمہ" ضیاء الاسلام پریس قادیان سے شایع کرایا اس اشتہار کے ضمیمہ میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے علاوہ ۸۶ دیگر علماء و مشائخ کو بھی چیلنج کیا گیا،ان ۸۶ علماء و مشائخ میں ایک نام مولانا غلام رسول قطبالوی (قطبال رگوجر خان) کا بھی تھا جو ۷۷ ویں نمبر پہ مرقوم تھا۔[۱۹] آپ دار العلوم نعمانیہ میں کافی عرصہ شیخ الحدیث رہے۔۱۹۲۰ء میں آپ کا وصال ہوا اور موضع قطبال میں ہی دفن ہوئے۔آپ کے وصال پہ جامعہ کے مجلّہ کا شیخ الحدیث مولانا غلام رسول نمبر بھی نکالا گیا۔[۲۰] راقم کے کتب خانہ میں آپ کا ایک فتویٰ موجود ہے جو ۱۹۱۹ء کا مرقومہ ہے۔ان کے بارے سرِدست اتنا ہی معلوم ہے۔

قاضی فضل الدین لودوی:

آپ یکم محرم ۱۲۸۰ھ کو موضع لودے کی اعوان برادری میں پیدا ہوئے۔[۲۱] تحصیلِ علوم اپنے والدِ گرامی قاضی محمد نور نوری سے کی جو خواجہ محمد نامدار نتھیالوی کے خلیفہ تھے۔ان کی نسبتِ روحانی خواجہ فقیر محمد چوراہی (۱۲۱۳ـ۱۳۱۵ھ)[۲۲] سے تھی نیز آپ ان کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔علاوہ فتاویٰ جات کے دو پنجابی شعری مجموعے آپ کی یادگار ہیں۔قصۂ مہرِ مشرقی و ماہِ مغربی اور سلک الجواہر۔[۲۳] ۳۰ شعبان ۱۳۴۱ھ کو آپ کا وصال ہوا۔موضع لودے میں مدفون ہیں۔[۲۴]

مولانا محمد خلیل الرحمٰن علوی:

۱۸۸۵ء کو ڈھوک شمس کی اعوان برادری میں پیدا ہوئے۔ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۳/صفر ۱۳۲۲ھ)[۲۵] سے مدرسہ فیضِ عام کانپور میں تحصیلِ علوم کی۔ ان کی نسبتِ طریقت قاضی سلطان محمود آوانی (۱۸۴۰ء۔۱۹۱۹ء)[۲۶] سے تھی۔ نیز آپ ان کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔ علاقہ بھر میں آپ کا فتویٰ چلتا تھا۔ ۲۱ جنوری ۱۹۲۴ء کو ان کا وصال ہوا۔ ڈھوک شمس میں ہی آسودہ خاک ہوئے، آپ کا جنازہ قاضی فضل احمد گرمالوی نے پڑھایا۔ آپ کے برادرِ اصغر قاضی حبیب الرحمٰن (م ۲۱ مئی ۱۹۷۰ء) بھی مشاہیر علماء کرام میں سے تھے۔ ان کی نسبت بیعت بھی قاضی سلطان محمود سے تھی۔[۲۷]

میاں مراد علی چشتی:

یہ کونتریلہ (تحصیل گوجر خان) سے متصل موضع آڑہ میں (جسے آجکل موہڑہ ماڑی کہتے ہیں) بھکوال راجپوت (منہاس راجپوتوں کی ایک شاخ) میں میاں شیر علی خان ولد میاں حفیظ اللہ خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ موضع آڑہ میں آپ کا مدرسہ تھا جہاں علاقہ بھر کے طلباء کو قرآن کی تعلیم دی جاتی۔ آپکی نسبتِ ارادت خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۲۱۴ھ۔۱۳۰۰ھ)[۲۸] سے تھی۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آپکے صاحبزادے میاں غلام محمد (۱۸۸۰ء۔۹ دسمبر ۱۹۷۵ء) کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تھی۔[۲۹]

میاں احمد شیخ المتخلص بہ خاکی:

میاں احمد شیخ المتخلص بہ خاکی موہری دوالجیال (جسے اب موہری راجگان کہتے ہیں) میں میاں محمد عقلدین صوفی (م ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ) کے ہاں شیخ برادری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے شجرہ میں چودہویں پشت پہ شیخ عبداللہ جو ایک پنڈت تھے نے اسلام قبول کیا۔[۳۰] آپ نے علومِ متداولہ کی تحصیل موضع گنج کمالہ (ضلع ہزارہ) میں اور اپنے مرشد میاں محمد بخش پنڈوروی (م ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ)[۳۱] سے کی۔[۳۲] میاں احمد ایک معروف فقیہ، شاعر اور کاتب تھے۔ آپ کے درج ذیل آثارِ علمی اب تک دریافت ہوئے ہیں۔

۱۔ موردالرحمۃ (منظوم/پنجابی)
۲۔ رسالہ ترغیب السنت لب تراشی وقامع بدعت ریش تراشی (منظوم/پنجابی/۱۳۳۲ھ)
۳۔ مجموعہ موعظۃ للمتقین ترجمہ احادیث سید المرسلین ﷺ (منظوم/پنجابی/۱۳۳۳ھ)
۴۔ قصہ نائی وحسنِ ماہی (منظوم/پنجابی/۱۳۳۷ھ)
۵۔ نسب نامہ راجگان بھکوخانیہ (منظوم/پنجابی/۱۳۴۰ھ)
۶۔ قصہ ہجرت نبی ﷺ (منظوم/پنجابی)
۷۔ داغ ہجرت (منظوم/اردو)
۸۔ گلدستہ سیدان عالی شان مجمع البحرین لولو حسنین (منظوم/پنجابی/۱۳۴۱ھ)
۹۔ متفرق کلام و فتاویٰ جات

مولانا حکیم غلام محی الدین قریشی دیالوی (م ۱۰ ذیقعد ۱۳۶۳ھ) نے انہیں "فقیہِ زماں، عالمِ باعمل" کے القابات سے یاد کیا۔[۳۳] اور صوبیدار راجولی خان (م ۲۷ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ) کے بقول "آپ بہت پختہ باشریعت مرد تھے۔ سچ بولنے اور کہنے والے تھے۔"[۳۴] ۱۳ صفر ۱۳۴۳ھ بروز جمعہ بعارضۂ اسہال آپ کا انتقال ہوا۔[۳۵] موہری میں ہی دفن ہوئے۔ آپ کے بیٹے مولانا حافظ محمد اشرف (۹ ذیقعد ۱۲۹۲ھ۔۸ رجب ۱۳۶۷ھ) اور پوتے مولانا حافظ محمد اکرم (۳۰ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ۔۱۱ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ) بھی معروف علماء میں سے تھے۔

مولانا سید محمد شاہ نواز:

کوٹ جائی (ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان) میں پیدا ہوئے۔ علوم

متداولہ کی تحصیل کے بعد خواجہ احمد میروی (۱۲۵۰ـ۵محرم ۱۳۳۰ھ) [۳۶] سے بیعت ہوئے۔ان کے وصال کے بعد خواجہ امیر احمد بسالوی (م ۱۹۳۹ء) [۳۷] نے آپ کو خلافت سے نوازا۔پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے حسب ارشاد موضع گورسیاں میں مستقلاً آباد ہوگئے،انتہائی مختصر عرصہ میں نہایت کامیابی کیساتھ دینِ حق کی اشاعت کی،علاقہ بھر شاید ہی کوئی ایسا مبلغ ہوا ہوگا جس نے چند سالوں میں عوام کی کایا کلپ کی ہو۔ردِ شیعیت میں آپ کا نمایاں کردار ہے۔۲۵ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ کو آپ کا وصال ہوا۔مزار موضع گورسیاں میں ہے۔[۳۸]

حافظ محمد حسین قریشی:

موضع مہوٹہ (تحصیل وضلع چکوال) کی قریشی برادری میں پیدا ہوئے۔ایک بار موضع دوکھوہا میں آئے تو اہل دیہہ کے پرزور اصرار پر یہیں رہائش پذیر ہوگئے۔علوم درسیہ کی تدریس میں نہایت ماہر استاد شمار کئے جاتے۔انہوں نے شیخ سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ) کی معروف کتب،گلستان و بوستان کی شرح تحریر فرمائی۔موضع دوکھوہا میں ہی مدفون ہیں۔آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا باغ حسین قریشی نے آپ کے تدریسی کام کو آگے بڑھایا۔[۳۹]

قاضی خان محمد چشتی:

موہڑہ امین میں پیدا ہوئے۔آپ سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کے مقرب خلیفہ تھے۔موضع مذکورہ میں درس نظامی کی کتب پڑھاتے۔۹ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ/ ۱۷ مارچ ۱۹۳۲ء کو ان کا وصال ہوا۔مزار موہڑہ امین میں ہی ہے۔آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے قاضی خدا بخش (م ۲۰۰۴ء) آپ کے جانشین ہوئے۔[۴۰]

قاضی فضل احمد گرمالوی:

آپ مولانا غلام رسول قطبالوی کے چھوٹے بھائی تھے۔علومِ دینی کی تحصیل جامعہ نعمانیہ اور مدرسہ امینیہ دہلی سے کی۔آپ کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تھی۔تکمیلِ علوم کے بعد موضع گرمالہ میں ایک مدرسہ کا آغاز کیا جس میں طلباء کو تجوید و قرأت اور ابتدائی درسی کتب کی تعلیم دی جاتی تھی۔[۴۱] ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ کو آپ کا وصال ہوا، گرمالہ میں ہی جامع مسجد سے ملحق ایک احاطہ میں دفن ہوئے۔[۴۲]

قاضی عبدالحق فریالوی:

آپ ہیبت خان المعروف بہ قاضی غلام محمد کے ہاں مغل جمال برادری میں پیدا ہوئے۔آپ نے موضع فریال (داخلی نڑالی) میں ایک مدرسہ قایم کیا جس میں چھچھ،ہزارہ اور کشمیر کے طلباء زیر تعلیم رہے۔آپ کی روحانی نسبت سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری سے تھی۔آپ کے آثارِ علمی میں متن متین پہ حاشیہ اور قانونچہ عبدالحقی مطبوعہ ہیں۔آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد یوسف فریالوی (م ۲ مئی ۱۹۴۲ء) نے آپ کے مشن کو تادم وفات جاری رکھا۔[۴۳] بعدازاں اس روایت کو آپکے دونوں بیٹوں قاضی محمد طاہر فریالوی (۱۹۰۰ء ـ ۱۳/اکتوبر ۱۹۶۳ء) اور قاضی محمد باقر فریالوی (۱۹۱۰ـ۹مئی ۱۹۹۳ء) نے آگے بڑھایا۔

قاضی محمد ولی قطبالوی:

آپ قاضی غلام نبی کے ہاں موضع قطبال میں پیدا ہوئے۔آپ کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تھی۔آپ کی ایک منظوم پنجابی تالیف جو حرمتِ زاغ پہ ہے اور یہ آپ نے معاصر عالم مولوی تورا پرٹالوی کے فتویٰ کے رد میں تحریر فرمائی،قاضی عبدالحفیظ (پ ۳ نومبر ۱۹۴۶ء) ساکن موضع بوکڑہ کے کتابخانہ میں ہے۔[۴۴]

قاضی علم الدین لودوی:

آپ قاضی فضل الدین لودوی کے بھائی تھے۔تحصیلِ علوم اپنے والدِ گرامی سے کی اور آپ کی نسبتِ ارادت خواجہ فقیر محمد چوراہی سے تھی۔فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے۔[۴۵] ۵ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ/ ۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء کو آپ کا وصال ہوا۔اپنے گاؤں میں مدفون

ہیں۔[۴۶]

قاضی محمد عالم درکالوی عرف قاضی کالا:

موضع ڈھوک حفیظ اللہ (داخلی ،رنجالی) میں جناب قاضی سید عالم کے ہاں ڈھونڈ عباسی برادری میں پیدا ہوئے ۔موضع درکالہ مرزیاں میں ان کا مدرسہ تھا جس میں ضلع ہزارہ، کشمیر اور علاقہ بھر کے طلباء علوم متداولہ کی تحصیل کرتے ، نیز علاقہ بھر میں آپ کا فتویٰ بھی رائج تھا۔میاں محمد عظیم رنجالوی آپ کے معروف شاگرد ہوئے ہیں۔۳۱ اگست ۱۹۴۲ء بروز پیر کو آپ کا وصال ہوا۔موضع درکالہ مرزیاں میں ہی زیر خاک آسودہ ہیں۔[۴۷]

مولانا غلام حسین کونتریلوی:

موضع کونتریلہ میں پیدا ہوئے۔اپنے دور کے معروف عالم و واعظ تھے۔آپ کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تھی۔کونتریلہ میں ہی وفات پائی اور وہیں زیر خاک آسودہ ہیں۔۱۹۵۰ء کے بعد کسی سال آپ کی وفات ہوئی۔[۴۸]

قاضی محمد گوہر علی علوی:

آپ موضع لودے میں قاضی فضل الدین لودوی کے گھر پیدا ہوئے ۔علوم مروجہ کی تحصیل اپنے والدِ گرامی سے کی۔آپ کی بیعتِ اول اپنے والدِ گرامی سے تھی ان کے وصال کے بعد خواجہ احمد نبی المعروف بہ زلفاں والی سرکار (۱۲۸۰۔۱۳۴۵ھ) [۴۹] سے تجدید بیعت کی اور خواجہ محمد سَید شاہ چوراہی (۱۲۷۹۔۱۳۵۷ھ) [۵۰] سے خلافت واجازتِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔[۵۱] آپ کئی علماء ومشائخ کے استاد تھے۔ان میں خواجہ محمد شفیع چوراہی (۱۳۱۶۔۱۳۸۶ھ) [۵۲] مؤلف برکاتِ نقشبندیہ مع انوارِ تیراہی (۱۹۵۷ء)، قاضی ارشاد الٰہی لودوی، قاضی وجیہ السیما عرفانی، مفتی احمد عزیز اللہ شامل ہیں۔[۵۳] بھنگالی کے معروف نقشبندی شیخ، پیر سید عبداللہ شاہ (۱۹۲۵۔۱۹۸۸ء) بھی آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔

[۵۴] ۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ/۱۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ موضع لودے میں ہی مدفون ہیں۔[۵۵] ۔حسب ذیل تحریریں آپ سے یادگار ہیں:۔

[۱]۔ الجوہر العلی فی القصائد والفتاویٰ فی اللسان العربی الجلی

[۲]۔ البراہین العشرہ فی اثبات النص علی حقیقت الخلافۃ الراشدہ المبشرہ[۵۶]

[۳]۔ جواہر علویہ باشعار الصرفیۃ والنحویۃ

قاضی فضل احمد لودھیانوی کی معروف تصنیف انوار آفتابِ صداقت میں آپ کی بھی تقریظ شامل ہے۔آپ ان دنوں مسجد پٹولیاں لوہاری منڈی لاہور میں بطور امام اپنے فرایض سرانجام دے رہے تھے۔[۵۷]

مولانا فتح محمد جاڑوی:

موہڑہ جاڑیاں (داخلی کونتریلہ) میں مولانا مذکور نے ایک مدرسہ قایم کیا جہاں درسِ نظامی کی تعلیم دی جاتی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ موضع کونتریلہ میں آپ کا مطب بھی تھا۔اندازاً ۱۹۶۶ء میں آپ نے وفات پائی۔[۵۸]

میاں محمد عظیم رنجالوی:

میاں محمد عظیم نقشبندی مجددی ولد میاں سردار رنجالی (تحصیل گوجر خان) میں پیدا ہوئے۔ڈھوک حفیظ اللہ (داخلی رنجالی) کے قاضی محمد عالم عرف قاضی کالا درکالوی سے علوم ظاہری کی تحصیل کی۔آپ کی نسبتِ بیعت نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ میں چورہ شریف کے کسی بزرگ کیساتھ تھی۔یکم ستمبر ۱۹۶۰ء کو آپ کا وصال ہوا۔اپنی ہی وقف وتعمیر کردہ مسجد کے صحن مدفون ہوئے۔[۵۹]

قاضی محمد عالم صحتالوی:

۱۸۷۴ء کو موضع صحتال کی اعوان برادری میں پیدا ہوئے۔بالترتیب بھوئی گاڑ (ضلع اٹک)، ڈھوک میکی (ضلع

اٹک)، جامعہ نعمانیہ (لاہور) اور علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی (۱۲۴۴ـ۱۳۳۴ھ) [۶۰] سے اکتساب علوم کیا۔ بعدازاں مختلف مقامات پہ امامت و خطابت و تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ آپ کا بھی علاقہ بھر میں فتویٰ مروج تھا۔ آپ کے کچھ فتاویٰ راقم کے کتب خانہ کی زینت ہیں۔ نیز آپ قاضی تحصیل گوجر خان بھی تھے۔ آپ کی نسبت بیعت سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری سے تھی۔ ۱۶ جولائی ۱۹۶۴ء کو آپ کا وصال ہوا اپنے گاؤں میں ہی مدفون ہیں۔ [۶۱]

مولوی محمد شفیع نقشبندی مجددی:

اندازاً ۱۸۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی مولوی رحم علی نقشبندی (م ۱۳۱۰ھ) بہت ہی پرہیزگار اور مذہبی انسان تھے اور روپڑ شریف کے خواجہ فقیر محمد عثمانی (م ۱۵ شوال ۱۳۱۵ھ) [۶۲] سے بیعت تھے۔ مولوی صاحب درسِ نظامی کی چند ابتدائی کتب ہی پڑھ سکے۔ بعدازاں کافی عرصہ میاں احمرہ کی مسجد میں امام رہے۔ ۱۹۲۱ء تک انہوں نے میاں احمرہ میں امامت کرائی۔ بعدازاں اسی سال واپس موضع باغ فقیریہ والا میں آکر باغبانی و کاشتکاری شروع کی نیز گاؤں کی مسجد میں بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے اور ساتھ ہی امامت بھی کراتے۔ مولوی صاحب خواجہ محمد عبدالرب عثمانی (م ۶ رمضان ۱۳۶۲ھ) [۶۳] سے بیعت ہوئے۔ سیفِ صدیقی میں کئی مقامات پہ اپنے شیخ کی مدح سرائی کی ہے۔ لیکن ان کے صاحبزادے مولانا عبدالمعبود (پ ۱۹۳۶ء) کے بقول ان کے تعلقات موضع ٹھٹھہ (سواں) میں مقیم مولانا احمد دین (م ۱۹۶۴ء) جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے سے استوار ہو گئے تھے اور مسلکی اختلاف کے تناظر میں مولانا احمد دین نے انہیں واں بھچراں (ضلع میانوالی) کے مولانا حسین علی نقشبندی (۱۳۸۳ـ۱۳۶ھ) [۶۴] سے بیعت ہونے کی تاکید کی اور یوں ۱۹۲۳ء کو وہ مولانا حسین علی سے منسلک ہو گئے۔ یکم جنوری ۱۹۶۰ء کو مولوی صاحب کا انتقال ہوا اور موضع باغ فقیریہ والا میں ہی دفن ہوئے۔ [۶۵] رد روافض میں سیفِ صدیقی کے نام سے ان کی منظوم پنجابی تصنیف یکم مئی ۱۹۱۲ء کو شانتی سٹیم پریس راولپنڈی باہتمام مہتہ کشن چند موہن سے شائع ہوئی تھی۔

مولانا مفتی باغ علی چشتی:

۱۳۰۹ھ میں جناب نوائس علی کے ہاں ٹپیالی میں پیدا ہوئے۔ [۶۶] سلسلۂ نسب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ [۶۷] مختلف علماء کرام سے علوم دینی کی تحصیل کی اور بعدازاں ساری عمر تدریس میں صرف کی۔ آپ کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تھی [۶۸] اور وہ آپ کو پوٹھوہار کا مولوی کہہ کر پکارتے تھے۔ [۶۹] آپ کی سب سے پہلی تصنیف انتخاب المواعظ المعروف احسن المواعظ (منظوم پنجابی) ۲۵ برس کی عمر میں ۱۳۳۴ھ میں اسلامی اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ دیگر کتب میں سفینۃ النوح (مطبوعہ)، مدح پیر (مطبوعہ) اور محبوب الواعظین (قلمی) شامل ہیں۔ [۷۰] ۱۵ رجب ۱۳۹۷ھ/۲ جولائی ۱۹۷۷ء بروز ہفتہ کو آپ کا وصال ہوا۔ موضع ٹپیالی میں ہی زیر خاک آسودہ ہیں۔ پوٹھوہار کے معروف پنجابی شاعر مولوی عبدالرحمٰن عبدل (م ۱۶ اگست ۱۹۹۸ء) آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔ [۷۱]

مولانا امانت علی چشتی:

۱۹۰۵ء کو موضع ماچھیہ (نزد دھندہ) میں مولانا شرف دین کے ہاں پیدا ہوئے۔ [۷۲] علاقائی علماء سے بنیادی دینی تعلیم کے حصول کے بعد برٹش انڈین آرمی میں ملازم ہو گئے لیکن ۱۹۲۹ء میں فوج سے علیحدگی اختیار کر لی۔ [۷۳] ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ مسلم لیگ گوجر خان اور بعدازاں راولپنڈی کے نائب صدر رہے۔ [۷۴]

۱۹۴۰ء میں قائداعظم کے دورہ گوجرخان کو کامیاب بنانے میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ان تھک محنت کی اور مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچانے میں پیش پیش رہے۔ اسی جذبے کے تحت ایک ہفت روزہ الہلالیھی جاری کیا۔ آپ کی نسبتِ بیعت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تھی۔[۷۵] ۲۳ مئی ۱۹۸۴ء کو آپ کی وفات ہوئی اور گوجرخان میں دفن ہوئے۔[۷۶]

قاضی محمد ارشادالٰہی المتخلص بہ فیضی:

آپ ۱۹۱۷ء کو موضع لودے میں قاضی محمد اعصام الحق (۱۸۹۷ء۔۱۹۵۱ء) کے ہاں پیدا ہوئے۔[۷۷] علوم متداولہ کی تحصیل اپنے دادا قاضی فضل الدین اور اپنے تایا قاضی محمد گوہر علی علوی سے کی۔[۷۸] بطور عربی فاضل گردونواح کے کئی سکولوں میں پڑھایا، نیز بطور شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ لاہور میں کئی سال اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ ۹ فروری ۱۹۸۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔ اپنے آبائی گاؤں میں ہی مدفون ہیں۔[۷۹] آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ نیز عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں سخن گوئی بھی فرماتے۔ درج ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔

۱۔ الحق الصریح
۲۔ القول الصحیح فی الوتر والتراویح
۳۔ غایۃ الفکر فی الجہر بالذکر
۴۔ وسیلۃ النجات
۵۔ معجزات النبی ﷺ
۶۔ الفیض الاتم شرح اسماء النبی ﷺ
۷۔ نفع الطالب باسماء اللہ الغالب
۸۔ الاحسان فی الصلوٰۃ والسلام عندالاذان
۹۔ تفسیر عصامیہ
۱۰۔ بحصول النور فی زیارۃ فی القبور
۱۱۔ ارشاد الرحمٰن فی تردید بلغۃ الحیران
۱۲۔ فیض الرب لبیان احوال الاب

قاضی مفتی محمد شفیع کلریالوی:

آپ موضع کلریالہ کی گوجر برادری میں قاضی محمد امین کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی بھی معروف عالم تھے۔ قاضی صاحب نے علوم متداولہ کی تحصیل مختلف مقامات پہ کی۔ آپ ایک نہایت ہی بالغ نظر فقیہہ، مفتی اور مناظر تھے۔ عقاید باطلہ کے رد میں کئی مناظرے کیے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو ان کا وصال ہوا، موضع کلریالہ میں ہی مدفون ہیں۔ نمازِ جنازہ پیر سید سلطان علی شاہ نے پڑھایا۔ ان کا کتاب خانہ نہایت نادر کتب پہ مشتمل تھا جو اب دارالعلوم حسینیہ ہدائیہ نقشبندیہ بھنگالی کے کتب خانہ کی زینت ہے۔[۸۰]

[۳]

اعلیٰ حضرت سے علماء گوجرخان کے روابط کا سبب راولپنڈی کے ایک عالم حاجی شاہ نور محمد قادری بنے۔ مولانا موصوف بریلی شریف، اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور واپسی پہ جمعہ کی اذانِ ثانی سے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ ساتھ لائے۔ واپسی پہ آپ کی ملاقات قاضی تاج الدین چشتی سے ہوئی جو ان دنوں رامہ میں مقیم تھے۔ مولانا قادری نے مذکورہ بالا فتویٰ قاضی صاحب کو دکھایا اور بذریعہ خط اس کی اطلاع بھی اعلیٰ حضرت کو دی (اس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں)۔ بعدازاں قاضی صاحب نے فتویٰ سے متعلق اپنے خیالات بذریعہ مکتوب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کئے اور یوں ایک سلسلہ چل پڑا جو کسی نہ کسی صورت اعلیٰ حضرت کے وصال تک قایم رہا۔ بعدازاں قاضی صاحب ہی تحصیل گوجرخان میں فکرِ اعلیٰ حضرت کے فروغ کا سبب بنے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت سے منگوائے جانے والے تمام استفتاء موضع رامہ سے ہی منگوائے گئے۔ اگرچہ مستفتیان حضرات دیگر مواضع کے رہائشی

تھے۔ذیل میں ان تمام حضرات کے احوال پیشِ خدمت ہیں کہ جن کا اعلیٰ حضرت کی حینِ حیات ان سے تعلق رہا۔

قاضی تاج الدین چشتی

قاضی تاج الدین اس زمانے میں علاقہ بھر میں انتہائی معروف عالم تھے۔ان کا تعلق اگرچہ تحصیل گوجر خان سے نہیں تھا لیکن ایک زمانہ انہوں نے تحصیلِ مذکور کے گاؤں رامہ میں بطور امام مسجد، استاد اور مفتی علاقہ کی حیثیت سے گزارا اسی لیے انہیں علماء گوجر خان میں شمار کیا گیا ہے۔

ولادت ونسب:

آپ ضلع چکوال کے معروف تاریخی قصبہ پادشاہان میں جناب قاضی محمد بخشؒ اور محترمہ فتح بیؒ کے گھر پیدا ہوئے۔آپ نسباً قطب شاہی اعوان تھے۔[۸۱]

تحصیلِ علوم ظاہری:

آپ نے تحصیلِ علوم کہاں کہاں اور کس کس سے کی یہ ابھی تحقیق طلب ہے۔

بیعت وخلافت:

آپ کی نسبتِ روحانی سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں خواجہ محمد شمس الدین سیالوی سے تھی۔[۸۲]

نیز آپ خلافت واجازتِ بیعت سے بھی سرفراز تھے۔[۸۳]

آپ کا شجرۂ طریقت درج ذیل ہے:

''قاضی تاج الدین چشتی، خواجہ شمس الدین سیالوی، شاہ محمد سلیمان تونسوی، خواجہ نور محمد مہاروی، خواجہ فخر الدین دہلوی، شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، شاہ کلیم اللہ صدیقی جہاں آبادی، شیخ محمد یحییٰ مدنی، شیخ شمس الدین محمد، شیخ حسن محمد، شیخ جمال الدین معروف بہ شیخ جمن، شیخ محمود معروف بہ شیخ راجن شیخ علم الدین گجراتی، شیخ سراج الدین گجراتی، شیخ کمال الدین علامہ، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، خواجہ نظام الدین اولیاء، بابا فرید الدین مسعود شکر گنج، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری، خواجہ عثمان ہرونی، حاجی شریف زندنی، خواجہ قطب الدین مودود چشتی خواجہ ابو یوسف چشتی، خواجہ ابو محمد چشتی، خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، ابو اسحٰق شامی، ممشاد دینوی، امین الدین ابی ہبیرہ البصری، سدید الدین حذیفہ المرعشی، ابرہیم بن ادھم بلخی، ابو الفیض فضیل بن عیاض، ابو الفضل عبد الواحد بن زید تمیمی، حسن بصری، حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ، حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ۔

درس وتدریس ومسند استفتاء:

آپ پادشاہان میں پکی مسجد جو اب مسجد اللہ والی کے نام معروف ہے۔میں علوم دینی کا درس دیتے تھے۔آپ کے کارِ تدریس سے متعلق تفصیلات تو نہیں ملیں البتہ ماسٹر چوہدری سلطان محمود صاحب (پ ۲ جنوری ۱۹۳۹ء) کہ جن کا تعلق مائر منہاس راجپوت فیملی سے ہے۔راوی ہیں کہ:

''پیر مہر علی شاہ صاحب دو سال پادشاہان میں مقیم رہے اور قاضی صاحب سے تحصیلِ علوم کی''۔

انہوں نے اپنے والد گرامی چوہدری مہدی خان (۱۸۹۷۔۱۹۷۵ء) جو قاضی صاحب کے علمی وارث اور صاحبزادے مولانا محمد شاہ کے دوست تھے، اور خاندان کے دیگر بزرگوں سے یہ سماعت کیا۔نیز انہوں نے یہ بات کئی بار مولانا محمد شاہ سے بھی سماعت فرمائی۔

اس روایت کی وہ دو اسناد پیش کرتے ہیں یعنی:

(الف): میں نے اپنے نانا چوہدری پہنداخان (م۱۹۵۶ء) سے کئی بار سنا کہ جب بھی پیر صاحب لسی لینے آتے تو ان (پہنداخان) کے والد چوہدری اللہ یار خان جو اس زمانے میں علاقہ دار تھے، کہتے کہ: ''سیدوں کا یہ لڑکا کسی

دن بہت بڑا ولی اللہ ہوگا۔''

(ب): میں نے اپنے والد، اپنے نانا اور حضرت قاضی محمد شاہ صاحب سے کئی بار سماعت کیا کہ ایک بار یہ تینوں گولڑہ شریف پیر مہر علی شاہ صاحب سے ملنےگئے۔ پیر صاحب نے اپنی چادر اتار کر بچھادی اور محمد شاہ صاحب سے فرمایا کہ آپ اس پہ تشریف فرما ہوں۔ اس پہ محمد شاہ صاحب نے عرض کی: ''حضرت! یہ تو خلافِ ادب ہے کہ میں آپ کی چادر پہ بیٹھوں۔'' پیر صاحب نے فرمایا: ''آپ میرے استاد کے بیٹے ہیں اور آپ کی تعظیم کرنا میرا حق ہے۔'' [۸۴]

بقول ماسٹر چوہدری سلطان محمود: ''یہ بات پادشاہان میں معروف ہے کہ پیر صاحب یہاں دو سال قیام پذیر رہے''۔ [۸۵]

اگرچہ پیر صاحب کے سوانح نگار، صاحب مہر منیر، مولانا فیض احمد فیض (۱۹۹۲۔۲۰۰۵ء) نے جہاں پیر صاحب کا بھوئی (تحصیل حسن ابدال) میں مولانا محمد شفیع قریشی [۸۶] سے، موضع انگہ (تحصیل خوشاب) میں مولانا سلطان محمود انگوی (م ۱۹۰۲ء) [۸۷] سے اور بعد ازاں علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی، سہارنپور میں مولانا احمد علی سہارنپوری (م ۶ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ) [۸۸] سے کسبِ علوم کا ذکر کیا ہے، وہاں پادشاہان کا ذکر نہیں۔ [۸۸] آپ کے پاس جنات بھی علومِ دینی کی تحصیل کرتے تھے اس ضمن میں کئی واقعات اہل گاؤں بیان کرتے ہیں۔ [۹۰]

موضع رامہ میں امامت وتدریس:

موضع راماں تحصیل گوجرخان کا قدیم گاؤں ہے۔ وجہ تسمیہ دَیہات میں مذکور ہے کہ:

''راماں نامی ولد ججو عرف بوکن در عملداری سلطان جلال خان علیحدہ دیہہ را بنیاد نہاد و بوراثت داری متصرف گشت، چونکہ بانی را نام راماں عرف بوکن بود ازین معنی دیہہ را ہم نام راماں بوکن مشہور گردید۔'' [۹۱]

اس گاؤں میں قاضی صاحب کب اور کیسے تشریف لائے اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔ البتہ ۱۹۱۱ء میں آپ موضع ہذا میں ہی تھے اور یہ قیام تادمِ وفات رہا۔

عملی سرگرمیاں:

۱۹۲۳ء میں سواں (تحصیل راولپنڈی) کے علاقہ میں اہلِ سنت واہلِ تشیع کے درمیان چپقلش شدت اختیار کرگئی تو روپڑ شریف کے سجادہ نشین خواجہ محمد عبدالرب عثمانی نے مولانا سید محمد شاہ نواز کو پنڈی گھیب سے بلوایا اور جابجا ان کے وعظ کرائے، جسکے نتیجے میں بقول مولوی محمد عالم پڑیالوی:

''آپ کے پُراثر مواعظِ حسنہ نے لوگوں کے دلوں کو ایسا مسخر کیا کہ گویا اشجار سے بھی صدائے اللہ اللہ اٹھنے لگی، رفض و بدعت کا تو ایسا قلع قمع کیا کہ صدہا غالی اور متعصب شیعے صدقِ دل سے تائب ہو گئے۔'' [۹۲]

نیز مولوی محمد شفیع نقشبندی کی بیاض میں مرقوم ہے کہ:

''حضرت صاحب (صاحبزادہ محمد عبدالرب عثمانی علیہ الرحمۃ) نے ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک مولوی حافظ سید محمد شاہ نواز صاحب منگوائے جنہوں نے علاقہ سواں میں وعظ شروع کیا شیعہ کے رد میں، ہزاروں شیعہ ایمان لے آئے۔'' [۹۳]

مجالسِ وعظ کے اس سلسلہ میں بعد ازاں مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر (م ۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء) [۹۴] بھی آشریک ہوئے۔ اس کا ردِعمل یہ ہوا کہ اہلِ تشیع نے مولانا دبیر اور مولانا شاہ نواز کے خلاف فوجداری مقدمہ دائر کردیا، بقول مولانا دبیر:

''افسوس جب شیعہ حضرات دلائل سے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تو لعنت وتبرّا پر آجاتے ہیں یا مقدمہ بازی شروع کردیتے ہیں۔

خاکسار سے یہ سلوک دو دفعہ ہوا۔ پہلے کیمبلپور میں بشمول مولوی شاہ نواز صاحب میرے خلاف فوجداری مقدمہ دائر کر دیا گیا جس میں انہیں سخت ناکامی ہوئی۔'' [۹۵]

یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ اسی سلسلہ کی کڑی تھی کہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۴ کو فریقین کے درمیان بمقام ڈھیری چکری ایک مناظرہ طے پایا۔ اہلِ تشیع کی طرف سے کوئی عالم وقت مقررہ پہ حاضر نہ ہوا۔ اور مولانا شاہ نواز اور مولانا دبیر کی تقاریر ہوئیں اور یہ جلسہ ۱۲ بجے سے شروع ہو کر اڑھائی بجے اختتام پذیر ہوا۔ [۹۶] بعد ازاں اہلِ تشیع کی طرف سے دوبارہ مناظرہ کا چیلنج ہوا اور یوں ۲ فروری ۱۹۲۴ء بمقام محمودہ تھانہ چونترہ مناظرہ طے پایا۔ اہلِ تشیع کی طرف سے مولانا مرزا احمد علی امرتسری (مارچ ۱۸۸۴ء۔ ۱۱ جون ۱۹۷۰ء) [۹۷]، مولانا ملک فیض محمد کھیالوی (۱۸۸۰۔ ۱۵ جولائی ۱۹۴۹ء) [۹۸] اور مولانا احمد شاہ رتوی (جون ۱۸۷۴۔ ۱۹ جنوری ۱۹۵۱ء) [۹۹] شریک ہوئے اور اہلِ سنت کی طرف سے مولانا محمد نظام الدین ملتانی ثم وزیر آبادی [۱۰۰]، مولانا ابو محمود محمد مسعود سیالکوٹی اور مولانا دبیر تھے۔ فضلائے اہلِ تشیع جائے مقررہ کے بجائے تھانہ چونترہ میں پناہ گزین ہوئے۔ مولانا دبیر اور مولانا سیالکوٹی تھانہ میں جا پہنچے۔ لیکن فضلاءِ مکتب تشیع مناظرہ سے صاف انکاری ہو گئے۔ اس موقع پر اہلِ سنت کا کثیر اجتماع تھا اور یہ سب سلسلہ خواجہ محمد عبد الرب عثانی کے زیر اہتمام وزیر نگرانی ہوا۔ [۱۰۱]

اس واضح اور کھلی فتح کے کچھ ہفتوں بعد مولانا کھیالوی، موضع سید کسراں (تحصیل گوجر خاں) جو موضع رامہ کے قریب ہی واقع ہے بسلسلہ وعظ آئے اور اہلِ سنت کے خلاف تقریر کی۔ بعد ازاں نو شیعان اہلِ رامہ کی دعوت پہ رامہ آئے اور اہلِ سنت کے خلاف سخت تقریر کی۔ اس کے سدِ باب کے لئے انجمن نظام الاسلام پھوار (تھانی جاتلی) کے زیر اہتمام پہلا جلسہ ۲۱ شعبان ۱۳۴۲ھ / ۲۸ مارچ ۱۹۲۴ء منعقد ہوا۔ جس میں وسیع پیمانے پہ علماء کرام و عمائدینِ علاقہ شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں مولانا ملتانی خصوصی طور پر شریک ہوئے اور تین گھنٹے وعظ فرمایا۔ اس جلسہ کی تفصیلی روداد بصورتِ اشتہار شایع ہوئی۔ بقول مرتب اشتہار یہ جلسہ قاضی محمد تاج الدین قاضی علاقہ کی زیر صدارت وزیرِ نگرانی منعقد ہوا۔ [۱۰۲]

آثارِ علمی:

آپ کی وفات کے بعد مولانا محمد شاہ آپ کی روحانی و علمی روایت کے جانشین کہلائے۔ مولانا محمد شاہ کی وفات کے بعد ان کا کتب خانہ چکوال کے مولانا قاضی مظہر حسین (۱۹۱۴ء۔ ۲۰۰۴ء) لے گئے تھے۔ اگر ان کے کتابخانہ تک رسائی ہو پاتی تو ممکن ہے آپ کے فتاویٰ اور تالیفات میں سے کچھ مواد ہاتھ آجاتا۔ آپ کے آثار میں سے اب تک درج ذیل تین چیزیں دستیاب ہوئی ہیں۔

فتویٰ: ایک فتوی موضع سانگ کلاں (تحصیل وضلع چکوال) سے مولانا قاضی غلام حسن (م ۱۵ دسمبر ۱۹۴۱ء) کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا جو اب راقم کے کتب خانہ کی زینت ہے۔ یہ فتویٰ اردو میں رویت ہلال سے متعلق ہے۔

سوال نامہ: یہ سوال نامہ فارسی میں ہے جو شاید کہیں بھیجا جانا تھا۔ یہ مجھے معروف شیعہ اسکالر مولانا ملک آفتاب حسین جوادی (راولپنڈی) کے کتب خانہ سے ملا اور یہ بھی اب راقم کے کتب خانہ کی زینت ہے۔

فتویٰ دیگر: دورانِ تحقیق بارہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ''فتاویٰ علماء اہلِ سنت دربارہ حقیقتِ شیعہ امامیہ اثناء عشریہ'' کا عکس ملک آفتاب حسین جوادی صاحب نے عطا فرمایا۔ یہ مولوی سید کرم حسین شاہ ولد فتح شاہ نے حسبِ فرمایش سید زمان علی شاہ کربلائی (م ۱۰ صفر ۱۳۵۷ھ) ترتیب دے کر موضع ٹھاکرہ موہڑہ سے باہتمام نصیر احمد انچارج رفیق پنجاب پریس راولپنڈی شایع کیا۔ رسالہ مذکورہ پہ سنِ اشاعت درج نہیں۔ لیکن اندازاً ۱۹۱۱ء کے وسط میں یہ فتاویٰ اشاعت پذیر ہو چکا تھا۔ فتاویٰ ہذا دراصل ایک مسئلہ اور اس کے جوابات پر مشتمل ہے جو موضع ٹھاکرہ کے سنی حضرات (مولا بخش، فقیر محمد، غلام علی خان،

شیر باز خان، امیر خان) کی طرف سے علماء اہلِ سنت سے دریافت کیا گیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ:

''ہم لوگ حنفی المذہب ہیں اور ہمارے گاؤں میں چند خانجات اہلِ سادات کے ہیں جو سب کے سب مذہب شیعہ رکھتے ہیں۔ پچھلے دنوں میں ہمارے گاؤں میں ایک واعظ نے آکر اس امر کا وعظ کیا کہ سب مذہب شیعہ کے لوگ کافر ہیں اور اہلِ سنت و جماعت کو ان کیساتھ تعلقات رکھنا و معاملات کرنا منع ہے۔ شرعاً اس پر ہم لوگوں نے عرض کیا کہ آپ یہی شرعی حکم تحریر فرمادیں مگر واعظ موصوف نے لکھنے سے انکار کیا۔ پس ہم لوگوں کو اس دورویہ حالت سے تعجب ہوا۔ جس پر ہم نے مشورہ کیا کہ علمائے حنفیہ کی خدمت میں سوال پیش کیا جاوے۔ پھر جو کچھ وہ فرماویں اس پر تعمیل کی جاوے۔ اس لئے پیشوایانِ شرع شریف کی خدمت میں عرض ہے کہ آیا جو شخص باری تعالیٰ کی وحدت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے دل معتقد اور زبان سے مقر ہو کر اصول و ضروریاتِ دین پر قایم ہوں مگر بعض فروع اسلام میں حنفیہ سے مخالف طور پر چلیں۔ چنانچہ وضو میں پاؤں پر مسح کرنا اور رفع الیدین و ارسال الیدین سے پڑھنا اور جنازہ میں چار تکبیروں سے متجاوز ہونا۔ اور محرم و چہلم کے دنوں میں تعزیہ وغیرہ نکال کر ماتمی عمل لانا۔ اور خلفاء ثلاثہ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سب۔ ہمیں اون کیساتھ دنیاوی معاملات میں ارتباط رکھنا اور دنیاوی معاملات میں ارتباط رکھنا اور رسومات شادی و غمی میں اختلاط کرنا عند الشرع منع ہے یا جائز؟ بینوا توجروا فان اللہ لایضع الحسنین۔'' دستخط منجانب اہالیانِ اہلسنت سکنہ ٹھاکرہ موہڑہ تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی، مولا بخش، فقیر محمد، غلام علی خان، شیر باز خان، امیر خان۔[۱۰۳]

اس مجموعہ میں درج ذیل علماء کرام کے فتوے شامل ہیں:

غلام محی الدین شکارپوری، سید حبیب شاہ قاضی پوری (ضلع ہزارہ)، شعاب الدین غور غشتوی، سعد الدین ازجلالی، محمد یوسف فریالی (فریال رتحصیل گوجر خان)، تاج الدین (رامہ رتحصیل گوجر خان) محمد خلیل الرحمٰن (ڈھوک شمس رتحصیل گوجر خان)، نور حسین (پادشاہان رتحصیل و ضلع چکوال)، احمد الدین واعظ (پادشاہان)، محمد حسن (کالس شیر خان رتحصیل و ضلع چکوال)، کریم بخش سلطان پوری (ضلع جہلم)، محمد عالم (سنگھوئی رضلع چکوال)، محمد ایوب لکھنوی فرنگی محل (لکھنوی)

اس مسئلہ پہ قاضی صاحب سے منسوب رائے یا فتویٰ درج ذیل ہے:

''نحمدہ و نستعینہ۔ خویدم العلماء در بسیار کتب معتبرات بنظرِ غامضہ دیدہ است کہ کفر بر اہلِ قبلہ بہر وجہ نہ جائز است و اہلِ سنت و جماعت بریں فتویٰ دادہ اند۔'' [۱۰۴]

اب جہاں تک مستفتیان حضرات کا تعلق ہے، ان میں سے ایک مستفتی کہ جن کا نام بالترتیب چوتھے نمبر پہ درج ہے یعنی شیر باز خان ان کے بارے مولانا احمد الدین واعظ نے لکھا ہے یہ وہی صاحب ہیں کہ ان کی اور ہاشم خان (م ۱۹۲۸ء) کی خواہش پہ مولانا مذکور شیعانِ ٹھاکرہ کی سرگرمیوں کے تدارک کے لیے مسلسل آٹھ سال موضع ٹھاکرہ موہڑہ میں مقیم رہے۔ مولانا اپنے مخاطب شیعہ عالم کہ جن سے ان کا مناظرہ ہوا تھا اور بعد ازاں انہی شیعہ عالم کی کتاب کے جواب میں انہوں نے مجمع الاوصاف فی تردیدِ اہل البدع والاعتساف تالیف فرمائی تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ:

''۱۳۰۵ھ میں جو آپ نے بندہ سے مباحثہ کیا تھا اوسمیں آپنے بھاری ندامت اوٹھائی تھی۔ جن الفاظ سے آپنے اپنے اندر کا نمونہ دکھایا تھا وہ ہمیشہ کے لئے روشن چہرہ پر آپ کے لئے داغ رہینگے۔ مجمع میں سب سے پہلے آپنے باغ فدک وغیرہ وراثتِ انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ چھیڑا تھا۔ جب آپکو جوابِ دندان شکن ملا تو پھر آپ اپنی خوش فہمی سے تعزیہ سازی و ماتم داری کے جواز میں جھگڑنے لگے اور جب ان امورِ قبیحہ کی ممانعت آپکو ثابت کردی گئی تو آپ میدانِ مباحثہ سے بھاگ نکلے۔ اس کے بعد ہاشم خان و شیر باز خان مرحوم وغیرہ دینداران ٹھاکرہ موہڑہ کی تمنا سے یہ عاجز برابر آٹھ برس تک وہاں رہا۔ اتنی مدت میں آپ میرے مقابلہ میں نہ آئے۔'' [۱۰۵]

اسی فتاویٰ کے بارے مفتی محمد یوسف فریالوی کے پوتے قاضی محمد واصل صاحب (پ ۲۶ نومبر ۱۹۴۸ء) سے جب استفسار کیا گیا کہ: ''جناب! آپ کے جدِ امجد کا فتویٰ بھی مذکورہ فتاویٰ میں شامل ہے کیا یہ حقیقتاً ان کا ہے یا یہ انتساب موضوع ہے؟'' قاضی صاحب کا جواب تھا کہ: ''اس فتاویٰ میں شامل میرے جدِ امجد سے منسوب فتویٰ یا رائے کی نسبت صحیح نہیں اور یہ ممکن بھی نہیں جب کہ سوال میں سب خلفاء وصحابہ کا مسئلہ بھی شامل ہے۔''[۱۰۶] اس کی تائید ایک داخلی شہادت سے بھی ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اگر چہ سائلین حضرات کو سنی ظاہر کیا گیا ہے مگر مولانا محمد حسن صدیقی الکالسوی (۱۲۷۳-۷ اربیع الاول ۱۳۴۵)[۱۰۷] سے منسوب ایک مکتوب بنام سید زمان علی شاہ کربلائی بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔ مولانا کالسوی کے مکتوب میں درج ذیل جملہ قابلِ غور ہے۔:

''مولوی سید کرم حسین ایک استفتاء لائے تھے جس میں ایک متنازعہ مسئلہ بین الفریقین یعنی سنت و جماعت وملتِ شیعہ مندرج ہے۔''[۱۰۸]

اب اگر مستفتیان حضرات مسلکِ اہلِ سنت و جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور مسئلہ بھی انہیں درپیش ہے تو مرتب فتویٰ ہذا مولانا کالسوی کے پاس فتویٰ پہ تائید کرانے کیوں گئے؟ واللہ اعلم

قاضی صاحب اور اعلیٰ حضرت

اب تک میسر شواہد کی روشنی میں آپ کے اعلیٰ حضرت سے رابطے کا سبب مولانا حاجی شاہ نور محمد قادری بنے۔ ہوا یوں کہ مولانا قادری بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت سے ملاقات کر کے واپس راولپنڈی تشریف لائے تو ان کی ملاقات قاضی تاج الدین سے ہوئی بعداز ملاقات انہوں نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے بارے اعلیٰ حضرت کا فتویٰ قاضی صاحب کو دیا۔ اپنی اور قاضی صاحب کی ملاقات کا احوال انہوں اعلیٰ حضرت کے نام ایک خط میں رقم کیا یہ خط رامپور سے شائع ہونے والے ہفت روزہ دبدبۂ سکندری میں شائع ہوا۔ خط میں مرقوم ہے کہ:

''یہ فقیر ۲۷ صفر کو صحت و سلامتی کیساتھ اپنے گھر پہنچا۔ آپ کی طلعت پسندیدہ کے تصور میں سرگشتہ اور اثناء طریق میں ایک عالم سے ملا کہ بہت سے شہروں کے مفتی ہیں۔ ان کا نام مفتی تاج الدین صاحب ہے۔ (ساکن رامہ، تحصیل گوجر خان، ضلع راولپنڈی، پنجاب) میں نے انہیں آپ کا فتویٰ دربارۂ اذانِ جمعہ دکھایا، انہوں نے نہایت اچھی طرح قبول کیا تو میں نے ایک پرچہ انہیں دے دیا۔''[۱۰۹]

بعدازاں قاضی صاحب نے اسی سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کو خط لکھا اور یوں باضابطہ پہلا رابطہ ہوا۔ قاضی صاحب کا بھی خط دبدبۂ سکندری میں شائع ہوا۔ متنِ مکتوب درج ذیل ہے۔

''علامۃ الدہر مشہور فی کل الشہر، محبوبِ جہاں جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب دام لطفہ! بعد اشتیاقِ ملاقات و بعد ارسالِ تحیۃ خیر البشر ہویدا ہو کہ آپ کا مسئلہ اذانِ ثانی کا شروع کردیا گیا ہے۔''[۱۱۰]

قاضی صاحب نے ۱۶ر صفر ۱۳۳۸ھ/ کو دوبارہ اعلیٰ حضرت سے رابطہ کیا اور اس بار ایک مسئلہ کے بارے ان کی رائے دریافت کی۔ مسئلہ تھا کہ

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بدمذہب کہتا ہے کہ نور حضرت کا غیر مخلوق ہے؟''

اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:

''رسول اللہ ﷺ کا نور یقیناً مخلوقِ الٰہی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں: یا جابر! ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ (اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا) جو حضور کے نور کو غیر مخلوق کہے منکرِ قرآنِ عظیم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: خالق کل شئی فاعبدوہ (اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے: ''وہ ہر شے کا خالق ہے تو اسی کی عبادت کرو) واللہ تعالیٰ اعلم۔[۱۱۱]

فتاویٰ رضویہ میں ایک اور استفتاء بھی شامل ہے جو قاضی صاحب نے پوچھا تھا۔لیکن اس پہ تاریخ درج نہیں۔سوال تھا کہ:
''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ
(۱)۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات خود اللہ کو نہیں دیکھا۔
(۲)۔حدیث اور آیت اس طور پر نہیں آئی کہ ہم لوگ امام صاحب کے مذہب پر چلیں۔بینوا توجروا۔''
اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:
''(۱)۔ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہ رویت بمعنی احاطہ کا انکار فرماتی ہیں کہ لاتدرکہ الابصار سے سند لاتی ہیں اور احادیثِ صحیحہ میں رویت کا اثبات بمعنی احاطہ نہیں کہ اللہ عزوجل کو کوئی شے محیط نہیں ہوسکتی وہی ہر شے کو محیط ہے اور اثباتِ نفی پر مقدم ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم
(۲)۔حدیث اور آیت اس طور پر آئی ہے کہ تمہیں علم نہ ہو تو علماء سے پوچھو۔امام اعظم سرداران علماء میں داخل ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''[۱۱۲]

وصال: آپ کا وصال ۲۳ ستمبر ۱۹۲۶ء/۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ بروز جمعرات کو آپ کے آبائی گاؤں پادشاہان میں ہوا۔اسی دن بعد از نمازِ ظہر تدفین عمل لائی گئی۔آپ کی بہو کا بیان ہے کہ آپ کا وصال زہر خورانی سے ہوا۔جبکہ صوبیدار راجولی خان کی بیاض میں مرقوم ہے:

''۲۳ ستمبر ۱۹۲۶ء/۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ ۱۸ اسوج ۱۹۸۳ء ب بروز جمعرات قاضی تاج الدین صاحب موضع راماں والے فوت ہوئے پادشاہان میں۔۲۲ ستمبر ۱۹۲۶ء کو ان کے بیٹے محمد شاہ انہیں چارپائی پہ موضع راماں سے گھر (پادشاہان) لے گئے تھے۔قاضی صاحب کی وفات تپ کی بیماری سے ہوئی۔بعد ازاں موضع راماں والے ۸ پائیاں غلہ اور کفن لے کر گئے اور موضع پادشاہان کے لوگوں نے مبلغ یک صد روپیہ جمع کر لئے تھے۔بعد از نمازِ ظہر دفن کئے گئے۔جنازہ پر کافی مخلوق تھی۔''[۱۱۳]

ازدواجی زندگی:

آپ نے دو شادیاں کیں اول محترمہ بھاگ بھری سے اور دوسری محترمہ مصاحب خاتون سے۔محترمہ بھاگ بھری کے بطن سے مولانا محمد شاہ اور صاحبزادی پیدا ہوئے۔جبکہ دوسری بیوی سے جناب محمد اکبر اور غلام حسین کا جنم ہوا۔آپ کے روحانی و علمی وارث مولانا محمد شاہ کہلائے۔انہوں نے علوم ظاہری کی تحصیل بڑودہ (بھارت) میں کی،اپنے والد کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔آپ کا حلقۂ بیعت کافی وسیع تھا۔۱۹۷۵ء میں وصال ہوا۔[۱۱۴]

قاضی تاج محمود

باوجود کوشش ان کے بارے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔البتہ علماء گوجر خان میں سے انہوں نے اعلیٰ حضرت سے سب سے زیادہ یعنی سات فتوے منگوائے۔تمام فتویٰ جات موضع رامہ سے دریافت کئے گئے۔

پہلا فتویٰ:

پہلا فتویٰ ۱۰ شوال ۱۳۳۸ھ/۲۸ جون ۱۹۲۰ء کو منگوایا گیا۔مسئلہ تھا کہ:
''اگر سگ کنویں میں گر پڑے اور اس کے منہ کے پانی میں داخل ہونے کا ثبوت نہیں ملتا،پانی کا کیا حکم ہے۔؟''
اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:
''زیادہ احتیاط یہ ہے کہ کل پانی نکالیں کہ بہت سے مشائخ کے نزدیک وہ نجس العین ہے مگر صحیح و معتمد یہ کہ اس کا حکم باقی سباع کے مثل ہے کہ صرف لعاب ناپاک ہے تو اگر منہ پانی میں نہ پہنچا صرف بیس ڈول تطییبِ قلب کے لیے کافی ہے۔درمختار میں ہے: ''لو اخرج حیا ولیس بنجس العین ولا به حدث او خبث لم ینزح شئی الاان یدخل فمه الماء فیعتبر بسوره فان نجسا نزح الکل والا لاهو الصحیح۔''ترجمہ: ''اگر زندہ نکالا گیا اور وہ نہ تو نجس عین ہے

اور نہ ہی کوئی نجاست لگی ہوئی ہے تو کچھ بھی نہیں نکالا جائے گا مگر یہ کہ اس کا منہ پانی تک پہنچ جائے اس وقت اس جھوٹے کا کیا اعتبار کیا جائے گا، اگر ناپاک ہے تو تمام پانی نکالا جائے ورنہ نہیں۔ یہی صحیح ہے۔'' دالمحتار میں ہے: ''قولہ لم ینزح شئی ای وجوبالمافی الخانیہ لوقعت شاۃ وخرجتحیۃ ینزح عشرون و لوالتسکین القلب لا للتطھیر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اس (صاحبِ درمختار) کے قول'' لم ینزح شئی'' کچھ بھی نہ نکالا جائے سے مراد یہ ہے کہ نکالنا واجب نہیں جیسا کہ خانیہ میں ہے کہ اگر بکری گر جائے اور زندہ نکل آئے تو اطمینانِ قلب کے لیے بیس ڈول نکالے جائیں، پاک کرنے کے لیے نہیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۱۵]

دوسرا فتویٰ:

دوسرا فتویٰ ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ کو پوچھا گیا۔ مسئلہ تھا کہ:

''مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہو جائے، ذابح نامعلوم ہے، کیا یہ مذبوحہ حلال ہوگی یا نہیں؟''

اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:

''حلال ہے مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے۔ حلبی وشامی علی الدر میں ہے: ''الاولی ان یقال ان کان الموضع یسکنہ او یسلك فیہ مجوسی لا یوکل والا اکل و لایعترض بشأن ترك التسمیۃ عمدا، فان ھذا موھوم لا یعارض الراجح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (یہ کہنا بہتر ہے، ایسا موضع جہاں مجوسی رہتا ہو، یا وہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہاں کا نہ کھایا جائے ورنہ کھایا جائے، اور قصداً بسم اللہ کو ترک کی صورت سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ احتمال موہوم ہے جو راجح احتمال کا مقابل نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔ [۱۱۶]

تیسرا فتویٰ:

تیسرا فتویٰ بھی ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ کو ہی دریافت کیا گیا مسئلہ تھا کہ:

''ایک مرد اور زوجہ صرف اول روز ایک کوٹھے میں رہے اور دشمن گرد گرد کوٹھے کے مارنے کے لئے کھڑے رہے ہیں اور زوجین کو بھی یہ حالت معلوم تھی۔ علی الصباح اس مرد نے عورت کو طلاق دے دی ہے، مرد دخول کا مقر اور عورت منکر ہے، اب یہ دخول با خلوتِ صحیحہ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں؟''

اعلیٰ حضرت نے لکھا کہ:

''اگر کوٹھے کا دروازہ اندر سے بند ہے اور مسقف ہے یا دیواریں بلند ہیں کہ دشمنوں کے گھس آنے کا اندیشہ نہیں تو خلوت صحیح ہے ورنہ نہیں ردالمحتار میں ہے: تصح علی سطح کانا فوقہ وحدھما وامنا من صعود احد الیھما اھ ملتقطا۔ (ایسی سطح ہو جس پر صرف دونوں میاں بیوی ہوں اور کسی تیسرے کے وہاں چڑھنے سے بے فکر ہوں تو خلوت صحیح ہے اھ ملتقطا)۔ صورت اگر پہلی تھی تو عورت کا دخول سے انکار بیکار ہے کہ مہر کامل بہر حال لازم ہو گیا، دخول ہوا یا نہیں، ہاں صورتِ ثانیہ میں شوہر کا کہنا کہ دخول ہوا کل مہر لازم ہونے کا اقرار ہے اور عورت کا انکار اس کا رد ہے اور اقرار مقرلہ کے انکار سے رد ہو جاتا ہے تو صرف نصف مہر پائے گی ھذا ما ظھر لی (یہ جو مجھے معلوم ہوا۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۱۷]

چوتھا فتویٰ:

چوتھا فتویٰ بھی اسی تاریخ کو پوچھا گیا۔ مسئلہ تھا کہ:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک لڑکے نے اپنے باپ سے بولا کہ تم میری زوجہ کو طلاق دے دو، اس نے طلاق دے دی یہ طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟''

اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:

''نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ دوسرے کو وکیل کر سکتا ہے، نہ باپ بذریعۂ ولایت اس کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے فانہ ضرر والولایۃ للنظر (کیونکہ یہ تو ضرر ہے جبکہ ولایت شفقت کے لیے ہوتی ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۱۸]

پانچواں فتویٰ:

پانچواں فتویٰ ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ کو پوچھا گیا۔ مسئلہ تھا کہ:

''اگر ایک نکاح خوان بغیر دعویٰ مدعی کے کہہ دے کہ مدعی علیہ نے دختر معلومہ نابالغہ کا نکاح مدعی کے فلانے بیٹے کو کر دیا ہے۔ مدعی نے بیٹے معلوم کے لیے قبول کیا ہے حالانکہ یہ نکاح خواں بہت جاہل اور دائمی دشمن مدعی کا ہے۔ آیا یہ شہادت قابلِ اعتبار ہوگی یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:

''جب دعویٰ نہیں تو مدعی کیسا اور اگر یہ مطلب ہو کہ مدعی نے اسے گواہ نہ لکھایا تو یہ شرطِ شہادت نہیں اس نے اگر شہادت میں اپنا نکاح پڑھانا ذکر کیا تو مقبول نہیں لانہ شھادة علی فعل نفسه (کیونکہ یہ اپنے خلاف شہادت ہے) ورنہ اگر گواہ ثقہ ہے قابلِ قبول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۱۹]

چھٹا فتویٰ:

چھٹا فتویٰ بھی اسی تاریخ کو پوچھا گیا۔ مسئلہ تھا کہ:

(۱) ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید کے بارے میں تین افراد شہادت دیتے ہیں کہ مدعی علیہ نے والد لڑکے کو بولا ہے کہ میں نے اپنی دختر نابالغہ فلانی تمہارے فلانے لڑکے کو دے دی ہے۔ اس نے قبول لڑکے معلوم کے لیے کر لی ہے اور اس مجلس میں نہ ذکر نکاح کا ہوا نہ خطبہ پڑھا گیا، نہ ذکر مہر کا ہوا اس کے علاوہ مدعی علیہ بھی کہتا ہے کہ میں نے ارادہ ناطہ کا کیا ہے نہ نکاح کا اب یہ نکاح ہوگا یا خطبہ یا ناطہ؟''

(۲) ''قرینہ نکاح کا خطبہ اور ذکر مہر کا ہر دو ہوویں گے یا فہم شہود نکاح کا فقط کافی ہوگا یا نیت ولی دختر پر ہے؟''

اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:

''(۱) خطبہ پڑھا جانا یا ذکرِ مہر ہونا کچھ شرطِ نکاح نہیں، وہ مجلس اگر عقد کے لئے تھی عقد ہو گیا اور اگر مجلسِ وعدہ تھی اور حاضرین نے اسے وعدہ ہی سمجھا تو وعدہ ہوا نکاح نہ ہوا، فی الدر المختار ان المجلس للوعد فوعد وللعقد فعقد (درمختار میں ہے کہ اگر یہ مجلسِ وعدہ (منگنی) کے لئے ہے منگنی ہے اور مجلسِ نکاح ہے تو نکاح ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم''۔

''(۲) نکاح بالفاظِ صریحہ میں نیت شرط نہیں، الفاظِ ایجاب و قبول ہونا اور دو شاہدوں کا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے کافی ہے، ذکرِ مہر نہ ضرور نہ قرینہ اور خطبہ اگرچہ ضروری نہیں مگر قرینہ نکاح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۲۰]

ساتواں فتویٰ:

ساتواں فتویٰ بھی اسی تاریخ کو پوچھا گیا۔ مسئلہ تھا کہ:

''جو کہ صلح ہے وہ واقع منازعہ حق انسان میں ہے یا حق خدائے تعالیٰ میں بھی ہے؟''

اعلیٰ حضرت نے جواب دیا:

''صلح اگر برضا ہے تو عنداللہ بھی ہوگئی اور دب کر ہے تو دنیا میں ہوئی آخرت میں مطالبہ باقی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۲۱]

ہیڈ ماسٹر مولانا میر غلام مصطفیٰ

تحصیل گوجر خان کے انتہائی مغرب میں تحصیل کا قدیم اور معروف گاؤں دیوی آباد ہے۔ دیوی کے شمال میں اس کا داخلی گاؤں ڈھوک میاں عبدالوہاب واقع ہے۔ گاؤں کے بانی میاں عبدالوہاب انتہائی پرہیزگار اور پاک طینت انسان تھے۔ ان کے بارے ایک روایت بہت معروف ہے کہ:

''ایک بار مویشی چرا رہے تھے کہ ناگاہ ان کی آنکھ لگ گئی۔ اوران کے مویشی کسی اور کے کھیت میں جا پہنچے۔ خیر آنکھ کھلنے پر انہوں نے اپنے مویشی کھیت سے نکال لیے۔ شام کو جب تمام دودھ دوہا گیا تب انہوں نے اپنے ملازم کو فرمایا: ''آج کا سارا دودھ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دو، ایک قطرہ بھی گھر میں نہ رکھنا۔'' [۱۲۲]

ایک اور روایت کے مطابق:

''اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ دہلی سے آکر قریبی گاؤں موہڑہ حیات میں مقیم ہوئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد دیوی میں رہائش اختیار کی اور پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد علٰحدہ گاؤں کی بنیاد رکھی''۔[۱۲۳]

ولادت:

مولوی صاحب اندازاً ۱۸۸۸ء کو ڈھوک میاں عبدالوہاب داخلی دیوی (تحصیل گوجر خان) میں مغل حیال برادری میں جناب شاہ ولی کے گھر پیدا ہوئے۔[۱۲۴]

تعلیم وتدریس:

ابتدائی تعلیم پرائمری سکول دیوی میں حاصل کی۔ بعدازاں خالصہ ہائی سکول سکھو سے مڈل پاس کرنے کے بعد نارمل کلاس پاس کرکے محکمہ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔ آپ نے اپنی سروس کا آغاز خالصہ ہائی سکول سید سے کیا۔ کچھ عرصے بعد ایس۔وی کا امتحان پاس کرکے ڈسٹرکٹ بورڈ کی ملازمت اختیار کی۔ اور بطورِ ہیڈ ماسٹر مختلف سکولوں میں تعینات رہے۔ علوم دینی کی تحصیل کب اور کہاں کی یہ ابھی تحقیق طلب ہے۔ علاوہ ازیں مقامی ڈاکخانہ کا انتظام بھی آپ کے ذمہ تھا۔[۱۲۵]

بیعتِ طریقت:

آپ کی نسبتِ بیعت قادریہ سہروردیہ سلسلہ کے معروف شیخ میر سید محمد صدیق احمد المتخلص بہ قاتل شاہ لکھنوی ثم اجمیری (۱۸۸۵۔ ۹ر دسمبر ۱۹۵۰ء) [۱۲۶] سے تھی۔ آپ کے خالہ زاد اور ہم جماعت محمد رضاء الرحمٰن شاہ عرف برخوردار شاہ (م ۱۲۱ر کتوبر ۱۹۳۰ء) [۱۲۷] جے پور اسٹیٹ کی آرمی میں کیپٹن کے عہدہ پہ فائز تھے اور شاہِ قاتل سے منسلک ہوچکے تھے نیز انہیں شیخ کی طرف سے خلافت و جازتِ بیعت بھی مرحمت ہوچکی تھی۔ مولوی صاحب ایک بار ان سے ملنے جے پور تشریف لے گئے وہیں ان کی ملاقات شاہ قاتل سے ہوگئی۔ کچھ دیر تبادلہء خیال ہوا اور یوں مولوی صاحب شاہ قاتل کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق شاہِ قاتل اپنے خلیفہء دوم برخوردار شاہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین اور برادرِ خورد شاہ محمد شیر رضا (م ۴ر ربیع الاول ۱۳۶۰ھ) [۱۲۸] کی دعوت پہ جب ڈھوک وہاب تشریف لائے اور یہیں مولوی صاحب کی ملاقات شاہ قاتل سے ہوئی اور یوں آپ ان سے منسلک ہوگئے۔[۱۲۹]

آپ شجرہ طریقت درج ذیل ہے۔

میر سید محمد صدیق احمد المتخلص بہ قاتل شاہ لکھنوی ثم اجمیری، شاہ محمد عبدالشکور، صوفی محمد نبی رضا شاہ المقلب بہ اسد الجہانگیری، فخر العارفین سید محمد عبد الحیٔ جہانگیری، شیخ العارفین سید مخلص الرحمٰن الملقب بہ جہانگیر شاہ، سید امداد علی بھاگلپوری، شاہ محمد مہدی حسن فاروقی، مخدوم حکیم مظہر حسین شاہ بن حکیم فرحت اللہ شاہ فاروقی، مخدوم حکیم فرحت اللہ شاہ فاروقی المخاطب بہ حسن دوست کریم چکی، مخدوم حسن علی شاہ منعمی، مخدوم شاہ محمد منعم پاکباز فاروقی البہاری، میر سید خلیل الدین بہاری، ابوسعید دیوان سید محمد جعفر القطبی، امیر سید اہل اللہ الحسینی بہاری عرف سید مبارک حسینی، سیدنا میر سید نظام الدین الحسینی البہاری، میر سید تقی الدین الحسنی البہاری میر سید نصیر الدین البہاری، امیر سید منیر الدین محمود الحسنی، میر سید فضل اللہ بن نصیر الدین الحسنی البہاری المعروف بہ سید گسائیں، شیخ الکبیر المعمر مخدوم شاہ قطب الدین فاروقی بینائے دل قلندر سرانداز غوثی سُر ہر پوری جونپوری، میر سید محی النور نجم الدین غوث الدہر قلندر بن میر سید نظام الدین الحسینی الغزنوی الدہلوی سہروردی، میر سید نظام الدین بن میر سید نورالدین مبارک الحسینی الغزنوی الدہلوی السہروردی، شیخ الاسلام سیدنا میر سید نورالدین مبارک الحسینی الغزنوی السہروردی الملقب بہ میر دہلی، شیخ الشیوخ سیدنا شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد بن عبداللہ البکری الشافعی السہروردی، غوث الاعظم شیخ عبدالقادر الجیلانی، ابوسعید مبارک بن علی المخرمی، ابوالحسن علی الہاشمی التمیمی الہکاری، ابوالفرح علاء الدین محمد بن

عبداللہ الطرطوسی، عبدالعزیز بن حارث التمیمی الیمنی، رحیم الدین عیاض، ابوبکر محمد جعفر بن یوسف شبلی، ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی، ابوالحسن سر الدین بن مغلس سقطی، ابومحفوظ اسدالدین معروف کرخی، ابوالحسن امام علی بن موسیٰ رضا، امام موسیٰ کاظم، امام ابوعبداللہ جعفر صادق، امام ابوجعفر محمد صادق، امام ابومحمد علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین، امام حسین ابن علی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امام المرسلین، خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ۔''

آپ کو شاہِ قاتل نے خلافت سے نوازا یا نہیں یہ ابھی تحقیق طلب ہے، گو دو وجوہات کی وجہ سے گمان ہے:

کہ آپ کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا گیا ہوگا۔ ایک یہ کہ شاہِ قاتل نے آپ کو اپنا لباس بطورِ تبرک عطا فرمایا اور اس سلسلہ کی روایت میں ہے کہ شیخ اپنا لباس خلفاء کرام کو ہی عطا کرتے ہیں۔ [۱۳۰] دوسرے یہ جب کبھی شاہِ قاتل ڈھوک میاں عبدالوہاب تشریف فرما ہوتے تو محفلِ سماع میں اپنی مسند کے ساتھ دائیں طرف بٹھاتے تھے۔ [۱۳۱] آپ کی شریکِ حیات محترمہ اشرف النساء کے بقول:

''قاتل شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ: ''میرے مریدوں میں اگر کوئی عزت و شرف والا ہے تو وہ مولوی میر غلام مصطفیٰ ہے اور میں اپنے مریدوں میں سے جس پر فخر کرسکتا ہوں وہ مولوی میر غلام مصطفیٰ ہے''۔'' [۱۳۲]

آپ کو اپنے شیخ سے والہانہ لگاؤ تھا اسی عقیدت و محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ ہر سال اجمیر شریف عرس میں شریک ہونے اور اپنے شیخ سے ملنے تشریف لے جاتے تھے۔ [۱۳۳]

ازدواجی زندگی: آپ شادی کی سنت سے بھی عہدہ برا ہوئے۔ آپ کی شادی اپنے خاندان میں ہی محترمہ اشرف النساء بنت فتح محمد سے ہوئی۔ آپ کی شریکِ حیات انتہائی سادہ اور نیک شعار اور مذہبی خاتون تھیں اور ان کی نسبتِ بیعت بھی شاہِ قاتل سے تھی۔

اولاد: آپ کی اولاد میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ ضیاء الدین، بیٹا، خدیجہ بی بی، عزیز بی بی، آپ کے صاحبزادے ضیاء الدین (م ۲۰ جون ۱۹۷۵ء) ایک صوفی منش انسان تھے، ان کی نسبتِ بیعت شاہِ قاتل سے تھی اور یہ ان سے خلافت و اجازتِ بیعت سے بھی سرفراز تھے۔ [۱۳۴]

وفات: آپ کو معدے کا السر تھا اس سلسلہ میں کئی معالجین کے زیرِ علاج بھی رہے۔ بالآخر یہی مرض آپ کی وفات کا سبب بنا۔ آخری دو دن بخار رہا جو شے کھاتے قے ہو جاتی۔ ۷ دسمبر ۱۹۵۰ء بروز جمعرات بوقت سحر آپ نے وصال فرمایا۔ اور دوسرے دن حسبِ وصیت گاؤں کا وہ قبرستان جسے سب چورہ کے نام سے پکارتے ہیں میں دفن ہوئے۔ [۱۳۵]

خدمات

مولوی صاحب اپنے زمانے میں بلا مبالغہ نہایت ہر دلعزیز اور محترم شخصیت تھے، ہندو، سکھ اور مسلمان بلا امتیاز آپ کا بہت احترام کرتے اور نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بقول ماسٹر عبدالعزیز منہاس (پ ۱۴ اگست ۱۹۲۱ء):

''وہ مسلم اور غیر مسلم دونوں حلقوں میں اپنی خوش اخلاقی، غریب پروری کے باعث یکساں مقبول تھے۔ بہت سے غریب اور یتیم طلباء کے تعلیمی اخراجات کے کفیل تھے اور اسی سلسلہ میں ہندو مسلم آپ کے بہت قدر دان تھے۔''

اگرچہ آپ زسرتاپا خدمتِ خلق کے جذبہ سے بھرپور تھے مگر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم آپ کی خدمات کے تین پہلوؤں کا سرسری جائزہ لیں گے۔ یعنی، مذہبی خدمات، تعلیمی خدمات اور سماجی خدمات۔

مذہبی خدمات: اپنے دورِ حیات میں مذہبی حوالے سے آپ کا کردار نہایت قابلِ تقلید رہا ہے، لوگوں کو مذہب کی طرف راغب کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے ضمن میں آپ انتھک مبلغ کے طور پر دن رات محنت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلاتے، اس

سلسلہ میں لوگوں کو خطوط لکھتے، تقاریر فرماتے، لوگوں کو اپنے جیب سے کتب خرید کر بھیجتے۔ موضع آہدی کے ماسٹر ممتاز علی (م ۱۳ جون ۱۹۹۶ء) کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''اپنے مذہب سے کچھ شغف ضرور ہونا چاہیے، یہ پڑھا لکھا طبقہ ہی کر سکتا ہے اسی امید پر سب سے پہلے آپ کو لکھا گیا.......... آپ مدرسین اپنی طرف سے موضع آہدی میں کسی چھٹی کے موقع پر ایک جلسہ مقرر کریں، اس بندہ کو مدعو کریں اس میں آپ کا کچھ خرچ نہ ہوگا اور نہ ہی تکلیف، ایک نیک کام ہو جائے گا، کسی اتوار کو ہی سہی مگر کریں ضرور۔'' [۱۳۶]

اسی تناظر میں ڈھوک میاں عبدالوہاب کے راجہ محبوب احمد (پ ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء) کا بیان ہے کہ:

''میرے والد صاحب (راجہ محمد شرف، م ۱۹۹۴ء) مرزائیوں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے نرم گوشہ دل میں پیدا ہو گیا اور اس کی ایک معاشرتی وجہ بھی تھی اور وہ یہ کہ والد صاحب کی پہلی شادی بوجوہ ناکام ہو گئی تھی اور ان کے مرزائی دوست کچھ تو ان کو اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کے لیے انہیں اپنی کتب فراہم کرتے رہتے تھے نیز کچھ شادی کی امید بھی دلائی ہوئی تھی۔ والد صاحب کی چونکہ مولوی صاحب کے صاحبزادے ضیاء الدین صاحب سے دوستی تھی، پس ضیاء الدین صاحب نے ایک دن مولوی صاحب سے اس کا ذکر کر دیا اب کیا تھا مولوی صاحب نے فوراً میرے والد صاحب سے رابطہ کیا، ان کے تمام اشکالات کو دور فرمایا، ان سے توبہ کروائی، نیز ان کی شادی بھی کرادی۔'' [۱۳۷]

آپ کی کاوشوں کا ہی نتیجہ تھا کہ عمائدینِ علاقہ پر بھی آپ کی باتوں کا اثر ہونے لگا اس کا اندازہ آپ کے ایک مکتوب سے ہوتا ہے جو کسی سردار حبیب گل خان کے نام ہے، اسے تحریر فرماتے ہیں۔

''کافی دن ہوئے جناب کی طرف سے ایک رقعہ ملا تھا، بندہ تو اس قابل نہیں کہ فتویٰ دے سکے، یہ تو علمائے کرام کا کام ہے، اس سوال کا جواب بھی شاید کتب میں بالتصریح نہ مل سکے۔ اس شخص نے ایک صاحب بدعت کی توقیر کی یہ بات شرعاً گناہ ہے مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ جناب ایسے بزرگوار ایسی ایسی باتوں پر توجہ دینے لگے ہیں، خدا اس جذبہ کو اور ترقی دے۔..................ضرور ایسے شخصوں سے توبہ کرانی چاہیے تاکہ دوسروں کو جرأت نہ ہو عبرت پکڑیں۔'' [۱۳۸]

مولوی صاحب جہاں مذہبی تعلیمات کے فروغ کے لیے بہت متحرک تھے وہیں عقاید باطلہ کے رد میں بھی آپ کا کردار قابلِ ستائش ہے، بالخصوص ردِ شیعیت، ردِ وہابیت و مرزائیت میں آپ کا کردار بہت نمایاں ہے۔ اس سلسلہ میں کئی مناظرے کئے، ضلع چکوال کے معروف قصبہ ڈھڈیال میں آپ کا اہلِ تشیع سے مناظرہ ہوا جس میں آپ کو تاریخی فتح ہوئی اور اسی معرکہ میں علماء اہلِ سنت نے آپ کے نام میر غلام میں مصطفیٰ کا اضافہ کر دیا اور یوں یہ آپ کے نام کا جز ولاینفک بن کے رہ گیا۔ مذہبی خدمات کے حوالے سے آپ کا کردار اتنا قابلِ قدر ہے کہ وہ لوگ کہ جنہیں آپ کے نکتۂ نظر سے اختلاف بھی ہوتا لیکن وہ پھر بھی آپ کی قدر کرتے اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔ راقم کے آبائی گاؤں موضع نڑالی اور موضع دیوی میں جمعہ کا اجراء آپ ہی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کی مذہبی خدمات بالخصوص عقایدِ اہلِ سنت کے فروغ میں اتنی ہیں کہ ایک الگ مقالہ کی متقاضی ہیں۔ ایک مختصر پیراگراف اس کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ اس کا احاطہ کرے۔

تعلیمی خدمات: عام لوگوں بالخصوص غرباء اور پسماندہ طبقہ میں تعلیم کے فروغ میں آپ کا کردار اتنا زیادہ ہے جتنا زیادہ کوئی مبالغہ کر سکے۔ آپ اپنی گھوڑی پہ علاقہ بھر میں گھر گھر جاتے اور بچوں کو سکول داخل کرانے کی ترغیب دیتے اگر والدین اپنی مفلسی کو بطور وجہ پیش کرتے تو آپ ان بچوں کے تعلیمی اخراجات کا ذمہ اٹھاتے لیتے، اس طرح سینکڑوں بچے آپ کی فیاضی کی بدولت زیورِ علم سے آراستہ ہوئے لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی آپ کی خدمات نہایت قابلِ قدر

ہیں۔اس زمانے کے آئی جی پنجاب وریام سنگھ کی صاحبزادی محترمہ سدھی نے ایم اے کرنے کے بعد اپنے گاؤں دیوی میں لڑکیوں کا سکول کھولنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ان خاتون کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور مسلمانوں کے گھر گھر جا کر بچیوں کو سکول میں داخل کرانے کا فرمایا۔تعلیم کی افادیت اور اس کے فروغ کے سلسلہ میں ان کے جذبے کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنی شریکِ حیات کو جو بالکل ناخواندہ تھیں پڑھنا لکھنا سکھایا یہاں تک کہ وہ باترجمہ قرآنِ پاک پڑھنے لگیں۔آپ کی تعلیمی خدمات کا ہی نتیجہ تھا کہ جب آپ دیوی بازار سے گزرتے تو ہندو سکھ دوکانوں سے باہر آ کر آپ کا پرنام کرتے تھے۔[۱۳۹]

ماسٹر عبدالعزیز کا بیان ہے کہ:

''مرحوم کو درس وتدریس سے نہایت دلچسپی تھی اور اپنے پیشہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے،خصوصاً اردو فارسی اور ریاضی کے مضامین میں انہیں مہارت حاصل تھی۔علاقہ بھر کے اساتذہ انہیں اپنا راہنما سمجھتے تھے اور نہایت احترام کرتے تھے۔مرحوم نے سروس کے آخری ایام میں مڈل سکولوں میں فارسی کتب جو نصاب میں شامل تھیں ان میں سے بہت سی اغلاط کو نوٹ کر کے ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کو نہ صرف توجہ دلائی بلکہ ان اغلاط کی اصلاح کر دی جس سے ان کتب کو دوبارہ مرتب کر کے نصاب میں شامل کر لیا گیا اور مولوی صاحب کو حسنِ کارکردگی کی امتیازی سند محکمہ تعلیم کی طرف سے عطا کی گئی نیز مولوی صاحب چھٹی کے بعد مزید ایک پیریڈ لیتے تھے جسکا نام انہوں نے ''زائد مطالعہ کا پیریڈ'' رکھا تھا اس میں وہ طلباء کی ذہنی استعداد بڑھانے کے لئے انہیں کتب فراہم کرتے جن کا مطالعہ کرنے کے بعد طلباء کو کتاب کے متعلقہ باب کا خلاصہ سناتا اور بعد ازاں اس پہ حسب فہم ذاتی خیالات کا اظہار کرنا ہوتا۔''

آپ کے ایک اور تلمیذ ماسٹر چوہدری فقیر محمد ولد بہادر خان (پ ۱۹۱ء) کا بیان ہے کہ:

''مولوی صاحب نے اس دور میں نصاب میں شامل کتب میں کئی اغلاط کی نشاندہی کی۔اس سلسلہ میں اساتذہ کو بہت تاکید فرماتے کی اور انہیں تحقیق اور محنت کی تلقین کرتے کیونکہ استاد کی غلطی پوری ایک نسل پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔نیز بطور استاد بچوں کیساتھ بہت شفقت سے پیش آتے اور اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن سرانجام دیتے۔انہیں علاقہ میں اشاعت تعلیم کا جنون تھا اس سلسلہ میں گھر گھر جا کر بچوں کے والدین کو اکساتے اور انہیں قائل کرتے اگر کوئی اخراجات کا رونا روتا تو اس طالب علم کی مالی اعانت کا ذمہ خود لے لیتے۔انہوں نے اپنے دور میں محنتی مخلص اور ایماندار اساتذہ کیا یک ٹیم تیار کی جنہوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔''

سماجی خدمات: مذہبی وتعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی سماجی خدمات بھی کافی ہیں۔معاشرے میں رائج غیر شرعی اور فرسودہ رسوم کو ختم کرنے میں بھی آپ نے خاصا کردار ادا فرمایا اس سلسلہ میں تقریر و تحریر دونوں کو ذریعہ بنایا۔آپ کی سماجی خدمات میں چند مثالیں یہاں پیش خدمت ہیں۔

☆ آپ نے ایک مطب رکھا ہوا تھا جس میں غرباء و نادار لوگوں کو مفت دوائیں مہیا کی جاتی تھیں۔

☆ غریب طلباء کی جوتیاں گانٹھنے کے لئے دو مستقل موچی رکھے ہوئے جنہیں آپ خود ان کی مزدوری دیتے۔

☆ وفات کے بعد میت کے پیچھے جو غیر شرعی رسوم جن میں اکثر غریب لواحقین کے لئے مالی حوالے سے مصیبت اور پریشانی کا سبب بنتی تھیں اس کے خاتمہ کے لیے آپ نے بہت کوششیں فرمائیں۔

☆ فی سبیل اللہ کئی کنویں کھدوائے۔

☆ کئی گھرانوں کے خفیہ کفیل تھے۔[۱۴۰]

کثرتِ مطالعہ: آپ انتہائی کثیر المطالعہ تھے اس اندازہ آپ کا کتابخانہ دیکھ کر ہوتا ہے،مطالعہ نہایت ہی یکسوئی اور دقعتِ نظر کیساتھ کرتے ،فریق مخالف کی کتب تو نہایت عرق ریزی سے پڑھتے۔اس کا

اندازہ ہر ہر صفحے پہ موجود آپ کے اختلافی و وضاحتی حواشی سے بھی ہوتا ہے جو اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان تمام کو مرتب کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ نیز آپ فریق مخالف کے دیئے گئے حوالہ جات کی بھی نہایت اہتمام سے پڑتال فرماتے۔ مثلاً ان کے ذخیرہ کتب ایک کتاب معروف شیعہ مجتہد علامہ سید علی حائری (۱۲۸۸۔۳ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ)[۱۴۱] کے وعظ پہ مشتمل ''موعظۂ حسنہ الملقب بہ اظہار حقیت بجواب رسالہ اظہار حقیقت'' کے صفحہ ۱۴۲ پہ مرقوم تھا کہ:

''رسالہ صوفی نمبر ۳ جلد ۳ صفحہ ۶ میں ہے جو بسر پرستی خواجہ نظامی پنڈی (منڈی) بہاء الدین ضلع گجرات سے شائع ہوتا ہے: ''سوم پیر حقیقت حضرت خواجہ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ ولدیت آپ کی قدم بقدم حضرت عیسےٰ کے ہے۔ سلسلہ نسب آپ کا حضرت عمر فاروق تک پہنچتا ہے۔''[۱۴۲]

آپ نے خواجہ حسن نظامی (م ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء)[۱۴۳] کو خط لکھا اور اس حوالہ سے متعلق وضاحت چاہی۔ خواجہ صاحب نے ۲۰ جنوری ۱۹۴۵ء کو جواب میں لکھا کہ:

''اسلام علیکم ... ، جواب میرا یہ ہے کہ جن شیعہ صاحب نے میرا حوالہ دیا ہے کہ میں نے حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو فاروقی لکھا ہے انہوں نے جھوٹا بہتان باندھا ہے۔ میری کتاب گیارہویں نامے کے صفحہ ۵۸ پہ حضرت کا نسب نامہ درج ہے اور میں نے حسنی سید ہونا ثابت کیا ہے۔ مخلص، حسن نظامی'' ۔[۱۴۴]

تأثرات: راجہ ضابطہ خان (۱۹۰۱ء۔۱۵ اپریل ۱۹۸۱ء) کہ جن کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا، آپ کے بارے کہا کرتے تھے کہ:

''میں نے اپنی زندگی میں اگر کوئی ولی دیکھا تو وہ مولوی میر غلام صاحب تھے۔''[۱۴۵]

کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار ماسٹر چوہدری فقیر محمد نے بھی کیا۔

اعلیٰ حضرت اور مولانا میر غلام مصطفیٰ

مولوی صاحب کے بارے ماسٹر عبدالعزیز منہاس کا بیان ہے کہ:

''آپ عملاً بریلوی مسلک کے پیرو اور اہلِ دیوبند کے مخالف تھے اور انہیں وہابی کہتے تھے۔ ردِ شیعیت میں بہت زیادہ سرگرم تھے۔''

اعلیٰ حضرت سے آپ کی عقیدت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنی بیاضوں میں اعلیٰ حضرت کا نام بہت ہی عقیدت سے رقم کرتے ہیں اور انہیں کئی القابات سے یاد کرتے ہیں۔ فکرِ اعلیٰ حضرت سے آشنائی کا ہی نتیجہ ہے آپ نے اپنے گاؤں کے عالم مولانا غلام رسول جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے کے بارے وصیت کردی تھی کہ: ''خبردار کہیں ان سے میرا جنازہ نہ پڑھانا۔'' آپ اعلیٰ حضرت اور ان کی فکر سے کب آشنا ہوئے اور آپ کا اعلیٰ حضرت سے پہلا رابطہ کب اور کیسے ہوا اس بارے سرِ دست کچھ کہنا ممکن نہیں۔ البتہ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو آپ نے موضع دیوی سے کہ جب آپ اول مدرس تھے۔ اعلیٰ حضرت سے ایک استفتاء منگوایا مسئلہ تھا کہ:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قاضی قضا کرتا ہے لیکن قضا بالکل ہی واقع کے خلاف ہے، قاضی کو یقین دے دیا جاتا ہے کہ آپ کا فیصلہ بالکل خلاف واقع ہے اس میں حق شناسی نہیں تو قاضی کہتا ہے کہ جاؤ جی جو کچھ ہوا ہولیا، اب قضا پر قضا نہیں ہوتی، نصاب سے زیادہ گواہ نہیں لے جا سکتے۔ حالانکہ قاضی صرف دو گواہ لیتا ہے اور ایک گواہ کی رائے پر فیصلہ کر دیتا ہے چونکہ اس کی دلی منشاء بھی اسی فیصلہ پر ہے اور واقعی یوں ہے کہ ایک آدمی اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جا رہتا ہے وہاں جس کے مکان میں رہتا ہے اس کے ساتھ نابالغہ لڑکی کا عقد شرعی روبرو گواہان کر دیتا ہے، شادی نہیں ہوتی یعنی روٹی وغیرہ نہیں کی جاتی اور ڈھول وغیرہ نہیں بجایا جاتا، اس کا گھر بار کھا لیتا ہے گاؤں کے سب لوگوں کو پتہ ہو جاتا ہے کہ نکاح ہو گیا کچھ عرصہ کے بعد ناچاقی ہو جاتی ہے لڑکی کا خاوند لاہور ملازم ہے اس کی عدم موجودگی میں اس کا گھر چھوڑ کر لڑکی کے والدین لڑکی کو لے کر اپنے اصلی گاؤں میں آجاتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق دلا کر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جائے لڑکی کا باپ گئی

مسلمانوں کو کہتا ہے جو ابھی زندہ ہیں کہ طلاق لے دو وہ اس کے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ اسے یقین دلاتے ہیں کہ طلاق لے دیں گے چونکہ جس اصلی گاؤں میں اب لڑکی کے والدین ہیں اس گاؤں کے لوگوں کی مرضی تھی کہ یہ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کردے ان کی شہ وغیرہ سے وہ بغیر طلاق لئے نکاح کردینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اس گاؤں کے نکاح خوانوں کی مرضی نہیں یہ نکاح پر نکاح ہو، پھر اس حالت میں کہ پہلا نکاح اس نکاح خواں کے لڑکے نے ہی پڑھا تھا جو اب فوت ہو گیا ہے اس مجبوری کو دیکھ کر لڑکی کا باپ تیسرے گاؤں کے قاضی کے پاس جاتا ہے کہ شاید اس کے طفیل کام بن جائے خاوند لاہور ہے بغیر اس کے علم کے ایک تیسرا آدمی اس بات کو سن کر اس قاضی کے پاس جاتا ہے کہ یہ آگے نکاح ہوا ہوا ہے قاضی نے پوچھا کہ کوئی گواہ موجود ہیں جواب ملا کہ گو نکاح خواں اور چند گواہ مر گئے ہیں لیکن پھر بھی کئی گواہ موجود ہیں قاضی نے کہا کہ زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں صرف دو گواہ میرے پاس لے آؤ، اس بیچارے کو پتہ نہ لگا کہ قاضی صرف دو گواہ کیوں مانگتا ہے، اس کی حکمت آگے ظاہر ہو جائے گی کہ منطق پڑھے ہوئے قاضی نے کیوں دو گواہ مانگے، جب دو گواہ قاضی کے پاس آئے تو ان میں سے ایک نے پورے طور پر بیان کیا کہ نکاح ہوا اور ایجاب وقبول ہوا ہے قاضی نے کوئی سوال نہ کیا دوسرے گواہ نے جب ٹھیک طور پر گواہی دینی شروع کی تو قاضی نے جھٹ سوال کیا کہ شادی ہوئی تھی یا ناطہ، اس نے کہا ناطہ، قاضی جی کی چاندی ہوگئی، وہ چاہتا بھی یہی تھا، یہ سن کر بغیر مزید سوالات فیصلہ دے دیا کہ نکاح ثابت نہیں ہوا شہادت نہیں ہے حالانکہ ناطہ کہنے والے نے اسی وقت کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ شادی نہیں ہوئی بلکہ ناطہ میں ضرور ایجاب وقبول ہوا ہے اس واسطے شادی کے مقابلہ میں میں نے ناطہ کہا، مگر قاضی نے باور نہ کیا اور پھر کہا گیا اور بھی کتنے آدمی ہیں جو اس نکاح کے وقت موجود تھے، قاضی نے کہا کہ نصاب ہو چکا ہے اس سے زیادہ گواہ نہیں لینا چاہتا قاضی کے لئے راہ بن گیا فوراً اس گاؤں میں جا کر لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا حلوے مانڈے کھا چلتا بنا۔ اس قضا سے مسلمانوں میں عجیب حیرت ہے خاص کر اس گاؤں اور گردونواح کے لوگوں کو جن کو اس نکاح کی خبر تھی ان گواہوں کو جو نکاح میں موجود تھے ان معتبر مسلمانوں کو جن کو لڑکی کا باپ کہتا تھا کہ طلاق دلوادو کہ قاضی جی نے خوب قضا کی خاوند کو خبر ہی نہیں دوسو میل پر بیٹھا ہے قاضی بغیر طلاق کے اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیتا ہے، عجب عجب عجب، کہ لفظ ناطہ ایک ایسا مل گیا ہے کہ سب باتوں کو رد کر دیتا ہے اس بات پر غور کرنے نہیں دیتا کہ معاملہ صاف ہوتا تو طرفین کے آدمی میرے پاس کیوں آتے کیا میرے بغیر اس گاؤں میں نکاح کوئی نہیں پڑھ سکتا، جب گواہ پیش کرنے کو کہا جاتا ہے تو قاضی کہتا ہے نصاب پورا ہو گیا، جب شریعت کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ کہہ کر چپ کر دیا جاتا ہے کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ دو گواہوں میں سے ناطہ کہنے والے کو کیوں سچا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو جھوٹا اور کیوں قاضی نے بغیر مزید تحقیقات نکاح پر نکاح پڑھ دیا۔ قاضی کے اس مسئلہ نے تمام عورت والوں کو ڈرا دیا ہے جس کا جی چاہے خاوند کی عدم موجودگی میں دو گواہ پیش کردے جن میں سے ایک کہہ دے کہ اس عورت کا نکاح نہیں ہوا پس عورت کے ساتھ قاضی جی سے نکاح پڑھوا لے اور عورت والا بیچارہ منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے۔

جنابِ من! اب خوب تحقیق کر کے جواب سے سرفراز فرمادیں کیونکہ قاضی جی کی اس قضا سے اس علاقے کے مسلمانوں میں عجیب ہلچل اور کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور حیران ہیں کہ جیتے خاوند کی عورت بلا طلاق کیونکر دوسرے مرد پر حلال ہو گئی، اگر یہ تمام باتیں درست ہیں تو مہربانی فرما کر فتویٰ دیں:

(۱)۔ عام مسلمانوں کے واسطے کیا حکم، آیا وہ اس قضا کو مان لیں جو ان کے خیال میں بالکل ناجائز ہے کیونکہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ نکاح پہلے ہوا ہے، بعض نکاح کے موقع پر موجود تھے بعض وہ ہیں جن کو لڑکی کا باپ طلاق کے واسطے کہتا تھا۔

(۲)۔ قاضی کے واسطے کیا حکم ہے کہ جس نے دانستہ دو گواہ لئے گوان گواہوں کے مطلب میں کوئی فرق نہ تھا مگر خود قاضی نے ناطہ کا لفظ نکلوا کر پہلے گواہ کو جھوٹا جانا اور دوسرے گواہ کی شہادت پر جا کر اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیا جس گاؤں میں اس کا نکاح پہلے ہوا تھا وہاں کے کسی بھلے مانس نے پوچھا تک نہیں۔

(۳)۔ لڑکی کے والدین کے لئے کیا حکم ہے جنہوں نے نکاح پر نکاح بنوایا ان سے بعد میں پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ پہلے طلاق لینے پر تیار تھے تو کہتے ہیں کہ قاضی جی نے بغیر طلاق حلال کر دیا۔

(۴)۔ لڑکی کے خاوند کے لئے کیا حکم ہے کہ جس کو اب تک لاہور سے رخصت ہی نہیں ملی ادھر قاضی جی اس کی عورت دوسرے کو دلوا چکے ہیں کیا وہ قاضی جی کی قضا کو مان کر اپنی عورت سے ہاتھ دھو بیٹھے؟

اعلیٰ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

"ایسا شخص قاضی نہیں ابلیس ہے اور اس کا ناطے اور شادی میں فرق کرنا شیطانی تلبیس ہے ناطہ ہی اصل نکاح ہے تو عورت کا منکوحۂ غیر ہونا انہیں دونوں گواہوں سے ثابت ہو لیا تھا قاضی نے ہٹ دھرمی سے اسے نہ مانا اور گواہوں کے سننے سے انکار اس کی خباثتِ قلبی تھی، نصاب کے بعد اور گواہوں کی حاجت نہ ہونا اس صورت میں کہ جب نصاب سے ثبوت ہو جائے اس کے نزدیک ابھی ثبوت نہ ہوا تو اور گواہ سننا فرض تھا مگر اس نے قصداً نہ چاہا اسے تو حرام قطعی کو حلال کرنا اور خود زنا کا دلال بننا تھا وہ اور گواہ کیسے سنتا اور یہ جواب کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی اس کی تیسری شیطنت ہے اول تو یہ نکاح خواں شرعاً قاضی نہیں ہوتے ان کو قاضی کہنا ایسا ہے کہ لونڈوں کے میاں جی بے علم کو مولو صاحب کہنا اور ہو بھی تو اس کو کون سی قضا کی تھی جو بدل نہ سکے اتنا ہی تو تھا کہ اس کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوا عدمِ ثبوت کوئی قضا نہیں۔

(۱)۔ اس ناپاک حکم کا ماننا مسلمانوں پر حرام ہے۔

(۲)۔ قاضی سزائے شدید کا مستحق ہے مگر یہاں کون سزا دے، حاکم اسلام سزا دیتا ہے بلکہ وہ اس ناپاک پر قتل تک کر سکتا ہے ایسا شخص یسعون فی الارض فسادا (زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے) میں داخل ہے۔

(۳)۔ لڑکی کا باپ دیوث ہے جس نے اپنی بیٹی زنا کے لئے دی بلکہ والدین کا یہ کہنا کہ قاضی نے بغیر طلاق حلال کر دیا کلمۂ کفر ہے انہوں نے قاضی کے کہنے سے زنا کو حلال جانا واستحلال المعصیۃ کفر (گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے) ان کا آپس میں نکاح نہ رہا دونوں نئے سرے سے مسلمان ہو کر پھر آپس میں نکاح کریں۔

(۴)۔ لڑکی اپنے خاوند کی منکوحہ ہے وہ اسے لے اور یوں نہ ملے تو لڑکی کے باپ اور قاضی پر ازدواجِ مقرر کا دعویٰ کر کے لے سکتا ہے۔ معاذ اللہ کیا کیا فساد کا زمانہ آگیا ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔[۱۴۶]

مولانا محمد جی نقشبندی

تحصیل گوجر خان کے مغرب میں ایک قدیم گاؤں دیوی آباد ہے وجہ تسمیہ دیہات میں مرقوم ہے کہ:

"چون موضع دیب بھکوال متقدمین دیہہ است وبراصل وراثتِ برہمناں میگویند۔ اما از قدرتِ سبحانی برہمناں ازان دیہہ بود نابود شدند۔ ہمدران ایام ٹھکر خان قوم بھکوال کہ از نسلِ سدو خان بودند در عملداری سلطان جلال خان این دیہہ بااوشان مرحمت شد۔ ازین موجب درآنجا رہائش داشتہ۔ در آبادی اش مساعی شدند۔ لیکن از قوم برہمنان یک نفر مسماۃ باسمِ رام دئی زندہ بود۔ مطابق.... دراضینامہ مسماۃ مذکور بھکوالاں دیہہ را دیب بھکوال نام نہادند۔ ازان باز وراثتِ بھکوالاں مقرر گشت وور دفتر دیب بھکوال مینویسند۔"[۱۴۷]

یہاں یاد رہے کہ پنجابی زبان کے معروف اسکالر پروفیسر ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ (۱۸۹۰ء-۱۹۸۴ء) جو گوجر خان تحصیل کے پہلے پی ایچ ڈی تھے ان کا تعلق بھی اسی گاؤں سے تھا۔ اسی گاؤں میں یکم نومبر ۱۹۰۱ء

کو مولانا محمد جی نقشبندی، میاں الف دین کے ہاں اعوان کھوکھر برادری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی نہایت شریف اور دین سے لگاؤ رکھنے والے تھے۔ آپ اپنے والدین کی تیسری اولاد تھے۔[۱۴۸]

تعلیم: ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور گورنمنٹ ورنیکلر مڈل سکول دیوی سے ورنیکلر کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ بعدازاں اپنے بڑے بھائی جناب غلام محمد (م ۱۹۶۸ء) جو گورنمنٹ ہائی سکول اٹک میں ہیڈ ماسٹر تھے کے پاس مزید تعلیم کے لیے اٹک تشریف لے گئے۔ انہیں کے زیرِ نگرانی ۱۹۱۹ء میں میٹرک کا امتحان نمایاں نمبروں میں پاس کیا۔

عملی زندگی کا آغاز: میٹرک کرنے کے بعد اٹک جسے ان دنوں کیمبل پور یا کامل پور کہتے تھے میں ہی بطور کلرک کیمبل پور ڈپو میں ملازمت اختیار کی۔ کام کے ساتھ خلوص اور محنت کو دیکھتے ہوئے کوارٹر ماسٹر جنرل انڈیا نے ایک اعتراف بھرا تعریفی خط لکھا۔ دو سال بعد بوجوہ آپ نے اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور آئندہ کوئی ملازمت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن عزیز و اقارب کے اصرار پہ دوبارہ ملازمت کی طرف مائل ہوئے اور محکمۂ تعلیم سے منسلک ہو گئے اور بالآخر ۱۹۵۵ء میں بطور ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول دیوی سے ریٹائر ہوئے۔ علاوہ تدریس آپ اپنے برادرِ اکبر جناب فتح محمد کیساتھ کھیتی باڑی میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔[۱۴۹]

بطور استاد آپ طلباء پہ بہت شفیق اور نہایتی محنتی تھی اور طلباء کی تعلیمی استعداد کو بڑھانے کے لیے کافی کاوش فرماتے تھے۔ بقول ماسٹر عبدالعزیز منہاس:

"آپ نہایت محنتی، فرض شناس اور مثالی استاد تھے۔"[۱۵۰]

ازدواجی زندگی: آپ شادی کی سنت سے عہدہ برا ہوئے، آپ کو خدا نے چار بیٹوں اور چار بیٹیوں سے نوازا۔ بیٹوں کے نام بالترتیب درج ذیل ہیں۔ ملک عبدالقدوس، ملک عبدالشکور، ملک عبدالغفور، ملک عبدالرؤف صاحبان۔

روحانی زندگی: آپ کا بچپن ہی سے مذہب سے بہت لگاؤ تھا اور اوائلِ عمر سے ہی پابندِ صوم وصلوٰۃ تھے۔ چونکہ آپ کے والدین کا سلسلۂ ارادت خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ للہ شریف (ضلع جہلم) کے سجادہ نشین صاحبزادہ محمد عبدالرسول للہی المعروف بہ ثالث حضرت (۱۳۰۱-۷ رمضان ۱۳۳۰ھ)[۱۵۱] سے تھا اور وہ دیوی تشریف فرما ہوتے رہتے تھے۔ کچھ گھریلو ماحول اور کچھ ثالث حضرت کی توجہات کا نتیجہ تھا کہ ایک بار جب آپ ساتویں میں پڑھتے تھے، تن تنہا للہ شریف جا پہنچے۔ اس وقت ثالث حضرت کا وصال ہو چکا تھا اور صاحبزادہ حافظ محمد مقبول الرسول للہی (۱۲ فروری ۱۹۰۶-۱۳ فروری ۱۹۴۹ء)[۱۵۲] مسند نشین تھے۔

سے بیعت ہو گئے۔ آپ کا شجرۂ طریقت درج ذیل ہے۔

حافظ محمد مقبول الرسول للہی، حافظ محمد عبدالرسول للہی، حافظ دوست محمد للہی، خواجہ غلام نبی للہی، مولانا غلام محی الدین قصوری، شاہ غلام علی دہلوی، مرزا مظہر جانِ جاناں، سید نور محمد بدایونی، خواجہ سیف الدین سرہندی، خواجہ محمد معصوم سرہندی، شیخ احمد سرہندی المقلب بہ مجدد الف ثانی، خواجہ محمد باقی باللہ، خواجہ خواجگی امکنگی، خواجہ درویش محمد، خواجہ محمد زاہد وخشی، خواجہ عبیداللہ احرار، خواجہ یعقوب چرخی، خواجہ علاء الدین محمد نقشبند، خواجہ شمس الدین امیر کلال، خواجہ محمد بابا سماسی، خواجہ علی رامیتنی، خواجہ محمود انجیر فغنوی، خواجہ عارف ریوگری، خواجہ عبدالخالق غجدوانی، خواجہ ابویعقوب یوسف ہمدانی، شیخ بوعلی فارمدی، شیخ ابوالقاسم گرگانی، شیخ ابوالحسن علی خرقانی، شیخ بایزید بسطامی، امام جعفر صادق، امام قاسم، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔

وقت کیساتھ ساتھ اپنے شیخ سے تعلقِ ارادت مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ جب آپ سلوکِ مجددیہ طے کر چکے تو شیخ نے اکتوبر ۱۹۴۰ء میں آپ کو خلافت واجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔ لیکن آپ نے تاعمر کسی کو بیعت نہ فرمایا بلکہ جو بھی یہ خواہش لے کر آتا اسے للہ بھیج

دیتے تھے۔[۱۵۳]

آپ کو اپنے شیخ سے کس قدر عقیدت و محبت تھی اور وہ آپ کو کس قدر عزیز رکھتے تھے اس کا اندازہ اس خط و کتابت سے ہوتا ہے جو میانِ طالب و مطلوب ہوئی۔ ایک خط میں آپ کو یوں مخاطب فرمایا: ''محبی برخوردار مقبولِ پروردگار موصولِ پیرانِ کبار مولوی محمد جی صاحب سلامت''، اسی خط میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آپ ملفوف خط سے جو کچھ معلوم ہوا وہ گھبراہٹ ہرگز نہیں ہے اس ہیچمدان نے تمام پیرانِ کبار کی خدمت میں گڑگڑا کر عرض کی ہے اس طرف سے تسلی ہوئی آپ پیرانِ کبار کی توجہ و وابستگی سے خارج نہیں ہیں۔ یقین رکھئے اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں بہتری کریں گے اور اعلیٰ حضرت للّٰہی سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک آپ کے ممد و معاون ہیں اس عاجز کو جو کچھ ظاہر ہوا وہ سپردِ قلم نہیں کیا جاسکتا۔''[۱۵۴]

ایک اور مقام پہ آپ سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں کہ:

''آپ کے رنجیدہ خاطر رخصت ہونے سے فقیر کو سخت تشویش اور پریشانی لاحق ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ آپ کے رخصت ہونے کے بعد مسجد میں نماز بھی صبح کی ادا نہ کی بلکہ غریب خانہ پر ہی ادا کی۔''

اسی خط میں مزید تحریر فرمایا:

''فقیر نے جو آپ کو چند روز یہاں ہی ٹھہرنے پر مجبور کیا اس کی دراصل وجہ یہ تھی کہ آپ کی جو قدرے خامی تھی وہ بھی پختہ ہو جائے اور دوسرا خود احقر کو جو آپ کو توجہ کرنے سے لطف آتا تھا وہ خدا ہی جانتا ہے، بہت لذت حاصل ہوئی تھی دل چاہا کہ یہ سرور اور لذت کی میعاد بڑھتی چلی جائے اور آپ کی جو قدرے خامی تھی وہ بھی دور ہو جائے ورنہ ٹھہرانے سے اور کوئی مقصد نہ تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور طفیل پیرانِ عظام علیہم الرحمت وہ خامی بھی نہیں رہی اور خاکسار کو بھی فائدہ ہو گیا۔''[۱۵۵]

نگاہِ شیخ میں اتنی وقعت کے باوجود تاعمر آپ کا یہ معمول رہا کہ پسرِ اکبر ملک عبدالقدوس صاحب کے بقول:

''آپ عموماً باوضو رہتے اور کندھوں پر ایک سفید چادر رکھنا آپ کا معمول تھا جس میں ہزار یا پانچ سو دانوں کی تسبیح ہوتی تھی جس پر ان کے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اور انگشتِ شہادت محوِ مشق رہتے اور دنیاوی کاموں میں بھی ان کا اس عمل سے کوئی تعطل نہ آتا۔ اس کے علاوہ گرمی ہو یا سردی سال کے بیشتر ایام میں روزہ سے رہتے۔ نیز نمازِ عصر تا نمازِ صبح بالکل کسی سے بات نہ کرتے اگر کوئی ضروری بات ہوتی تو پنسل سے لکھ کے بتا دیتے، مگر تھوڑا عرصہ معمول رہا کیونکہ رابع حضرت کے نوٹس میں آیا تو انہوں نے منع فرما دیا اور نمازِ عصر سے مغرب تک خاموش رہنے کی ہدایت فرمائی اور پھر یہ طریقہ تاعمر جاری رہا۔''[۱۵۶]

راولپنڈی میں قیام: ۱۹۵۱ء میں آپ نے راولپنڈی میں زمین خرید لی تھی اور ۱۹۵۵ء میں ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد راولپنڈی میں ڈھوک فرمان علی سکونت اختیار کرلی اور تا دمِ وفات یہیں قیام پذیر رہے۔ جب آپ رہائش پذیر ہوئے تھے اس وقت یہاں کوئی مسجد نہ تھی جوں جوں آبادی بڑھتی گئی آپ مسجد کی کمی کا احساس زیادہ سے زیادہ ہونے لگے اور یوں اہلیانِ ڈھوک سے مشاورت کے بعد آپ نے تعمیرِ مسجد کا بیڑا اٹھایا اور بالآخر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ بعد ازاں بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مسجد سے ملحق دارالعلوم رضویہ صدیقیہ کا قیام بھی عمل میں آیا۔

وفات: ۲۰ اپریل ۱۹۸۲ء بروز منگل آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے حسبِ خواہش آپ کا نمازِ جنازہ آپ کے مرشدزادے صاحبزادہ حافظ محمد مطلوب الرسول للّٰہی (پ ۳ مارچ ۱۹۲۹ء) نے پڑھایا۔ ڈھوک فرمان علی کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔[۱۵۷]

اعلیٰ حضرت اور مولانا محمد جی نقشبندی

اعلیٰ حضرت بریلوی کے تحصیل گوجر خان میں تعارف اور رابطے کا سبب قاضی تاج الدین بنے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مولانا محمد جی ہوں یا قاضی تاج محمود انہوں نے استفتاء طلب کرتے وقت موضع رامہ ہی کا پتہ

تحریر کیا۔ قاضی تاج محمود کے بارے میں تو معلوم نہیں ہوسکا البتہ مولانا محمد جی قریبی گاؤں دیوی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے استفتاء میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت ہی مؤدب اور عقیدت سے مملو اندازِ تخاطب اختیار کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کو بالترتیب:

رئیس المحققین، عمدۃ الاماثل محافظ الدین دام لطفہٗ

شمس العلماء، رئیس الفضلائے خانِ خاناں جناب احمد رضا خاں صاحب دام لطفہٗ

رئیس المحققین، قاطعِ بیدین عمدۃ الامین دام لطفہٗ

وغیرہم کے القابات سے مخاطب فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت اور مولانا محمد جی کے باہمی تعلقات کی اس سے زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ مولانا محمد جی نے کل چھ فتاویٰ منگوائے جن میں بالترتیب آٹھ مسائل دریافت کیے گئے۔

پہلا فتویٰ:

مولانا محمد جی نے پہلا فتویٰ ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ کو موضع رامہ (تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی) سے منگوایا،

مسئلہ تھا کہ:

''شمس العلماء، رئیس الفضلائے خانِ خاناں جناب احمد رضا خاں صاحب دام لطفہٗ السلام علیکم! اگر بے اضافت طلاق دی جائے تو کیا حکم ہوگا واقع ہوگی یا نہ؟ قاضی خان مجتہد المسائل سے ہے اور شامی ناقلوں سے ہے ان کے مابین اختلاف ہو تو کس پر حکم دیا جائے؟''

اعلیٰ حضرت نے جواباً فرمایا:

''طلاق بے اضافت میں جبکہ ایقاع مفاد ہو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر بحلف کہہ دے گا کہ زوجہ کو طلاق مقصود نہ تھی مان لیں گے، یہی مفاد قاضی خاں ہے اور یہی شامی نے تحقیق کیا، ان میں تخالف نہیں، خانیہ میں فالقول قولہ صراحۃ (خاوند کی بات معتبر ہوگی) اسی پر دال ہے وتمام تحقیقہ فی رسالتنا فی الباب (اس کی مکمل تحقیق اس مسئلہ سے متعلق ہمارے ایک رسالہ میں ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۵۸]

دوسرا فتویٰ:

مولانا محمد جی نے دوسرا فتویٰ بھی مذکورہ بالا تاریخ کو موضع رامہ (تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی) ہی منگوایا، سوال تھا کہ

''شمس العلماء، رئیس الفضلائے خانِ خاناں جناب احمد رضا خاں صاحب دام لطفہٗ، السلام علیکم! اگر غضب کثرت سے ہو کہ ایسا غصہ ہو کہ کامل عقل نہ ہو اس حالت میں اگر طلاق صریح وغیرہ دیوے تو واقع ہوگی یا نہ؟''

اعلیٰ حضرت نے لکھا کہ:

''غضب اگر واقعی اس درجۂ شدت پر ہو کہ حدِ جنون تک پہنچا دے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ غضب اس شدت پر تھا یا تو گواہان عادل سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعویٰ کرے اور اس کی یہ عادت معہود معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعویٰ معتبر نہیں، یوں تو ہر شخص اس کا ادعا کرے اور غصہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو حالانکہ غالباً طلاق نہیں ہوتی مگر بحالتِ غضب، ردالمحتار میں خیریہ سے ہے: الدھش من اقسام الجنون فلا یقع واذا کان یعتادہ بان عرف ھذا الدھش مرۃ یصدق بلا برھان اھ۔ وتمام تحقیقہ فی فتاوینا، (مدہوشی، جنون کی قسم ہے۔ لہٰذا طلاق نہ ہوگی۔ جب عادت بن چکی ہو اور ایک مرتبہ مدہوشی معلوم ہو چکی تو تو خاوند کی بات بلا دلیل مان لی جائے گی اھ۔ اس کی تحقیق ہمارے فتاویٰ سے معلوم کی جائے)۔'' [۱۵۹]

تیسرا فتویٰ:

مولانا نے محمد جی نے تیسرا فتویٰ ۴ شوال ۱۳۳۹ھ کو موضع رامہ (تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی) سے منگوایا اس میں انہوں نے تین مسایل دریافت فرمائے یعنی:

(۱)۔''اگر طالق اور مطلقہ دونوں کہتے ہیں کہ نہ ہم نے وطی کی ہے نہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھے ہیں، اب حضور انور بتائیں کہ ان کے کہنے پر اعتماد کر کے بغیر عدت کئے نکاح کیا جائے تو کچھ نکاح خواں پر تو گناہ نہیں ہے یا ہے؟''

(۲) "اگر محض عورت طالق کے دخول اور خلوت اور خلوتِ صحیحہ سے منکرہ ہے اور طالق کہتا ہے میں نے دخول کیا ہے یا برعکس ہو تو کس کے قول پر اعتماد کر کے بغیر عدت کئے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا جائے یا نہیں؟"

(۳)۔ "ثبوت خلوتِ صحیحہ اور دخول کا گواہان سے ہوگا یا طالق مطلقہ سے سند فقہا مع عبارتِ کتب و اسمِ کتاب ارشاد ہو قیمت رقیمہ دی جائے گی، بینوا توجروا"

اعلیٰ حضرت نے جواب میں فرمایا:

(۱)۔ "جب کہ ظاہر حال ان کے قول کا مکذب نہ ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ نکاح خواں پر کوئی الزام نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(۲)۔ "اگر عورت خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر منکر ہو تو عورت کا قول معتبر ہے۔ تنویر میں ہے: "ولوافترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لھا۔ (جب دونوں میں مفارقت ہوئی تو بیوی نے کہا کہ دخول کے بعد ہوئی ہے اور خاوند نے کہا دخول سے قبل مفارقت ہوئی ہے، تو بیوی کا قول معتبر ہوگا)۔" ردالمحتار میں ہے: "قولہ فقالت بعد الدخول المراد ھنا الاختلاف فی الخلوۃ۔ (اس کے قول کہ "بیوی نے دخول کے بعد کہا سے مراد خلوت میں اختلاف ہے۔" اور اگر عکس ہو تو قولِ شوہر بدرجہ اولیٰ معتبر ہے کہ وہ مقر ہے اور عورت انکار سے متعنت۔ درمختار میں ہے: "والاصل ان من خرج کلامہ تعنتا فالقول لصاحبہ بالاتفاق۔ (ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی اپنے مفاد کے خلاف بات کرے تو دوسرے فریق کی بات معتبر ہوگی بالاتفاق)۔" ردالمحتار میں ہے: "تعنتا بان ینکر ماینفعہ (تعنت یہ ہے کہ وہ اپنے مفاد کے خلاف بات کرے) بہر حال ان میں جو کوئی خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتا ہے ہو دوسرے کو قبل عدتِ نکاح پر اقدام نہ چاہیے، قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیف وقد قیل۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا کیا جائے جب بات کہہ دی گئی ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(۳)۔ "دربارۂ دخول تو ظاہر ہے کہ گواہوں کو کچھ دخل نہیں کہ وہ اس پر مطلع نہیں اور ظاہرا خلوت صحیحہ بھی شہادت سے جدا۔ ان کا علم اگر محیط ہو سکتا ہے تو صرف اتنی بات کو کہ ہمارے سامنے یہ دونوں تنہا مکان میں گئے اس میں کوئی اور نہ تھا اور کواڑ بند کر لئے اس پر اگر ثابت ہوئی تو صرف خلوتِ صحیحہ کے لئے تو یہ بھی لازم ہے کہ کوئی مانع نہ حسی ہو نہ شرعی نہ طبعی۔ اس پر شہادت نفی پر شہادت ہوگی اور وہ معتبر نہیں خصوصاً بعض موانع وہ ہیں جو شاہدوں کی اطلاع سے وراء ہیں، معہذا اگر شوہر خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتا ہے تو وہ مقر ہے اقرار کے ساتھ شہادت کیسی۔ اور اگر عورت بیان کرتی ہے تو وہ منکرہ ہے اور گواہ منکر سے نہیں لئے جاتے بلکہ مدعی سے، ہاں یہ صورت متصور ہے کہ عورت اپنے اوپر سے دفع حلف کے لئے اقرارِ شوہر کے گواہ دے جو شہادت دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خلوتِ صحیحہ ہونے کا اقرار کیا۔ ھذا کلہ ماقلتہ تفقھا والفقیر الاٰن متنزہ علیٰ جبل بعید عن وطنی وکتبی فان اصبت فمن ربی وعندہ العلم بالحق وھو حسبی۔ (یہ جو کچھ میں نے کہا ہے محض فہم کی بنا پر کہا ہے اس وقت میں دور ایک پہاڑ پر تفریح میں ہوں، اپنی کتب اور وطن سے دور ہوں، لہذا اگر یہ درست ہو تو میرے رب کی طرف سے ہے اور اس کے پاس ہی حق کا علم ہے، وہی مجھے کافی ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔ مسائل پر بفضلہ تعالیٰ یہاں کبھی کوئی اجرت نہیں لی جاتی اور اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے۔ مااسئلکم علیہ من اجران اجری علی رب العلمین۔ (تم سے کسی اجر کا سوال نہیں میرا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ القرآن)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" [۱۶۰]

چوتھا فتویٰ:

مولانا محمد جی نے چوتھا فتویٰ ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ کو موضع رامہ (تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی) سے منگوایا مسئلہ تھا کہ:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدعی کے تین شاہد شہادت دیتے ہیں کہ والدِ دختر نابالغہ نے سفر سے ایک خط اپنے بھائی کو لکھا کہ میری دختر نابالغہ فرحان بی بی کا نانا تایا نکاح جس جگہ تمہاری مرضی ہو کر دو، ہم لوگ اس کاغذ کے سامعین ہیں، بعدہٗ اس وکیل والد

نے ایک لڑکے نابالغ مسمّیٰ کہٹر کہ جس کا کوئی عصبہ زندہ نہیں ہے کنایہ نکاح کے طور پر کردیا اور لڑکے کے معلوم کی طرف سے اس کے ماموں نے اس کے لیے قبول کرلیا ہے اور ہم نے یہ نکاح ہی سمجھا ہے، یہ تقریر شاہدین مدعی کہ بتامہٖ ہے، اب والد دخترِ معلومہ کا سفر سے بالکل منکر ہے اور گواہ اس کے بھی منکر ہیں؛ تقریر بالا سے، یا کہتے ہیں کہ نا تا ہوا ہے نہ نکاح، حالانکہ وکیل فوت ہوگیا ہے اور کاغذ بھی گم ہوگیا ہے، قیمت کاغذ دی جائے گی؟ بینوا توجروا۔''

اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا:

''بات صاف صاف لکھئے ایجاب کس نے کیا، قبول کس نے کیا، ایجاب کے کیا لفظ تھے، قبول کے کیا لفظ تھے، لڑکی کا چچا جس کو اس کے باپ نے وکیل کیا تھا اس نے خود پڑھایا تھا یا کسی سے پڑھوایا تھا یا کسی نے بطورِ خود پڑھا دیا تھا اور وہ وکیل والد اس جلسے میں موجود تھا یا نہ تھا، اور جب والد لڑکے کا موجود تھا تو لڑکے کی طرف سے ماموں نے کیوں قبول کیا، والدِ پسر کے کہنے سے یا بطورِ خود اور والدِ پسر نے اس پر کیا کہا اور جب وہ الفاظ وکنایہ تھے تو ان لوگوں نے کس قرینہ سے نکاح ہونا سمجھا اور دختر کا والد کس بات سے منکر ہے، اس کے وکیل کرنے سے یا نکاح ہونے سے اور وہ خط ڈاک میں آیا تھا یا آدمی کے ہاتھ اور جو مدعی کے تین گواہ ہیں ان کے سامنے پڑھا گیا یا ان کے سامنے والدِ دختر نے لکھا تھا اور گواہ ثقہ پرہیزگار ہیں یا کیسے؟ ان سب باتوں کے مفصل جواب آنے پر جواب ہو سکے گا، قیمتِ کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لئے دیا جاتا ہے بیچا نہیں جاتا، آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھئے۔ فقط۔'' [۱۶۱]

پانچواں فتویٰ:

مولانا محمد جی نے پانچواں فتویٰ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کو موضع رامہ (تحصیل گوجرخان، ضلع راولپنڈی) سے منگوایا، مسئلہ تھا کہ:

''باپ نے برادر کو خط لکھا کہ میری دختر نابالغہ کا ناتہ یا نکاح جہاں تمہاری مرضی ہو کردو، مکتوب الیہ نے با اجازت باپ کے ایک جگہ اس نابالغہ کا نکاح کردیا، ایجاب کے لفظ یہ ہیں: ''دخترِ معلومہ فلاں لڑکے کو میں نے دی ہے۔'' اور نابالغ لڑکے کی جانب سے قبول اس کے ماموں نے کیا ہے اور تین گواہ کہتے ہیں کہ وہ خط ہم نے خود سنا ہے کہ باپ نے برادر کو اجازتِ نکاح دخترِ نابالغہ معلومہ دی ہے اور ہم نے مجلس میں ذکرِ نکاح کا سنا ہے اور نکاح کے وقت باپ سفر میں تھا اور خط بھی گم ہوگیا ہے اور بعد نکاح چند روز بعد مکتوب الیہ فوت ہوگیا۔ اب باپ سفر سے آیا ہے وہ کہتا ہے میں نے برادر کو کوئی اجازت نہیں دی اور اس کے گواہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بالکل نہیں ہوئی لیکن یہ گواہ باپ کے بہت فاسق ہیں اور تین گواہ جو بالا مذکور ہیں وہ فاسق نہیں ہیں۔''

اعلیٰ حضرت نے جواب لکھا کہ:

''جبکہ باپ اس خط کے لکھنے سے منکر ہے تو اسے کسی شہادت کی حاجت نہیں، شہادت اس کی ہونا چاہئے تھی کہ ہمارے سامنے اس نے یہ خط لکھا ہے، اس پر کوئی شہادت نہیں، گواہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے خط سنا یہ شہادت معتبر نہیں، لہٰذا اجازت دینا ثابت نہیں، باپ کے انکار سے وہ نکاح باطل ہوگیا جبکہ وہ حلف سے کہہ دے کہ وہ خط میں نے نہ لکھا تھا نہ میں نے بھائی کو اجازت دی تھی لان الخط یشبہ الخط ولا حجۃ الا البینۃ اوالاقرار اوالنکول۔ (کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے، گواہی، اقرار اور قسم سے انکار کے علاوہ کوئی حجت نہیں) واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [۱۶۲]

چھٹا فتویٰ:

مولانا محمد جی نے چھٹا فتویٰ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو موضع رامہ (تحصیل گوجرخان، ضلع راولپنڈی) منگوایا، مسئلہ تھا کہ:

''رئیس المحققین، قاطع بیدین عمدۃ الامین دام لطفہٗ، تسلیم کے بعد حضور اقدس کی خدمتِ اقدس میں غلامانہ عرض ہے کہ ایک مولوی صاحب نے ارشاد کیا ہے کہ جو شخص غیر مقلدین و مرزائی کے ساتھ نشست برخاست کرے گا وہ کافر، اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ حالانکہ نشست و برخاست ان کے ساتھ برائے امورِ دنیا ہے، قرابت

داری یا کسی امرِ ضروری کے سبب سے ان کے شریکِ مجلس ہونا ضروری پڑتا ہے، ان کے افعال واقوال کو اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے تب بھی ان کی مجلس میں شرکت کفر ہے؟ اب جو حکمِ شرعی ہو بیان فرمائیں، بینوا توجروا۔''

اعلیٰ حضرت جواباً فرمایا:

''وہابیہ وغیر مقلدین و دیوبندی و مرزائی وغیرہم فرقے آج کل کے سب کفار مرتدین ہیں ان کے پاس نشست و برخاست حرام ہے، ان سے میل و جول حرام ہے اگرچہ اپنا باپ یا بھائی بیٹے ہوں۔ قال اللہ تعالیٰ ''واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین۔ قال اللہ تعالیٰ لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا اٰباءھم واخوانھم او عشیرتھم۔ (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کیساتھ نہ بیٹھو۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم، لوگوں کو ایسا نہ پاؤ گے کہ جو اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان سے دوستی رکھیں کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ انکے باپ دادا یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے کے لوگ ہوں''۔) اور ان لوگوں سے کسی دنیاوی معاملت کی بھی اجازت نہیں، کمابیّناہ فی المحجۃ المؤتمنہ (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب المحجۃ المؤتمنہ میں بیان کردیا ہے) ان کے پاس بیٹھنے والا اگر ان کو مسلمان سمجھ کر ان کے پاس بیٹھتا ہے یا ان کے کفر میں شک رکھتا ہے اور وہ ان کے اقوال سے مطلع ہیں تو بلا شبہہ خود کافر ہے۔ فتاویٰ بزازیہ و مجمع الانہر و درِ مختار وغیرہا میں ہے: من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر۔ (جس نے ان کے عذاب اور کفر میں شک کیا تو بلا شبہہ وہ بھی کافر ہو گیا۔) اور اگر ان کو یقیناً کافر جانتا ہے اور پھر ان سے میل جول رکھتا ہے تو اگرچہ قدر سے کافر نہ ہوگا مگر فاسق ضرور ہے اور اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب اور معاذ اللہ بالآخر اس پر اندیشۂ کفر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ الہ تعالیٰ علیہ شرح الصدور میں فرماتے ہیں: ایک شخص رافضیوں کے پاس بیٹھا کرتا تھا اس کے مرتے وقت لوگوں نے اسے کلمۂ طیبہ کی تلقین کی، اس نے کہا نہیں کہا جاتا، پوچھا کیوں؟ کہا یہ دو شخص کھڑے ہیں یہ کہتے ہیں تو ان کے پاس بیٹھا کرتا تھا جو ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو برا کہتے تھے اب چاہتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر اٹھے نہ پڑھنے دیں گے۔ جب صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے برا کہنے والوں کے پاس بیٹھنے والوں کی یہ حالت ہے تو یہ لوگ تو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو برا کہتے ہیں ان کی تنقیص شان کرتے ہیں انھیں طرح طرح کے عیب لگاتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والے کو کلمہ نصیب ہونا اور بھی دشوار ہے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔[۱۶۳]

حاجی قاری محمد اکرم قریشی الصدیقی

تحصیل گوجر خان کے جنوب مغرب میں نہایت قدیم گاؤں ڈورہ بدھال واقع ہے۔ وجہ تسمیہ دیہات پرگنہ دان گلی و پھرالہ میں ہے کہ:

''دھورہ نامی قوم برہمن در ایام پیش بنیادِ دیہہ نہادہ آباد ساختہ بودند۔ برنامِ بانی دیہہ نام دھورہ مشہور گردید۔ پس از ان سرمست خان بن شیر بیگ خان از قوم بگیال را دیہہ مذکور از سرکارِ جلال خان در وجۂ وراثت عطاء گردید......''[۱۶۴]

خاندانی پس منظر: آپ کے آباؤ اجداد میں سے ایک بزرگ جو اپنے وقت کے نہایت معروف صوفی و عالم تھے دہلی سے بوجوہ ہجرت

فرمائی اور روہتاس کے مقام پہ آ کر رہائش پذیر ہوئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد تحصیل گوجر خان کے گاؤں موضع رتیال کلاں میں تشریف فرما ہوئے۔ کچھ ماہ وہاں قیام کے بعد موضع (دارا) کیال میں قیام فرمایا اور یہیں ایک باصفا خاتون سے شادی بھی فرمائی۔ اس طرح جوں جوں افرادِ خانہ بڑھتے گئے وہ گردونواح کے دیہاتوں میں رہائش پذیر ہوتے گئے۔[۱۶۵]

ولادت: آپ ۱۸۹۰ء کو جناب قاضی محمد رفیع (م ۲۸ فروری ۱۹۱۳ء) کے ہاں قریشی صدیقی برادری میں موضع ڈورہ بدہال میں پیدا ہوئے۔[۱۶۶]

اخذِ علوم و عملی زندگی: آپ کے والد گرامی بسلسلہ روزگار جبل پور (بھارت) میں مقیم تھے لہذا آپ نے ابتدائی دینی تعلیم جبل پور میں ہی اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی بعدازاں فتح پور، دہلی اور حیدر آباد دکن میں مختلف اساتذہ سے تکمیلِ علوم کی۔ آپ کو فنِ قرأت میں ملکہ حاصل تھا۔ کچھ عرصہ برٹش انڈین آرمی میں ملازم رہے بعدازاں ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور فنِ طباطت کو ذریعہ معاش بنایا، آپ کا مطب گوجر خان شہر میں تھا۔[۱۶۷]

سفرِ حج و قیامِ بغداد: ۱۹۳۸ء میں آپ نے حج ادا کیا اور واپسی میں کافی عرصہ بغداد میں حضرت غوث الاعظم کے مزار پہ قیام کیا۔ اس وقت کے صاحبِ سجادہ نے آپ کو خلافت بھی عطا کی۔[۱۶۸]

اگر چہ آپ کی نسبتِ بیعت بابا فقیر اللہ بکوٹی[۱۶۹] سے تھی۔[۱۷۰]

اولاد: اندازاً ۱۹۱۱ء میں آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ آپ کے بالترتیب چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں۔ قاضی محمد نذیر (۱۹۱۲۔۱۹۳۲ء)، قاضی محمد سعید (پ ۱۹۲۲ء)، قاضی محمد اسلم (پ ۱۹۳۰ء)، قاضی محمد سلیم (پ ۱۹۳۸ء)

آثارِ علمی: راقم کے کتب خانہ آپ کا ایک فتویٰ موجود ہے جو ۲۲ جون ۱۹۴۱ء کا محررہ ہے، اس کے علاوہ آپ کی کوئی تحریر اب تک نہیں ملی۔

وفات: آخری عمر میں آپ کو پیشاب کا عارضہ لاحق کو ہو گیا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں جب مرض نے شدت اختیار کی تو آپ کو سنٹرل ہاسپٹل میں داخل کردیا گیا، لیکن آپ کی طبیعت سنبھل نہ سکی اور یوں ۱۵ مارچ ۱۹۸۰ء کو آپ نے وفات پائی۔ آپ کو اپنے آبائی گاؤں ڈورہ بدھال میں دفن کیا گیا۔ آپ کی نمازِ جنازہ مولانا صدر الدین الرفائی (اپریل ۱۹۱۹۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۹۶ء) نے پڑھایا۔[۱۷۱]

اعلیٰ حضرت اور قاری محمد اکرم قریشی الصدیقی

آپ کی اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے بارے میں دو راوی ہیں ایک آپ کے صاحبزادے قاضی محمد سعید جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ جبکہ دوسرے راوی آپ کے شاگرد اور صحبت نشین نمبردار ظفر علی (پ ۲۲ فروری ۱۹۴۰ء) ہیں۔ قاضی سعید راوی ہیں:

''قاری صاحب نے جب فاضل بریلوی کی تحریریں پڑھیں تو آپ کو ان کے تبحرِ علمی نے اتنا متاثر کیا کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لیے بریلی تشریف لے گئے اور فاضل بریلی سے ملاقات کی۔''

قاضی سعید نے مزید بتایا کہ:

''قاری صاحب فرماتے تھے کہ جب وہ بریلی پہنچے، مولانا صاحب اس وقت حقہ پی رہے تھے۔۔ یہ بات انہیں ناگوار گزری کہ اتنے بڑے عالم اور حقہ نوشی؟''

اسی روایت کے سلسلہ میں جب نمبردار ظفر علی سے استفسار کیا گیا

تو ان کے بقول:

قاری صاحب فوج میں ملازم تھے دورانِ ملازمت ہی انہوں نے مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب سے ملاقات کی۔وہ بتایا کرتے تھے کہ: ''میں کچھ مسائل کے بارے ان کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا اس سلسلے میں جب میں بریلی مولانا سے ملاقات کے لئے پہنچا تو اس وقت مولانا صاحب حقہ پی رہے تھے، میں نے ان سے سوالات کئے جس کے انہوں نے نہایت تفصیل سے جواب عنایت فرمائے میں ان کی علمیت کا قائل ہو گیا وہ بے شک نہایت جید عالمِ دین تھے۔''

نمبردار صاحب کے بقول:

''قاری صاحب دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور آخری عمر میں وہ مولانا مودودی سے بھی کافی متاثر ہو گئے تھے۔''

یہاں تک تو تھا اعلیٰ حضرت سے متعلق مولانا قریشی کی ملاقات کی کیفیت کا حال، اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اعلیٰ حضرت حقہ شوق فرماتے تھے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں ایک معاصر حوالہ مولانا سید منور حسین سیف الاسلام کا ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا صاحب بریلوی کی شہرت سنتے سنتے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق ہوا تو جب میں غالباً پندرہ سولہ برس کا تھا تو ایک دن بریلی میں پہنچ گیا۔آپ کا پتہ دریافت کیا، بریلی والے اکثر ان کو اعلیٰ حضرت کہتے تھے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں شام عصر کے بعد سوداگری محلہ میں گیا اور آپ کا مکان کے صحن میں تشریف فرما تھے۔پلنگ بچھے ہوئے تھے اور ان پر بہت سے معززین بیٹھے تھے، حقہ سامنے رکھا ہوا تھا، سوئے اتفاق سے میں بھی حقہ پیا کرتا تھا۔خیر جی میں نے اتنے آدمیوں کو دیکھا تو میں جھانک کر واپس آنے لگا، حضرت مولانا صاحب کی نظر مبارک مجھ پر پڑ گئی آپ نے فرمایا: ''آیئے آیئے!'' یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اور میں نہایت ادب سے سلام مسنون کر کے پھاٹک کے اندر داخل ہو گیا۔حضرت مولانا صاحب نے مجھ کو اپنے سرہانے بیٹھنے کے لئے فرمایا۔میں نے عرض کی: ''حضرت قبلہ! بڑوں کے سرہانے تو میں کبھی نہیں بیٹھا۔'' مگر حضرت نے بہت ہی اصرار فرمایا تو میں الامر فوق الادب کے خیال سے بڑی شرم سے بیٹھ گیا۔مولانا صاحب نے حقہ میرے منہ کی طرف کر کے فرمایا: ''حقہ شوق فرمایئے۔'' یہ سن کر تو میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور آنکھیں جھکا کر عرض کی یہ گستاخی ممکن نہیں۔'' [۱۷۲]

اعلیٰ حضرت نے حقہ پینا کیوں شروع کیا اور آپ کا معمول کیا تھا اس بارے ایک اور مستند حوالہ آپ کے خلیفۂ مجاز مولانا ضیاء الدین احمد قادری (۱۲۹۴۔۱۴۰۱ھ) کا ایک ملفوظ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

''پابندیٔ معمولاتِ رضا کے بارے میں قطبِ مدینہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا:

''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کام کا ایک ٹائم ٹیبل بنا کر رکھا ہوا تھا، ایک منٹ ان کا بیکار نہیں جاتا تھا، ہر وقت پر اپنا کام کرتے تھے۔اب مثلاً کھانے کا وقت آیا ہے کھانا پیش کیا گیا ہے اور کہہ دیا، حضرت اپنے کام میں لکھنے میں مشغول ہیں ان کو بھول گیا کہ کھانا کھانا ہے کہ نہیں کھانا، وہ پڑا ٹھنڈا ہو گیا۔اور اٹھا کر لے جائیں گے پھر کھانا نہیں آئے گا، پھر جو کھانے کا وقت آئیگا اسی وقت پر کھانا آئے گا۔بڑے پابند تھے اپنے ٹائم ٹیبل کے، اتنا پابند میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔اسی طرح حقہ بھرا اس کا بھی وقت مقرر تھا، لا کر رکھ دیا اگر لکھنے سے فارغ ہیں تو دو چار گھونٹ بھرے، بھرے نہیں تو وہ بھی جل کر راکھ ہو جائے گا، اب دوبارہ نہیں آئے گا، جب اس کا وقت ہوگا آئے گا۔حضرت نے حقہ اس لئے شروع کیا کہ جو لوگ اسے حرام کہتے ہیں اور ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ایک رسالہ بھی تصنیف فرمایا اس کا نام حقۃ المرجان لمہم حکم الدخان ہے۔اس میں اسکے جواز کے تمام دلائل لکھے۔اس میں آپ نے لکھا ہے کہ نہ میں اور نہ میرے خاندان میں کوئی حقہ پیتا ہے۔پس آپ نے حقے کا استعمال جواز کی صورت کے لئے

استعمال کیا۔'' [۱۷۳]

اب رہی حقہ نوشی کی شرعی حیثیت تو اس بارے اعلیٰ حضرت کا ایک مستقل رسالہ حقۃ المرجان لمھم حکم الدخان (۱۳۰۷ھ) موجود ہے جس میں حقہ نوشی کی شرعی حیثیت کو بہت تفصیل کیساتھ واضح کیا گیا ہے۔

رسالۂ مذکورہ میں مرقوم ہے کہ:

''حق یہ ہے کہ معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامۂ عوام و خواص میں یہاں تک کہ علماء وعظماء حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً تکریماً میں رائج ہے شرعاً جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں تو اوسے ممنوع و ناجائز کہنا یا احوال قلیان سے بیخبری پر مبنی۔'' [۱۷۴]

تفصیلی بحث کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

''الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیقِ حق وحقِ تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز ومباح وصرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی جونہیں پیتے اچھا کرتے ہیں اور جو پیتے ہیں برانہیں کرتے............البتہ وہ حقہ جو بعض جہال بعض بلادِ ہند ماہ مبارک رمضان شریف میں وقتِ افطار پیتے دم لگاتے حواس و دماغ میں فتور لاتے، دیدۂ و دل کی عجب حالت بناتے ہیں بیشک ممنوع و ناجائز و گناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ ماہ مبارک میں اللہ عزوجل ہدایت بخشے رسول اللہ ﷺ نے ہر مفتر چیز سے نہی فرمائی اور اس سے حالت کی تفتیر ہونے میں کلام نہیں۔'' [۱۷۵]

یہاں تک تو تذکرہ تھا ان حضرات کا کہ جن کا اعلیٰ حضرت کی حینِ حیات ان سے کسی نہ کسی صورت ارتباط رہا۔ ذیل میں ایک مختصر جائزہ عہدِ موجود کے حوالے سے پیشِ خدمت ہے۔ اعلیٰ حضرت یا ان کی فکر کے فروغ کے سلسلے میں تحریر کے بجائے عملاً یعنی تقاریر وتدریس کے ذریعے افکار کے ابلاغ کا رجحان تحصیل بھر میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں تحصیل بھر میں جہاں اہلِ سنت و جماعت کے کئی مدارس قایم ہیں، وہیں علماء ذاتی طور پر بھی کام کررہے ہیں۔ علماء کرام میں قاری ظہور احمد چشتی، پیر سید سلطان علی شاہ، مولانا سید شبیر حسین بخاری، مولانا عبدالہادی، مولانا مفتی محمد مختار علی رضوی، مولانا علی اکبر، مولانا طارق محمود نقشبندی، مولانا محمد جہانگیر نقشبندی، مولانا حافظ محمد زمان وغیرہم کا اہم کردار رہا ہے۔ جہاں تک تحریر وتحقیق کا تعلق ہے اس سلسلہ میں اب تک صرف دو نام ہی سامنے آئے ہیں اتفاق سے ان کا تعلق بھی تحصیل کی غربی سمت سے ہے یعنی مولانا طارق محمود نقشبندی اور مولانا مفتی محمد مختار علی رضوی۔

مولانا طارق محمود نقشبندی

ستمبر ۱۹۶۹ء کو موضع ڈھونگ میں بوستان خان (م ۶ رمضان ۱۴۲۵ھ) کے گھر گوجر برادری میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بالترتیب جامعہ مہریہ ڈھوک رتہ راولپنڈی، جامعہ رضویہ انوار العلوم واہ کینٹ، جامعہ اسرار العلوم راولپنڈی، جامعہ اسلامیہ غوثیہ چکوال سے تکمیلِ علومِ دینی کی۔ آپ کی نسبتِ بیعت حضرت شاہ المعروف بہ زندہ پیر گھمکولوی (۱۹۱۲۔۲۱ مارچ ۱۹۹۹ء) [۱۷۶] سے ہے، آپ جمعیت العلماء پاکستان کے نہایت سرگرم رکن ہیں اور پچھلے الیکشن میں مجلسِ عمل کی طرف سے حلقہ این۔اے ۵۱ سے امیدوار برائے قومی اسمبلی تھے۔ انہوں نے ''ایک ہمہ جہت شخصیت اعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے بارہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ لکھا تھا جو کارکنانِ جمعیت علماء پاکستان راولپنڈی/اسلام آباد کے تعاون سے ۱۹۹۴ء میں شایع ہوا۔

مولانا مفتی محمد مختار علی رضوی

آپ ۲ جولائی ۱۹۷۴ء کو موضع چچی بہادر میں صوفی علی احمد (۱۹۰۶۔۶ مارچ ۲۰۰۶ء) کے ہاں مغل دھمیال برادری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے بیعت تھے۔ ۱۹۸۹ء میں گورنمنٹ ہائی سکول سسرال سے میٹرک پاس کرنے کے بعد علوم دینی کی تحصیل بالترتیب دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف (ضلع سرگودھا)، جامعہ غوثیہ چکوال اور جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور سے

کی۔ آپ کی نسبتِ بیعت سید محمد زبیر شاہ چکوالی (۱۹۳۷ء۔ ۶ مئی ۱۹۹۸ء) [۱۷۷] سے ہے اور خلافت و اجازتِ بیعت مولانا فیض احمد اویسی (پ ۱۹۳۲ء) [۱۷۸] سے۔ فروغِ فکرِ اعلیٰ حضرت کے سلسلہ میں اس وقت تحصیل بھر میں آپ کا نام نہایت نمایاں ہے۔ آپ ایک نکتہ دان مقرر اور نہایت مشاق استاد ہیں، مسلکِ حقہ کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں اکثر آپ کے مقالات نوائے وقت اور دیگر اخبارات کے صفحات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت اور فکرِ اعلیٰ حضرت پہ اب تک آپ کے کئی مقالات شائع ہو چکے ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔

* **اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلی کے تصنیفی پہلو کی ایک جھلک:**

نوائے وقت، راولپنڈی

* **اعلیٰ حضرت امام بریلوی، فکری کارنامے:**

نوائے وقت، راولپنڈی

* **اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلی، سچے عاشقِ رسول ﷺ:**

نوائے وقت، راولپنڈی

* **وسیلہ کی شرعی حیثیت (۱۳ اقساط):**

نوائے وقت، راولپنڈی

* **پیر نصیر الدین نصیر صاحب کی کتاب اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت، آئینۂ حقیقت میں (۱۲ اقساط):**

نوائے وقت، راولپنڈی

حوالہ جات وتوضیحات

[۱]۔ ظفر علی خان، چمنستان: لاہور، مکتبۂ کارواں، ۱۹۶۲ء، ص ۸۸۔ ۸۹۔ (مولانا ظفر علی خان نے یہ نظم ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء کو گوجر خان میں ایک اجتماع میں پیش کی تھی۔)

[۲]۔ برج ناتھ، رائے زادہ، وجہ تسمیہ دیہات پرگنہ دان گلی و پھرالہ (خطی): بحوالہ (تحصیل سوہاوہ)، راجہ ظفر الحق، مکتوبہ ۱۸۹۳ء؟، ص ۳۔ ۷۔

[۳]۔ صدیقی، پروفیسر منظور الحق، تاریخ حسن ابدال: لاہور، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان دانشگاہ پنجاب، جنوری ۱۹۷۷ء، اول، ص ۱۶۰

[۴]۔ راجہ، اکرام الحق، تاریخ گوجر خان: لاہور، مکتبہ داستان، مئی ۱۹۹۴ء، اول، ص ۳۸

[۵]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: مجددی، محمد یوسف، جواہر نقشبندیہ: فیصل آباد، مکتبہ انوار مجددیہ، مارچ ۲۰۰۳ء، سوم، ص ۳۴۱۔ ۳۸۶

[۶]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: مجددی، محمد یوسف، ص ۳۸۷۔ ۳۸۹، مجددی، مولانا ظفر الدین نقشبندی، تحفۂ عثمانیہ: اضافہ، ابو العطاء غلام دستگیر نقشبندی مجددی شیر پوری، روپڑ شریف، ۲۰۰۴ء، اول، ص ۲۰۲۔ ۲۱۶)

[۷]۔ ظفر اقبال، قاضی، تذکرہ علماء لودے: (غیر مطبوعہ)، جبکہ تحفہ عثمانیہ میں ہے کہ آپ نے موضع ڈوہنگی کے قاضی صاحب سے تحصیل علوم کی۔ (مجددی، مولانا ظفر الدین نقشبندی، ص ۲۰۲)

[۸]۔ راقم مقالۂ ہذا، ارواحِ ثلاثہ: مشمولہ، قندیل نو: نرالی، گوشہ ادب، ۲۰۰۷ء۔

[۹]۔ ان کے تفصیلی احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فیض، مولانا فیض احمد، مہر منیر: گولڑہ شریف، ۱۹۷۳ء، اول

[۱۰]۔ راقم مقالۂ ہذا، ارواحِ ثلاثہ۔

[۱۱]۔ گردیزی، شاہ حسین، تجلیاتِ مہر انور: گولڑہ شریف، مکتبہ مہریہ، ۱۴۲۱ھ/۱۹۹۲ء، اول، ص ۲۳۷۔ ۲۳۸

[۱۲/۱۳]۔ واعظ، مولانا احمد الدین، مجمع الاوصاف فی تردید اهل البدع و الاعتساف: جہلم، مطبع سراج المطابع، [س۔ن]، ص ۴۔

[۱۴]۔ نوشاہی، سید عارف، کتابخانہ گنج بخش (راولپنڈی/اب اسلام آباد) وچ پنجابی مخطوطے: مشمولہ، کھوج (ششماہی): لاہور، شمارہ مسلسل ۸۔ ۹ ص ۳۳۔ ۶۱۔

[۱۵]۔ فضل احمد، قاضی، بیاض: مملوکہ راقم۔

[۱۶]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: محمد الدین، ملک، ذکرِ حبیب: منڈی بہاء الدین، مصنف، ۱۳۴۲ھ، اول۔

[۱۷]۔ باغ حسین، قاضی، گفتگو از راقم: گوڑھا (تحصیل گوجر خان)، ۲۴ اگست ۲۰۰۶ء

[۱۸]۔ قریشی، قاضی محمود احمد، گلشنِ محسن: راولپنڈی، مصنف، ۲۰۰۶ء، اول، ص ۳۱

[۱۹]۔ فیض، ص ۲۱۸۔

[۲۰]۔ عبد الحفیظ، قاضی، ٹیلیفونک گفتگو از راقم: بوکڑہ، ۲۷ جنوری، ۲۰۰۷ء۔

[۲۱]۔ فیضی، قاضی محمد ارشاد الٰہی، فیض الرب لبیان احوال الاب: لودے، مصنف، (س۔ن)، ص ۲۴۔

[۲۲]۔ ان کے احوال کے ملاحظہ فرمائیے: چکاروی، غلام حسین نقشبندی مجددی نوری، باغ تیراہی غنچۂ چوراہی المشتہر بہ مست حال بانکی چال یعنی شجرہ طیبہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ چکاریہ: راولپنڈی، راولپنڈی پریس، (س۔ن)، ص ۱۸۔۲۳، مجددی، محمد یوسف، ص ۴۰۴۔۴۱۵۔

[۲۳]۔ ظفر اقبال۔

[۲۴]۔ فیضی، ص ۲۳۔

[۲۵]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: قادری، محمود احمد، تذکرہ علماء اہلِ سنت: فیصل آباد، سنی دار الاشاعت، ۱۹۹۲ء۔ دوم (پاکستان)، ص ۲۵۔۲۷۔

[۲۶]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: معشوق یار جنگ بہادر، نواب، مقاماتِ محمود: جہلم، اشتیاق احمد پال، ۲۰۰۴ء/۱۴۲۵ھ۔

[۲۷]۔ راقم مقالۂ ہٰذا، مولانا خلیل الرحمٰن علوی، احوال و آثار: (غیر مطبوعہ)۔

[۲۸]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: نظامی، پروفیسر خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت: دہلی، ندوۃ المصنفین، مئی ۱۹۵۳ء، اول، ص ۲۰۷۔۲۰۸۔

[۲۹]۔ راقم مقالۂ ہٰذا، میاں مراد علی چشتی: مقالہ برائے، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال (جلد ہفتم): غیر مطبوعہ۔

[۳۰]۔ خاکی، میاں احمد شیخ، بیاض: موہری راجگاں (موہری دوالچیال)، مملوکہ، حافظ منظور احمد۔

[۳۱]۔ میاں محمد بخش پنڈوروی، معروف قادری صوفی شاعر اور سفر العشق یعنی قصہ سیف الملوک و بدیع الجمال کے خالق میاں محمد بخش قادری (م ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ) کے شیخ استفاضہ شیخ احمد تارہ بلی (م ۱۳ رجب ۱۲۷۸ھ) کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار تحصیل گوجر خان کے شرقی علاقہ میں موضع پنڈوری میں زیارتگاہ خلایق ہے۔ میاں محمد بخش قادری نے رد نجدیت میں اپنی معروف تالیف ہدایت المومنین (۱۲۹۴ھ) آپ ہی کی فرمایش پہ تصنیف فرمائی تھی۔ (قادری، میاں محمد بخش، ہدایت المومنین (خطی): مملوکہ راقم، کاتب، قاضی فیض عالم، مکتوبہ، ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ، ص ۸۷)

[۳۲]۔ خاکی، مورد الرحمۃ (خطی): موہری راجگان (موہری دوالچیال)، حافظ منظور احمد، بخطِ مصنف، ص ۱۵۔

[۳۳]۔ قریشی، مولانا حکیم غلام محی الدین، بیاض: کالا دیو (جہلم)، کتابخانہ خانقاہِ نقشبندیہ سلطانیہ، ص ۱۷۔

[۳۴/۳۵]۔ راجولی خان، صوبیدار، بیاض: ٹھاکرہ موہڑہ، مملوکہ، ماسٹر مسعود احمد۔

[۳۶]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

اختر راہی، تذکرہ علمائے پنجاب: لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۸ء، دوم، ص ۱۷۔۲۳۔

دوالمیالوی، مولوی سید کرم حسین شاہ چشتی المتخلص بہ انور، ذکرِ ولی: لاہور، رفیق عام پریس، (س۔ن)، اول فیض، ص ۴۰۴۔ نصیر الدین، صاحبزادہ، گلدستۂ نصیریہ مع انوارِ فخریہ: سرگودھا، ثنائی پریس، ۱۹۶۲ء، اول۔

[۳۷]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

چشتی، محمد عبد الجلیل، سراج الاولیاء: پنڈی گھیب، گھیبا آرٹ پریس، (س۔ن)

صابری، صاحبزادہ مقصود احمد، تذکرہ اولیائے پوٹھوہار: راولپنڈی، رضا پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، اول، ص ۵۳۹۔۵۴۱، فیض، ص ۴۰۵۔

[۳۸]۔ راقم مقالۂ ہٰذا، بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں مولانا سید محمد شاہنواز علیہ الرحمۃ کی تبلیغی سرگرمیاں: (غیر مطبوعہ)۔

[۳۹]۔ قریشی، محمد الحق (پ ۱۹۳۶ء)، گفتگو از راقم: دوکھوہا، ۶ ستمبر ۲۰۰۶ء

[۴۰]۔ رشید، قاضی محمد، تذکرہ حضرت قاضی خان محمد چشتی علیہ الرحمۃ: زیرِ طبع۔

[۴۱]۔ عبد الحفیظ۔

[۴۲]۔ بمطابق کتبۂ قبر۔

[۴۳]۔ واصل، قاضی محمد، اسلام اور عیسائیت: فریال (تحصیل گوجر خان)، مصنف خود، (س۔ن)، ص ۹، نیز مولانا محمد واصل سے گفتگو۔

[۴۴]۔ عبد الحفیظ، گفتگو از راقم: بوکڑہ، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء۔

[۴۵]۔ ظفر اقبال۔

[۴۶]۔ فیضی، ص ۲۴۔

[۴۷]۔ باغ حسین۔

[۴۸]۔ عبد الحفیظ۔

[۴۹]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: مجددی، محمد یوسف، ص ۴۶۵۔۴۷۰۔

[۵۰]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: چکاروی،۳۲۔۴۰، مجددی، محمد یوسف، ص۴۸۰۔۴۸۲۔

[۵۱]۔ ظفر اقبال۔

[۵۲]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: مجددی، محمد یوسف ص۴۸۲۔۴۸۴۔

[۵۳]۔ ظفر اقبال۔

[۵۴]۔ امین، راجہ محمد، راحت المریدین: عارفوالہ، مرتب، مئی ۱۹۸۷ء، ص۶۴۔

[۵۵]۔ فیضی، ص۲۴۔

[۵۶]۔ اختر راہی، تذکرہ علماء پنجاب: لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۸ء، دوم، ۸۴۴/۲۔

[۵۷]۔ لودیانوی، قاضی فضل احمد، انوار آفتاب صداقت: لاہور، کریمی پریس، [۱۹۲۰ء]، ص۸۔۹۔

[۵۸]۔ عبدالحفیظ۔

[۵۹]۔ عنایت حسین، میاں، گفتگو از راقم: رنجالی، ۱۷ اگست ۲۰۰۶ء۔

[۶۰]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: الحسنی، سید عبدالحئی بن فخرالدین، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر: ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۳۱ھ/۱۹۹۳ء، ۴۰۳/۸۔۴۰۴۔

[۶۱]۔ راقم مقالۂ ہٰذا، قاضی محمد عالم صحنالوی، احوال وآثار: (غیر مطبوعہ)۔

[۶۲]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: مجددی، مولانا ظفرالدین نقشبندی، ص۲۱۷۔۲۲۸، منظور الٰہی، محمد، کمالاتِ عثمانیہ: شیر پور (ضلع جہلم)، مصنف، ۱۹۸۷ء، اول، ص۲۵۔۳۶۔

[۶۳]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: مجددی، مولانا ظفرالدین نقشبندی، ص۲۲۹۔۲۳۱، منظور الٰہی، ص۳۷۔۶۱۔

[۶۴]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: الیاس، میاں محمد، مولانا حسین علی (واں بھچراں) شخصیت، کردار، تعلیمات: سرگودھا، جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ، (س۔ن)

[۶۵]۔ نقشبندی، مولوی محمد شفیع، بیاض: مملوکہ، مولانا عبدالمعبود، راولپنڈی، عبدالمعبود، مولانا، گفتگو از راقم: راولپنڈی، ۱۴ اگست، ۲۰۰۶ء۔

[۶۶]۔ گردیزی، ص۲۶۹۔

[۶۷]۔ عبدل، مولوی عبدالرحمٰن (مرتبہ)، شجرۂ نسب: بیالی (مندرہ)، مملوکہ، صاحبزادہ عبدالرؤف چشتی۔

[۶۸]۔ نظامی، مولوی باغ علی چشتی، انتخاب المواعظ المسمی احسن المواعظ: لاہور، اسلامی سٹیم پریس، ۱۳۳۴ھ، ص۲۰۔

[۶۹/۷۰]۔ چشتی، صاحبزادہ عبدالرؤف، سلسلۂ چشت کا مختصر تعارف: مشمولہ، چشت نگر دے موتی: مندرہ، صاحبزادہ عبدالرؤف چشتی، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص۴۹۔

[۷۱]۔ چشتی، ٹیلی فونک گفتگو از راقم: ۱۳ دسمبر ۲۰۰۶ء، چشت نگر دے موتی مولوی عبدل کے کلام کا اولیں مجموعہ ہے جسے چشتی صاحب نے ترتیب دیا ہے، نیز مولوی عبدل کے مختصر احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: گردیزی: ص۴۵۵۔۴۵۶۔

[۷۲]۔ گردیزی، ص۲۶۴، انصاری، افضال حسن، نگر نگر گوجرخان: حافظ آباد، محمد حسن پبلشرز، (س۔ن)، ص۲۶۹۔

[۷۳/۷۴/۷۵]۔ گردیزی، ص۲۶۴۔

[۷۶]۔ آلِ عمران، حاجی مولانا امانت علی کی یاد میں: مشمولہ، مراسم: گوجرخان، فروری ۲۰۰۵ء، ش:۱، ص۵۴۔

[۷۷]۔ عصام الحق، قاضی محمد، حدیقۃ الاصفیاء فی ادعیۃ وسلاسل الاولیاء: لودے، قاضی محمد ارشاد الٰہی، [س۔ن]، ص۱۶۔

[۷۸/۷۹]۔ سوہاوی، بشیر احمد، شیخ الحدیث قاضی محمد ارشاد الٰہی عالم بے مثال اور خطیب شعلہ نوا: مشمولہ، نوائے وقت: راولپنڈی، ۱۲ مارچ ۱۹۸۵ء، ص۶۔

[۸۰]۔ صدیق، ماسٹر محمد، گفتگو از راقم: کلریالہ، ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۶ء۔

[۸۱/۸۲]۔ امیر بیگم (بعمر زائد از صد سال) انٹرویو: پادشاہان، ۱۵ مئی ۲۰۰۶ء۔

[۸۳/۸۴/۸۵]۔ سلطان محمود، ماسٹر، گفتگو از راقم: پادشاہان، ۱۵ مئی ۲۰۰۶ء۔

[۸۶]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: نظامی، راجہ نور محمد، تذکرہ علمائے بھوئی گاڑ: (غیر مطبوعہ)۔

[۸۷]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: چشتی، حاجی محمد مرید احمد، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال (جلد ہفتم): غیر مطبوعہ۔

[۸۸]۔ بخاری، حافظ محمد اکبر شاہ، اکابر علماءِ دیوبند: لاہور، ادارۂ اسلامیات، رمضان ۱۴۱۹ھ/جنوری ۱۹۹۹ء، ص۴۰۔

[۸۹]۔ فیض، ص۶۶۔۸۴۔

[۹۰]۔ سلطان محمود۔

[۹۱]۔ برجناتھ، ص ۳۴۲۔۳۴۳۔

[۹۲]۔ عالم، مولوی محمد، شیعوں کو ایک تازہ شرمناک ہزیمت [اشتہار]: پڑیال، ۱۹۲۴ء۔

[۹۳]۔ نقشبندی، مولوی محمد شفیع، بیاض۔

[۹۴]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: اختر راہی، ۲/۸،۷۷۔۸۰۔

قادری، مولانا محمد عبدالحکیم شرف، تذکرہ اکابر علمائے اہلِ سنت: لاہور، فرید بک سٹال، دوم، اگست ۲۰۰۰ء، دوم، ص ۴۰۹۔۴۱۴۔

مظہر حسین، قاضی، جنابِ مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی، مشمولہ، آفتاب ہدایت: چکوال، قاضی مظہر حسین، دسمبر ۱۹۵۰ء، سوم، ص ۱۲۔۱۶، ۳۶۱۔

[۹۵]۔ دبیر، مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین، آفتابِ ہدایت: لاہور، کریمی سٹیم پریس، ۱۳۴۴ھ، اول، ص ۳۷۸۔

[۹۶]۔ عالم۔

[۹۷]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: نقوی، سید حسین عارف، تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان: راولپنڈی، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، اول، ص ۲۸۔۳۰۔

[۹۸]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: نقوی، ص ۲۳۲۔۲۳۴۔

[۹۹]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: نقوی، ص ۲۳۔۲۴۔

[۱۰۰]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: اختر راہی، ۲/۸،۷۷۔۸۰۔

قادری، مولانا محمد عبدالحکیم شرف، ص ۵۴۹۔۵۵۰۔

نوشاہی، سید شریف احمد شرافت، شریف التواریخ جلد سوم الموسوم بہ تذکرۃ النوشاہیہ حصہ دوازدھم ملقب بہ طوالع الاظفار: ساہن پال، (گجرات/اب منڈی بہاء الدین)، محرم ۱۴۰۵ھ/اکتوبر ۱۹۸۴ء، ص ۳۰۹۔۳۱۱۔

[۱۰۱]۔ عالم۔

[۱۰۲]۔ انجمن نظام الاسلام کا پہلا جلسہ بالمقابل فرقہ شیعہ اہلِ خدشہ (اشتہار): تھانہ جاتلی ضلع راولپنڈی، انجمن نظام الاسلام پھوار، لاہور، گردھر سٹیم پریس لاہور۔

[۱۰۳]۔ کرم حسین، مولوی، سید، فتاوی علماء اہلسنت دربارہ حقیقت شیعہ امامیہ اثنا عشریہ: ٹھاکرہ موہڑہ، [۱۹۱۱ء]، ص ۲۔۳۔

[۱۰۴]۔ ایضاً، ص ۱۱۔

[۱۰۵]۔ واعظ، ص ۴۔

[۱۰۶]۔ واصل، قاضی محمد، گفتگو از راقم: فریال، ۷ رمضان ۱۴۲۷ھ۔

[۱۰۷]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: چشتی، ص ۴۵۰۔۴۶۱۔

[۱۰۸]۔ کرم حسین، ص ۱۲۔

[۱۰۹]۔ قادری، مولانا حاجی شاہ نور محمد، مکتوب بنام اعلیٰ حضرت ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ، مشمولہ، دبدبہ سکندری (ہفت روزہ): رامپور، ۹ فروری ۱۹۱۴ء، ش ۱۱، ج ۵۰، بحوالہ، رضوی، محمد شہاب الدین، حامیانِ تحریکِ احیاءِ سنت: مشمولہ، یادگار رضا: بمبئی، ۱۴۱۸/۱۹۹۷ء، ص ۴۸۔

[۱۱۰]۔ تاج الدین، محمد، مکتوب بنام اعلیٰ حضرت مشمولہ، دبدبہ سکندری (ہفت روزہ): رامپور، ۹ فروری ۱۹۱۴ء، ش ۱۴، ج ۵۰، ص ۴۹، بحوالہ، رضوی، محمد شہاب الدین، حامیانِ تحریکِ احیاءِ سنت: مشمولہ، یادگار رضا: بمبئی، ۱۴۱۸/۱۹۹۷ء، ص ۴۹۔

[۱۱۱]۔ بریلوی، امام احمد رضا خان، العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ: لاہور، رضا فاؤنڈیشن، جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ/ستمبر ۱۹۹۸ء، اول، ۱۴/۶۵۴۔۶۵۵۔

[۱۱۲]۔ بریلوی، رجب ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵ء، ۲۹/۳۳۴۔۳۳۵۔

[۱۱۳]۔ راجولی خان۔

[۱۱۴]۔ امیر بیگم، سلطان محمود۔

[۱۱۵]۔ بریلوی، جنوری ۱۹۹۳ء، اول، ۴/۳۴۲۔۳۴۳۔

[۱۱۶]۔ ایضاً، صفر ۱۴۲۲ھ/مئی ۲۰۰۱ء، اول، ۲۰/۲۹۰۔

[۱۱۷]۔ ایضاً، رجب ۱۴۱۸ھ/نومبر ۱۹۹۷ء، اول، ۱۲/۱۸۰۔

[۱۱۸]۔ ایضاً، ۱۲/۳۷۴۔

[۱۱۹]۔ ایضاً، ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ/جولائی ۲۰۰۰ء، اول، ۱۸/۶۲۲، اگرچہ اشاعت ہذا میں ۱۵/محرم کے بجائے ۵/محرم مرقوم ہے مگر یہ سہو کاتب ہے کیونکہ فتاوی رضویہ کی ایک اور اشاعت میں فتوی منگوانے کی تاریخ پندرہ محرم درج ہے۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ دیگر جلدوں میں دو مزید فتاوی پندرہ محرم ۱۳۳۹ھ کو دریافت کیے گئے۔ (قادری، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں، فتاوی رضویہ: کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، جولائی، ۱۹۸۸ء، اول، ۷/۵۴۴)۔

[۱۲۰]۔ ایضاً، محرم ۱۴۱۸ھ/مئی ۱۹۹۷ء، ۱۱/۲۵۹۔

[۱۲۱]۔ ایضاً، صفر ۱۴۲۲ھ/مئی ۲۰۰۱ء، ۱۹/۱۲۸۔

[۱۲۲/۱۲۳/۱۲۴]۔ صفدر، میاں محمد (پ ۱۹۳۵ء)، گفتگو از راقم: ڈھوک میاں عبدالوہاب، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء۔

[۱۲۵]۔ منہاس، ماسٹر عبدالعزیز، گفتگو از راقم: دیوی، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء۔

[۱۲۶]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
بریلوی، علامہ شمس، مرقع شاہ قاتل: کراچی فضل محمد شاہ قادری قاتلی روموی، (س۔ن)
روحی، شاہ محمد عمر، روئے کتابی: حیدرآباد، محمد نظر رضا شاہ، (س۔ن) قاتلی، ڈاکٹر (ہومیو) محمد امین قادری، سلطان سندھ: لاہور، محمد اسحاق رومومی، محمد اشفاق رومومی، (س۔ن)

[۱۲۷]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: بریلوی، ۱۹۳، روحی، ص ۷، ۴۸، ۵۱، ۹۲، ۱۵۲۔

[۱۲۸]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: روحی، ص ۵۱، ۷۳، ۱۵۲۔

[۱۲۹]۔ صفدر۔

[۱۳۰]۔ سردار بیگم (پ ۱۹۳۰ء)، گفتگو از نثار الدین: راولپنڈی، ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء۔

[۱۳۱]۔ صفدر۔

[۱۳۲]۔ نثار الدین (پ ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۴ء) گفتگو از راقم: راولپنڈی، ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء۔

[۱۳۳]۔ منہاس۔

[۱۳۴]۔ بریلوی، علامہ شمس، ۱۹۷۔

[۱۳۵]۔ صفدر۔

[۱۳۶]۔ محررہ، ۵ جولائی ۱۹۴۴ء، مملوکہ راقم۔

[۱۳۷]۔ محبوب احمد، راجہ، گفتگو از راقم: ڈھوک میاں عبدالوہاب، ۷ نومبر ۲۰۰۵ء۔

[۱۳۸]۔ یہ مکتوب اب راقم کے کتابخانہ میں ہے۔

[۱۳۹]۔ صفدر، منہاس۔

[۱۴۰]۔ صفدر و دیگر۔

[۱۴۱]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: نقوی، ۸۰، ۱۷۸، ۱۸۲۔

[۱۴۲]۔ حائری، علامہ السید علی، موعظۂ حسنہ الملقب بہ اظہار حقیقت بجواب رسالہ اظہار حقیقت: مرتبہ، پنجاب شیعہ مشن لاہور، اسپرٹ لیتھو پرنٹنگ پریس، مئی ۱۹۲۷ء، چہارم، ص ۱۴۲۔

[۱۴۳]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فاروقی، نثار احمد (مرتب)، خواجہ حسن نظامی (شخصیت اور ادبی خدمات) = ماہنامہ کتاب نما: دہلی، مئی ۱۹۹۴ء۔

[۱۴۴]۔ یہ خطاب راقم کے کتابخانہ میں ہے۔

[۱۴۵]۔ منصور جاوید، راجہ (پ یکم ستمبر ۱۹۶۴ء)، گفتگو از راقم: دیوی، ۱۲۶ کتوبر ۲۰۰۵ء۔

[۱۴۶]۔ بریلوی، ۱۸، ۶۱۹/۶۲۲۔

[۱۴۷]۔ برج ناتھ، ص ۵۷۔۵۸۔

[۱۴۸/۱۴۹]۔ عبدالقدوس، ملک، احوال و مقاماتِ مولانا محمد جی نقشبندی: زیر طبع۔

[۱۵۰]۔ منہاس، گفتگو از راقم: دیوی، ۲۶ اگست ۲۰۰۶ء۔

[۱۵۱]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: للہی، پرفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول، تاریخ مشائخ نقشبندیہ: لاہور، زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۰ء، اول، ص ۶۱۳۔۶۳۰۔

[۱۵۲]۔ ان کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
شریف، ڈاکٹر مولوی محمد، المقبول: لاہور، حجازی پریس، ۱۹۵۱ء مقصود الرسول، صاحبزادہ محمد، یادگارِ فقیر: راولپنڈی، ملک عبدالقدوس ۱۲، فروری ۲۰۰۲ء، اول۔

[۱۵۳]۔ عبدالقدوس۔

[۱۵۴]۔ مقصود الرسول، ص ۲۸۴۔۸۵۔

[۱۵۵]۔ مقصود الرسول، ص ۲۸۸۔

[۱۵۶/۱۵۷]۔ عبدالقدوس۔

[۱۵۸]۔ بریلوی، ۱۲، ۳۵۸۔

[۱۵۹]۔ ایضاً، ۱۲، ۳۷۸۔

[۱۶۰]۔ ایضاً، ۱۲، ۱۹۳۔۱۹۵۔

[۱۶۱]۔ ایضاً، ۱۱، ۲۵۳۔

[۱۶۲]۔ ایضاً، ۱۱، ۲۵۴۔

[۱۶۳]۔ ایضاً، ربیع الاول ۱۴۲۳ھ/مئی ۲۰۰۲ء، اول، ۲۱، ۲۷۸۔۲۷۹۔

[۱۶۴]۔ برج ناتھ، ص ۷۴۔۷۵۔

[۱۶۵/۱۶۶/۱۶۷/۱۶۸]۔ سعید، قاضی محمد و قاضی محمد آصف (پ ۲۰ فروری ۱۹۶۴ء) گفتگو از راقم: راولپنڈی، اکتوبر ۲۰۰۶ء۔

[۱۶۹]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: نقشبندی، ملک محمد اشرف، جدید تذکرۃ الاولیاء: لاہور، شمع بک ایجنسی، جنوری ۲۰۰۱ء، ص ۷۶۔۸۲۔

[۱۷۰]۔ ظفر علی، نمبردار (ٹیلیفونک گفتگو: ڈورہ بدھال، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء۔

[۱۷۱]۔ سعید، آصف۔

[۱۷۲]۔ سیف الاسلام، سید منور حسین، تصویۃ الایمان: لاہور، گلزار عالم پریس، ۱۹۶۵ء، ص ۶۶، نیز ملاحظہ فرمائیے: سیف الاسلام، سید منور حسین، اعلیٰ حضرت اخلاق محمدی ﷺ کا کامل نمونہ: مشمولہ، جہانِ رضا: مرتبہ، محمد مرید احمد چشتی، لاہور، مرکزی مجلس رضا، ۱۴۰۱ھ، ص ۱۵۱۔۱۵۲۔

[۱۷۳]۔ ضیائی، عبدالمصطفیٰ محمد عارف قادری، سیدی ضیاء الدین احمد القادری: لاہور، حزب القادریہ، ۴ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ، ص ۳۷۰۔۳۷۱۔

[۱۷۴]۔ قادری، عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان محمدی سنی حنفی، مقتہ المرجان لمہم حکم الدخان: بریلی، رضوی پریس، ۱۳، ۱۱۳ کتوبر ۱۹۲۹ء، دوم، ص ۳۔

[۱۷۵]۔ ایضاً، ص ۹۔۱۰۔

[۱۷۶]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: رب نواز، صوفی، کنز العرفان: گھکول، مارچ ۲۰۰۶ء۔

[۱۷۷]۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: ہزاروی، مولانا محمد صدیق، تعارف علماءِ

اہلِ سنت: لاہور، مکتبہ قادریہ، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ/فروری ۱۹۷۹ء، اول، ص ۱۱۱۶۔ ۱۱۸

۱۷۸۱۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیے: ہزاروی، ص ۲۶۶۔ ۲۶۷۔

خصوصی تشکر:

اس مقالہ کی ترتیب میں جہاں، نثار الدین محمد صفدر، ملک عبدالقدوس صاحبان شکریہ کے مستحق ہیں وہیں میں ماسٹر عبدالعزیز منہاس، قاضی محمد یعقوب (رامہ) اور پیر سید سلطان علی شاہ، حاجی عدالت حسین، مرزا عبدالرؤف، خرم فاروق، طالب حسین صاحبان کا بھی شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔

بسلسلہ: امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ اور علماء گوجر خان

پسِ نوشت

مقالہ کی تکمیل کے بعد مولانا میر غلام مصطفیٰ کے بارے میں کچھ مزید معلومات حاصل ہوئیں، جن سے ان کی شخصیت کے چند نئے زاویے سامنے آئے ہیں۔

☆ مولانا محمد کرم الدین دبیر کی ردِ شیعیت میں معروف تالیف آفتابِ ہدایت و ردِ رفض و بدعت کے مولانا دبیر کی حیات میں دو ایڈیشن شایع ہوئے تھے، پہلا ایڈیشن ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں کریمی پریس لاہور سے، جبکہ دوسرا ایڈیشن مئی ۱۹۴۴ء میں مقبولِ عام پریس لاہور سے طبع ہوا۔ ان ہر دو اشاعتوں کے مالی معاونین میں مولانا میر غلام مصطفیٰ کا نام بھی بطورِ معاون مرقوم ہے۔

☆ مولانا میر غلام مصطفیٰ کے نام جن علماء و مشائخ کے خطوط اب تک سامنے آئے ہیں ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد غازی (گولڑہ شریف/اسلام آباد)، امیر حزب اللہ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ جلالپوری (جلالپور/ضلع جہلم)، مولانا نور محمد (چک مجاہد/ضلع جہلم) سید جماعت علی شاہ (علی پور سیداں/ضلع سیالکوٹ)، مولانا محمد گوہر علی علوی/مولانا محمد عصام الحق علوی (لودے/تحصیل گوجر خان)، مولانا محمد عالم/، مولانا فتح محمد/مولانا عباس علی (صحتال/تحصیل گوجر خان)، مولانا محمد عبدالمجید (چک چکوڑہ/ضلع چکوال)، مولانا محمد کرم الدین دبیر (بھیں/ضلع چکوال)

☆ مولانا دبیر کا مولانا میر غلام مصطفیٰ کے نام ایک مکتوب درج ذیل ہے، اس مکتوب سے مولانا کی اصلاحِ رسوم کے سلسلہ میں کوششوں اور مزاج کو سمجھنے کے میں مدد مل سکتی ہے۔

مکرم محترم مولوی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حسب الارشاد دس جلد رسالہ سیف مسلول وغیرہ بذریعہ وی۔ پی ارسالِ خدمت عالی ہے، امید ہے کہ مطالعہ سے اوسکو مفید پائیں گے۔ آپ کی اعانت کا شکریہ، خط و کتابت سے یاد فرماتے رہا کریں۔

آپ جو کام اصلاح رسوم کے متعلق کر رہے ہیں قابلِ قدر ہے مگر آپ کے کام میں کسی قدر تشدد پایا جاتا ہے جس کی مجھے چند اشخاص نے شکایت کی اور آپ کی ایک تحریر بھی جند (ضلع چکوال کا معروف گاؤں۔ حسن) والوں نے مجھے دی .... ہاں (میت کے پیچھے) پہلے دن کی روٹی جس بے تمیزی سے کی جاتی ہے اور اس کے انسداد کی اشد ضرورت ہے آئندہ احتیاط سے کام لیا جاوے تا کہ آئمۂ مساجد آپکے مخالف نہ ہو جاویں، جس سے کام میں رکاوٹ پڑ جائیگی۔

والسلام محمد کرم الدین ساکن بھیں عفی عنہٗ، ر ۲۷/۱۱/۱۹۲۹ء

☆ مولانا، جماعتِ احناف (علاقہ بھر کے علماء کرام کی جماعت) کے امیر تھے۔

☆ مولانا کی اسی بیاض میں جہاں بھی ... حضرت کا ذکر آیا ہے وہاں آپ نے نہایت عقیدت سے "حضور پرنور اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بریلوی" لکھا ہے۔

سیاسیات

۱۔ مسلمانانِ ھند کے سیاسی حقوق کے تحفظ میں امام احمد رضا محدث بریلوی کا کردار

۲۔ دو قومی نظریہ، علامہ اقبال اور امام احمد رضا

مسلمانانِ ہند کے سیاسی حقوق کے تحفظ میں
''امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار''

از: محمد فیصل مقبول عجز قادری

تمہید:

برصغیر کے تمام مسلمانوں اور سیاسی رہنماؤں نے حصول پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان کے ساتھ علماء و مشائخ نے بھی ہر محاذ پر اپنی ذمہ داریاں نبھایں۔ انہوں نے نہ صرف اس دور میں پیدا ہونے والے دینی فتنوں کا قلع قمع کیا بلکہ عملی سیاست میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان کے حوالے سے ایک عالم و فاضل شخصیت بریلی کے مردِ حق امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ سرزمین برصغیر پر ہندو مسلم اتحاد کے خلاف سب سے پہلے صدائے حق بلند کرنے والے آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔

گاندھوی استعمار کے خلاف:

متشدد ہندو رہنماؤں کا خیال تھا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے۔ مشہور ہندو مہاسبھا لیڈر پرمانند نے اجمیر شریف کے ''مہاسبھا سیشن'' میں کہا:

''ہندوستان صرف ہندوؤں کی سرزمین ہے، یہاں رہنے والے مسلمان اور عیسائی صرف مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں اس وقت تک یہاں رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے جب تک یہ مہمان بن کر رہیں گے''۔(۱)

اسی طرح ''راشٹریہ سنگھ'' کے کیمپ کا افتتاح کرتے ہوئے مسٹر کیشور نے کہا:

''ہندوستان کے اصل باشندے صرف ہندو ہیں، مسلمان ہندوستان کے شہری نہیں ہوسکتے کیوں کہ یہ عرب سے آئے ہیں اور آج بھی اسی مذہب اور عقیدے پر قائم ہیں۔ مسلمانوں کو اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندوستانی تہذیب و تمدن کو اپنانا ہوگا، ہندوستان، ہندوؤں کا ملک ہے اور ہندی، ہندوؤں کی زبان''۔(۲)

1885ء میں ہیوم نامی انگریز نے انڈین نیشنل کانگرس کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی، جس کا خاص مقصد سیاسی پلیٹ فارم پر انگریزوں سے نبرآزما ہوئے بغیر اپنے حقوق کا تحفظ کرنا تھا اور جس میں چند مسلمان اس لیے شامل ہوئے کہ یہ جماعت مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ کرے گی لیکن ان کا خیال غلط تھا۔ (کانگریس کے پہلے اجلاس میں کل 72 وفد شامل ہوئے جن میں سے صرف 2 مسلمان تھے۔) مولانا نے مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت سے منع کیا، اسے حرام قرار دے دیا اور باقاعدہ ایک فتویٰ جاری کیا۔

جناب محمد عبدالحکیم قاضی ایم۔اے لکھتے ہیں:

''میرے والد بزرگوار قاضی محمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا سے فتویٰ منگوایا اور کئی ہزار کا پیاں چھپوا کر تقسیم کیں اس فتویٰ میں درج تھا کہ مسلمان کے لیے کانگریس میں شامل ہونا ''حرام'' ہے۔ وطن کی آزادی کے لیے مسلمان ہندوؤں میں مدغم ہونے کی بجائے اپنی علیحدہ تنظیم کریں اس اشتہار کا عنوان تھا ''مسلمانو! کانگریس سے بچو'' (مولانا نے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کا ذکر کیا لہٰذا 1906ء میں ڈھاکہ میں مسلم زعما کے متفقہ فیصلہ کے تحت مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا)''۔ (۳)

دسمبر 1906ء میں نواب سلیم اللہ خاں کی تحریک پر فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے ایک سیاسی تنظیم قائم کی جائے۔ ان مقاصد کے تحت آل انڈیا مسلم لیگ کا

قیام عمل میں آیا۔ (الف) ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت برطانیہ کے لیے وفاداری کے جذبات کو فروغ دینا اور اس کے اقدامات سے اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہوجائے تو اسے رفع کرنا۔ (ب) ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا اور انہیں آگے بڑھانا اور ان کی ضروریات اور آرزوؤں کو مؤدبانہ انداز میں حکومت کے سامنے پیش کرنا۔ (ج) ہندوستانی مسلمانوں میں دوسری اقوام کے لیے جارحانہ احساسات کی روک تھام اور لیگ کے دیگر مقاصد کا بلا تعصب اظہار کرنا۔

مولانا نے نہ صرف اس نازک موقع پر دوقومی نظریہ کی وضاحت کی بلکہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ناپاک ارادوں سے بھی آگاہ کیا اور مسلمانوں کو راہ باطل سے روکا۔ تحریکِ ترک موالات ہو یا تحریکِ خلافت مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ملت کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور مسلمانوں میں جوش ایمانی کو بیدار کیا۔

1899/1317 میں تاج المشائخ مولانا شاہ افضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے عرسِ مبارک کے موقع پر علماومشائخ کا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ عرس کے موقع پر ملک کی انتشاری کیفیت، ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی، سیاست میں شرکت وعدم وسائل کا مقابلہ ایسے موضوعات پر بند کمرہ میں گفتگو شروع ہوئی دو دن تک مسلسل مباحثہ جاری رہا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ علما کا ایک گروہ میدانِ مناظرہ گرم کرے گا، علماء کا دوسرا گروہ میدانِ سیاست میں سرگرم عمل ہوگا اور علماء کا تیسرا گروہ جب ضرورت ہوگی مناظرہ میں بھی شریک ہوگا اور سیاست میں بھی حصہ لے گا۔ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف میں مرکز کی حیثیت رکھیں گے اور اپنی تحریرات کے ذریعے مختلف امور میں رہنمائی کریں گے۔ (۴)

گاؤ کشی:

مولانا نے اپنی سیاسی جدوجہد کا آغاز 1881/1298ء میں کیا، اس سال آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوؤں کے خلاف ترکِ گاؤ کشی کی تحریک کے خلاف فتویٰ جاری کیا اور اسلامی مؤقف واضح کیا۔

ہندوؤں کے لیے گائے محبوب اور مسلمانوں کے لیے اس کی قربانی محبوب تھی۔ ہندو مسلمانوں سے اپنی محبت کا یہ صلہ چاہتے تھے کہ وہ گائے کی قربانی کو ترک کردیں اور ہندوؤں سے محبت کا عملی ثبوت دیں۔

مسٹر گاندھی نے 1918ء میں یہ بیان دیا کہ:

''ایک ہندو بھی، ہندوستان میں ایسا نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤ کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو۔ ہندومت .... عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ وہ 'گاؤ کشی، بند کردیں''۔ (۵)

صدر کانگریس پنڈت مدن موہن مالویہ نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی دل آزاری سے منع کرتے ہوئے گائے کی قربانی ترک کردینے کا مشورہ دیا۔ (۶)

علاقہ بہار میں ہندوؤں نے محض قربانی گائے روکنے کے لیے ہزار ہا مسلمانوں کو قتل اور زخمی کردیا گیا۔ مسلمانوں کے ایک سو چالیس گاؤں اور دو ہزار سات سو مکانات اس بے دردی کے ساتھ لوٹے گئے کہ جن کی تفصیل ناقابل بیان ہے۔ لاتعداد مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔ مسلمانوں کی پانچ عالی شان مساجد شہید کردی گئیں۔ قرآن پاک پھاڑ کر اس طرح پرزے پرزے کرکے اڑائے گئے کہ مسلمانوں کے پاس پڑھنے کے لیے قرآن پاک کا ایک نسخہ بھی نہ رہا۔ پندرہ ہزار مسلمانوں کو خانماں برباد کردیا گیا۔ بقرعید کے موقع پر کٹاپور میں ایک دو نہیں قریباً تیس مسلمانوں کو زندہ جلادیا گیا۔ مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ مسجدوں کی بے حرمتی ہوئی۔ (7)

اس مسئلہ کی تصحیح اور اسلامی مؤقف کی وضاحت کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ بنام (انفس الفکر فی قربان البقر 1298/1881ء)

تصنیف فرمایا جس میں قرآن وحدیث کے حوالے سے احکام قربانی اور گائے کی قربانی کے بارے میں تفصیلی بحث کی۔شبہات اور اعتراضات کا محاکمانہ جواب تحریر فرمایا۔

مسلم لیگ ضلع بریلی کے جائنٹ سیکرٹری سید عبدالودود کے ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

''فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید میں متعدد جگہ موجود ہے۔اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی نصرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔(۸)

تحریک ہجرت:

ترکی میں اتحادیوں (فرانس اور اس کے ساتھی حملہ آور ممالک) کے ظلم وستم پر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ سراپا احتجاج بن گئے۔فتح کے نشے میں چور برطانوی حکومت نے مسلمانوں کی ہر قسم کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے رولٹ بل جیسا جابرانہ قانون نافذ کیا۔اس بل کی اشاعت کے خلاف مسلمان صف آرا ہو گئے۔

مسلمانوں کی ہجرت کے پس پشت گاندھی کا ذہن کارفرما تھا۔مسلمانوں کے جذبات بھڑک اُٹھے لہٰذا گاندھی کو یہ اچھا موقع ہاتھ لگا اور اس نے ہندو مسلم اتحاد کو بہانا بنا کر مسلمانوں کے خلاف منظم پروگرام بنایا۔گاندھی ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ایک طرف سادہ لوح مسلمانوں کو خلافت کے تحفظ میں اندھا کر کے اور دوسری انگریزوں سے ہندوؤں کے مفادات کے حصول کے لیے راہ ہموار کر کے۔ظفر حسن ایبک اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

''علمائے دیوبند نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر فتویٰ دیا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دارالاسلام میں چلے جائیں۔اس پر پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں میں ہجرت کی تیاریاں ہونے لگیں۔لیکن ہجرت کر کے کہاں جائیں اور کس ملک میں پناہ لیں؟ اس بارے میں سب کو تردد تھا۔اس نازک موقع پر میر افغانستان امیر امان اللہ خان نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ ''افغانستان بہ ہمہ وسعت خود آمادہ است کہ مہاجرین ہندی راپناہ بدہد (افغانستان سارے کا سارا ملک ہندوستانی مہاجرین کو پناہ دینے کو تیار ہے)''۔درحقیقت اس بیان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کی زبانی ہمدردی کریں اور انگریزوں کو ڈرا کر افغانستان کے لیے رعایت لی جائے ورنہ نہ توان بے چارے مہاجروں کے کسی جگہ بسانے اور نہ ہی ان کو باقاعدہ مدد دینے کے لیے کوئی انتظام کیا گیا تھا اور نہ اس بارے میں کوئی پلان موجود تھا''۔(۹)

ہجرت کے فتوی پر سادہ لوح مسلمانوں نے اپنے گھربار اور کھیت آدھے مول پر بیچ دیئے۔نتیجے اور عاقبت سے بے خبر افغانستان کی طرف روانہ ہوئے لیکن افغانستان کا پہاڑی راستہ، ان کی خود بے سروسامانی اور پڑاؤ پر کھانے پینے کی چیزوں کا نہ ملنا، ایسی مشکلات تھیں جن پر قابو پانا ناممکن تھا لہٰذا چند ایک افراد ہی افغانستان پہنچ پائے اور جو پہنچے ان کا بھی کوئی پرسان حال نہیں تھا۔

یہ سیلاب الٹا پھرا اور ہندوستان کی طرف مڑا۔نتیجتاً ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھربار سے محروم ہوئے۔اس تحریک سے اگر کسی کو فائدہ ہوا تھا تو وہ بظاہر انگریز تھے لیکن پس پردہ ہندو تھے۔ہندوؤں نے اس تحریک سے کافی بڑی دولت کمائی۔انہوں نے مسلمانوں کے گھربار اور جائیدادیں آدھے بلکہ اس سے بھی کم قیمتوں پر خرید لیں۔یہی نہیں تجارت اور ملکی معیشت پر بھی ان کی اجارہ داری قائم ہوگی۔تحریک ہجرت بُری طرح ناکام ہوئی اور اس کی وجوہات میں بدانتظامی، بے سروسامانی اور بغیر سوچے سمجھے ہجرت کرنا شامل تھا۔

مولانا عبدالباری فرنگی محل کا ایک بیان اخبار ''مشرق'' (گورکھپور) میں 6 مئی 1920ء میں چھپا، جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ

نے تحریک ہجرت کی صحیح صورت حال اور مسلمانوں کے طرزِ عمل سے بحث کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''دارالحرب سے دارالاسلام کی جانب ہجرت کرنا مستحب ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہو جاتی ہے۔ بلکہ تو طن دارالحرب میں بلا ضرورت شریعہ حرام ہے۔ ہم لوگ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں اور اعزاز دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے قیام کیے ہوئے ہیں۔ اس واسطے ہجرت فرض نہیں جانتے۔............ موجودہ حالت میں اگر ہندوستان سے قابل ذی استعداد لوگ کابل ہجرت کریں یا محنتی وجفاکش لوگ ترک وطن کر کے وہاں آئیں تو امید ہے کہ اسلام کو فائدہ زائد حاصل ہوگا اور اپنے وطن عزیز کی بھی خدمت کریں گے''۔(۱۰)

ہندوستان 'دارلحرب' ہے یا 'دارالاسلام'؟ اس بارے میں مولانا احمد رضا اپنے رسالہ بنام ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام' 1888'' میں فرماتے ہیں:

''الحاصل ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں عجب ان سے جو تحلیل ربوا کے لیے جس کی حرمت نصوص قاطعہ قرانیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد، اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں گویا یہ بلا داسی دن کے لیے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اٹھائیے اور بارآم تمام وطن مولوف میں سیر فرمائیے۔'' (۱۱)

تحریک خلافت:

تحریکِ خلافت 1919ء میں شروع ہوئی۔ برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے ہاتھوں سلطان عبدالحمید کی سلطنت ترکیہ کو جو خطرہ لاحق تھا اس کے پیش نظر تحریک سلطنت ترکیہ کی حمایت میں چلائی گئی۔ یہ تحریک تو خالصتاً مذہبی تھی مگر ہندوؤں کی اس تحریک میں شمولیت اس بات کی غمازی کرتی تھی کہ اب یہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی رنگ اختیار کرتی جارہی ہے اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ہندوؤں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہا، موقع پرست ہندو رہنماؤں نے یہی ظاہر کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں لیکن حقیقت میں ان کی انگریزوں سے ساز باز تھی اور ہندو اپنی مطلق آزادی کے لیے کوشاں تھے۔ دوسری طرف سادہ لوح مسلمانوں ان چالوں سے بے خبر ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے تحریکِ خلافت میں معروف عمل تھے۔ مسلمانوں کے خلاف یہ چال چلی گئی کہ سلطان ترکی کو خلیفہ قرار دیا اور سلطنتِ ترکیہ کو خلافت ترکیہ۔

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر رضامند
تاویل مسائل کو بتاتے ہیں بہانہ

''مسٹر گاندھی کی تحریک پر رولٹ ایکٹ کے خلاف ملک گیر 'ستیا گرہ' شروع ہوئی۔ اپریل 1919ء میں پنجاب میں حالات اتنے خراب ہوگئے کہ مارشل لاء کی نوبت آگئی اس تحریک سے ہندوؤں کو زخم لگا جس کا انگریزوں سے بدلہ لیا جاتا تھا، چنانچہ مسٹر گاندھی نے ایک طرف ہندوؤں کو آزادی ہند کا خواب دکھایا اور دوسری طرف مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور اس اتحاد سے بے اندازہ سیاسی فوائد حاصل کیے(۱۲)

''معلوم تھا کہ کرتو کچھ نہیں سکتے، نہ خود نہ وہ، خالی چیخ وپکار کا نام حمایت رکھنا، اہل عقل ودین اول تو غوغائے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قانع رہیں گے اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہل سنت ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے، لہٰذا ایسے الفاظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہل سنت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں تو ہوں اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھیے کہ انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عوام بھڑکیں۔(۱۳)

مولانا نے تحریک خلافت میں گاندھوی سازش کو بے نقاب کیا۔

''ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے اصل مقصود غلامی ہنود سوراج

کی چکی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے۔ بھاری بھرکم خلافت کا نام لو، عوام بھپریں، چندہ خوب ملے اور گنگا جمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرنے کا کام چلے۔(۱۴)

"شریعتِ اسلامیہ میں خلیفۂ اسلام اور بادشاہ اسلام، سلطنت اور خلافت کے لیے احکام جداجدا ہیں۔ خلیفہ اور خلافت کی حفاظت فرض ہے اور سلطان و سلطنت کی حفاظت و اعانت حسب استطاعت واجب......... یہی وہ فرق تھا جس نے امام صاحب کو اس تحریک سے الگ رکھا۔ امام صاحب بھی عبدالحمید کو سلطان ترکی سمجھتے تھے لیکن وہ اسے خلیفہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ البتہ اس کی اعانت کو حسبِ استطاعت واجب جانتے تھے۔"(۱۵) اور بعد کے واقعات سے یہ بات واضح ہوئی کہ اہل ترکی سلطان عبدالحمید کو سلطان ہی تسلیم کرتے تھے اور ان کی حکومت کے مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا۔

تحریکِ خلافت سے امام صاحب کو اصولی اختلاف تھا۔ ورنہ وہ سلطان ترکی اور ان کی سلطنت کی اعانت کو حسبِ استطاعت ضروری جانتے تھے۔

تحریک ترک موالات:

تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد گاندھی نے 1920ء میں تحریک موالات کا اعلان کر دیا۔ 6 جون 1920ء کو الٰہ آباد میں ایک اجلاس ہوا جس میں بہت سے ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی، اس میں تحریک ترکِ موالات کی قرارداد اصولاً پاس کر دی گئی۔ اس مقصد کے لیے کمیٹی تشکیل دی گئی جو مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل تھی۔

1۔ مسٹر گاندھی 2۔ مولانا محمد علی جوہر 3۔ مولانا شوکت علی
4۔ مسٹر کھتری 5۔ مولانا حسرت موہانی 6۔ ڈاکٹر کچلو

13 جون 1920ء کو گاندھی نے اپنی خدمات سرکار کا حوالہ دیتے ہوئے وائسرائے سے کہا کہ وہ مسئلہ خلافت کو مسلمانوں کی مرضی کے مطابق طے کرا دیں۔ ابھی وقت ہے ورنہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے سامنے تین راستے باقی ہیں۔ 1۔ جہاد، 2۔ ہجرت، 3۔ ترک موالات۔ میں نے مسلمانوں کو ترک موالات کا مشورہ دیا ہے۔

قائداعظم 8 ستمبر 1920ء کلکتہ میں مسلم لیگ کی کرسی صدارت سے اُس وقت دست بردار ہو گئے جب ترکِ موالات کی حمایت میں قرارداد پیش کی گئی۔ بعد ازاں قرارداد حکیم اجمل خاں کی صدارت میں منظور کی گئی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی تحریک ترکِ موالات کے خلاف تھے۔ تحریک کے دنوں میں وہ، انجمنِ حمایتِ اسلام، کے جنرل سیکریٹری تھے۔ ترک موالات کے بارے میں جنرل کونسل کی رائے یہ تھی کہ کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے علماء کی رائے معلوم کر لی جائے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کے مؤید تھے۔ غالباً انہیں کے ایما پر مولوی حاکم علی (پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور) نے امام صاحب سے اس بارے میں فتویٰ حاصل کیا تھا۔

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط بنام منشی دیا نرائن نگم میں تحریک ترک موالات پر مسلمانوں کے ردعمل کے بارے میں لکھتے ہیں:

"افسوس ہے کہ بے وجہ جُوش ہماری آزادی کو تاریک کر دیتا ہے اور اس جوش میں ایسی طفلانہ حرکات کر دیتے ہیں جس کا مفید اثر کچھ نہیں ہوتا۔ جن کا نقصان دیرپا ہوتا ہے۔ بھلا یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ امریکہ اور جرمن کی چیزیں خریدو۔ مگر انگلستان کی چیزوں کو ہندوستان کے بازاروں سے خارج کر دو۔ .... اس کا واحد حل یہ ہے کہ عمدہ اور ارزاں مصنوعات پیدا کر کے گراں اور ظاہری نمائش والی چیزوں کو ملک سے نکالو۔(۱۶)

مولانا آزاد کی یک طرفہ رائے میں مسلمان ہونے کا یہ معنی ہیں

کہ وہ وجود کہ جس وجود کو اگر رائی برابر اللہ اور اس کی شریعت اور اس کا ایمان محبوب ہے، وہ ایک منٹ کے لیے انگریزی گورنمنٹ کی غلامی کو، اس کی اطاعت کو، اس کی وفاداری کو، اس کے وجود کو اور اس کی بقا کو قبول نہیں کر سکتا۔ (۱۷)

لیکن برصغیر میں مسلمانوں کو انگریزوں سے زیادہ خطرہ ہندوؤں سے تھا کہ وہ چھپ کر وار کرتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوؤں کے بروقت محاسبے کے لیے رسالہ بنام ''المحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنہ 1339ھ'' تصنیف فرمایا۔ اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوانہ ذہنیت کا پول کھول کر رکھ دیا اور ایسے وقت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی جب مسلمان رہنما اس تحریک کی حمایت میں گاندھوی قیادت کا دم بھر رہے تھے۔

مولانا کا مؤقف یہی تھا کہ ہندوؤں سمیت کسی کافر، مشرک یہودی اور نصاریٰ سے موالات کسی صورت جائز نہیں۔ یہ ایسا دشمن ہے جو پیٹھ پر وار کرتا ہے لہٰذا اس سے بچ کر رہنے میں ہی عقل مندی ہے۔ یہ مسلمانوں کا خیرخواہ نہیں اور اگر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ ہیں تو کھلا جھوٹ بولتے ہیں۔ لہٰذا صرف انگریزوں سے ترک موالات کیا جائے اور ہندوؤں سے داد و محبت کا معاملہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: ''یہ کون سا دین ہے نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب، ''چلتے پرنالہ کے نیچے ٹھہرے مینھ سے بھاگ کر'' (المحجۃ الموتمنہ، مطبوعہ بریلی، ص ۱۴)

ہندو مسلم اتحاد کی حقیقت:

اخبارات میں مسلم رہنماؤں کے حوالے سے یہاں تک لکھا دیا کہ اگر اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کر لیا تو اپنے خدا کو راضی کیا، ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا تضاد اُٹھا دے اور سنگم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا اور ہم نے قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی۔ یہ ہے موالات، یہ ہے حرام۔ یہ ہیں لغویات، یہ ہیں ضلال تام۔ (۱۸)

ارشاد ربانی ہے۔

''تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر۔ کہ دوستی کریں اللہ اور رسول ﷺ کے مخالفوں سے اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں''۔ (القرآن)

جب قرآن نے یہ حکم ارشاد فرما دیا تو پھر مسلمان کس رشتے تعلق سے گاندھی کو اپنا رہنما و رہبر تسلیم کر بیٹھے کہ: انہیں اپنا انصار بنایا، ان کو اپنا ہم راز بنایا، ان کے حق میں نعرے لگائے اور قصیدے پڑھے، انہیں مساجد میں تعظیم دی، انہیں مسندِ مصطفیٰ ﷺ پر جا بیٹھایا مسلمانوں سے اوپر اُٹھا کر واعظِ ہادی مسلمین بنا ڈالا، مساجد کو ان کی ماتم گاہ بنایا، اُن کے لیے مغفرت کی، نماز جنازے میں شرکت کا حکم دیا، ان کے مرنے پر سوگ منایا، کاروبارِ زندگی بند کر دیا اور ان کی خوشی کے واسطے شعائرِ اسلام سے منہ موڑ لیا۔ ان کی خوشی کے واسطے گائے کے کی قربانی کو گناہ جانا اور گوشت کھانے والوں پر لعن طعن کی، قرآن اور رامائن کو ایک ساتھ مندر میں لے کر گئے اور ان کے سرغنہ (گاندھی) کو اپنا نجات دہندہ، اپنا امام اور پیشوا تسلیم کیا۔

مسلمانوں یہ طرزِ عمل نہایت افسوس کن تھا۔ یہی نہیں 1920ء میں جمیعۃ العلماء ہند (دہلی) کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی نے یہ تک کہہ دیا کہ:

''اے اللہ ایک ہم سے نیک کام بھی ہو گیا ہے۔ یعنی میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی بھائی ہو گئے ہیں اور یہ محبت میں نے جان بوجھ کر بڑھائی ہے (۱۹)

رفاہ عام (لکھنؤ) کے جلسے میں مولوی ظفر الملک اسحاق نے فرمایا:

''اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے'' (۲۰)

آپ نے فرمایا:

''یہی ہندو ہم سے مذہب پر لڑتے، قربانی گائے پر سخت مظالم

ڈھاتے، فساد کیا جاتا ہے اور کھلے عام قتل کیے جاتے ہیں۔ مٹی کا تیل ڈال کر بے گناہ مسلمان جلا دیئے جاتے ہیں۔ مساجد ڈھا دی جاتیں ہیں، قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے جاتے ہیں اور ایسی ایسی باتیں دیکھنے کو ملتیں ہیں کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ہمارا دشمن (ہندو) اپنے دشمن (مسلمان) کے لیے تین باتیں چاہتا تھا کہ 1۔اس کی موت، کہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے 2۔اس کی جلاوطنی، کہ اپنی من مانی کر سکے 3۔اس کی بے بسی، کہ عاجز بن کر رہے۔

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول و فعل سے، اپنے قلم سے، اپنی زبان سے اور اپنے دل و دماغ سے ہندوؤں کی مکارانہ چالوں کا منہ توڑ جواب دیا۔

جریر و منذر ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ کافروں سے نرمی کریں اور مسلمانوں کے سوا انہیں سے کسی کو راز دار بنائیں اگر یہ کافروں پر غالب والیان ملک ہوں تو اس قوقت ان سے نرمی کا اظہار کریں اور دین میں مخالفت رکھیں اور یہ ہے مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد مگر یہ کہ تم کو ان سے واقعی پورا خوف ہو''۔

لیکن یہاں تو صورت حال ہی مختلف تھی جو ہندو مسلمانوں کو لوٹیں، ان کا قتل عام کریں، ان کے گھروں کو آگ لگائیں، عبادت گاہوں کو ڈھائیں، سرعام مسلمان عورتوں کی عزت و ناموس کو پامال کریں، مسلمان ان کے رہنما گاندھی کو اپنا رہبر مانیں، اس کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالیں اور اپنے نبی ﷺ کے احکامات سے منہ موڑیں۔

امام صاحب روز اوّل سے ہی دو قومی نظریہ کے علم بردار تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بستر مرگ پر بھی یہ وصیت کی:

''غرض کتنے ہی فرقے ہوئے اور اب سب سے نئے گاندھوی ہوئے۔ جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا یہ سب بھیڑیے ہیں۔ تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ۔(۲۱)

امام صاحب امتِ مسلمہ کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ ''تبدیلِ احکام الرحمٰن واختراعِ احکامِ الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو، مرتدین کے ساتھ چھوڑو کہ پیارے نبی ﷺ کا دامن پاک تمہیں اپنے سایہ میں لے۔ دنیا ملے نہ ملے، دین تو ان کے صدقے میں ملے۔

مغربی استعمار کے خلاف:

برصغیر پر مسلمانوں نے ساڑھے آٹھ سو سال حکومت کی۔ انگریزوں نے بڑی مکاری سے برصغیر کا اقتدار مسلمانوں سے چھین لیا اور مسلمانوں کو ہر طرح کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ موقع پرست ہندوؤں کے لیے اجنبی اقتدار سے مفاہمت پیدا کرنے کی راہ میں ایسی رکاوٹ نہیں تھی۔ اس لیے یہ مفاہمت زیادہ فائدہ مند تھی جس کے تحت وہ مسلمانوں سے چھٹکارا پا سکتے تھے۔ اس بدلتی ہوئی صورت حال کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے اٹھارویں صدی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1762/1172ء) نے کوششیں کیں اور اسلامی معاشرے کی اصلاح احوال کی تحریک کا آغاز کیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں بھی اس تحریک کے کارکنوں (علما و مشائخ) نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نواب سراج والدولہ، سلطان حیدر اور ٹیپو سلطان نے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی بڑھتی ہوئی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن اپنوں کی غداری نے برصغیر پر انگریزوں کے تسلط کو مضبوط کر دیا۔ سلطنت خداداد میسور انگریزوں کی راہ میں آخری رکاوٹ تھی، ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد مغل بادشاہ انگریزوں کے باج گزار تھے اور ان کی اپنی کوئی سیاسی حیثیت نہیں تھی۔ اس پس منظر میں مسلمانوں کی حالت زار بالکل واضح تھی اور انگریز کھلے عام مسلمانوں کو عقائد پر حملے کرنے میں مصروف تھے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوؤں اور انگریزوں دونوں سے نفرت تھی کہ اسلام دشمنی میں دونوں برابر تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال (یہود ونصاریٰ کتابی ہیں یا مشرک؟) کے جواب میں فرمایا کہ:

''نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ............ بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث ونبوت ہیں (۲۲)

مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ہندوؤں کی سازشوں کا شکار تھا اس پر کھلے عام قرآنی احکامات میں تحریف کی جارہی تھی اور یہ بات عام کی جارہی تھی کہ قرآن کی آیات میں جن مشرکین کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں ہندو شامل نہیں بلکہ ہندو تو ہادیانِ اسلام ہیں۔ یہ آیات تو نصاریٰ کے بارے میں ہیں نہ یہ کہ تمام نصاریٰ کے بارے میں، وہ بھی صرف انگریزوں کے بارے میں۔

امام صاحب ہمیشہ مسلمانوں کے افکار وخیالات کے تحفظ کے لیے کوشاں رہے اور احکاماتِ قرآنی میں عیسائیوں کی مداخلت کو کبھی برداشت نہیں کیا اور بروقت ان کے خبیثانہ ذہنیت کا تعاقب کیا۔

''اللہ اللہ یہ قوم .... یہ قوم سراسر لوم .... یہ لوگ، یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ نہیں، .... جنہیں جنون کا روگ، .... یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں .... اناللہ وانا الیہ راجعون''۔

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف انگریز تو انگریز، انگریزی حکومت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ مسجد کانپور کا واقعہ اس بات کا شاہد ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ انگریز حکومت کی بھی پروا نہیں کی اور مسجد کی حرمت میں انگریز حکومت کے حکم اور فیصلہ کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا۔

امام صاحب انگریزوں عدالتوں سے سخت متوحش تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ انگریزی عدالتوں میں چارہ گوئی کے ہمیشہ خلاف رہے کہ ان میں قرآن وسنت کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا جاتا تھا۔ ہندو ہر میدانِ عمل میں چھائے ہوئے تھے۔ برصغیر کی تجارت اور معیشت پر ہندوؤں کا غلبہ تھا لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ بنام ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح 1313/1912''میں مسلمانوں کی معاشی فلاح وبہبود کے لیے چند تدابیر پیش کیں جن پر عمل کرنے سے مسلمان نہ صرف ہندوؤں کے چنگل سے نجات پاسکیں گے بلکہ انگریزوں کی معاشی غلامی سے بھی بچ پائیں گے۔

1۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں کروڑوں روپے خرچ ہورہے ہیں، پس انداز ہوسکیں۔

2۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدارس اور حیدرآباد (دکن) کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

3۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

4۔ علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔ (۲۴)

اعلیٰ حضرت نے انگریزوں اور ہندوؤں سے ترکِ موالات کی ایسی مثبت صورت بتائی جس سے مسلمانوں کو نفع ہی نفع ہے اور نقصان کچھ نہیں۔

ہندوستان میں دولت وحشمت جو کچھ کہ تھی
کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر کھینچ لی

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونا چاہتے ہیں تو:

''برادرانِ ملت! نوکری اور ملازمت کا خیال چھوڑ کر، تجارت پر ٹوٹ پڑو تو دیکھو تھوڑے عرصے میں تم کیا ہوجاتے ہو''۔ (۲۵)

آپ رحمۃ اللہ علیہ انگریزی تعلیم کو ملتِ اسلامیہ کے لیے مذہبی

نقطۂ نگاہ سے غیر مفید سمجھتے تھے البتہ اسلام کی تبلیغ کیلئے انگریزی زبان کے سیکھنے کو جائز قرار دیتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے:

"انگریزی اور بے سود تضیع اوقات تعلیم میں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا، جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این و آں مہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ جانیں ہی نہیں کہ......... ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے؟" (۲۶)

اس دور کی اہم ضرورت بھی یہ ہے نوجوان نسل اور خاص طور پر طلبہ اس بارے پر سچے دل سے غور کریں کہ آخر ہماری حقیقت کیا ہے اور ہمارا دین ہمیں زندگی (دین و دنیا) گزارنے کے لیے کیا لائحہ عمل فراہم کرتا ہے۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نواجوان نسل سے بہت سی امیدیں تھیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے کہ یہ انگریزی معاشرت اور انگریزی طرزِ تعلیم ان کے لیے وہ بنیاد فراہم نہیں کرسکتی جس کی مسلمان کو ہر دور میں ضرورت رہی ہے۔ مسلمانوں جوانوں کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ وہ دینی تعلیم کی طرف خاص توجہ دیں اور اپنے اندر دینی حمیت کو پیدا کریں اس کے پیدا ہوتے ہی ملکی اور ملی شعور خود بخود بیدار ہوگا اور امتِ مسلمہ نئے دور کے مسائل سے نبرد آزما ہو سکے گی۔

ماہنامہ 'الرضا' (جس کے مدیر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خان تھے۔) میں انگریزی طرزِ تعلیم پر بے لاگ تنقید کی۔

"علی ہذا انگریزی درس گاہیں، خواہ وہ اعلیٰ یا ادنیٰ، کالج اور یونی ورسٹیاں ہو یا تحصیلی اور پرائمری مدارس و مکاتب مشرقی زبان کی درس گاہیں ہوں، خواہ مغربی زبان کی......... وہ جس مقصد کے لیے جاری کی گئی اس کے سوا دوسرا مقصد ان سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ .... 'مسلمان کو مسلمان بنانے' اسلامی زندگی کی حفاظت' اسلامی عقائد' اسلامی محبت و مؤدت' اسلامی اخوت و اتحاد' اسلامی طرزِ معاملت و معاشرت کا نمونہ نہیں ہوسکتے۔ غرض اسلامی حیثیت سے یہ مسلمان کے لیے کوئی کارآمد چیز نہیں ہیں"۔ (۲۷)

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خودفروشی، ناشکیبائی، ہوس ناکی

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں انگریزوں کے لیے صرف نفرت تھی اور کسی انگریز کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ آج مغرب سائنس کے میدان میں بہت ترقی کر چکی ہے۔ انہوں نے مسلمان سائنس دانوں کی تحقیقات غور و فکر کی، مزید تحقیقات کیں اور سائنس کے میدان میں اپنا مقام پیدا کیا۔ امام صاحب مغربی سائنس پر بھرپور اعتراض کرتے ہیں اور مغربی سائنسی تخیلات، مفروضات و قیاسات کو اہل مغرب کے ذہن کا فتور بتاتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے نظریات کے رد کے لیے ان کی ہی کتابوں سے استفادہ کیا۔ یہی نہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سائنس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر بھی بیان کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیقات سے آئزک نیوٹن، آئین سٹائن اور البرٹ پورٹا کے نظریات پر بھرپور تنقید کی اور ان کے مزعومات پر محاکمہ فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سائنسی نظریات بہت سی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں جن میں یہ تین کتب سرفہرست ہیں۔ ان کتب کا مطالعہ نوجوان نسل کے لیے بے حد مفید ہے۔

1۔ فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین (جدید سائنسی نظریات کے رد میں)
2۔ معین مبین بہر دورِ شمس و سکون زمین (البرٹ پورٹا کی پیش گوئی کے رد میں) 1919ء
3۔ نزول ایاتِ فرقان بسکون زمین و آسمان (اسلامی نقطہ نگاہ سے سکونِ زمین و آسمان) 1920ء

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف انگریزوں بلکہ ان کے خیر خواہوں، مقلدوں اور چاہنے والوں کا بھی محاسبہ کرتے ہیں۔

مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں گرفتاری

امام صاحب نے قادیانی عقائد کے رد میں رسالہ بنام (السوء العقاب علی المسیح الکذب، اشاعت اوّل، 1902ء) تصنیف کیا اور دیگر کتب بھی لکھیں۔

سر سید احمد خان نے انگریزی کلچر، تہذیب و تمدن اور انگریزی تعلیم کے فروغ کے لیے بھرپور کام کیا۔ لیکن انہوں نے مشرقی علوم کو نظر انداز کر دیا۔ ان کی یہ اصلاحی کوشش مسلمانوں کے لیے صرف ایک حد تک کامیاب رہی درحقیقت ان کی اصلاحات سے مسلمانوں کے ذہن مغرب کی جانب مائل ہوئے جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے مذہبی عقائد سے روگردانی کی اور یہی روش مسلمانوں کے لیے زوال کا سبب بنی۔ امام صاحب ایسے تمام سیاسی رہنماؤں اور علما کے خلاف تھے جو انگریزوں کی بولی بولتے تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی کا دم بھرتے تھے اور ان کی حکمرانی سے خوش تھے۔

مسلم معاشرے میں انگریزی تہذیب و تمدن کی تقلید سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ یہ تھیں۔

☆ تشبہ وضع: یعنی مسلمانوں نے اسلامی وضع قطع ترک کر انگریزی وضع اختیار کر لی۔

☆ تحقیر شرع: یعنی انگریزی افکار و خیالات کے مقابلے میں شرعی اوامر و نہی کو بے وقعت سمجھنے لگے۔

☆ شیوعِ دہریّت: یعنی اسلام سے بے گانہ ہو کر مسلمان دہریت کی طرف چل نکلے۔

☆ فروغِ نیچریت: یعنی مسلمانوں نے خدا کو چھوڑ کر نیچر کو سب کچھ سمجھ لیا۔ اس طرح وہ ایمان و یقین اور توکل کی دولت سے محروم ہو گئے۔

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر

امام صاحب کو یہ ہرگز منظور نہیں تھا کہ عالموں کی مسند پر انگریزوں کو بیٹھایا جائے اور ان سے کسی قسم کی مدد لی جائے یا ان کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال جائے۔ امام صاحب کو ان کی حکومت و عدالت، تہذیب و معاشرت، تعلیم و نظام تعلیم، افکار و خیالات، شکل و صورت غرض انگریزوں کی ہر بات سے نفرت تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا برملا اظہار بھی کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس دور کے دانش وروں کے تاثرات بھی ملاحظہ ہوں جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ معروف سیاست دان جناب مولانا کوثر نیازی مولانا احمد رضا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سیاست میں ہم دو قومی نظریے کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور قائداعظم محمد علی جناح سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے ایک قوم ہونے کی مخالفت و تردید جس شدومد سے امام احمد رضا خاں نے کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ یہ دونوں حضرات بھی اس معاملے میں ان کے مقتدی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے رہنما ہیں"۔(۲۸)

ایک اور دانش ور شخصیت محمد علی چراغ دو قومی نظریے کے حوالے سے امام صاحب کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ روزِ اوّل سے ہی دو قومی نظریے کے علم بردار تھے اور آخر تک اس کے لیے کوشاں رہے وہ ہنود کی سیاسی چالوں سے بخوبی واقف تھے اس لیے سیاست ہند کے ہر اہم موڑ پر انہوں نے مسلمانوں کو خبردار کیا۔ ہنود کے چھپے ہوئے ارادوں اور ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا"۔(۲۹)

امام صاحب کو اسلام کی عظیم انقلابی قوت یعنی جذبۂ عشق رسول ﷺ حاصل تھا۔ اس والہانہ عشق سے مسلمانوں کی دینی ترقی، سیاسی کامیابی، علم کی ترویج، معاشی اور عمرانی استحکام اور ثقافتی و تمدنی ہر طرح کی کامیابیاں و کامرانیاں وابستہ ہیں۔(۳۰)

قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہو تو بنتا ہے مسلمان

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قومی اور ملی فکر و نظر کا حاصل یہ ہے کہ: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شمعِ عشقِ رسول ﷺ روشن کی، ملت کو احیاء دین کا احساس دلایا، انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف جذبۂ حُریت پیدا کیا، ملت کو یک جان کیا، افراد کو سیاسی شعور بخشا یا اور مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور دینی پراگندگی پر قابو پانا سکھایا۔ لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پاکستان کے اولین محسنین میں سے ہے۔(۳۱)

خلفاو معتقدین:

سیاست کے میدان میں مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی۔ آپ رحمۃ اللہ کے خلفاو معتقدین نے آزادی کے لیے جدو جہد کی۔ اس سلسلے میں دارالعلوم بریلی منظر اسلام کا قیام، جماعتِ رضائے مصطفیٰ اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بمقام بنارس 1946ء کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے کھلے عام یہ اعلان کر دیا تھا کہ:

''اگر آل انڈیا مسلم لیگ پاکستان کے مطالبے سے دستبردار بھی ہوجائے تو آل انڈیا سنی کانفرنس اس مطالبے سے دستِ کش نہیں ہوگی''۔(۳۲)

امام اہل سنت حضرت شاہ محمد احمد رضا خان بریلوی رحمۃ کے خلفاو تلامذہ میں سے جن شخصیات نے تحریک پاکستان میں بھر حصہ لیا اور ہر موڑ پر مسلمانوں کی واحد سیاسی جماعت مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا ان کی فہرست بہت طویل ہے چند نام یہ ہیں:

امام المحدثین سید ابو محمد دیدار علی شاہ الوری (1354.1273ھ)......
فقیہ اعظم علامہ ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلی (1280-1362ھ)
حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خان قادری (1292-1362ھ)......
صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی قادری (1296-1367ھ)
عارف ربانی علامہ سید فتح علی شاہ قادری (1296-1377ھ)......
صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (1300-1367ھ)
مفتی اسلام مفتی محمد برہان الحق جبل پوری (1310-1405ھ)......
مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی (1310-1402ھ)
سفیر اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (1310-1374ھ)
......سید العلما سید محمد محدث اعظم کچھوچھوی (1311-1381ھ)
قائد تحریک ختم نبوت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (1314-1380ھ)
......استاذ العلما علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری (1316-1398ھ)

تحریک پاکستان میں علما اہل سنت بالخصوص خلفاء امام احمد رضا خان کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے سواد اعظم کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قائد اعظم نے اکتوبر 1947ء کو فرمایا تھا کہ:

''ہندوستانی مسلمانوں کا پاکستان بنانے میں بڑا حصہ ہے ہم انہیں بھلا نہیں سکتے''۔(۳۳)

مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں ملت کے رہبرو رہنما تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف دینی معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کی بلکہ سیاست کے حوالے سے بھی مسلمانوں کی رہبری و اصلاح فرماتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمہ جہت تھی جس سے ایک عالم نے فیض پایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 25 صفر المظفر 1340ھ (بمطابق 28 اکتوبر 1921ء) بروز جمعۃ المبارک بریلی شریف میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

"حوالہ جات"

1۔ ماہنامہ "جامعہ" دہلی، مئی 1939، دہلی صفحہ نمبر 80

2۔ اخبار "کوہستان" 12 جولائی 1927، راولپنڈی

3۔ مضمون "مولانا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی زندگی کا ایک اہم واقعہ" از: سید محمد خالد میاں فاخری، مجلّہ "معارف رضا" کراچی 1403ھ کراچی صفحہ نمبر 177۔

4۔ بحوالہ ماہنامہ "طلوع اسلام" لاہور، مارچ 1969ء۔

5۔ "النور": مولانا سید محمد سلیمان اشرف" مطبوعہ لاہور 1981ء صفحہ نمبر 11۔

6۔ "تحریک آزادی ہند اور اسواد الاعظم" از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد" ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1987، صفحہ نمبر 134

7۔ بحوالہ ماہنامہ "السواد الاعظم" مراد آباد، جمادی الاول ۱۳۳۸ھ راوآباد، صفحہ نمبر 24-17۔

8۔ "انفس الفکر فی قربان البقر" (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء) از امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، بشمول رسائل رضویہ، جلد ۲، مرتب علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری، مطبوعہ لاہور، 1976 صفحہ 335۔

9۔ "خاطرات (آپ بیتی)، ظفر حسن ایبک، مرتب:۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1990، صفحہ نمبر 24

10۔ "تحریک خلافت" از محمد عدیل عباسی، پروگریسو بکس، لاہور 1991، صفحہ نمبر (139-138)

11۔ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام، از امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) مشمولہ دو اہم فتوے، مطبوعہ لاہور، 1977، صفحہ نمبر 3۔

12۔ "تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1987، صفحہ نمبر 115

13۔ "گناہِ بے گناہی" از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ مسعودیہ کراچی، 1998، صفحہ نمبر 57-58۔

14۔ "دوام العیش فی الائمۃ من قریش" مطبوعہ لاہور، 1980، صفحہ نمبر 94-95۔

15۔ ایضاً۔

16۔ "خط بنام منشی دیا نرائن نگم" کلیات خطوط اقبال، جلد اول، مرتبہ سید مظفر حسن برنی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، صفحہ نمبر 113/114۔

17۔ "خطبۂ صدارت" از مولانا حسین آزاد، مطبوعہ دہلی، 1912ء صفحہ نمبر 27۔

18۔ "المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ" (۱۳۳۹ھ) بشمول اوراق گم گشتہ مرتب: سید رئیس احمد جعفری ندوی، محمد علی اکیڈمی، لاہور 1968 صفحہ نمبر 237۔

19۔ بحوالہ اخبار "فتح" دہلی 24 نومبر 1920، بحوالہ۔ "النور" از مولانا محمد سلیمان اشرف بہاری، مطبوعہ لاہور، صفحہ نمبر 227۔

20۔ ا۔ اخبار "اتفاق" دہلی 27 اکتوبر 1920، ۲۔ اخبار "پیسہ اخبار" 18 نومبر 1920، ۳۔ اخبار "دبدبۂ سکندری" رام پور یکم نومبر 1920ء) بحوالہ "تحریک آزادی ہند اور اسواد الاعظم از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1987 صفحہ نمبر 107۔

21۔ ایمان افروز "وصایا شریف" مطبوعہ لاہور، 1983، صفحہ نمبر 18۔

22۔ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) مشمولہ "دو اہم فتوے" مطبوعہ لاہور، 1977، صفحہ نمبر 20-19۔

23۔ ایضاً، صفحہ نمبر 9۔

24۔ فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں، از پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی مرکزی مجلس رضا، لاہور، 1978 بحوالہ امام احمد رضا خان کا عظیم اصلاحی منصوبہ،

25۔ "خطبہ صدارت" از حامد رضا خان بریلوی، مراد آباد، 1925، صفحہ 39۔

26۔ ''الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (۱۳۳۹ھ) بشمول اوراق گم گشتہ، مرتبہ سید رئیس احمد جعفری ندوی، مطبوعہ لاہور، 1968، صفحہ نمبر 235،

27۔ بحوالہ ''گناہ بے گناہی'' از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ادارہ مسعودیہ، کراچی 1998، صفحہ نمبر 43-42۔

28۔ ''بات میری نہیں بات ہے زمانے کی'' از اقبال احمد اختر انصاری، مطبوعہ لاہور، 1997، صفحہ نمبر 14۔

29۔ مضمون ''تحریک پاکستان میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا حصہ'' بشمولہ مجلّہ ''اوج'' لاہور، قراداد پاکستان، گولڈن جوبلی نمبر، 1991 صفحہ نمبر 14۔

30۔ فاضل بریلوی کی سیاسی وملی خدمات۔ ایک جائزہ، از پروفیسر ڈاکٹر مسعود وسیم الدین، اعلیٰ حضرت ایڈیشن، روزنامہ جنگ، لاہور 15 اپریل 2005، لاہور۔

31۔ ''بات میری نہیں بات ہے زمانے کی'' از اقبال احمد راختر انصاری، مطبوعہ لاہور، 1997، صفحہ نمبر 14۔

32۔ ''سات ستارے'' از حکیم محمد بدر حسین، نور بک ڈپو، لاہور 1399ھ/1978ء، لاہور، صفحہ نمبر 68۔

33۔ کردار پر بہار بشمول مجلہ اوج، لاہور، قرارداد پاکستان، گولڈن جوبلی نمبر، 1991، صفحہ نمبر 466۔

''کتابیات''

1۔ ''تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم'' از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1987ء۔

2۔ ''خاطرات (آپ بیتی)'' از ظفر حسن ایبک، مرتبہ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 1990ء۔

3۔ ''اوراق گم گشتہ'' ترتیب وتہذیب: سید رئیس احمد جعفری ندوی، محمد علی اکیڈمی، لاہور 1968ء۔

4۔ ''تحریک خلافت'' از محمد عدیل عباسی، پروگریسو بکس لاہور، 1991۔

5۔ ''بیس بڑے مسلمان'' مرتب: عبدالرشید ارشد، مکتبہ رشیدیہ، لاہور 1944۔

6۔ ''سات ستارے'' از محمد حسین بدر حکیم، نوری بک ڈپو، لاہور 1399ھ۔

7۔ ''فاضل بریلوی کے معاشی نکات'' از پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی، مرکزی مجلس رضا، لاہور، 1985۔

8۔ ''گناہ بے گناہی'' از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی ادارہ مسعودیہ، کراچی 1998۔

رسائل (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی)

1۔ ''النفس الفکری فی القربان البقر (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء)'' بشمول رسائل رضویہ جلد 2، مرتب علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری، مطبوعہ لاہور، 1976۔

2۔ ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) مشمولہ، دو اہم فتوے، مطبوعہ لاہور، 1977۔

3۔ ''دوام العیش فی الائمۃ من قریش'' (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)، مطبوعہ لاہور، 1980۔

4۔ ''الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (۱۳۳۹ھ) بشمول اوراق گم گشتہ مرتب: سید رئیس احمد جعفری ندوی، ناشر: محمد علی اکیڈمی، لاہور، 1968

5۔ ''الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم ارحام (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) مطبوعہ لاہور۔

☆☆☆☆☆

دوقومی نظریہ علامہ اقبال
اور
امام احمد رضا بریلوی

از: ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری، واشنگٹن

پاکستان جو کروڑوں مسلمانوں کی پناہ گاہ اور پوری مسلم امۃ کی عظمت کا نشان اور امیدوں کا مرکز یقین ہے۔ آج کل عجب صورتِ حال سے دوچار ہے۔ جمہوریت یا فوجی آمریت کی افادیت اور نقصانات پر تو بحثیں ہوتی تھیں۔ اسلامی نظام رائج کرنے یا اسلام کے ساتھ جمہوریت یا سوشلزم کا پیوند لگا کر ملک کی ترقی کے خواب تو دیکھے جاتے تھے۔ مگر اب ماڈریٹ اسلامک سٹیٹ کی خواہش میں وطن کی بنیاد اور اساسی نظریہ ہی کو محل بحث بنا دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہا اور لکھا جا رہا ہے کہ نظریہ پاکستان کا قیام پاکستان کے وقت بانیان کے اذہان میں کوئی تصور نہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ ﷺ) تو بس سر پھرے نوجوانوں اور چھوکروں کا نعرہ تھا۔ پاکستان کے قیام سے اسلام کا کوئی تعلق نہ تھا۔ دوقومی نظریہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ پاکستان کے بانیان نہ خود اصطلاحی معنوں میں Practicing Muslim تھے اور نہ ہی جدید دور میں وہ قدیم اسلام کی افادیت کے قائل تھے۔ نظریہ پاکستان، دوقومی نظریہ، اور اسلامی نظام کی باتیں مذہبی طبقے نے قیام پاکستان کے بعد تاریخ کا حصہ بنا دی ہیں حالانکہ تمام علماء نے سوائے چند کے بحیثیت مجموعی پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ ان سب مفروضوں کی بنیاد پر اپنے ماضی کو غلط قرار دے کر اپنے حال کو سنوارنے اور مستقبل کو اجالنے کی ناکام کوششیں ہو رہی ہیں۔ بھارت اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحد کو مشرقی اور مغربی جرمنی کی دیوار برلن سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ ایسے روح فرسا خیالات پڑھ کر وحشت ہوتی ہے کہ ہمارا دانشور اور تھنک ٹینک دانستہ یا نادانستہ طور پر ہمیں کس طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ دریں صورت جی میں آئی کہ اس ماضی سے، جو ابھی بعید نہیں ہوا، پھر سے رشتہ جوڑا جائے۔ ۲۱ر اپریل یوم اقبال ہے اور ۲۵ صفر یوم رضا ہے اسی مناسبت سے اپریل اور صفر کے قران میں ملت کے ان دو محسنوں، عبقری مفکروں اور رسول رحمت ﷺ کے سچے شیدائیوں کے افکار کی روشنی میں اپنی اساس اور بنیاد کو پھر سے تازہ کیا جائے تاکہ نسل نو کو اپنے وجود کے تحفظ، بقا اور ارتقاء کے جذبوں سے روشناس کرایا جاسکے۔

قارئین! سوچنے کی بات ہے اگر کسی دوقومی نظریے کا وجود ہی نہیں تھا تو سقوط ڈھاکہ کے بعد ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے کیوں یہ متکبرانہ اعلان کیا تھا کہ آج ہم نے دوقومی نظریے کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے۔ اگر ہندوستان میں ایک ہی قوم بستی تھی اور مسلمان بھی اس ایک ہندوستانی قوم کا حصہ تھے تو اندرا گاندھی نے اسی تقریر میں کیوں گلفشانی کی کہ آج ہم نے اس ظلم وستم کا انتقام لے لیا ہے جو ایک ہزار برس ہم پر ہوتا رہا۔ یعنی ایک ہزار برس جو مسلمانوں نے ہم پر حکومت کی تھی اس کا بدلہ ہم نے پاکستان توڑ کر لے لیا ہے۔ اگر دوقومی نظریے کا قیام پاکستان سے پہلے وجود میں نہیں تھا تو پنڈت جواہر لعل نہرو نے ۱۹۳۷ء میں رابطہ عوام مہم میں کیوں کہا تھا کہ "دوقومی مسئلہ اور جداگانہ تہذیبی تشخص کہاں ہے میں نے تو خوردبین لگا کر دیکھا مجھے تو ایسی کوئی شے نظر نہیں آئی۔ اگر دوقومی نظریے کا کوئی تصور نہیں تھا تو مسٹر گاندھی نے ۱۹۴۴ء میں قائد اعظم سے ملاقات میں مسلم قومیت کے جداگانہ وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے یہ دلیل

کیوں دی کہ ''کسی ملک میں وہیں کے رہنے والوں کا اگر کوئی گروہ مذہب بدل لے تو کیا صرف مذہب تبدیل ہوجانے کے باعث نئی قوم پیدا ہوجاتی ہے۔ میں نہیں مانتا'' (دوقومی نظریہ اور ہندو، پروفیسر منور مرزا)۔ ہمارے دانشور جو بھارت دوستی کے بخار میں مبتلا ہیں اور اپنی نصابی کتابوں سے سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، اورنگ زیب عالمگیر، شاہ ولی اللہ اور مجدد الف ثانی، کے نام تک خارج کردینا چاہتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہیں وہ سادگی یا نادانی میں اندرا گاندھی، جواہر لعل نہرو اور مسٹر گاندھی کی ہمنوائی تو نہیں کررہے۔ عام طور پر حکیم الامت علامہ اقبال کے ۱۹۳۱ء کے خطبۂ الٰہ آباد کو دوقومی نظریہ یا نظریۂ پاکستان کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے افکار میں بھی یہ تصور اس سے پہلے موجود تھا اور بہت سے علماء حق بھی اس کی وضاحت فرما چکے تھے جن میں مردِ حق آگاہ فنافی الرسول ﷺ درویش، امام احمد رضا بریلوی کا نام نامی سرفہرست ہے۔ وہ اس وقت بھی دوقومی نظریے کے حامی اور موئید تھے جبکہ علامہ اقبال اور قائد اعظم ابھی ہندو مسلم اتحاد کے موڑ پہ رکے ہوئے تھے۔ معروف سیاستدان صاحب طرز ادیب اور نامور صحافی مولانا کوثر نیازی صاحب نے بجا طور پر لکھا کہ ''سیاست میں ہم دوقومی نظریہ کو علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے ایک ہونے کی مخالفت وتردید جس شدومد سے امام احمد رضا نے کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ یہ دونوں حضرات بھی اس معاملے میں ان کے مقتدی ہیں آپ ان کے رہنما ہیں۔ (سید صابر حسین بخاری: ضیائے حرم گولڈن جوبلی نمبر)۔ اگر چہ شروع شروع میں حضرت اقبال متحدہ قومیت کے قائل تھے مگر جب وہ مسلم قومیت کی طرف آئے تو پھر انہوں نے نظم ونثر میں دلائل کے انبار لگادیئے۔ اور انہی کے افکار کی روشنی میں قائد اعظم بھی ہندو مسلم اتحاد کے موڑ سے نکل کر مسلم قومیت کی شاہراہ سے ہوتے ہوئے پاکستان کی منزل تک پہنچ کر سرخرو ہوئے۔ حضرت اقبال کی نظم ''وطنیت'' ۱۹۰۸ء کے بعد کی ہے اس میں آپ نے مغربی نظریہ وطنیت کی تردید کی تھی۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

۱۹۱۰ء میں انھوں نے ایک انگریزی مقالہ لکھا جو 'ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے عنوان سے علی گڑھ محمڈن کالج میں پڑھا گیا تھا۔ اس کے اقتباس ملاحظہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کے ذہن میں جداگانہ مسلم قومیت کا تصور بہت پہلے موجود تھا، انہوں نے لکھا۔ ''مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان، نہ اشتراکِ وطن نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی ہے۔ بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کا سرچشمہ ایک ہے۔ اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے۔ جس کی تجسیمی شکل وہ جماعتِ اشخاص ہے جس میں بڑھنے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔ اسلام کی زندگی کا انحصار کسی خاص قوم کے مخصوص خصائل وشمائل پر منحصر نہیں ہے۔ غرض اسلام زمان ومکان کی قیود سے مبرّا ہے''۔۔۔۔

''اس سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ میں جذبہ حبِّ وطن کا سرے سے مخالف ہوں۔ ان قوموں کے لیے جن کا اتحاد حدودِ ارضی پر مبنی ہو۔ اس جذبہ سے متاثر ہونا ہر طرح سے حق بجانب ہے لیکن میں ان لوگوں کے طرزِ عمل کا یقیناً مخالف ہوں جو اس امر کے معترف ہونے کے باوجود کہ جذبۂ حُبِ وطن قومی سیرت کا ایک قیمتی عنصر ہے ہم مسلمانوں کی عصبیت پر نام دھرتے ہیں اور اسے وحشیانہ تعصب کہہ کر پکارتے

ہیں۔ حالانکہ ہماری عصبیت ایسی ہی حق بجانب ہے جیسی کہ ان کی حق پرستی۔۔۔اسلام کی حقیقت ہمارے لیے یہی نہیں ہے کہ وہ ایک مذہب ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اسلام میں قومیت کا مفہوم خصوصیت کے ساتھ پوشیدہ ہے اور ہماری قومی زندگی کا تصور اس وقت تک ہمارے ذہن میں نہیں آسکتا جب تک کہ ہم اسلام سے پوری طرح باخبر نہ ہوں۔ بہ الفاظ دیگر اسلامی تصور ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو نسبت انگلستان کو انگریزوں سے اور جرمنی کو جرمنوں سے ہے وہ اسلام کو ہم مسلمانوں سے ہے۔ جہاں اسلامی اصول یا ہماری مقدس روایات کی اصطلاح میں خدا کی رسی ہمارے ہاتھ سے چھوٹی اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھرا" (خطبات اقبال: مرتبہ رضیہ فرحت بانو بحوالہ اقبال کا آخری معرکہ: سید نور محمد قادری)

۱۹۲۰ء-۲۱ء، تحریک ہجرت، تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات کا ہولناک زمانہ تھا۔ علامہ اقبال خلافت کمیٹی میں شامل ہوئے مگر جلد ہی گاندھی کی قیادت کے مضمرات کو بھانپ کر اس سے الگ ہوگئے۔ جب گاندھی کی ہدایت پر ہندوستان کے ۱۲۵ میں سے مسلمانوں کے صرف تین تعلیمی اداروں کو بھی ترک موالات کی بھینٹ چڑھایا جانے لگا تو انجمن حمایت اسلام لاہور میں علامہ اقبال نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اسلامیہ کالج کے مولوی حاکم علی کے ذریعے امام احمد رضا بریلوی سے فتویٰ طلب کیا جنھوں نے ہندو کی عیاری کو طشت از بام کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک ہندو اپنے اداروں کی گرانٹ واپس نہیں کرتے مسلمان اپنے نقصان کے کیوں درپے ہیں۔ علامہ اقبال کی بروقت مداخلت اور امام احمد رضا بریلوی کی رہنمائی سے علی گڑھ، لاہور اور پشاور کے مسلم تعلیمی ادارے بند ہونے سے محفوظ رہے۔ ۱۹۲۳ء میں جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو زبردستی واپس ہندو بنانے کے لیے شدھی اور سنگھٹن کی جابرانہ تحریکیں شروع کیں تو چند درد مند رہنماؤں نے جن میں مولانا غلام بھیک نیرنگ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالماجد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الافاضل، مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مرکزی مجلس تبلیغ قائم کی تو حضرت اقبال بھی اس میں شامل ہوگئے۔ میر غلام بھیک نیرنگ کے نام اپنے ایک مکتوب میں انھوں نے لکھا۔ "میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام تمام کاموں پر مقدم ہے اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض اقتصادی بہبود ہے اور حفاظت اسلام اس عنصر کا مقصد نہیں ہے جیسا کہ آج کل کے قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونگے۔ یہ بات میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاستِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربہ کے بعد، ہندوستان کے سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہب اسلام کے لیے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ اور میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ یا کم از کم یہ بھی شدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔ بہرحال جس جانفشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے اس کا اجر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دے سکتے ہیں۔ میں انشاءاللہ جہاں جہاں موقع ملے گا آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سننے کو حاضر ہوں۔ مگر آپ اور مولوی عبدالماجد جنوبی ہند کے دورہ کے لیے تیار رہیں" (مکتوب اقبال بنام غلام بھیک نیرنگ: سہ ماہی اقبال لاہور اکتوبر ۱۹۵۷ء) خط کشیدہ عبارت پہ غور کریں تو بعض دانشوروں کے اس باطل نظریہ کی تردید ہوجاتی ہے کہ اقبال اور قائداعظم کے نزدیک قیام پاکستان کا مقصد مذہبی نہیں محض معاشی تھا۔

تحریکِ خلافت، تحریک ہجرت اور تحریکِ ترکِ موالات میں گاندھی کی چالبازیوں سے مسلمانانِ ہند کو جو نقصان اٹھانا پڑا تھا اس نے دوقومی نظریہ پر حضرت اقبال کے یقین کو پختہ تر کردیا۔ جب مسلم لیگ جناح لیگ اور شفیع لیگ دو گروہوں میں بٹی تو علامہ اقبال نے شفیع لیگ کا ساتھ دیا کیونکہ جناح لیگ ہندو مسلم اتحاد کی امید پر مخلوط انتخابات کی حامی تھی اور شفیع لیگ مسلمانوں کے ہندوؤں سے الگ تشخص کی دلیل پر جداگانہ انتخاب کی طرفدار تھی۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں آل

پارٹیز مسلم کانفرنس میں علامہ اقبال نے دوقومی نظریے کے خدوخال واضح کرتے ہوئے فرمایا "حضرات آج میں نہایت صاف لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں بحیثیت مسلمان زندہ رہنا ہے تو ان کو جلد از جلد اپنی اصلاح وترقی کے لیے سعی وکوشش کرنی چاہیے۔ اور جلد از جلد ایک علیحدہ پولیٹکل پروگرام بنانا چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض ایسے حصے ہیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور بعض حصے ایسے ہیں جن میں وہ قلیل تعداد میں ہیں۔ ان حالات میں ہم کو علیحدہ طور پر ایک پولیٹکل پروگرام بنانے کی ضرورت ہے" (گفتارِ اقبال بحوالہ اقبال کا آخری معرکہ: سید نور محمد قادری)۔ مسلمانوں کے اسی الگ ملی تشخص کی بنیاد پر ہی علامہ اقبال نے خطبہ الٰہ آباد میں ہندوستان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے الگ الگ ریاستوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس وقت تک قائد اعظم محمد علی جناح بھی ہندوؤں کے مکروفریب کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد سے مایوس ہو کر انگلستان تشریف لے جاچکے تھے۔ اقبال کی دعوت بلکہ اصرار پر ہی وہ واپس آئے اور انھوں نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ حضرت علامہ اقبال کی مومنانہ بصیرت اور حضرت قائد اعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں جب مسلمانوں کے الگ تشخص اور الگ ریاست کی تحریک کامیاب ہوتی نظر آئی تو کانگرس نے اپنے ترکش کے سارے تیر آزما ڈالے۔ مگر جو تیر سب سے زیادہ موثر اور کارگر تھا وہ کانگریس کے حامی جمیعۃ العلماء ہند کے قرآن وحدیث کی تاویلوں میں ڈوبے ہوئے خطابات تھے جو مسلمانوں کو فریب دے رہے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور اپنے عہد کے انتہائی اہم مذہبی رہنما مولوی حسین احمد مدنی نے جب خطبہ جمعہ میں وعظ کرتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کے حق میں دلائل دیئے اور واضح طور پر نظریہ پیش کیا کہ قومیں مذہب سے نہیں اوطان سے بنتی ہیں تو علامہ اقبال کو کہ بہت علیل تھے گران سے نہ رہا گیا۔ وہ تڑپ اٹھے اور انھوں نے بستر مرگ سے اس باطل فکر کو للکارتے ہوئے تاریخی اشعار کہے۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ﷺ است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ان اشعار کا چھپنا تھا کہ ہندوستان میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ مولوی مدنی صاحب کے حواریوں نے علامہ اقبال کے خلاف مضامین اور نظموں کے طومار باندھ دیئے۔ جس کا اقبال نے اپنے احباب کے مشورے سے بڑا مدلل جواب شائع کرایا۔ جب مولوی حسین احمد مدنی صاحب لاجواب ہوئے تو حیلہ تراشا کہ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ ملت وطن سے بنتی ہے، میں نے کہا تھا قوم وطن سے بنتی ہے۔ اقبال کو ملت اور قوم کا فرق ہی معلوم نہیں اس پر اقبال نے برجستہ کہا۔

قلندر جز دو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

جناب حسین احمد مدنی اور ان کے حامی علما کی سوچ ناکام ہوئی اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کو سرخرو فرمایا اور دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ۱۹۴۷ء میں پاکستان ایک حقیقت بن کر افق عالم پر جلوہ گر ہوا۔ کانگرس اور اس کے حامی علماء کو ناکام بنانے میں ان علماء ومشائخ نے اہم کردار ادا کیا جن کا ان خانقاہوں اور روحانی سرچشموں سے تعلق تھا جن سے اقبال کا بھی رابطہ رہا تھا۔ امیر ملت حضرت جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین نے تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا۔ دوقومی نظریہ پیش کرنے اور اسے پروان چڑھانے میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں کے بارے میں روزنامہ نوائے وقت کے معروف کالم نگار اور مؤرخ میاں عبدالرشید نے اپنی کتاب (Islam In Indo-Pak Sub-Continant) میں لکھا

''۱۹۴۰ء میں جب قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تو حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ آپ کے مریدین اور معتقدین بشمول علماء ومشائخ تحریکِ پاکستان میں جسد واحد بن کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح قیام پاکستان کے سلسلہ میں حضرت بریلوی کا حصہ علامہ اقبال اور قائدِاعظم سے کسی طرح کم نہیں''۔ نوائے وقت ہی کے ایک اورنامور صحافی اورتحریکِ پاکستان کے سرگرم کارکن میاں محمد شفیع (م ش) نے انھیں محسنِ ملت اسلامیہ کا لقب دیتے ہوئے لکھا کہ ''اعلیٰ حضرت نے جس یکسوئی اور استقلال سے دورغلامی میں دین کی مدافعت کی جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس کا اعتراف امت کے تمام طبقوں کو ہوتا جائے گا'' (نوائے وقت ۷ جون ۱۹۶۸ء) خود حضرت اقبال نے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے انھیں اپنے عہد کا امام ابوحنیفہ قرار دیا تھا۔ ملت اسلامیہ کا یہ عظیم محسن، سچا عاشق رسول ﷺ اور اپنے عہد کا امام ابوحنیفہ امام احمد رضا (۱۸۵۶۔۱۹۲۱) ہی تھا جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ہیرو مولانا فضلِ حق خیر آبادی اور دیگر علماء حق کی فکر کا علمی وعملی وارث اور حقیقی ترجمان تھا۔ اس لیے یہ کارنامہ اسی کے حصے میں آیا کہ اس نے ہندو اور انگریز دونوں کی چالوں سے مسلمانانِ ہند کو بروقت خبردار کیا اور سب رہنماؤں سے پہلے ۱۸۹۷ء میں پٹنہ سُنّی کانفرنس میں دوقومی نظریہ پیش کرتے ہوئے ہندوؤں اور انگریز گورنمنٹ دونوں سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا۔ عام لوگ سمجھتے اور ہمارے دانشور لکھتے رہتے ہیں کہ علماء کو دنیوی معاملات کا ادراک نہیں ہوتا۔ یہ پرانے وقتوں کے لوگ ہیں جو وقت کے پہیے کو الٹا گھما کر قوم کو ماضی میں دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ تحریک پاکستان میں ان دانشوروں نے قوم کی رہنمائی کرنے کی بجائے قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ اگر یہ سب لوگ امام احمد رضا کی تاریخی جدوجہد کا مطالعہ کر لیتے تو اس مغالطے کا شکار نہ ہوتے۔ یہ سچ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی ایک فقیہ، محدث، مفسر، شیخ کامل، اور بشمول ریاضی، الجبرا، جیومیٹری، لوگارتھم، وغیرہ پچاس سے زیادہ علوم کے ماہر تھے۔ انھوں نے دارالعلوم کے استاد اور خانقاہ کے درویش کی حیثیت سے اپنے مریدین کی مذہبی رہنمائی کی۔ اپنی ساری شاعری کو صرف اور صرف نعت اور مناقب اولیا کے لیے وقف کر رکھا۔ لیکن یہ بھی قطعی سچ ہے کہ معاشی، سماجی اور سیاسی حوالوں سے بھی انھوں نے جو رھنمائی فرمائی وہ ان کے دور کے بڑے سے بڑا رہنما بھی نہ کرسکا۔ ۱۹۱۲ء میں انھوں نے ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' لکھ کر مسلمانوں کو معاشی ترقی کی راہیں سمجھائیں۔ اس میں آپ نے چار تجاویز پیش کیں۔ (۱) مسلمان اپنے مقامات انگریزی عدالتوں میں لے جانے کی بجائے آپس میں نپٹائیں تاکہ کروڑوں روپے مقدمے بازی میں نہ اڑیں اور بچت ہوسکے۔ (۲) مسلمان آپس ہی میں خرید وفروخت کریں (۳) بمبئی، کلکتہ، مدراس اور حیدر آباد کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں (۴) علم دین کی ترویج واشاعت کی جائے۔ ان تجاویز کے پہلے اصول بچت کو اپناتے ہوئے ۱۹۳۶ء میں معروف اکنامسٹ جے ایم کینز نے تجاویز پیش کیں اولارڈ کا خطاب پایا۔ ان کی دوسری تجویز باہمی تجارت کو بعد میں دوسری قوموں نے اختیار کیا۔ امریکہ کے اکیز ہنڈر ھملٹن اور جرمنی کے فریڈرک لسٹ اپنی قوموں میں باہمی تجارت کے حامی اور آزادانہ بین الاقوامی تجارت کے مخالف تھے۔ عصر حاضر کا جدید معاشی نظریہ "Theory of Integration of economics" بھی امام احمد رضا کے نظریہ باہمی تجارت سے مستفاد ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یورپی مشترکہ منڈی کا قیام اور اب یورپی یونین کی تشکیل اسی نظریے کی کامیابی کی دلیل ہے۔ کاش ہم نے اغیار سے رہنمائی کی بھیک مانگنے کی بجائے اپنے محسن اور رہنما امام احمد رضا کے نظریہ کو اپنایا ہوتا تو آج ہماری معاشی اور سیاسی حالت اتنی ابتر نہ ہوتی۔ امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء میں جو اسلامی بینک کی تجویز پیش کی تھی اسلامی ممالک کے وزرا خارجہ، وزرا تجارت اور سربراھانِ مملکت نے کتنے ہی اجلاسوں کے بعد ۱۹۷۶ء میں اسلامی بیک کی منظوری دی (مزید برآں یہ کہ گذشتہ سال (نومبر ۲۰۰۶ء) میں اسلام آباد پاکستان میں منعقدہ تین

روزہ عالمی اسلامی اقتصادی فورم کے اختتام پر جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اور جسے ملک اور بیرون ملک کے تمام پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا نے نشر کیا آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری حنفی علیہ الرحمۃ کے اسی چار نکاتی معاشی تعلیمی پروگرام کی بازگشت قدرے تفصیل کے ساتھ سنائی دے گی۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ معارف رضا، کراچی کے اکتوبر ۲۰۰۶ء اور دسمبر ۲۰۰۶ء کا اداریہ)۔ کیا اب بھی ہمارے دانشور گلہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے علماء عصر حاضر کے مسائل کو نہیں سمجھتے یا ان کی نگاہ جدید دور کے تقاضوں سے غافل ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف دینی، روحانی اور معاشی معاملات ہیں میں بروقت رہنمائی نہیں فرمائی بلکہ میدان سیاست میں بھی ان کی فکر سب سے آگے تھی۔ اگرچہ وہ باقاعدہ کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں ہوئے مگر ان کے افکار عالیہ ملّتِ اسلامیہ کے رہنما تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامی اور گاندھی کے پیروکار علماء نے تو اس وقت تحریکِ خلافت چلائی جب ترکی شکست کھا چکا تھا۔ اور ترکوں نے خود ہی قبائے خلافت کو تار تار کر دیا تھا۔ امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء میں ترکی کے خلاف اٹلی کی جنگ کے موقع پہ خطرے کو محسوس کیا اور بلقان جنگ کے لیے ترکوں کی حمایت میں جلسے کیے۔ اپنے عقید تمندوں سے رقم اکٹھی کی اور خود بھی ذاتی عطیات ترکوں کے لیے بھجوائے۔ امام احمد رضا نے اس وقت سلطنت ترکیہ کو بچانے کی آواز دی جبکہ ترکی ابھی ٹوٹا نہیں تھا اور اسے بچانے کی جدوجہد کی جا سکتی تھی۔ خلافت کمیٹی سے دوقومی نظریہ کی بنیاد پہ الگ رہے مگر خود انصار الاسلام تنظیم قائم کر کے ترکوں سے اظہار یکجہتی کیا۔ اور ہندو اور انگریز دونوں سے برأت کا اعلان کیا۔ جب علماء دیوبند گاندھی کو مساجد کے منبروں پہ بٹھا رہے تھے، ماتھوں پہ قشقے لگا رہے تھے، قرآن اور رامائن کے اکٹھے جلوس نکال رہے تھے، گائے کی قربانی سے نہ صرف منع کر رہے تھے بلکہ قربانیِ گاؤ کے خلاف فتوے جاری کر رہے تھے، گاندھی کے نام کے جمعوں میں خطبے پڑھ رہے تھے تو سادہ لوح عوام علماء کو دیکھ کر گاندھی کو امام مہدی سمجھنے لگ گئے تھے (بحوالہ سیارہ ڈائجسٹ نومبر ۱۹۷۷ء) ایسے میں امام احمد رضا نے بستر علالت سے ''المحجۃ الموتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ'' لکھ کر دوقومی نظریے کی آبیاری فرمائی۔ اس کی افادیت کے پیشِ نظر ممتاز مورخ رئیس احمد جعفری نے اسے اپنی کتاب ''اوراق گم گشتہ'' میں شامل کیا ہے۔ ایک غیر جانبدار مورخ محمد علی چراغ نے بھی اعتراف کیا کہ ''مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ روزِ اول سے دوقومی نظریہ کے علمبردار تھے اور آخر تک اس کے لیے کوشاں رہے۔ وہ ھنود کی سیاسی چالوں سے باخبر تھے اس لیے سیاستِ ملّیہ کے ہر موڑ پر انھوں نے مسلمانوں کو خبردار کیا۔ ھنود کے چھپے ارادوں اور ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج سے انہیں آگاہ کیا''۔ (اوج لاہور گولڈن جوبلی نمبر) امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی فکر کے نتیجے میں ان کے فرزندان حجت الاسلام مولانا حامد رضا خاں اور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، ان کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی، اور دوسرے خلیفہ اور علی گڑھ یونیورسٹی کے سربراہ شعبہ دینیات علامہ سید سلیمان اشرف نے ان کی وفات کے بعد بھی جدوجہد کو جاری رکھا۔ ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا بنیاد رکھی۔ شُدھی اور سنگھٹن کے مقابلے کے لیے انجمن رضائے مصطفےٰ کے تحت بھرپور کام کیا۔ ۱۹۴۶ء میں ہی نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے شروع سے الگ مملکت کے قیام کے لیے کوشاں رہے۔ مطالبۂ پاکستان کی حمایت میں ہزاروں علماء و مشائخ اور کروڑوں عوام کو تیار کیا۔ سید نعیم الدین مرادآبادی کے دوست اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلیفہ مولانا ابو یوسف کے ماہنامہ الفقیہہ امرتسر نے تو ۱۹۴۲ء میں ہی اپنی لوح پر الفقیہہ امرتسر (پاکستان) لکھنا شروع کر دیا تھا۔

یہ سب فیضان تھا ہندوستان میں دوقومی نظریہ کے موسس اول امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قدم قدم پر مسلمانوں کو خبردار کرتے رہے۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اصلاح معاشرہ اور ردّ بدعات

۱۔ انسدادِ گداگری کا تصور افکارِ رضا کی روشنی میں

۲۔ اعتذار: مولانا احمد رضا بریلوی اور ردّ بدعات

انسداد گداگری کا تصور افکار رضا کی روشنی میں

پروفیسر دلاور خان *

خاندان، مساجد، خانقاہیں سماجی، مذہبی، معاشی، ادبی اور ذرائع ابلاغ وغیرہ جیسے فعال سماجی ادارے [Social Institutions] افراد کی ذہنی، فکری اور عملی تعلیم و تربیت کرتے ہوئے اسلامی معاشرے کو مہذب اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ ترقی اور استحکام کی راہ پر گامزن دکھائی دیتا ہے اور حقوق و فرائض کی پاسداری، مذہبی رواداری، امن و آشتی، بقائے امداد باہمی، عدل و انصاف، خیر خواہی، اور خوشحالی جیسی اعلیٰ معاشرتی اقدار پروان چڑھتی ہیں جس سے متمدن و مہذب اسلامی معاشرے کے تشخص کا اظہار ہوتا ہے جو دوسرے معاشرے کے لئے بطور نمونہ عمل سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلامی معاشرے کا کوئی فرد، ادارہ، گروہ، اپنے فرائض و منصب سے روگردانی کرتا ہے تو اس سے دوسرے فرد، گروہ یا ادارے کی حق تلفی ہوتی ہے جس سے سماجی بے چینی اور انتشار کی راہ ہموار ہوتی ہے اور سماجی انتشار [Social Disorganisation] کے اثرات براہ راست معاشرے کے باشندوں پر پڑتے ہیں۔ اس کیفیت کا اظہار عموماً افراد کے رویوں کی ناہمواری سے ہوتا ہے اس ناہمواری اور غلط روش کی کوکھ سے کئی پیچیدہ معاشرتی مسائل اور جرائم جنم لیتے ہیں۔ معاشرتی ضبط [Social Controll] کی زنجیر ٹوٹ کر بکھر جاتی ہے جس سے معاشرہ بدامنی، سست رفتاری، تخریب کاری، غربت و جہالت، خود غرضی، عصبیت، جرائم، بے روزگاری، اور پیشہ ورانہ گداگری جیسے مسائل کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور یہ معاشرتی مسائل اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ معاشرتی ادارے انتشار اور انحطاط کا شکار ہیں۔

پیشہ ورانہ گداگری ہمارے اسلامی معاشرے کے لئے ایک بدنما داغ ہیں گداگری عصر حاضر میں اپنی حیثیت کے اعتبار سے صرف ایک مسئلہ ہی نہیں بلکہ اس کے زیر اثر کئی معاشرتی، معاشی، سیاسی، اور نفسیاتی مسائل جنم لیتے ہیں مثلاً چوری، تخریب کاری، مخبری، شخصی انتشار، سستی، کاہلی، غیرت و حمیت کا فقدان، متعدی امراض کے پھیلاؤ کا ذریعہ، اخلاقی، ذہنی، اور تمدنی انتشار کا شکار، سماجی، سیاسی اور معاشی اداروں سے کنارا کشی۔

یو این او کی ایک رپورٹ کے مطابق 1.2 ملین (بارہ لاکھ) بچے پاکستان کی سڑکوں میں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں یہ بھکاری بچے صبح اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور سارا دن بھیک مانگنے کے بعد شام کو واپس گھر لوٹتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ان بھکاری بچوں میں 72 فیصد بچے اپنے خاندان کے ساتھ رابطے میں نہیں ہیں اور 10 فیصد اپنے خاندان کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں۔ یہ بچے کسی نہ کسی گروہ کے ساتھ منسلک ہیں جنہیں یا تو ان کے گروہ کے افراد نے اغواء کیا ہوگا یا پھر غریب والدین سے خریدا ہوگا۔ بیش تر غریب والدین مختلف گروہوں کو اپنے بچے بیچتے ہیں جنہیں اصطلاحاً "Child rental for begging" کہا جاتا ہے اور پھر دونوں پارٹیاں بچے کی بھیک کی کمائی برابر تقسیم کر لیتی ہیں۔ (جنگ سنڈے میگزین کراچی 24 دسمبر 2006)

اقوام متحدہ کی یو این او ڈی سی کی ایک اور رپورٹ کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں اس وقت بے گھر بچوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے۔ کراچی میں پندرہ ہزار، پشاور میں پندرہ ہزار، کوئٹہ میں آٹھ

☆ پرنسپل جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کراچی

ہزار، لاہور میں دس ہزار اور راولپنڈی میں دس ہزار سے زائد بچے گلیوں، سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر زندگی بسر کر رہے ہیں، ان بچوں کی عمریں پانچ سے اٹھارہ سال کے درمیان ہیں، ان بچوں کو بھی بھیک منگوانے والا مافیا اس راہ پر ڈال رہا ہے۔ (ایضاً)

ایک رپورٹ کے مطابق بھکاریوں کے کنٹریکٹرز "فیملیز" سے ہفتہ وار معاہدہ کرتے ہیں جو کم از کم 50 ہزار روپے ہوتا ہے، یہ معاہدہ عمر اور علاقے کے لحاظ سے ہوتا ہے کنٹریکٹ کی رقم "فیملی" ممبرز کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے "فیملی" کا مطلب خاندان نہیں جن کا کوئی خونی رشتہ ہے، بلکہ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے، جس میں کم از کم ۱۰ بھکاری ہوتے ہیں، ان دس بھکاریوں کو ایک "فیملی" کہا جاتا ہے کنٹریکٹر "فیملی" سے معاہدہ کرنے کے بعد علاقہ الاٹ کرتا ہے۔ (ایضاً)

مذکورہ بالا رپورٹ کی روشنی میں اگر بوڑھے مرد و خواتین اور نوجوان معذوروں کی تعداد کو شامل کر لیا جائے تو وطن عزیز میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً پچیس لاکھ نفوس پر مشتمل گداگر پارٹی موجود ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ پاک و ہند کی کسی بھی بڑی سے بڑی سیاسی جماعت کے اتنے باضابطہ کارکنان نہیں ہیں ان پچیس لاکھ گداگروں کی اوسطاً آمدنی تقریباً تین سو روپے یومیہ ہے اس طرح ہر روز عوام الناس اپنی محنت سے کمائی ہوئی روزی 2500000 * 300 = 750000000 (پچھتر کروڑ) روپے یومیہ اور سالانہ 365*750000000=273750000000 (دو کھرب تہتر ارب پچھتر کروڑ) روپے ان گداگروں پر صرف کرتے ہیں۔

گداگروں کی تعداد اور آمدنی سے متعلق مفروضے کی تصدیق ان حقائق سے بااحسن طریقے سے ہوسکتی ہے کہ گلی، کوچے، بازار، عدالت، ہوٹل، پارک، بس، ریل گاڑی، ٹریفک سگنل، جامع مساجد، مزارات، میلوں کے ارد گرد ہمیں ایسے گداگر جابجا نظر آئیں گے جنہوں نے باقاعدہ گداگری کو اپنی آمدنی کا مستقل ذریعہ بنالیا ہے۔ عیدین، مذہبی تہواروں اور عرس کے موقعوں پر اتنا پیسہ جمع کر لیتے ہیں کہ ایک عام مزدور اتنے پیسے پورے سال اپنی مزدوری سے حاصل نہیں کر سکتا ان میں بچے، بوڑھے، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپاہج، فقیروں کا لبادہ اوڑھے جو تندرست و توانا ہوتے ہیں اور یہ پکارتے نہیں تھکتے کہ "خدا اور رسول کے واسطے میری کچھ مدد کرو میرے بچے بھوکے اور بیمار ہیں" ایسے گداگروں نے نام خدا کو صرف بھیک مانگنے کا آلہ بنالیا ہے ان کے دل میں اللہ اور نبی ﷺ کی عظمت اس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جب خدا کے ساتھ رسول کا واسطہ دیا جاتا ہے اور جذباتی انداز گداگری اختیار کرتا ہے تو ایک مسلمان خوانخواہ کچھ نہ کچھ روپے دے کر جذبہ باہمی امداد کا مظاہرہ کرتا ہے بعض گداگر تو اتنے ہٹ دھرم ہوتے ہیں کہ نوبت یہاں تک آجاتی ہے جیسے وہ سامنے والے شخص سے قرض یا تاوان وصول کرنے کی بھرپور جانفشانی کر رہے ہوں۔

تحدید: Delimitation

اس مقالے کو صرف پیشہ ورانہ گداگری سے متعلق امور تک محدود رکھا گیا ہے۔ باقی امور جیسے اسلام کا نظریہ انفاق اور محنت و کسب اس کی حدود سے خارج ہیں مسلم مفکرین میں سے صرف الشیخ احمد رضا حنفی کے عمرانی افکار کے استفادے تک محدود رکھا گیا ہے۔

اعتذار Limitation

تحقیق کار کو اس مقالے کی تیاری کے ضمن میں الشیخ احمد رضا حنفی کی کتاب "خیر الامال فی حکم الکسب والسوال" اور فتاویٰ رضویہ قدیم کی جلد چہارم جیسے بنیادی ذرائع [Primary sources] معلومات سے استفادہ کرنے کا موقع ملا جبکہ آپ کی دیگر کتب تک رسائی نہ ہوسکی اس لیے الشیخ احمد رضا حنفی کے انسداد گداگری سے متعلق دیگر عمرانی افکار کو اس مجبوری کی بناء پر احاطہ تحقیق میں شامل نہیں کیا جاسکا۔

مفروضہ: Hypothesis

"عوام الناس مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں پیشہ وارانہ گداگروں کی مدد کرنا" مشاہدے اور انٹرویو سے اخذ شدہ معلومات اور حقائق کی روشنی

میں یہ ارتباطی مفروضہ [Correlative Hypothesis] قائم کیا گیا ہے جسے الشیخ احمد رضا حنفی کے افکار عمرانیات کے تجزیہ کی روشنی میں اس کی تصدیق [Verification] کی جائے گی تا کہ اس حقیقت کا علم حاصل کیا جا سکے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اس مفروضے کے دو متغیرات [Variables] میں باہمی ربط [Relationship] ہے یا نہیں اسی طرح مفروضے کے آزاد متغیرے [Independent Variables] اور تابع متغیرے [Dependent Variables] کا تجزیہ کر کے پیشہ ورانہ گداگری سے متعلق حقائق اکٹھے کیے جائیں گے۔

تحقیقی طریقہ کار: Method

تحقیق کرنے کے کئی طریقے یعنی تین خالص طریقے تاریخی، بیانیہ، اور تجرباتی ہیں ان طریقوں کے استعمال کا گہرا تعلق تحقیقی نوعیت اور زمانے سے ہے۔ کیونکہ پیشہ وارانہ گداگری کے مسئلے کا تعلق زمانہ حال سے ہے اس لیے بیانیہ طریقہ تحقیق [Descriptive Method] اپنایا گیا ہے۔ الشیخ احمد رضا حنفی نے پیشہ وارانہ گداگری کا معروضی و تجزیاتی انداز میں جو تحقیقات پیش کیں ہیں ان کی روشنی میں نتائج حاصل کیے گئے ہیں۔

گداگری کا تجزیہ:

الشیخ احمد رضا حنفی اپنے عہد کے عمرانی مسائل [Social Problems] کا بھرپور ادراک رکھتے ہیں آپ نے اپنے گردونواح کے گداگروں کے کسب، ہنرمندی، مالی حالت، کاہلی وسستی، اور عادت بھیک کی کیفیات کا بنظر غائر مشاہدہ کر کے ان سے متعلق تمدنی لحاظ سے حقائق جمع کیے پھر اپنے تجزیہ کی روشنی میں ان کی جماعت سازی، اقسام، اور خصوصیات اس طرح رقم کیں ہیں۔

گداگروں کی اقسام:

الشیخ احمد رضا محدث حنفی نے گداگروں کی مالیت حقیقت، کسب جیسی کیفیت کو مدنظر رکھ کر ان کی تین درجات میں جماعت سازی [Classification] کا فریضہ اس طرح سرانجام دیا ہے۔

مالدار گداگر:

۱: غنی مالدار (گداگر) جیسے اکثر جوگی اور سادھو بچے۔

فقیر گداگر:

۱: واقعی فقیر ہیں، قدر نصاب کے مالک نہیں۔
۲: قوی تندرست ہیں۔
۳: کسب پر قادر ہیں۔
۴: سوال ایسی ضرورت کے لئے نہیں جوان کے کسب سے باہر ہو۔
۵: کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی۔
۶: مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں۔
۷: بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔
۸: اپنی ضروریات شرعیہ کے لائق مال رکھتا ہے۔
۹: کھانے کو کچھ پاس نہیں مگر ہنر ہاتھ میں ہے۔
۱۰: اپنی صنعت یا اجرت سے بقدر حاجت پیدا کر سکتا ہے۔

عاجز گداگر:

۱: وہ (گداگر) عاجز و ناتواں ہوں۔
۲: نہ مال رکھتے ہوں۔
۳: نہ کسب پر قدرت۔
۴: جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں۔
۵: کمائی سے بعد نفقہ ضروری کے کچھ نہیں بچا سکے اور قرض خواہ گردن پر چھری رکھتے ہیں۔

اقسام گداگر پر تبصرہ:

الشیخ احمد رضا محدث حنفی گداگروں کی اقسام کی شرعی نوعیت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

غنی گداگر:

(الف): (اسے) سوال کرنا حرام ہے۔
(ب): انہیں دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

(ج): فرض (زکوۃ) سر پر باقی رہے گی۔

فقیر گداگر:

(الف): انہیں سوال کرنا حرام

(ب): جو کچھ انہیں اس سے (گداگری) ملے وہ ان کے حق میں خبیث

(ج): حدیث شریف میں ہے ''صدقہ غنی اور صحت مند کے لیے حلال نہیں''

(د): انہیں بھیک دینا منع ہے کہ معاصیت پر اعانت ہے

(ہ): لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں

(و): قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

(ز): ان کے دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں

(ح): قال اللہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء

عاجز گداگر:

(الف): انہیں بقدر حاجت سوال حلال ہے

(ب): اس (گداگری وسوال) سے جو کچھ ملے ان کے لیے طیب ہے

(ج): یہ عمدہ مصارف زکوٰۃ سے ہیں

(د): انہیں دینا باعث اجر عظیم ہے

(ھ): یہی وہ ہیں جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ عالم

مفروضے کا تجزیہ:[Analysis of Hypothsis]

''عوام الناس مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں پیشہ وارانہ گداگروں کی مدد کرنا''

یہ ارتباطی مفروضہ دو متغیرات پر مبنی ہے ایک آزاد اور دوسرا تابع متغیر اس مفروضے میں عوام الناس دینی فریضہ سمجھتے ہیں دینا یہ آزاد متغیر ہے۔ جبکہ پیشہ ور گداگر تابع متغیر ہے۔ افکار رضا کی روشنی میں یہ معلوم کرنا کہ دونوں متغیرات میں دینی لحاظ سے کوئی ربط ہے یہ نہیں۔ الشیخ احمد رضا حنفی قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مفروضے کا یوں تجزیہ کرتے ہیں۔

''بے ضرورت شرعی سوال کرنا حرام ہے اور جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلا ضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کر لیا وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک و خبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر ان کے سوال پر کچھ دینا داخل ثواب نہیں بلکہ ناجائز و گناہ اور گناہ میں مدد کرنا ہے اور انھیں دینا ناجائز تو دلانے والا بھی دال علی الخیر نہیں بلکہ دال علی الشر ہے'' (فتاویٰ رضویہ قدیم ج چہارم ص ۴۹۹)

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:

''جو اپنی ضروریات شرعیہ کے لیے مال رکھتا ہے یا اس کے کسب پر قادر ہے اسے سوال حرام ہے اور جو اس مال سے آگاہ ہوا ہے اسے دینا حرام اور دینے والا اور لینے والا دونوں گناہ گار و مبتلائے آثام صحاح میں ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ لا تحل الصدقة لغني ولذي مرة سوي صدقة حلال نہیں ہے کسی غنی کے لیے نہ کسی قوی تندرست کے لیے رواہ الائمة احمد والدارمي والاربعة عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه نیز صحاح میں ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں من سئال الناس و له ما يغنيه جاء يوم القيامة و مسئلته في وجهه خموس جو لوگوں سے سوال کرے اور اس کے پاس وہ شے ہو جو اسے بے نیاز کرتی ہو روز قیامت اس حال پر آئے گا کہ اس کا وہ سوال اس کے چہرہ پر خراش و زخم ہو رواہ الدارمي الاربعة عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه نیز فرماتے ہیں ﷺ من سئال الناس اموالهم بكثرا فانما يسال جم جهنم فليستقل منه او يستكثر جو اپنا مال بڑھانے کو لوگوں سے ان کے مال کا سوال کرتا ہے وہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے اب چاہے تھوڑی لے یا بہت رواہ احمد و مسلم و ابن ماجة عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه نیز فرماتے ہیں رسول ﷺ من سئال من غير فقر فانما ياكل الجمر جو بے حاجت و ضرورت شرعیہ سوال کرے وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے

رواہ احمد و ابن خزیمۃ و ایضا فی المختار عن حبشی بن ضبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند صحیح تنویر الابصار و در مختار میں ھے لا یحل ان یسئل شیئا من القوت من لہ قوت بوجہ بالفعل او بالقوۃ کالصحیح المکتسب و یاثم معطیہ ان علم بحالہ لا عانتہ علی المحرم (فتاوی رضویہ قدیم ج چہارم ص ۵۰۱)''

آپ نے گہرے مشاہدے اور تجزیہ کی بناء پر معاشرتی مسئلے گداگری سے متعلق حقائق اکھٹا کیے ہیں اور گداگری کو فروغ دینے والے عوامل [Factors] معلوم کرنے کی کوشش کی اور انہی طرح آپ گداگری کے فروغ کی علت [Cause] یوں بیان کرتے ہیں۔ ''اگر کوئی (ان گداگروں کو) نہ دے تو جھک مار کر آپ ہی محنت مزدوری کریں'' اس جائزے کی روشنی میں اگر مذکورہ مفروضے میں علت تلاش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ فروغ گداگری میں آزاد متغیر اہم کردار ادا کررہا ہے جو تابع متغیر پیشہ ور گداگر کی علت بنتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آزاد متغیر جس قدر کم ہوگا اسی قدر تابع متغیر کم ہوگا۔ آزاد متغیر بالکل دینا بند کردیں تو تابع متغیر یعنی گداگر بالکل ختم ہو جائیں گے اور یہ حقیقت منطق کے بدیہی قانون علت و معلول [Law of cause and effect] کی عکاسی کرتی ہے۔

الشیخ احمد رضا خان حنفی جس مسئلے کا تجزیہ و تشریح کرتے ہیں تو ان کا انداز سائنٹفک ہوتا ہے اور مسئلے سے وابستہ تمام پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے مصادر شریعت کے علاوہ دیگر علوم مثلاً منطق (logic) سائنسی نظریات اور عمرانیات وغیرہ کے وسائل بھرپور استعمال کرتے ہیں یہی ان کی فقاہت کا کمال ہے جس کی نظیر ان کے ہم عصروں میں نہیں ملتی۔

مفروضے کی تصدیق:

الشیخ احمد رضا حنفی نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جس طرح پیشہ ورانہ گداگری جیسے عمرانی مسئلے کا ہر جہت سے تجزیہ کیا ہے اور اس تحقیق کی روشنی میں اگر اس مفروضے ''عوام مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں پیشہ ورانہ گداگروں کی مدد کرنا'' کو پرکھا جائے تو یہ تصدیق آسانی سے کی جا سکتی ہے کہ مذکورہ مفروضہ غلط [Invalid] ہے۔ مفکر اسلام الشیخ احمد رضا محدث حنفی فرماتے ہیں کہ ''اگر غرض ضروری ہے اور بے سوال کسی طریقہ حلال سے دفع ہو سکتی ہے جب بھی سوال حرام، مثلاً کھانے کو کچھ پاس نہیں مگر ہاتھ میں ہنر ہے یا آدمی قوی تندرست قابل مزدوری ہے کہ اپنی صنعت یا اجرت سے بقدر حاجت پیدا کرسکتا ہے قبل اس کے کہ احتیاج تا بحد مخمصہ پہنچے تو اسے سوال حلال نہیں، نہ اسے دینا جائز کہ ایسوں کو دینا انھیں کسب حرام کا موید ہوتا ہے'' (رسالہ خیر الامال فی حکم الکسب والسوال) آپ ایک اور جگہ اس مفروضے کو اس طرح رد فرماتے ہیں ''جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلا ضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کرلیا وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک و خبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کران کے سوال پر کچھ دینا داخل ثواب نہیں بلکہ ناجائز و گناہ اور گناہ میں مدد کرنا ہے'' کیوں کہ اسلام محنت کی عظمت کو فروغ دے کر معاشرے کو معاشی استحکام کی طرف گامزن کرنے کا خیر خواہ ہے۔

نتائج:

الشیخ احمد رضا حنفی کے عمرانی افکار کی روشنی میں مذکورہ مفروضے کے تجزیہ اور تصدیق سے درج ذیل نتائج دریافت ہوتے ہیں۔

۱: پیشہ ور گداگروں کی مدد کرنا دینی فریضہ نہیں۔

۲: پیشہ ور گداگروں کو دینا حرام ہے۔

۳: پیشہ ور گداگروں کی مدد حرام اور گناہ کے امور میں مدد کرنے کے مترادف ہے۔

۴: معاشرے کے مستحقین افراد کی حق تلفی ہوتی ہے۔

۵: اگر عوام الناس انہیں نہیں دیں تو گداگر مجبور ہو کر محنت مزدوری کریں۔

۶: عوام الناس لاشعوری طور پر گداگری کی لعنت کے فروغ میں برابر شامل ہیں۔

۷: عوام الناس گداگری کے نقصانات سے آگاہ نہیں۔

۸: معاشرتی ادارے اپنے فرائض سے غفلت برت رہے ہیں۔

۹: معاشرہ سماجی انتشار کا شکار ہے۔

۱۰: انسداد گداگری سے متعلق عوام الناس میں اسلامی تعلیمات کا فقدان پایا جاتا ہے جس کو اجاگر کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

۱۱: عوام الناس اپنا مذہبی فریضہ سمجھ کر جتنی زیادہ امداد دیں گے اتنی ہی زیادہ گداگری کو فروغ ہوگا۔

۱۲: عوام الناس گداگروں کو دینا بند کر دیں تو وطن عزیز سے فکر رضا کی روشنی میں گداگری کا مکمل سدباب ممکن ہے۔

لائحہ عمل:

۱: انسداد گداگری سے متعلق تحقیقاتی ادارے قائم کیے جائیں۔

۲: میڈیا بھرپور گداگری کے خلاف عوامی شعور اجاگر کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

۳: انسداد گداگری سے متعلق عنوانات نصاب میں شامل کیے جائیں۔

۴: گداگری کے خاتمے کے لیے سخت قوانین بنائیں جائیں۔

۵: علماء مشائخ اساتذہ صحافی وکلاء سیاست دان اور سماجی کارکنان اپنا کردار ادا کریں۔

۶: انسداد گداگری کا شعور اجاگر کرنے کے لیے سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔

۷: گداگری کو فروغ دینے والے اسباب [Causes] کی بیخ کنی کی جائے۔

۸: مذہبی نقطۂ نگاہ سے گداگری کی مذمت میں کتب مضامین اخبارات میں شائع کیے جائیں۔

۹: بحالی معذورین کے اداروں کو فروغ دیا جائے۔

۱۰: زکوٰۃ کی تقسیم کے عمل کو شفاف بنایا جائے۔

۱۱: گداگروں کو ہنر سکھانے کی تربیت کے ادارے قائم کیے جائیں۔

۱۲: گداگروں میں عزت نفس، غیرت وحمیت، محنت کی عظمت کا شعور بیدار کیا جائے۔

۱۳: چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کو فروغ دے کر گداگروں کو روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

ثمرات:[Beneficiaries]

امام احمد رضا کے عمرانی افکار سے استفادہ کے نتیجہ میں درج ذیل ثمرات وفوائد حاصل ہوں گے۔

۱۔ گداگری کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا۔

۲۔ وہ معاشی جدوجہد میں شامل ہو سکیں گے۔

۳۔ ملک معاشی طور پر مستحکم ہو سکے گا۔

۴۔ وہ سیاسی سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔

۵۔ معاشرے کے فعال رکن بن جائیں گے۔

۶۔ ملک سے تخریب کاری کی شدت میں کمی واقع ہو سکے گی۔

۷۔ بھیک پر قائم کنبوں اور برادریوں کا خاتمہ ہو سکے گا۔

۸۔ ان میں عزت نفس، غیرت وحمیت اور محنت کا شعور اجاگر ہوگا۔

۹۔ معاشرتی انتشار میں کمی واقع ہو سکے گی۔

اعتذار

"مولانا احمد رضا بریلوی اور رد بدعات" کے عنوان سے ڈاکٹر محمد انور خاں صاحب کا ایک مقالہ معارفِ رضا سالنامہ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا تھا جس حوالہ جات کمپوز نہیں ہو سکے تھے۔ لہٰذا قارئین کرام کی افادیت کے لئے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ اس فروگذاشت کی نشاندہی کے لئے ہم پروفیسر میاں محمد نصیر صاحب فیصل آباد کے ممنون ہیں۔ (مدیر)

(۱) مولانا احمد رضا بریلوی/حسام الحرمین ص ۵۱، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء۔

(۲) مولانا احمد رضا بریلوی/السنیۃ الانیقہ فی فتاوٰی افریقہ ص ۱۵۴، مطبوعہ بریلی انڈیا۔

(۳) مولانا احمد رضا بریلوی/اعلان الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام، ص ۱۵، مطبوعہ بریلی انڈیا ۱۹۲۷ء۔

(۴) مولانا احمد رضا بریلوی/اعزالاکتناہ، ص ۱۰، مطبوعہ بریلی ۱۸۹۱ء

(۵) مولانا احمد رضا بریلوی/مقال العرفاء باعزاز شرع والعلماء، ص ۷، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء۔

(۶) مولانا احمد رضا بریلوی/السنیۃ الانیقہ، ص ۱۲۴۔

(۷) ایضاً، ص ۱۴۱۔

(۸) مولانا احمد رضا بریلوی/الزبدۃ الزکیہ ص ۵، مطبوعہ بریلی۔

(۹) مولانا احمد رضا بریلوی/الزبدۃ الزکیہ، ص ۵، مطبوعہ بریلی۔

(۱۰) ایضاً، ص ۷۔ وما بعد۔

(۱۱) ایضاً، ص ۱۰۔ وما بعد۔

(۱۲) ایضاً حوالہ سابقہ، ص ۲۵ وما بعد۔

(۱۳) مولانا احمد رضا بریلوی/شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ مطبوعہ بریلی۔

(۱۴) مولانا احمد رضا بریلوی/الحجۃ الفائحہ، ص ۱۴، مطبوعہ لاہور۔

(۱۵) ایضاً، ص ۱۵۔

(۱۶) ایضاً، ص ۱۶۔

(۱۷) مولانا مصطفیٰ رضا خاں/الملفوظ حصہ سوم، ص ۴۵۔

(۱۸) مولانا احمد رضا بریلوی/مروج النجا لخروج النساء مطبوعہ بریلی۔

(۱۹) احمد رضا بریلوی/جلی الصوت مطبوعہ بریلی۔

(۲۰) احمد رضا بریلوی/السنیۃ الانیقہ، ص ۶۶۔

(۲۱) احمد رضا بریلوی/جمل النساء مطبوعہ بریلی۔

(۲۲) مولانا مصطفیٰ رضا خاں/الملفوظ حصہ دوم ص ۱۱۰۔

(۲۳) احمد رضا خاں/مسائل سماع، ص ۳۲، مطبوعہ لاہور۔

(۲۴) احمد رضا بریلوی/ابریق المنار، ص ۹ مطبوعہ لاہور۔

(۲۵) ایضاً، ص ۹۔

(۲۶) احمد رضا خاں بریلوی/احکام شریعت حصہ اول، ص ۳۸۔

(۲۷) احمد رضا بریلوی/السنیۃ الانیقہ، ص ۷۰۔

(۲۸) احمد رضا بریلوی/احکام شریعت حصہ اول، ص ۴۲۔

(۲۹) احمد رضا بریلوی مسائل سماع ۲۴، مطبوعہ لاہور۔

(۳۰) احمد رضا بریلوی/احکام شریعت حصہ اول، ص ۳۳۔

(۳۱) احمد رضا بریلوی/مواہب ارواح القدس الکشف حکم الوس، ص ۵، مطبوعہ لاہور۔

(۳۲) مولانا احمد رضا بریلوی/ہادی الناس، ص ۲ مطبوعہ لاہور۔

(۳۳) ایضاً، ص ۴۔

(۳۴) محمد مصطفیٰ رضا خاں/الملفوظ حصہ سوم، ص ۵۴ مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے۔
ڈاکٹر محمد مسعود احمد/حیات مولانا احمد رضا بریلوی مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء۔

(۳۵) اعجاز مدنی/امام احمد رضا اور تعلیمات تصوف مطبوعہ، ماہنامہ قاری دہلی ۲۱۹۔۲۲۳، اپریل ۱۹۸۹ء۔

(۳۶) ڈاکٹر محمد مسعود احمد/محدث بریلوی، ص ۵۹۔

(۳۷) ایضاً، ص ۶۰۔

(۳۸) ایضاً حوالہ بالا۔

(۳۹) مولانا محمود الحسن دیوبندی/خطبۂ صدارت، ص ۱۶، مطبوعہ دیوبند انڈیا۔

(۴۰) مولانا احمد رضا خاں بریلوی/فتاوٰی رضویہ جلد ششم، ص ۳۔

(۴۱) رئیس احمد جعفری/اوراق گم گشتہ، ص ۲۹۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء

(۴۲) جاوید اقبال/زندہ رود جلد دوم، ص ۲۴۸، مطبوعہ لاہور۔

امام احمد رضا محدث بریلوی اور عالمی جامعات میں تحقیقی مقالات

امام احمد رضا پر پی۔ایچ۔ڈی مقالات کی فہرست

نمبر	نام اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	تاریخ رجسٹریشن	تاریخ داخلہ	تاریخ منظوری	رابطہ: پتہ، فون، موبائل، ای۔میل
1	ڈاکٹر حسن رضا خاں	فقیہ اسلام	ڈاکٹر اطہر شیر	پٹنہ یونیورسٹی، انڈیا			1979ء	محلہ سلطان گنج، پٹنہ (800006)، انڈیا
2	ڈاکٹر مسز اوشیا سانیال	Devotional Islam and Politics in British India (Ahmad Raza Khan Barelivi and his Movement 1870-1920)		کولمبیا یونیورسٹی، نیویارک	3-10-1985		1990ء	usanyal@carolina.rr.com
3	ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوی	اعلیٰ حضرت محمد امام احمد رضا خاں اور ان کی نعت گوئی	ڈاکٹر ایم شفیع	ڈاکٹر ہری سنگھ گور وشوودھیالہ ساگر، ایم۔پی۔انڈیا	3-10-1985	6-12-1991	27-3-1992	فرش اولیانہ، راٹھ، ضلع ہمیر پور 210431، یوپی، انڈیا۔
4	ڈاکٹر محمد امام الدین (جوہر شفیع آبادی)	حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت	ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی	بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا	20-5-86		31-12-1992	براستہ شفیع آباد، پوسٹ کشن پورہ، ضلع گوپال گنج، بہار، انڈیا۔ Ph:0091-621-2214020 Mob:0943-1241282
5	ڈاکٹر طیب علی رضا انصاری	امام احمد رضا خاں...... حیات وکارنامے	ڈاکٹر قمر جہاں	ہندو یونیورسٹی، بنارس، انڈیا			1993ء	جامعہ فاروقیہ بنارس۔ 0091-542-239278 0091-542-239332
6	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	کنز الایمان اور دیگر معروف اردو تراجم کا تقابلی جائزہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	جامعہ کراچی، پاکستان	1986ء	D	6-11-1993	C-50/1، بلاک 1-A، گلستان جوہر، کراچی Ph: 0092-21-4021657-8 Mob: 0300-7385797
7	پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبد الباری صدیقی	امام احمد رضا بریلوی کے حالات، افکار اور اصلاحی کارنامے (سندھی)	پروفیسر ڈاکٹر مدد علی قادری	سندھ یونیورسٹی، جامشورو، پاکستان۔			1993ء	S-1/337، سعود آباد، کراچی Ph: 0092-21-4501069
8	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی	پروفیسر زیڈ۔ایچ۔وسیم	روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، انڈیا			1994ء	مکان نمبر 104، محلہ جسولی قلعہ، بریلی، یوپی، انڈیا Ph: 0091-581-2470775
9	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری	پروفیسر سید ابو الحسنات حقی	کانپور یونیورسٹی، انڈیا	26-6-1991	26-12-1993	10-3-1995	محلہ تجریہ پچھمی وارڈ نمبر 2، پوسٹ خلیل آباد، ضلع سنت کبیر نگر، یوپی، انڈیا Pin Code: 272175 Mob: 0091-941-5875781
10	مولانا ڈاکٹر امجد رضا قادری	امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں	پروفیسر ڈاکٹر طلحہ برق رضوی	ویرکنور سنگھ یونیورسٹی، آرہ، بہار، انڈیا	23-12-1995		8-12-1998	کنکلتی پری، سیتامڑی، بہار، خطیب نورانی مسجد، درگاہ روڈ، منڈائی، پٹنہ 6، بہار Ph. 0091-612-2687294 Mob: 9835423434
11	پروفیسر ڈاکٹر محمد انور خاں	مولانا احمد رضا بریلوی کی فقہی خدمات	پروفیسر ڈاکٹر ایس۔ایم سعید	سندھ یونیورسٹی، جامشورو، پاکستان	1989ء	1997ء	1998ء	مکان نمبر 2، نسیم سوسائٹی، عقب مصطفیٰ ہومز، لطیف آباد نمبر 9، حیدرآباد، سندھ۔ Ph:0092-221-869911 University: 771681 Mob: 0333-2635737

12	ڈاکٹر رضا الرحمٰن عاکف سنبھلی	روہیل کھنڈ کے نثری ارتقا میں مولانا امام احمد رضا خاں کا حصہ	ڈاکٹر محمد سیادت نقوی	روہیل کھنڈ، بریلی۔ انڈیا	19-9-1998	27-8-2002	26-8-2003	میاں سرائے، کٹرا بازار، سنبھل، مرادآباد، یوپی، انڈیا Ph:0091-5923 230119 Mob: 0091-9837074570
13	مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری	امام احمد رضا کا تصور عشق	ڈاکٹر جہاں آرا بیگم	میسور یونیورسٹی۔ انڈیا	1994ء	2001ء	2002ء	(1) H.M.S انٹرپرائزز، کالج روڈ، تایا راج نگر، دوڈ بالاپور، ڈسٹرکٹ بنگلور، کرناٹک، انڈیا Ph:091-821-2476254 (2) تاج الاسلام عربک کالج، ساتواں کراس، متصل مسجد عمار، شانتی نگر، میسور
14	ڈاکٹر غلام غوث قادری	امام احمد رضا کی انشاء پردازی	پروفیسر منظر حسین	رانچی یونیورسٹی، بہار، انڈیا	22-1-2001	27-8-2002	11-03-2003	(1) رضا مپاؤنڈ غوث نگر، پوسٹ دورندا رانچی، ضلع رانچی، جھارکھنڈ، انڈیا Pin Code: 834002 Ph: Off. 0091-651-248297 Res. 0091-651-2547020 Mob: 94311867561 (2) الحبیب انٹرپرائز، ہاتھی خانہ روڈ، پوسٹ دورندہ، رانچی۔
15	مسز ڈاکٹر تنظیم الفردوس	مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کا تاریخی اور ادبی جائزہ	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	جامعہ کراچی، پاکستان	1992ء	Sep,2003	25-4-2004	اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، D-2 اسٹاف ٹاؤن، کراچی یونیورسٹی۔ Ph. 4968510 Off: 9243131
16	ڈاکٹر سید شاہد علی نورانی	الشیخ احمد رضا شاعرا عربیا مع تدوین دیوانہ العربی	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور، پاکستان	1997ء	2003ء	15-4-2004	گورنمنٹ ہائی اسکول، باغبان پورہ، لاہور۔ Ph: 0092-42-7670879
17	مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	امام احمد رضا اور ان کے مکتوبات	ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی	بی۔ آر۔ امبیڈکر، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا	2-05-2000	30-12-2002	20-12-2004	328A.R اے۔ جے۔ رضوی اسٹریٹ، ممبئی 3، انڈیا Ph: 0091-22-56238418 Mob: 9869328511 E-mail ghulamjabir@yahoo.com
18	ڈاکٹر ریاض احمد	امام احمد رضا کی ادبی و لسانی خدمات	پروفیسر ناز قادری					
19	پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق مدنی	برصغیر کی سیاسی تحریکات میں فتاویٰ رضویہ کا حصہ۔ ایک تحقیقی جائزہ	پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین نوری	جامعہ کراچی	2003ء		10-6-2006	

20	مولانا ڈاکٹر منظور احمد سعیدی	مولانا احمد رضا خاں کی خدمت علوم حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	جامعہ کراچی، سندھ، پاکستان	1997ء	2003ء	ستمبر 2006ء	۱) رحمانیہ مسجد، طارق روڈ، کراچی ۲) جامعہ حامدیہ رضویہ، مبینہ ٹاؤن، نزد جامعہ کراچی۔ Res. 452069 Offic: 46451372-1
21	ڈاکٹر محمد حسن امام	امام احمد رضا اور ان کے خلفاء کا تحریک پاکستان میں کردار	ڈاکٹر جلال الدین نوری	جامعہ کراچی، سندھ، پاکستان	1998ء			
22	پروفیسر ڈاکٹر مولانا محمد اشفاق جلالی	الزلال الانقی من بحر سبقت الاتقی (للشیخ احمد رضا خاں)	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان	1997ء	2003ء	2006ء	موضع و ڈاکخانہ بیگ مہرو جپور، تحصیل کھاریاں، ضلع گجرات

امام احمد رضا پر زیر تکمیل پی۔ ایچ۔ ڈی مقالات

نمبر	نام اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	رجسٹریشن	ریمارکس
1	پروفیسر سعید احمد	امام احمد رضا بریلوی کی اردو ادب میں خدمات		کلبار یونیورسٹی، کرناٹک، انڈیا	1997ء	
2	محمد عارف جای	جد الممتار علی رد المحتار کی تخریج و تحشی	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	جامعہ کراچی، سندھ، پاکستان	2000ء	
3	شفیق اجمل	بیسویں صدی میں امام احمد رضا اور علمائے اہلسنت کی ادبی و دینی خدمات	ڈاکٹر رفعت جمال	بنارس ہندو یونیورسٹی، انڈیا	نومبر 2003ء	بحوالہ مکتوب مقالہ نگار مورخہ 19-4-2004
4	اورنگزیب اعظمی	عربی زبان میں مولانا احمد رضا خاں کا حصہ		جواہر لال یونیورسٹی، نیو دہلی	2004ء	بحوالہ مکتوب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مورخہ 23-5-2004
5	مولانا محمد حنیف رضوی رامپوری	فارسی ادبیات میں مولانا احمد رضا خاں کا حصہ		جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، انڈیا	2004	بحوالہ مکتوب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مورخہ 23-5-2005
6	اے پی عبد الحکیم	امام احمد رضا کی محدثانہ حیثیت	ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی	بی، آر، امبیڈکر، بہار یونیورسٹی، بریلی، انڈیا	19-11-2002	بحوالہ مکتوب ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب مورخہ 1-5-2004
7	آنسہ حامدہ بی بی	اردو نثر نگاری اور مولانا احمد رضا خاں	پروفیسر حامد علی خاں	ایم۔ جے۔ پی روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، انڈیا	19-11-2002 نمبر: 66-665	رابطہ عنوان: مکان نمبر 222 محلہ اشرف خاں، پیلی بھیت، یوپی۔ انڈیا Ph: 0091-5882-253735 0091-5882-25241
8	مولانا بدیع العالم رضوی صاحب	ترجمہ "کنز الایمان" اور "بیان القرآن" کا تقابلی جائزہ	پروفیسر ڈاکٹر عبد الودود	اسلامک یونیورسٹی، کشتیا، بنگلہ دیش	09-2004	پرنسپل جامعہ طیبیہ اسلامیہ سنیہ، حالی شہر، چٹاگانگ۔ فون: 0088031-651547 C/O Fax: 652838
9	ابا قاسم ضیائی	الشیخ احمد رضا خاں۔ شاعر من الھند		جامعة البغداد للعلوم الاسلامیہ، عراق	جنوری 2005ء	

10	مولانا حافظ ظفر اقبال جلالی	آثار القرآن والسنہ فی شعر الامام الشیخ احمد رضا خان دراسۃ تحلیلیہ فی شعر الاردی والعربی والفارسی	پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	فیصل آباد اسلامی یونیورسٹی	2006ء	
11	محمد نظام الدین رضوی	اردو نعت گوئی اور امام احمد رضا کی نعت نگاری		مہاتما گاندھی کاشی ودیا پیٹھ بنارس انڈیا	2005ء	مدرسۃ قادریہ نظامیہ، اورنگ آباد، C/13/260، پانی ٹنکی، وارانسی (بنارس)، یوپی، انڈیا
12	محمود عالم	فرہنگ رضا	پروفیسر ڈاکٹر رفعت جمال	بنارس ہندو یونیورسٹی	2005ء	
13	آنسہ شبنم خاتون	مولانا احمد رضا خاں کی عربی زبان وادب میں خدمات	پروفیسر ڈاکٹر ابوحاتم، شعبۂ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی	بنارس ہندو یونیورسٹی	اپریل 2005ء	ملکی پور، پوسٹ بسنت نگر، ضلع وارانسی (بنارس)، یوپی۔انڈیا فون 0091-542-2369350

امام احمد رضا پر ایم۔فل مقالات

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	نگراں	یونیورسٹی	تاریخ رجسٹریشن	تاریخ داخلہ	تاریخ منظوری
1	آنسہ آر۔بی۔مظہری	امام احمد رضا کے حالات اور ادبی خدمات	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	سندھ یونیورسٹی			1981ء
2	پروفیسر ڈاکٹر محمود حسین بریلوی	محمد احمد رضا کی عربی زبان وادب میں خدمات	ڈاکٹر عبدالباری ندوی، شعبۂ عربی	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا			1990ء
3	حافظ محمد اکرم	الامام احمد رضا خاں البریلوی الحنفی و خدماتہ العلمیہ والأ دبیہ	دکتور ثریادار، عمید القسم اللِفتہ العربی و آدبہا	الجامعۃ الاسلامیہ بہاولپور، پاکستان			1995ء
4	مولانا مشتاق احمد شاہ الازہری	الامام احمد رضا خاں وأثرہ فی الفقہ الحنفی	الدکتور عبدالفتاح محمد النجار	جامعۃ الازہر شریف، قاہرہ، مصر			1997ء
5	مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری ابن علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری	الشیخ احمد رضا خاں البریلوی الھندی، شاعراً عزبیاً	الدکتور رزق مرسی ابو العباس علی۔ استاذ الأدب والنقد المساعد کلیۃ الدراسات الاسلامیہ العربیہ	جامعۃ الازھر الشریف، قاہرہ، مصر			1999ء
6	السید عتیق الرحمن شاہ	النثر الفنی عند الشیخ احمد رضا خاں (م 1921-1856) دراستہ الفنیہ و اسلوبیۃ	الدکتور عبد الکبیر محسن	الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ کلیۃ اللغۃ العربیہ، اسلام آباد			2003ء
7	مولانا حافظ ظفر اقبال جلالی	اثر الثقافۃ العربیۃ فی المدائح النبویہ الأردیہ للشیخ احمد رضا خاں	الدکتور عبد الکبیر محسن	بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد	2003ء	22-10-200	22-12-2003
8	مولانا جلال الدین بنگلہ دیشی (شعبۂ فلسفہ)	امام احمد رضا القادری وجہودہ فی مجال العقیدۃ الاسلامیہ فی شبۃ القارۃ الہندیہ	الدکتور محمد السعید جمال الدین استاذ الفارسیہ، جامع عین شمس	قاہرہ یونیورسٹی، قاہرہ، مصر	2002ء		2006ء

نوٹ (۱): ایم۔اے کے مونوگراف بے شمار ہیں اور برصغیر پاک وہند کی تمام ہی جامعات میں لکھے گئے ہیں اور جارہے ہیں جن کی تفصیل پیش کرنا ممکن نہیں، ان کی تعداد ڈاکٹریٹ اور ایم۔فل کی تعداد سے کہیں زیادہ شاید سینکڑوں کی تعداد میں ہو۔(وجاہت)

نوٹ (۲): دینی مدارس رجامعات کے سال ہشتم میں تنظیم المدارس پاکستان کے نصاب میں امام احمد رضا کی حیات و افکار اور کارناموں کے حوالے سے 100 نمبروں کا ایک پرچہ ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو مدارس اہلسنّت پاکستان کے ہزارہا طلباء ہر سال مقالہ لکھ رہے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ تنظیم المدارس کو چاہئے کہ ہر سال ان کے منتخب مقالہ جات کو کتابی صورت میں شائع کرے۔ (وجاہت)

امام احمد پر زیر تکمیل ایم۔ فل

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	نگران	یونیورسٹی	رجسٹریشن
1	مولانا فیض الحسن فیضی	امام احمد رضا کی عربی خدمات		پشاور یونیورسٹی	،1997
2	تاج محمد خاں الازہری	الشیخ احمد رضا خان و خدماته فی نشر العلم الاحادیث		کلیۃ دار العلوم قسم الشریعۃ، جامعہ قاہرہ	،2006

ایم۔ ایڈ کی سطح پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نظریۂ تعلیم پر تحریر کردہ تحقیقی مقالہ جات

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	درجہ لیول	مقام تحقیق
1	۱) محمد افضل ۲) عبدالقیوم	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی نظریات و افکار	ماسٹر	آئی۔ ای۔ آر، جامعہ پنجاب
2	ایس۔ شاہد علی	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی خدمات	ماسٹر	آئی۔ ای۔ آر، جامعہ پنجاب
3	۱) چوہدری محمد یعقوب ۲) محمد حفیظ کمبوہ	مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا مودودی کے تعلیمی نظریات کا تقابلی جائزہ	ماسٹر	آئی۔ ای۔ آر، جامعہ پنجاب
4	محمد اسلم اصغر علی	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے افکار کی روشنی میں تصور تعلیم و نصاب	ماسٹر	آئی۔ ای۔ آر، جامعہ پنجاب
5	۱) خادم حسین ۲) محمد اشرف	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی اصلاحی و تعلیمی خدمات	ماسٹر	آئی۔ ای۔ آر، جامعہ پنجاب
6	۱) عبدالوحید گل ۲) رشید احمد	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی نظریات و افکار	ماسٹر	آئی۔ ای۔ آر، جامعہ پنجاب
7	۱) حافظ ذوالفقار علی ۲) غلام احمد	امام احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی نظریات کا جائزہ	ماسٹر	آئی۔ ای۔ آر، جامعہ پنجاب
8	خالدہ پروین	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی افکار و نظریات کا جائزہ	ماسٹر	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فیصل آباد
9	ایس۔ ایم۔ وارث	اصلاح معاشرہ کیلئے مولانا احمد رضا خاں کی سعی و کاوش کا جائزہ	ایم۔ ایڈ	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فیصل آباد
10	عظیم اللہ جندران	مولانا احمد رضا خاں اور علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کا تقابلی جائزہ	ایم۔ ایڈ	اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور شعبہ ٹیچرز ٹریننگ
11	ترک ولی محمد	امام احمد رضا خاں کے تعلیمی نظریات	ایم۔ ایڈ	جامعہ کراچی، ڈیپارٹمنٹ آف ایجوکیشن
12	سید صابر حسین شاہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں کا نظریۂ تعلیم اور اس کا اطلاقی پہلو	ایم۔ ایڈ	وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی
13	منور سلطانہ	امام احمد رضا خاں بریلوی کے افکار و نظریات	ایم۔ ایڈ	جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملیر کراچی

نوٹ: ایم ایڈ سطح کے مندرجہ بالا مقالا جات کی تکمیل کے بعد ''تعلیمات رضویات'' سے شغف رکھنے والے احباب سے درخواست ہے کہ وہ ایم۔ فل یا پی۔ ایچ۔ ڈی درجہ کے تحقیقی کام کے لئے بھی قدم آگے بڑھائیں۔ مثلاً "Imam Ahamd Raza Khan as an Islamic Educationist" کے موضوع پر مزید کام کیا جا سکتا ہے۔ ملکی جامعات کے شعبہ علوم اسلامیہ یا شعبہ ایجوکیشن سے رجسٹریشن ممکن ہو سکتی ہے۔ "Foundation of Islamic Education System in the light of Imam Ahmad Raza Khan's Teachings" کے موضوع پر بھی تحقیقی کام کی گنجائش اور ضرورت موجود ہے اور اس کے علاوہ بھی دیگر موضوعات ہیں۔ ان موضوعات پر کام کی خواہش رکھنے والے اسکالر، ایم۔ ایڈ کے طلباء/اساتذہ، محترم عظیم اللہ جندران یا پروفیسر دلاور خاں صاحب سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ ان دونوں کا پتہ یہ ہے:

ا۔ سلیم [illegible] دراں، [illegible]، تحصیل پھالیہ، منڈی بہاؤ الدین، پنجاب، پاکستان۔ موبائل فون نمبر: 0345-5862549 فون: 054-662273

۲۔ پروفیسر دلاور خاں، مکان نمبر 1471، سیکٹر L-8، اورنگی ٹاؤن، کراچی۔ فون (کالج): 021-4503076 موبائل نمبر: 0322-2413267

زیرِ تکمیل ڈی لیٹ

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	نگران	یونیورسٹی	رجسٹریشن
1	مولانا مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد	امام احمد رضا کی ادبی خدمات	......	جواہر لال یونیورسٹی، نیو دہلی، انڈیا	1998ء

علمائے بریلی کی خدمات پر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے والے

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	نگران	یونیورسٹی	سن حصول
1	ڈاکٹر غلام یحییٰ مصباحی	علمائے اہلسنت کی علمی اور ادبی خدمات	ڈاکٹر رفعت جمال صاحبہ، صدر شعبۂ اردو	ہندو یونیورسٹی، بنارس، انڈیا	1993ء
2	ڈاکٹر محمد ذیشان	علامہ بدر القادری۔ حیات اور شاعری	پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی	بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا	2005ء

علمائے بریلی کی خدمات پر ایم۔ فل کی سند حاصل کرنے والے

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	نگران	یونیورسٹی	سن حصول
1	پروفیسر مجیب احمد	Jamiyyat Ulama-I-Pakistan 1948 1979	ڈاکٹر ایم رفیق افضل۔ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز	قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد	1992ء

علمائے بریلی کی خدمات پر زیرِ تکمیل پی۔ ایچ۔ ڈی

نمبر	مقالہ نگار	عنوان	نگران	یونیورسٹی	رجسٹریشن
1	پروفیسر مجیب احمد	علمائے اہلسنت کی سیاسی خدمات 1947ء - 1996ء	پروفیسر مجیب احمد	قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد	1999ء
2	سیف العالم	عبدالرحمٰن چھوہری رحمۃ اللہ علیہ کی عربی خدمات	پروفیسر ڈاکٹر عبدالودود	کشتیا اسلامک یونیورسٹی، بنگال	.
3	آنسہ رضوانہ سحر	علامہ وصی احمد سورتی کی حیات و خدمات	ڈاکٹر جلال الدین نوری	جامعہ کراچی	2000ء
4	آنسہ آمنہ بیگم	علم فقہ کے فروغ میں مولانا ابوالبرکات احمد قادری لاہوری کی خدمات	ڈاکٹر جلال الدین نوری	جامعہ کراچی	2006ء
5	محمد حسین شاہد رضوی	ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری میں مولانا مصطفیٰ رضا خان نوری بریلوی کا حصہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد لطیف احمد سبحانی	راشٹر سنت تکوڈجی مہاراج ناگپور یونیورسٹی، ناگپور، انڈیا	7/2006
6	مولانا نظام الدین رضوی	چٹاگانگ میں اسلام کی اشاعت میں صحافت کا کردار (اہلِ سنت کے حوالے سے)			
7	نفیسہ اختر	مولانا امجد علی اعظمی کی علمی، دینی، فقہی خدمات کا تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر جلال الدین نوری	جامعہ کراچی	دسمبر 2006ء
8	عارف علی خان	نثر اردو اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی	ڈاکٹر صابر سنبھلی، صدر شعبۂ اردو، ایم۔ ایچ۔ کالج، مراد آباد	روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، یوپی۔ انڈیا	فروری 2007ء

بین الاقوامی جامعات کی مختلف سطحوں پر امام احمد رضا پر تحقیقی کام کرنے والے ایک نظر میں

نمبر	سطح	تکمیل شدہ	داخل شدہ	زیرِ تکمیل / رجسٹرڈ	کل میزان
1	پی۔ایچ۔ڈی	22	-	12	34
2	ایم۔فل	8	-	1+1	10
3	ایم۔ایڈ	12	-	-	12
4	ڈی۔لیٹ	-	-	1	1
5	علمائے اہلسنت کے حوالے سے پی۔ایچ۔ڈی	2	-	7	9
6	علمائے اہلسنت پر ایم۔فل	1	-	-	1
	مجموعی تعداد	45	-	21	67

نوٹ: گذشتہ 27 برسوں میں (مارچ ۲۰۰۷ء تک حاصل شدہ اطلاعات کے بموجب) بحمد اللہ تعالیٰ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کی کاوشوں کی بدولت 33 بین الاقوامی جامعات میں 67 اسکالرز امام احمد رضا قدس سرہٗ پر تحقیقی کام میں مشغول ہوئے اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا صبح قیامت جاری رہے گا۔ فالحمد لله علی احسانهٗ حسبنا الله ونعم الوكيل نعم المولىٰ و نعم النصير۔ وصلّى الله تعالىٰ عليه خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلىٰ اله واصحابه و علماء ملّته اجمعين وبارك وسلّم۔

عالمی جامعات کے وہ طلباء/ اساتذہ حضرات جو اعلیٰ حضرت پر عظیم البرکت علیہ الرحمۃ یا دیگر علمائے اہلِ سنت کی حیات اور علمی وملّی کارناموں پر ایم۔فل/ پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے خواہشمند وہ اپنی رہنمائی، موضوعات کے انتخاب، خاکہ اور موادو مآخذ کے لئے درج ذیل حضرات سے ادارہ کے پتہ پر رجوع کر سکتے ہیں:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب (فون گھر: 4989777، موبائل: 0322-2175095)

۲۔ پروفیسر دلاور خان (فون دفتر: 021-4503076، فون گھر: 021-6657910، فون موبائل: 0322-2413267)

Prof. Dr. Farman Fatehpuri (S.I.)
M.A., LL.B., B.T., Ph.D., D.Litt.

Chief Editor & Secretary
URDU DICTIONARY BOARD
Ministry of Education, Govt. of Pakistan
Gulshan-e-Iqbal No. 5, Karachi-47.
Phones: Office. 468887 - 464839
Res. 463367 - 462635

پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری (ستارۂ امتیاز)
ایم اے، ایل ایل بی، بی ٹی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
مدیر اعلیٰ و معتمد
اردو لغت بورڈ
وزارت تعلیم، حکومت پاکستان
گلشن اقبال نمبر ۵، کراچی ۴۷
ٹیلیفون: دفتر: ۴۶۴۸۳۹ — ۴۶۸۸۸۷
رہائش: ۴۶۲۶۳۵ — ۴۶۳۳۶۷

ترقی اردو بورڈ
URDU DEVELOPMENT BOARD

امام احمد رضا خاں برِ عظیم پاک و ہند کے علماء و صلحاء میں کئی حیثیتوں سے ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مخالفین کے ہزار شور و غوغا کے باوصف سوادِ حنفیہ میں ان کا حلقۂ اثر سب سے بڑا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ صرف علوم دینی پر نہیں بلکہ کئی علوم دنیوی پر بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ان کی سیاسی بصیرت بھی اپنے ہم عصر سیاسی مفکرین سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ ان کے شعور سیاسی کو تاریخ ساز کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اور ان کے تلامذہ نے دو قومی نظریے کی تائید کی اور قیامِ پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ چوتھے یہ کہ جنوبی ہند کے ممتاز علمائے دین میں وہ پہلے شخص ہیں جو اردو کے ایک عظیم نعت گو شاعر بھی ہیں۔ پانچویں یہ کہ قرآن پاک کے مفسر و مترجم اور مفتی دین کی حیثیت میں انہوں نے رسائل و کتب کی صورت میں جتنا بڑا ذخیرہ علم و ادب ہمیں دیا ہے شاید ان کے ہم عصر کسی دوسرے عالم نے نہیں دیا۔

امام احمد رضا خاں کی یہ وہ انفرادی خصوصیات ہیں جن کی بنا پر وہ سارے علمی و ادبی حلقوں میں قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ خاص و عام سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور اپنے اپنے طور پر تحقیقی کام کر رہے ہیں لیکن اس سلسلے میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے ارکان خصوصیات سے ہم سب کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہیں کی کوششوں سے ہر سال خاص اہتمام کے ساتھ امام احمد رضا خاں کانفرنس کا انعقاد عمل میں آتا ہے۔ ملک و بیرون ملک کے ممتاز علماء اور دانشور اس کانفرنس میں شرکت کرتے ہیں اور مقالات پڑھتے ہیں۔ پھر یہ مقالات کتابی صورت میں شائع کئے جاتے ہیں اور اس طرح امام احمد رضا خاں کے مشن کو سال بہ سال آگے بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی ان کوششوں کے نتیجے میں خصوصیت سے قابلِ ذکر کام یہ ہوا ہے کہ امام احمد رضا خاں کے معاندین و مخالفین نے ان کے علم و فکر اور شخصیت و کردار کے بارے میں جو غلط بیانیاں کی تھیں اور جو الزام تراشیاں کی تھیں ان سب کا ازالہ ہو گیا ہے اور آج حالت یہ ہے کہ اساتذہ تک اور علمائے نظام سے لے کر صوفیائے کرام تک سارے حلقوں میں ان کا نام ادب و احترام سے لیا جاتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ان کی شخصیت اور علم و فکر کے مختلف شعبوں پر کذب و افترا کی جو گرد علمائے سو نے جما دی تھی وہ ہر طرح دور کر دی گئی ہے اور اب امام احمد رضا خاں کا نام اور کام از سر نو ہماری فضائے حیات میں سورج کی طرح چمک رہا ہے۔

فرمان

(ڈاکٹر فرمان فتح پوری)